ذکرِ رفتگاں

گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ

جلد سوم

ترتیب:
محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ:

أُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ. (سنن أبي داؤد حديث: ٤٩٠٠)

ذِکرِ رفتگاں

(جلدِ سوم)

گذشتہ سالوں میں وفات پانے والی بعض اَہم شخصیات
کا اِجمالی وتفصیلی تذکرہ، اورتعزیتی مضامین کا مجموعہ

ترتیب:

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری

مفتی واُستاذِ حدیث ومرتب ماہنامہ ''ندائے شاہی''
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

- نام کتاب : ذکرِرفتگاں (جلدِسوم)
- ترتیب : مفتی محمد سلمان منصور پوری
- کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری
- ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد

9412635154 - 9058602750

- تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

- اشاعتِ اول : رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ مطابق اپریل ۲۰۲۲ء
- صفحات : ٦٥٦
- قیمت :

ملنے کے پتے:

- فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ○

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡا مِنۡ بَعۡدِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡلَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِيۡنَ سَبَقُوۡنَا

بِالۡاِيۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِيۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ○ (الحشر:١٠)

اور جو (دنیا میں) ان (مہاجرین وانصار اور سلف صالحین) کے بعد آئے، (یا آویں گے) جو
دعا کرتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دیجئے،
جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے
کینہ نہ ہونے دیجئے، اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق و رحیم ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قارئین کی خدمت میں ''ذکرِ رفتگاں'' کی تیسری جلد پیش کی جارہی ہے، جس میں ۲۰۱۱ء سے دسمبر ۲۰۱۸ء تک رسالہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں شائع ہونے والے تعزیتی مضامین جمع کئے گئے ہیں۔ قبل ازیں جلد اول میں ۱۹۸۹ء سے ۲۰۰۴ء تک اور جلد دوم میں ۲۰۰۵ء سے ۲۰۱۰ء تک کے مضامین شائع کئے گئے ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

چوں کہ رسالے میں شائع شدہ مضامین ومقالات کی زندگی محدود ہوتی ہے، اور وہ وقت گذرنے کے ساتھ نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں؛ اِس لئے اُن کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا اِرادہ کیا گیا؛ تاکہ دیر تک اُن سے اِستفادہ کیا جاتا رہے۔

اِن مضامین میں بھی مجموعی طور پر سیر وسوانح سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے بہت سی قیمتی باتیں بکھری ہوئی نظر آئیں گی، جن کی اہمیت کا اندازہ قدرداں لوگ ہی لگاسکتے ہیں۔

ہمیں اِس کا بخوبی احساس ہے کہ اِس درمیان بہت سی ایسی عظیم شخصیات کی وفات بھی ہوئی ہوگی جن کا تذکرہ اِس مجموعے میں نہیں آسکا؛ لیکن چوں کہ یہاں صرف اُن تعزیتی مضامین کی اِشاعت مقصود ہے، جو ''ندائے شاہی'' میں شائع ہوئے ہیں، اِس لئے سب مرحومین کا اِحاطہ نہیں کیا گیا ہے۔

بہرحال یہ حقیر کاوش قارئین کے حوالے ہے، اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں، اور ہمارا حشر بھی اپنے نیک بندوں کے ساتھ فرمائیں، آمین۔ والسلام

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۵؍شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۹؍مارچ ۲۰۲۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ ترتیب

چند تعزیتی تأثرات

متفرقات

رفتگاں ۲۰۱۲ء ۱۵۵

○ گوشۂ مولانا محمد عثمان خان صاحبؒ

متفرقات

متفرقات

رفتـــــــگاں ۲۰۱۴ء ۳۰۵

متفرقات

متفرقات

رفتگاں ۲۰۱۷ء ۴۵۱

گوشۂ ریاست علی (حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوریؒ)

گوشۂ شیخ الحدیث (حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ)

متفرقات

رفتگاں ۲۰۱۸ء ۶۰۱

متفرقات

❒❖❒

رفتـــــــگاں

۲۰۱۱ء

- حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ
- حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ آندھرا پردیش
- حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ
- حضرت مولانا سید محمود صاحب پٹھیڑ ویؒ
- حضرت مولانا باقر حسین صاحبؒ
- حضرت مولانا سید نصیر احمد فیض آبادیؒ
- حضرت مولانا مفتی عزت اللہ صاحبؒ

○

گوشۂ مرغوبِ رحمٰن

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

(پیدائش: ۱۳۳۲ء، وفات: ۱۴۳۲ھ ۲۰۱۰ء)

''مرغوبِ رحمٰن''

آغوشِ رحمت میں

یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/ دسمبر ۲۰۱۰ء بروز بدھ کو ملت اسلامیہ ہند کے سروں سے ایک سایہ دار درخت ہٹ گیا، جس کی فرحت بخش اور پرسکون چھاؤں سے یہ ملت گذشتہ ۳۰/ سال سے برابر فیض یاب ہورہی تھی، دارالعلوم دیوبند اگر بجا طور پر ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل کہلائے جانے کے لائق ہے تو حضرت امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ بلاشبہ اس دارالعلوم کے دل کی حیثیت رکھتے تھے، جس طرح خود ان کا دل دارالعلوم کے

ساتھ دھڑکتا تھا، اسی طرح دارالعلوم کی ہر نقل وحرکت ان کے اشاروں کی رہین منت تھی، سو سال کے قریب عمر، ضعف و پیری بدن کے رگ وریشے سے ظاہر اور اس کے ساتھ اتنے عظیم ادارے -جو بجائے خود ایک بڑی حکومت کے قائم مقام ہے- پر مکمل کنٹرول، اور اس کی جزئیات پر نظر، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ اور حضرت موصوفؒ کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟

بلند مقام

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آدمی کے علمی مشاغل، اصلاحی دورے، تصنیف وتالیف اور وعظ وارشاد کے مشاغل اس کو عنداللہ وعندالناس بلندی عطا کرتے ہیں؛ لیکن یہ خیال علی الاطلاق درست نہیں، اللہ کی نظر میں ایسے مشاغل کی بھی بہت اہمیت ہے جس کے نتیجے میں خیر کے کام کرنے والوں کو مناسب اور بہتر ماحول عطا ہو سکے۔ چناں چہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت میں سات طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ہوں گے، اُن میں اول نمبر پر ''اَلْمَلِکُ الْعَادِلُ'' (عادل حکمراں) کو رکھا گیا ہے''۔ (مسلم شریف) کیوں کہ جہاں حکومت کا نظام عادلانہ ہوگا وہاں خیر کی ترقی کے لئے مناسب اور حوصلہ افزاء ماحول بھی ضرور میسر ہوگا، اور ایسا عادل بادشاہ بڑے بڑے نجی عبادت گذاروں سے آخرت میں سبقت سے لے جائے گا، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت کرنے والے سپاہی کو راتوں رات عبادت کرنے والے اور مسلسل روزے رکھنے والوں کے بقدر ثواب ملتا ہے؛ اس لئے کہ اس کے پہرے داری کی بدولت ہی ملک کے لوگ چین کی نیند سوتے ہیں اور بعافیت اعمال خیر انجام دیتے ہیں۔

تقریباً اسی طرح کا حال ان اداروں کا ہے جو خدمت دین میں مشغول ہیں کہ اگر ان کو چلانے والے منتظمین عدل وانصاف، دیانت وامانت اور حسن تدبیر کے ساتھ نظام کو چلائیں گے تو اس ادارے میں جو بھی امور خیر ان کے دور اقتدار میں انجام پائیں گے ان سب کے اجر وثواب میں منتظمین کا بھی حصہ ہوگا؛ کیوں کہ اگر وہ ماحول فراہم نہ کرتے تو بظاہر اسباب ان امور کا انجام پانا مشکل ہوتا۔

اس اعتبار سے جب ہم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دورِ اہتمام پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کا مقام نہایت قابلِ رشک اور بلند نظر آتا ہے، کہ ان کے دور میں نہ صرف بالعموم دارالعلوم کا ماحول پرسکون رہا؛ بلکہ اسے وہ تعلیمی معیار اور تعمیری ترقی نصیب ہوئی جو اس کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں کبھی نصیب نہ رہی تھی، یقیناً اس دور میں جتنے طلبہ نے دارالعلوم سے اکتسابِ فیض کیا، جتنے خطیب، مصنف، محدث، مدرس اور مبلغ تیار ہوئے وہ جب بھی اور جہاں بھی دینی خدمات انجام دیں گے، اِن شاء اللہ ان کے اجر وثواب میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی حصہ ہوگا کہ ان کے زیرِ اہتمام انہیں تحصیلِ علم کا موقع ملا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

کامیاب اہتمام کا راز

حضرت مہتمم صاحب کے اہتمام میں جماؤ اور کامیابی کا ایک اہم راز یہ تھا کہ وہ معذوری سے پہلے تک زیادہ وقت دیوبند ہی میں گذارتے تھے، بیرونی اسفار کرنے سے ممکن حد تک معذرت فرماتے تھے، اور دفتر اہتمام میں پابندی سے بیٹھ کر تمام کاغذات کا بغور معائنہ، متعلقہ افراد سے باز پرس اور تمام شعبوں پر گہری نظر رکھتے تھے، اور یہ بھی اطلاع ملی کہ ان کی طرف سے کچھ ایسے افراد مقرر تھے جو ہر شعبہ کے بارے میں مثبت یا منفی رپورٹ خفیہ طور پر براہِ راست انہیں پہنچاتے رہتے تھے، جس کی بنا پر ملازمین پر حضرت موصوف کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

کئی سال کی بات ہے ایک مرتبہ دورانِ گفتگو فرمانے لگے کہ: ''بڑا اچھا ہوا کہ مجھے تقریر نہیں آتی ورنہ لوگ کھینچے کھینچے پھرتے اور دارالعلوم کا نظام خراب ہو جاتا''۔

حضرت کی یہ بات بالکل درست تھی؛ کیوں کہ کوئی بھی نظام اس وقت تک مضبوط نہیں رہ سکتا جب تک کہ خود منتظم موجود رہ کر بذاتِ خود نگرانی نہ کرے۔

حضرت فدائے ملتؒ کی طرف سے مضبوط پشت پناہی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مہتمم صاحبؒ کو نازک حالات میں سب سے زیادہ سہارا دینے والی شخصیت فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی مبارک ذات تھی، ۳۰ر سالہ دور

اہتمام میں کئی ایسے فتنوں نے سر اُبھارنے کی کوشش کی کہ دارالعلوم لرز کر رہ گیا، اور ہمدردان دارالعلوم کے دلوں میں طرح طرح کے خدشات ابھرنے لگے؛ لیکن حضرت فدائے ملتؒ کی ''فتنہ شکن'' بلند و بالا شخصیت اور اُن کی بے مثال عزیمت و حمیت کا رعب ایسا تھا کہ سب فتنوں کو درکنار کرتے ہوئے حضرت مہتمم صاحبؒ کی پر بصیرت قیادت میں دارالعلوم شاہ راہِ ترقی پر گامزن رہا۔ یہی وجہ تھی کہ آج سے چار سال قبل حضرت فدائے ملتؒ کی وفات کے صدمہ نے حضرت مہتمم صاحبؒ کو مزید نڈھال کر دیا تھا، حضرت مہتمم صاحب نے فدائے ملتؒ پر تعزیتی جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

''حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات ہم سب کے لئے بہت بڑا اندوہ ناک سانحہ ہے، بحران کے وقت میں دارالعلوم دیوبند کی ذمہ داری کا بار میرے کاندھوں پر رکھ دیا گیا، مالی اعتبار سے بڑی پریشانی تھی، مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا، جس میں یہ موضوع زیر بحث آیا، انتشار کا وقت تھا، چندہ نہیں ہو رہا تھا، کبھی دس روپئے کا منی آرڈر آتا، کبھی بیس روپئے کا، حضرت مولانا نے اس بحرانی اور مشکل ترین وقت میں دارالعلوم دیوبند کی بے لوث اور بے نظیر خدمت کی۔ حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ مجلس شوریٰ میں تشریف لائے اور روپیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا شوریٰ میں پیش کیا، جس میں دارالعلوم کے ۹/ ماہ کے خرچ کے برابر خطیر رقم تھی۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے بحرانی دور میں اتنی بڑی رقم اتنی کم مدت میں فراہم کر کے پیش کرنا یہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی ہی کا کام ہے، کسی اور کے لئے ممکن نہیں، انہوں نے نظام بہتر کرنے پر پوری توجہ دی، طلبہ عزیز کے معاملات سے خصوصی دلچسپی لی، اُن کے وظائف بڑھوائے، ان کے قیام و طعام کا نظم بہتر کرنے پر زور دیا، دارالعلوم میں حضرت کی رحلت سے بڑا زبردست خلا پیدا ہوا ہے''۔

افسوس کہ تعزیت کرنے والا پیکر اخلاص و شرافت آج خود مستحق تعزیت ہو چکا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

طبعی شرافت اور دین داری

حضرت مہتمم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خاندانی نجابت کے ساتھ طبعی شرافت اور نرم روی

سے بھی سرفراز فرمایا تھا، چھوٹوں کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی آپ کا خاص وصف تھا۔ احقر کو ۱۹۸۷ء میں آپ کے ساتھ سفر حج کا موقع ملا، تو قدم قدم پر آپ کی سادگی، بے نفسی اور شفقت کے نمونے سامنے آتے رہے۔

طالب علمی کے زمانہ میں ہم نے اکثر ''مدنی دارالمطالعہ'' کے سالانہ عام جلسوں میں حضرت والا سے صدارت کی درخواست کی تو شروع ہی میں تشریف لے آتے اور دیر رات اخیر جلسہ تک پوری بشاشت کے ساتھ تشریف فرما رہ کر ہم خدام کی حوصلہ افزائی فرماتے، اور اکثر آپ ہی کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوتا۔ طلبہ کی علمی اور تعمیری سرگرمیوں سے آپ کو دلی مسرت ہوتی تھی، اور اُن کی ہر طرح کی سہولت ارزانی کی ہر ممکن کوشش فرماتے تھے۔ تقسیم انعامات کے سالانہ جلسہ میں آپ اپنی جیب خاص سے امتیازی نمبر حاصل کرنے والوں کو خطیر رقم کے خصوصی انعامات سے نوازا کرتے تھے۔

آپ نماز باجماعت کے ساتھ ساتھ اپنے معمولات اور اَوراد وظائف کے نہایت پابند تھے، تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں سے بھی خاص دلچسپی تھی، اہتمام کی ذمہ داری سے قبل بجنور میں رہتے ہوئے جماعت میں وقت بھی لگایا تھا، جس کا تذکرہ بڑے اچھے انداز میں کیا کرتے تھے۔ دارالعلوم میں آپ نے طلبہ اور اساتذہ کو متوجہ کرنے کے لئے سالانہ تبلیغی اجتماع کی اجازت مرحمت فرمائی، جس میں ہمارے زمانۂ طالب علمی میں ہر سال داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لاتے تھے اور حضرت مہتمم صاحب نہایت دلچسپی سے عمومی وخصوصی اجتماعات میں شرکت فرماتے تھے، اور آج بھی بحمدہ تعالیٰ یہ سلسلہ جاری ہے۔

زمانہ کے حالات پر نظر

حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دنیا کے حالات اور بالخصوص مسلمانوں کے ملی مسائل پر بھی گہری نظر رہتی تھی، اور اس بارے میں نہایت احتیاط کے ساتھ دارالعلوم کا موقف اخباری بیانات کے ذریعہ ظاہر فرماتے رہتے تھے، اس بارے میں آپ کا رویہ ہمیشہ دارالعلوم کے مشرب ومزاج کے مطابق اعتدال اور میانہ روی کا رہا، آپ نے فرقہ پرستوں کی طرف سے

موقع بموقع دارالعلوم دیوبند کے خلاف کی جانے والی ریشہ دوانیوں کا بہت معقول انداز میں مقابلہ کیا، اور جب ہر طرف سے منصوبہ بند طریقہ پر عالمی پریس میں مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگایا جانے لگا اور اس بارے میں خصوصی طور پر دارالعلوم دیوبند اور دیوبندی مکتبہ فکر کو نشانہ بنانے کی ناپاک مہم چلی، تو آپ کی سرپرستی اور قیادت میں دارالعلوم دیوبند سے ''دہشت گردی'' کے خلاف ایک مضبوط آواز اٹھی، جو پوری دنیا میں نہایت سنجیدگی سے سنی گئی اور اس کی بازگشت نے کتنے ہی ذہنوں کو صاف کرنے اور مسلمانوں کے خلاف کتنی ہی سازشوں کو ناکام بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یقیناً یہ آپ کی زندگی کا ایک سنہرا کارنامہ ہے۔

آپ ہندوستان جیسے ممالک میں قومی یکجہتی اور رواداری کے مضبوط حامی تھے، اور ہندو اور مسلم فرقہ پرستی دونوں کو ملک وملت کے لئے نقصان دہ سمجھتے تھے، اور اپنی نجی مجالس اور بیانات میں وقتاً فوقتاً اس کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

آپ نے دارالعلوم کی زیارت کے لئے آنے والی مختلف الفکر سیاسی، سماجی، اور مذہبی شخصیات کا کھلے دل سے استقبال کیا؛ لیکن دارالعلوم دیوبند کو ہر طرح کی سیاسی وابستگی سے پوری طرح محفوظ رکھا، یہ آپ کی بصیرت اور عاقبت اندیشی کا عظیم مظہر تھا۔

جمعیۃ علماء ہند سے تاعمر آپ کی وابستگی رہی، اور دینی فرض سمجھ کر اس کے پروگراموں میں شرکت فرماتے رہے، اور حسب موقع اس کے تعاون وتائید سے کبھی دریغ نہیں فرمایا۔

۱۳۹۵ھ سے آپ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی مجلس شوریٰ کے مؤقر رکن تھے، گویا ۳۶ رسال اس ادارہ سے وابستگی رہی، آپ حسبِ موقع مجلس شوریٰ میں تشریف لاکر سرپرستی فرماتے، اور ویسے بھی مدرسہ کے بارے میں فکرمند اور باخبر رہتے تھے۔ آپ ''ندائے شاہی'' کا باقاعدگی سے مطالعہ فرماتے تھے اور ملاقات پر حوصلہ افزائی کے کلمات ارشاد فرماتے تھے۔

الغرض آپ بہت سی خوبیوں کے جامع اور سلف صالحین کے جانشین تھے، آپ کی کمی قدم قدم پر محسوس کی جائے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بے حد بلند فرمائیں اور آپ کی خدمات کا بہتر صلہ عطا فرمائیں، آمین۔ (ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۱ء)

❍❖❍

سوانحی خاکہ

نام:- (مولانا) ''مرغوب الرحمٰن''۔

والد محترم:- حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔

وطن:- محلّہ قاضی باڑہ بجنور۔

ولادت:- ۱۳۳۲ھ (غالباً ماہ صفر)

ابتدائی اور متوسط تعلیم:- مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ بجنور۔

اعلیٰ تعلیم:- دارالعلوم دیوبند۔

دارالعلوم میں داخلہ:- شوال ۱۳۴۹ھ۔

فراغت:- شعبان ۱۳۵۲ھ۔

نمایاں اَساتذۂ کرام:- شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا نبیہہ حسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس اللہ اسرارہم۔ اس کے علاوہ والد محترم کی دوستی اور قریبی خانگی تعلقات کی وجہ سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی صحبت وخدمت اور اُن کو بعض کتابوں کا امتحان دینے کی سعادت بھی میسر ہوئی۔

نمایاں احباب ورفقاء:- حضرت مولانا سلطان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ سابق امیر شریعت بہار واُڑیسہ واولین جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند،

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب نواسہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا محمد ایوب صاحب گنگوہی صاحبزادہ نواسہ حضرت گنگوہی قدس سرہ، حضرت مولانا محمود گل صاحب نگینویؒ ناظم تنظیم وترقی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد اکرام صاحبؒ سہارنپوری، حضرت مولانا اصلح الحسینی صاحب مدظلہم مقیم حال کراچی۔

رکنیت شوریٰ:- ۱۳۸۲ھ۔

مددگار مہتمم:- ۱۴۰۱ھ۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند:- ۱۴۰۲ھ تا محرم ۱۴۳۲ھ۔

دیگر ذمہ داریاں:- رکن شوریٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، رکن شوریٰ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (از ۱۳۹۵ھ تا وفات) ورکن عاملہ جمعیۃ علماء ہند، امیر الہند امارتِ شرعیہ ہند (۲۰۰۶ء میں امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ کو اتفاق رائے سے ''امیر الہند ثالث'' بنایا گیا)

وفات:- یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء بروز بدھ صبح ساڑھے دس بجے شہر بجنور۔

نماز جنازہ:- آپ کی پہلی نماز جنازہ بجنور کی عیدگاہ میں حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد نے پڑھائی۔ اور دوسری نماز جنازہ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے صاحب زادے مولانا انوار الرحمٰن صاحب نے پڑھائی۔

تدفین:- قبرستانِ قاسمی دیوبند میں ہوئی۔

پسماندگان:- اہلیہ محترمہ، صاحبزادۂ محترم جناب مولانا انوار الرحمٰن صاحب قاسمی زید مجدہم اور ایک صاحب زادی۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۱ء)

چند تعزیتی تأثرات

امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات کا سانحہ ملک و بیرونِ ملک میں محسوس کیا گیا، جابجا تعزیتی جلسے ہوئے اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، ہر طبقہ اور ہر سطح کے لوگوں نے تعزیتی بیانات دئے، ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ذیل میں چند اہم تعزیتی بیانات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

ملت کا عظیم خسارہ

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے ایک اخباری بیان میں فرمایا: عالم اسلام کے ایک عظیم ادارے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری جو عرصۂ دراز سے دارالعلوم کی سرپرستی اور انتظام کو بہت خیر وخوبی کے ساتھ دیکھ رہے تھے، اور ادارہ ان کی سرپرستی میں ترقی کر رہا تھا، اپنے وطن بجنور (اترپردیش) میں اس دار فانی سے دار باقی کی طرف منتقل ہوگئے، وہ کچھ عرصہ سے ضعف پیری کی حالت میں تھے، اس کے باوجود اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دے رہے تھے۔ ادارہ ان کی وفات سے اپنے مخلص اور نہایت کارگذار سرپرست سے محروم ہوگیا اور مسلمانوں کی اعلیٰ شخصیتوں میں سے ایک اہم شخصیت کا خسارہ پیش آ گیا، مولانا کی عمر ۹۰ رسال سے متجاوز تھی اور ان کے وجود سے مسلمانوں کی دینی تعلیم کے نظم وانتظام میں بڑی مدد مل رہی تھی۔ مولانا غیر معمولی انتظامی صلاحیت کے مالک تھے اور تدبر وتحمل اور حکمت کے ساتھ دارالعلوم کے نظم ونسق چلا رہے تھے، بعض مشکل حالات میں اپنی حکمت عملی اور اعتدال وتدبر سے مسائل کو سلجھانے میں انہوں نے مدد کی تھی، وہ سیاسی بصیرت بھی رکھتے تھے اور ان کی حیثیت ملت اسلامیہ ہند کے

لئے ایک سرپرست کی تھی۔ حضرت مولانا ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کے رکن بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کا ان کو بہترین صلہ اور ادارہ کو اچھا بدلہ عطا فرمائے۔

نا قابل تلافی نقصان

حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب نے امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال کو دیوبندی برادری کے لئے نا قابل تلافی نقصان قرار دیتے ہوئے کہا کہ دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ میں حضرت مہتمم صاحب کا جو کردار رہا ہے اور جس طریقہ پر بحرانی صورتِ حال سے دارالعلوم کو انہوں نے نکالا اور اس میں ان کے تدبر، فراست، معاملہ فہمی، اعلیٰ ہمتی اور ان کے اخلاص وللّٰہیت کو بڑا دخل رہا ہے۔ دارالعلوم کو اس مقام تک پہنچانے میں جو کردار انہوں نے ادا کیا ہے وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ مولانا مدنی نے اپنے تعزیتی بیان میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، درجات کو بلند کرے اور پسماندگان کی نگہبانی فرمائے، ان کو ترقیات سے نوازے اور شرور وفتن سے محفوظ رکھے، دارالعلوم دیوبند جو اکابر کی امانت ہے اس کی بھی حفاظت فرمائے اور بہتر سے بہتر رجال کار اور مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

منفرد کمالات کے حامل

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے حضرت امیر الہند مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اسے ملک وملت کا عظیم خسارہ قرار دیا ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت مہتمم صاحب نے جس ذمہ داری، خلوص، للہ اور فی اللہ کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے فریضہ کو انجام دیا وہ تاریخ کا روشن باب ہے، ان کی بصیرت وفہم کے سبھی معترف تھے۔ ۳۰ رسال سے زائد عالمگیر شہرت کے حامل از ہر ہند دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم الشان تعلیمی

ادارے کے اہتمام کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی، آپ نے اہتمام کی ذمہ داری ایسے وقت میں لی تھی جب دارالعلوم دیوبند بہت مشکل حالات سے گذر رہا تھا، وہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم ترین فضلاء میں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی مجلس شوریٰ کے طویل عرصہ سے مؤقر رکن بھی تھے، وہ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے اور حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے انتقال کے بعد فروری ۲۰۰۶ء میں امیر الہند کے منصب پر بھی فائز رہے۔ انہوں نے کہا کہ ایسی شخصیت بڑی مشکل سے خدا کی عنایت سے ہی کسی بھی قوم کو ملتی ہے، حضرت مرحوم ایسی گوناگوں خوبیوں اور منفرد کمالات کے حامل تھے جن سے بہت کم لوگ متصف ہوتے ہیں۔

بھاری ملی وتعلیمی نقصان

حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی (ایم پی) نے امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال پر ملال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اپنا ذاتی اور بھاری ملی وتعلیمی نقصان قرار دیا ہے، انہوں نے کہا کہ ان کی دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند سے گہری وابستگی تھی، وہ تین دہائی تک دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے فرائض انجام دیتے رہے، اور جن مشکل حالات سے انہوں نے اہتمام کا کام شروع کر کے دارالعلوم دیوبند کو ترقی وشہرت اور بلندی تک پہنچادیا، وہ ایک ریکارڈ اور تاریخ ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے محبت اور مخلصانہ تعلق ان کی رگ رگ میں سما گیا تھا، انہوں نے جس طرح کوئی معاوضہ یا الاؤنس لئے بغیر دارالعلوم کے اہتمام کا فریضہ انجام دیا، وہ اس کی تاریخ کا سنہرا باب اور انتہائی روشن نمونہ ہے۔ مولانا مدنی نے کہا کہ حضرت مہتمم صاحب کے سانحۂ ارتحال سے ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پورا ہونا آسان نہیں ہوگا۔ دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند سے ایام طفلی سے تاحیات تعلق کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے خصوصی والہانہ وابستگی تھی اور تاحیات مدنی خانوادے سے تعلق رہا، اور ہم سب سے خاندانی رشتہ ونسبت بھی تھی، اُنہوں نے دعا کی کہ اللہ رب العزت دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند اور ہم سب کے لئے نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔ (ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۱ء) ◻◻◻

ایک اور خلا پیدا ہوا

حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

گذشتہ ہفتہ لکھنؤ اور بارہ بنکی کے سفر کے دوران یہ اندوہ ناک خبر موصول ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند کے سربراہِ اعلیٰ حضرت مہتمم صاحب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فی الفور حضرت مولانا مرحوم کا سراپا نظروں میں گھوم گیا، باوقار چہرہ، کشادہ پیشانی، چھریرا بدن، قدرے نکلتا ہوا قد اور تواضع سے بھرپور وجود میرے تصور میں آ کھڑا ہوا۔ دارالعلوم دیوبند میں چار سالہ دورِ طالب علمی میں ان کو حلم وبردباری کا پیکر ہی پایا، آج سے تیس سال قبل جب مجلس شوریٰ نے دارالعلوم کا نظم انتظام حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کو دیا تھا، اس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم کی عظیم شخصیت کے بعد زمام اہتمام کو سنبھالنے والے ایک گمنام شخص سابقہ تمام ریکارڈ وحدود کو پھلانگتے اور توڑتے ہوئے دارالعلوم کو ترقی کے اس بام عروج پر لے جائیں گے کہ ماضی میں جس کی مثال ناپید ہوگی۔ تعلیم وتربیت کا میدان ہو یا نظم انتظام اور تعمیرات کا مرحلہ ہو، طلبہ عزیز کی تعداد ہو یا نئے تعلیمی شعبہ جات کا آغاز ہو، ہر میدان میں وہ نمایاں ترقیات وقوع پزیر ہوئی ہیں کہ جن کا مشاہدہ ہر کس وناکس کھلی آنکھوں کرسکتا ہے۔ جہاں دارالعلوم کی اس ترقی میں مخلص اساتذہ، محنتی اسٹاف اور عملے کے دیگر افراد کی کدوکاوش کو دخل ہے، وہیں حضرت مہتمم صاحب علیہ الرحمہ کے خلوص وللّٰہیت، فہم وتدبر اور فراست ایمانی کو بنیادی اور کلیدی حیثیت حاصل ہے، انہوں نے کسی بھی موقع پر کبھی دارالعلوم کے مفادات کا سودا نہیں کیا؛ بلکہ ہمیشہ ادارہ کے مفاد کو آگے رکھا اور ضرورت پڑنے پر اس کی حفاظت کے لئے عزم وحوصلہ سے کام لیتے ہوئے سخت ترین موقف اختیار کرنے سے بھی نہیں چوکے۔

مثالی کردار

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کے اندر ویسے تو گونا گوں خصوصیات موجود تھیں؛ لیکن آپ کی دو خصوصیتیں نہایت اہم تھیں، جو اداروں سے وابستہ افراد کے لئے یقیناً قابل تقلید اور مثالی ہیں:

(۱) حزم واحتیاط:- دارالعلوم کے مالیہ اور اس کی دیگر اشیاء کے سلسلہ میں موصوف نہایت محتاط واقع ہوئے تھے، وہ ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ دارالعلوم کی کوئی چیز بلا ضرورتِ شدیدہ ان کے ذاتی استعمال میں آئے، یا بلا معاوضہ ادا کئے کسی چیز کو استعمال کیا جائے۔ یہ حضرت مہتمم صاحب علیہ الرحمہ کا وہ کردار ہے جس کو اداروں سے منسلک افراد کو اپنے لئے مشعل راہ بنانا چاہئے اور ہر ہر قدم پر نہایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنا چاہئے۔

(۲) عزم وپختگی:- دارالعلوم کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر اگر کوئی فیصلہ کرلیا گیا ہے تو موصوف اس پر سختی سے جم جایا کرتے تھے اور ہرگز ایک انچ پیچھے نہیں ہٹا کرتے تھے، خواہ کتنی ہی مخالفتیں مول لینی پڑیں، کتنی ہی ناروا باتیں سننی پڑیں، ان کے موقف میں کوئی نرمی اور رائے میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوا کرتی تھی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ موصوف کو سب سے زیادہ دارالعلوم کے مفادات عزیز تھے، جن کے خلاف وہ کچھ سننے اور کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اداروں سے وابستہ اربابِ حل وعقد کے لئے یہ صفت بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے، اس سے ادارے کا وقار بحال ہوتا ہے، اس کی عظمت بڑھتی ہے، اور کارکنان واساتذہ میں فعالیت پیدا ہوتی ہے۔

مدرسہ شاہی اور حضرت مہتمم صاحب مرحوم

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن علیہ الرحمہ کا تعلق مدرسہ شاہی سے بہت قدیم ہے، آپ کا مدرسہ میں آنا جانا اس وقت سے ہے، جب یہاں حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی

بحیثیت مدرس کے مقیم تھے، مدرسہ شاہی سے آپ کی دلی وابستگی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آں مرحوم نے اپنے صاحب زادہ جناب مولانا انوارالرحمٰن کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے خاص طور پر مدرسہ شاہی بھیجا، موصوف نے کئی سال حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب مدظلہ کی زیرِنگرانی مدرسہ شاہی میں رہ کر تعلیم حاصل کی، اور پھر مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

دارالعلوم کے اہتمام پر فائز ہونے کے بعد آپ کو مدرسہ شاہی کی شوریٰ کا ممبر منتخب کرلیا گیا، جس کو آپ نے بخوشی قبول کیا، اور جب تک صحت درست رہی برابر شوریٰ کے اجلاس میں تشریف لاکر مفید مشوروں سے نوازتے رہے، والد صاحب مرحوم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحبؒ سے بڑی انسیت اور بے تکلفی تھی، جس کا موصوف بڑا پاس ولحاظ رکھا کرتے تھے، والد صاحب علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد مدرسہ شاہی کی طرف سے بہت فکرمند رہے، اور برابر شرور وفتن سے حفاظت کی دعا کرتے رہے، اب آخر میں مصروفیت کی زیادتی اور ضعف کی وجہ سے مدرسہ شاہی میں آمدورفت تقریباً بند سی ہوگئی تھی؛ لیکن حالات سے پورے طور پر آگاہ رہا کرتے تھے، آنے جانے والوں سے دریافت کرتے رہتے، ملاقات پر مجھ سے بھی ضرور پرسش احوال کرتے اور دعائیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی قبر کو نور سے بھردے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور دارالعلوم دیوبند کو ان کا صحیح جانشین نصیب فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۱ء)

مردِ دانا و مردِ درویش

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل امینی استاذ ادبِ عربی و چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی دارالعلوم دیوبند

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ رسفر، میرِ کارواں کے لئے

شوال المکرّم ۱۳۹۵ھ کے اوائل اور اکتوبر ۱۹۷۵ء کے اواخر کی بات ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مشہور ۸۵؍سالہ جشن تعلیمی منعقد ہوا، جس میں دارالعلوم دیوبند کے اہم ارکانِ شوریٰ کے ساتھ، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرکت کی۔ سہ روزہ تقریب کے پہلے دن فجر کی نماز کے معاً بعد امیر شریعت حضرت سید شاہ منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء-۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء) کے ساتھ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد کے صدر گیٹ پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی بار اس طرح ملاقات ہوئی کہ جب راقم نے بڑھ کر دونوں حضرات سے سلام کے بعد مصافحہ کیا، تو حضرت امیر شریعتؒ نے حضرت مرحوم سے میرا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ مولانا نور عالم قاسمی امینی ہیں، یہاں عربی زبان و ادب کے ہر دل عزیز اُستاذ ہیں، مولانا علی میاں ان کی بہت قدر کرتے ہیں۔ پھر امیر شریعتؒ نے اِس راقم سے فرمایا: آپ اِنہیں جانتے ہیں؟ عرض کیا: حضرت! بدقسمتی سے نہیں جانتا۔ فرمایا: یہ دارالعلوم دیوبند کے مؤقر رکن شوریٰ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن ہیں۔ راقم نے عرض کیا: نام تو حضرت کا بار بار سنا ہے؛ لیکن دید شنید کی سعادت پہلی بار حاصل ہورہی ہے۔ امیر شریعت نے

فرمایا: اور میرا اِن کا خصوصی تعلق خاطر کا رشتہ ہے، یہ میرے رفیق درس بھی رہے تھے، میں اِن کے ہاں بجنور آم کی دعوت کھانے اور دگر مواقع سے بھی وقتاً فوقتاً مہمانی کرنے جاتا رہتا ہوں۔

حضرت مرحوم سے یہ پہلی ملاقات تھی، چہرے پر معصومیت، دانائی بھری خاموشی، باوقار شخصیت، بھرا پرا بدن، کشیدہ قامت، آنکھوں میں انسیت ومحبت، سلوک وادا سے پھوٹتی ہوئی شرافت، انگ انگ سے رستی ہوئی خاک ساری وبے نفسی، چال میں متانت، پیشانی پر خاندانی رفعت کی نمایاں لکیریں، ہونٹوں پر پرسکون تبسم۔ چناں چہ حضرت امیر شریعت کی ساری گفتگو کے دوران حضرت مرحوم نے صرف معنی ریز مسکراہٹ ہی پر اکتفا فرمایا۔

اِس واقعہ کے سات سال بعد ۱۵/شوال ۱۴۰۲ھ =۶/اگست ۱۹۸۲ء کو راقم الحروف دارالعلوم میں نئے انتظامیہ کی عمل داری کے بعد، اُس کی مجلس شوریٰ کے حکم کے بہ موجب عربی زَبان وادب کے اُستاذ اور اس کے عربی ترجمان "الداعی" کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے دارالعلوم وارد ہوا، تو حضرت مرحوم ہی دارالعلوم کے باقاعدہ مہتمم اور اُس کے سیاہ سفید کے مالک کی حیثیت سے برسرِ عمل تھے(۱) دارالعلوم آمد کے بعد ہی راقم کو سب سے پہلے "الداعی" کے اِجرائے نو اور اُس کے پہلے شمارے کی ترتیب وتیاری اور اِشاعت کے لئے، دارالعلوم کے انتظامی عدمِ ٹھہراؤ اور بندوبستی انتشار کے اُس عہد پریشاں میں حضرت مرحوم سے دن میں کئی کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا۔ اُس صورتِ حال میں جس میں دارالعلوم کا اُن سے نیچے کا ہر اہل کار آشفتہ سا محسوس ہوتا تھا، راقم نے حضرت مرحوم میں سمندر کی گہرائی اور صحرا کا سکون محسوس کیا۔ دارالعلوم میں اُس کے بعد بھی آشفتگی کے کئی دور آئے، جس میں اُس کے بہت سے خدام تحیر کا شکار نظر آئے؛ لیکن اِنصرام وانتظام کے اصل مرکز ہونے کے باوجود، اُن پر پریشاں خاطری کا کوئی عالَم کبھی طاری نہ

(۱) اس وقت تک گو قانونی حیثیت سے مددگار مہتمم تھے؛ کیوں کہ باقاعدہ مہتمم قانونی طور پر وہ ۲۴-۲۶/شوال ۱۴۰۲ھ =۱۵-۱۷/اگست ۱۹۸۲ء کی مجلس شوریٰ میں مقرر کئے گئے؛ لیکن چوں کہ دارالعلوم سے عملی طور پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا عمل دخل کئی ماہ قبل ختم ہو چکا تھا، اِس لئے عملاً حضرت مرحوم ہی دارالعلوم کے بااختیار مہتمم کی حیثیت سے امور اہتمام انجام دے رہے تھے۔

ہوا۔ انسان کی عظمت، فکری رفعت، حاضر دماغی اور بیدار مغزی کا اصل جوہر نازک حالات اور کٹھن وقت میں ہی آشکارا ہوتا ہے۔ سطحی انسان جو فکری بلندی سے بے مایہ اور حوصلے سے تہی دامن ہوتا ہے، ایسے وقت میں بسا اوقات حواس کھو بیٹھتا ہے، اور پیش آمدہ مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی کارآمد تدبیر کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ، ۱۹۸۱ء سے ۲۰۱۰ء (۱۴۰۱ھ سے ۱۴۳۱ھ) تک کم وبیش ۲۹ رسال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے۔(۱) ان کی بے پایاں حصول یابیوں اور کارہائے اہتمام ہیں، ان کی بے حساب کامرانیوں کا سرچشمہ ان کی نیکی وسادگی، اخلاص وبے لوثی، دیانت داری وپرہیزگاری، شب بیداری وخوش اوقاتی، جذبۂ احتساب اور دارالعلوم کی خدمت کو ذریعہ نجات سمجھنے کے ساتھ ان کا یہ عظیم وصف تھا کہ ان کے اندر کا انسان بڑا حوصلہ مند، غیر معمولی معنوی طاقتیں (Morale) اور آہنی ارادوں کا حامل تھا۔

---

(۱) مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۵ ر رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۳۰ رمئی ۱۹۸۱ء نے انہیں مددگار مہتمم کے عہدے پر فائز کیا، تجویز کا متن حسب ذیل تھا: ''ایجنڈہ (۳) کی دفعہ نمبر ۷ کے تحت دارالعلوم کے انتظامات کو استوار اور مضبوط کرنے کی خاطر شوریٰ نے مولانا مرغوب الرحمٰن (رکن شوریٰ) کو مددگار مہتمم اور مولانا محمد عثمان صاحب کو نائب مہتمم کی خالی شدہ جگہ پر، نائب مہتمم مقرر کیا اور یہ بھی طے کیا کہ مولانا محمد عثمان صاحب کو نیابت اہتمام کے منصب کی تنخواہ دی جائے''۔ مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۰-۲۱ ر ربیع الاول ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۷-۱۸ ر جنوری ۱۹۸۲ء نے انہیں مہتمم کے اختیارات کے ساتھ مددگار مہتمم کے عہدے پر سرگرم عمل رہنے کی ہدایت دی۔ تجویز کا متن مندرجہ ذیل تھا: ''تجویز (۲) ضمن (ج) یہ کہ ۱۹ ر جنوری ۱۹۸۲ء سے اِس وقت تک کی تحقیقاتی کمیٹی کی بنیاد پر مجلس شوریٰ کوئی فیصلہ کرلے، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مددگار (ورکنگ) مہتمم، جملہ فرائض واختیاراتِ مہتمم مندرجہ دستورِ اَساسی وتجاویز مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، بہ حیثیت مہتمم انجام دیتے رہیں گے''۔

شوال ۱۴۰۲ھ مطابق اگست ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ، جب منصب اہتمام سے مستعفی ہوگئے، تو مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۴-۲۶ ر شوال ۱۴۰۲ھ = ۱۵-۱۷ ر اگست ۱۹۸۲ء، بہ مقام مسلم مسافر خانہ نزد چار باغ ریلوے اسٹیشن لکھنؤ نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو باقاعدہ مہتمم مقرر کیا، تجویز کا متن یہ تھا:

''تجویز نمبر ۳ ر تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے تحت: شوریٰ مولانا محمد طیب صاحب کا استعفیٰ قبول کرتی ہے اور ان کی جگہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مستقل مہتمم مقرر کرتی ہے''۔

راقم کو یاد ہے کہ حکیم الاسلام (حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء = ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) جیسے عظیم المرتبہ، عالمی شہرت کے حامل علم وعمل کی جامعیت میں ممتاز، اورانسانی خوبیوں کے سراپا کی جگہ، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو مہتمم مقرر کیے جانے کو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے اکثر فضلا اور عام پڑھے لکھے لوگ ایک بے جوڑسی بات محسوس کرتے تھے۔ عام طور پر لوگ کہتے تھے کہ دارالعلوم کی یہ کیسی بدقسمتی ہے کہ علمی وعملی پہلو سے غیر معمولی انسان کے بعد اب اس کی کشتی کا ناخدا ایک ایسا انسان بنایا گیا ہے جو اس کے حوالے سے انتہائی ''معمولی'' ہی کہا جائے گا، گویا دارالعلوم آسمان سے گرا تو کھجور میں بھی نہیں اٹکا؛ بل کہ زمین پر آرہا۔

انسان عموماً کوتاہ بیں اور ظاہر پرست ہوتا ہے، وہ عالم الغیب بھی نہیں ہوتا، اس پر انسان کی عظمتوں اور کمالات کے پرت، فکر وعمل کی اس کی آئندہ زندگی میں ہی کھلتے ہیں؛ اس لئے وہ اس کے ماضی اور حال کے اکتسابات کی روشنی ہی میں اُس پر اچھے برے ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ حضرت مرحوم نہ صرف یہ کہ تقریر وتحریر کے آدمی نہ تھے، بلکہ انتہائی خاموش طبع واقع ہوئے تھے، ضرورت کے مطابق اور انتہائی ضرورت کے وقت ہی لب کشا ہوتے تھے۔ درس وتدریس کا بھی کوئی مشغلہ نہیں رہا تھا، جس سے تلامذہ اور مستفیدین کی ایک جماعت بنتی اور حسب افادہ حسن تذکرہ کا ذریعہ ہوتی ہے، تقریر تو کجا عام مجلس میں ''مشاق مقرروں'' کی طرح دعائیں بھی روانی سے اور اثر انگیز انداز میں نہیں کرا پاتے تھے؛ اس لئے شروع کے دو تین برسوں میں تو اور بھی لوگ انہیں ''بے زبان'' بل کہ ''بے علم'' اور ''غیر سود مند مہتمم'' تصور کرتے تھے۔

لیکن دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی عظمتوں کے پرت کھلنے لگے اور لوگوں کو ماننا پڑا کہ دارالعلوم کے حوالے سے وہ ''وقت کے مطلوبہ آدمی'' ہیں، جسے عربی میں رجل الساعۃ کہا جاتا ہے، بالخصوص انتظام وانصرام کے باب میں وہ ایسے ''بے نظیر'' ثابت ہوئے کہ ان کی وفات کے بعد لوگوں کی زبان پر عام طور پر یہ بات ہے کہ پتا نہیں اب ایسا ''مردِ دانا'' (رجل رشید) دارالعلوم کو ملے گا کہ نہیں؟

یہاں یہ ریکارڈ کرنا ضروری ہے کہ دارالعلوم دیوبند صلحائے امت کے مطابق اِلہامی تعلیم وتربیت گاہ ہے، اُس کی بنیاد واقعۃً تقویٰ پر استوار ہوئی ہے، اِسی لئے اُس کو ہر خاص وعام میں عجیب سی محبوبیت ومقبولیت اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ خدائے کریم نے ہمیشہ اُس کی حفاظت کی ہے، بڑے سے بڑے طوفان میں اُس کی کشتی گرداب میں نہیں پھنسی، نازک سے نازک وقت میں (جو اگر کسی اور عام اِدارے اور تعلیم گاہ پر آتا، تو بالیقین اُس کا وجود ختم ہو جاتا) صاف طور پر محسوس ہوا کہ غیبی ہاتھ نے اس کو ہر طرح کے خطرے سے نکال اور ہر قسم کے ضرر سے بچالیا ہے۔ عروج وزوال کی سنت اللہ فرد، جماعت اور اِدارے کے ساتھ اپنا اثر دکھاتی رہی ہے اور دکھاتی رہے گی۔ ماضی کے ایسے اصحابِ یقین وعزیمت افراد اب دارالعلوم کو میسر ہیں نہ امت مسلمہ کو؛ لیکن اِس وقت تک دارالعلوم کا ہر طوفان سے بہ خیر وخوبی نکل آنا، یہ بتاتا ہے کہ اللہ رب العزت کو ابھی بھی دارالعلوم کا کردار ادا کرتا رہنا منظور ہے اور نمود ونمائش کی پرستاری کے اِس دور میں اور مادیت کے سیل بلاخیز کی اِس دنیا میں وہ اُس کو حسب سابق محوِ عمل رکھنا چاہتا ہے؛ تاکہ وہ یہ ثابت کرے کہ عمل اور کردار سے ہی وہ کسی فرد یا جماعت کو سرخ روئی عطا کرتا ہے نہ کہ بات بنانے، شور مچانے اور پروپیگنڈہ کرنے سے۔ اول الذکر فرد یا جماعت کو وہ اُسی طرح کی ساحرانہ محبوبیت عطا کرتا ہے، جیسی دارالعلوم دیوبند کو اور ثانی الذکر فرد یا جماعت کو سخن بسیار اور ساری کوششوں کے باوجود، خلق خدا کے نزدیک کسی لائق تذکرہ مقبولیت سے ہم کنار نہیں کرتا۔

اِسی لئے ہمیں یقین ہے کہ دارالعلوم کی خدمت بالخصوص اُس کے اعلیٰ اِنتظامی منصب (اہتمام) کے لئے کسی شخصیت کے انتخاب میں ربِ کریم کی توفیق خاص کارفرما رہتی ہے اور یہ توفیق ربانی اُس کو ہمیشہ صحیح سمت میں چلنے اور غلط سمتوں میں قدم بڑھانے سے بچے رہنے کے لئے راہ نمائی کرتی رہتی ہے۔ بعض دفعہ بہ ظاہر وہ شخصیت ''معمولی'' ہوتی ہے؛ لیکن اللہ پاک اپنی قدرت سے اُس سے بڑے بڑے کام لیتا ہے اور دارالعلوم کو اپنا کردار ادا کرتے رہنے کے لئے جن دیدہ ونادیدہ اور مادی ومعنوی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اُس کے ذریعے اُسے

میسر کراتا رہتا ہے، اور ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الفتح: ٤-٧) کی سچائی کے مظاہرے سامنے لاتا رہتا ہے۔ انسان اگر بہت باصلاحیت بھی ہو، تو خدا کی توفیق کے بغیر بالکل بے صلاحیت ہوتا ہے اور بے صلاحیت بھی ہو، تو خدا کی توفیق سے بہت باصلاحیت ہوتا ہے۔ بعض دفعہ انسان میں علمی صلاحیت اور اُس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی شہرت وعزت و نیک نامی نہیں ہوتی؛ لیکن کسی ذمے داری کے بادلِ ناخواستہ قبول کر لینے کے بعد، اُس میں بے پناہ خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوجاتی ہیں، اور اِنتظامی سطح پر، اُس سے ایسے کارنامے ظہور میں آتے ہیں کہ لوگ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ اسباب کے ذریعہ مسبباب کے ظہور میں آنے کا یقین رکھنے والا ظاہر پرست انسان اُس وقت انگشت بہ دنداں رہ جاتا ہے، جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ بہ ظاہر ''بے ہنر'' ہنرمندی کے اتنے کام کیوں کر انجام دے لئے؛ لیکن خدائے وحدہ لاشریک کی قدرت علی الاطلاق پر یقین رکھنے والے کو اِس سلسلے میں کوئی حیرت نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کو جس وقت حضرت مولانا قاری محمد طیب جیسے آسمانِ علم وکمال کے تعاون کے لئے کارگزار مہتمم اور اُن کے مستعفی ہوجانے کے بعد باقاعدہ مہتمم نامزد کیا گیا، اُس وقت کی مجلس شوریٰ میں بھی خاصے اہل علم وکمال کی کوئی کمی نہ تھی؛ لیکن ارکانِ شوریٰ نے بالاتفاق اِصرار کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کو اِس منصب عالی کے لئے مقرر کیا۔ کردار وعمل کی زمین پر اللہ نے اُن سے جو کام کرائے، اُن سے واضح ہوگیا کہ اِس بڑی ذمے داری کے اِس عہدے کے لئے، اُن کا انتخاب توفیق ربانی کی دین تھا۔

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو اِنسان کا کردار کرے ہے

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے دارالعلوم کی زمام اہتمام ایسے وقت میں سنبھالی، جب وہ شدید خلفشار کے طویل دور سے پوری طرح نکل نہیں سکا تھا؛ کیوں کہ اُس کے منفی اثرات کا تسلسل ہنوز باقی تھا، ایسے حالات میں سارے انتظامی شعبوں کو ازسرِنو استوار

کر کے انہیں سرگرم سفر کرنا، ملازمین ومدرسین کا اعتماد بحال کرنا اور طلبہ کے اپنے مقصد کی راہ پر محوِ عمل رہنے کا حوصلہ پانے کے لئے، قدرتی فضا بنانا؛ جوئے شیر لانے کا عمل تھا۔ انہوں نے اپنی خداترسی وشب بیداری، دارالعلوم کے لئے اپنی دل سوزی، اپنے غیر معمولی تدبر، اپنی عالی حوصلگی، کاروانِ عمل کے ہر فرد کو ساتھ لے کر چلنے کی ہزار خوبیوں کی اپنی جامع خوبی، خاموشی کے ساتھ محض کام کرتے رہنے کی اپنی ہمت اور ہمہ وقت کی فکرمندی کی وجہ سے، نہ صرف حالات کی نزاکتوں پر قابو پالیا؛ بلکہ سکون واطمینان کی ایسی فضا بہ روئے کار لانے میں کام یاب رہے کہ ان کے کم وبیش تیس سالہ دورِ اہتمام میں پھر کبھی کوئی انتشار رونما نہ ہوا، جس کی وجہ سے دارالعلوم نے تعلیمی وتعمیری سطحوں پر لائق ذکر ترقی کی۔

تعمیری سطح پر تو کہنا چاہئے کہ دارالعلوم کی پہلے کی بہ نسبت تقریباً تین گنی عمارتیں انہی کے دور میں تعمیر ہوئیں، دارالعلوم کی مشہور و پرشکوہ ولمبی چوڑی ''جامع رشید'' جو فن تعمیر کا شاہ کار ہے، انہی کے خلوصِ بے کراں کی دین ہے۔ اعظمی منزل کی سہ منزل عمارت، مدرسہ ثانویہ کی عمارت، شیخ الاسلام منزل کے نام سے سہ منزلہ ہاسٹل، حکیم الامت منزل کے عنوان سے پرشکوہ درجہ حفظ کی عمارت، جس میں درجہ حفظ کے طلبہ کی تدریس ورہائش کا بھی انتظام ہے، اساتذہ کے لئے متعدد فیملی کوارٹر، حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ (سابق مددگار مہتمم وناظم تعلیمات واُستاذ اَدب وحدیث ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰-۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء) کے ذریعہ دارالاہتمام کا دوسرا ہال اور دائیں بائیں دارالاہتمام میں جانے کے زینے، کتب خانے کے نیچے سے احاطۂ دفاتر سے احاطۂ کتب خانہ سے ہوکر دارجدید کی طرف جانے کا کشادہ راستہ، کتب خانہ دارالعلوم کی توسیع، نیز کتب خانے کے لئے دارجدید کی جانب غرب میں مستقل مضبوط اور متعدد منزلہ کشادہ عمارت کی تعمیر (جو قریب التکمیل ہے) اور دار جدید نام کی سب سے بڑی طویل الذیل طلبہ کی رہائش گاہ کی تعمیر نو (جس کا بڑا حصہ مکمل ہو چکا ہے اور باقی زیر تعمیر ہے) اسی طرح رواقِ خالد کے دائیں اور بائیں دو مزید ہاسٹلوں کی تعمیر، احاطہ مطبخ میں دارالقرآن کے نام سے کئی کمروں پر مشتمل ہاسٹل،

دارالعلوم کی ساری اراضی کی مضبوط اور اونچی فصیل بندی، بہت سی اراضی کی خریداری، جن میں سے بعض پر مذکورہ عمارتوں میں سے بعض عمارتیں تعمیر ہوئیں، بالخصوص محلّہ خانقاہ میں غیر مسلموں کے مکانات کی خرید، جس سے یہ محلّہ ہندو مسلم آمیزش کے خطرے سے پاک ہوگیا اور عام مسلمانوں کو یہ حوصلہ ملا کہ وہ بھی یہاں آبسیں، پانی کی دو بڑی ٹنکیوں کی تعمیر، مہمان خانہ کی تعمیر نو، ایک بڑے جنریٹر کی خرید، جس سے پانی کی ٹنکیاں بھی بہ وقت ضرورت بھری جا سکیں اور اسی کے ساتھ ایک چھوٹے جنریٹر کا انتظام جو درس گاہوں اور دفاتر میں بجلی کے منقطع ہونے کی صورت میں (جو دیوبند میں روزمرہ کا معمول ہے) روشنی اور پنکھوں کے چلتے رہنے کو یقینی بناتا ہے، نیز جس کی وجہ سے دارالعلوم میں رات کے بارہ بجے تک بھی بجلی کے غائب ہونے کی صورت میں روشنی کا معقول انتظام رہتا ہے؛ یہ سارے کارنامے انہی کے دور مسعود میں اور انہی کی فکرمندی سے روبہ عمل آئے۔

حضرت مرحوم جب تک صحت مند رہے اور چلنے پھرنے کی طاقت رہی، وہ زیر تعمیر عمارتوں کو تقریباً روزانہ ہی کم از کم ایک بار ضرور موقع پر دیکھنے جاتے، وہاں دیر تک کھڑے رہتے، مختلف زاویوں سے اس کا معاینہ کرتے، موقع پر موجود ٹھیکے دار اور اہم معماروں سے تعمیری پیش رفت پر تبادلہ خیال کرتے، اپنے طور پر انہیں ضروری مشورے دیتے اور عمارت میں کسی جگہ کوئی مفید ترمیم و تنسیخ سمجھ میں آتی، تو انہیں اس کی صلاح دیتے۔ جامع رشید کی تعمیر سے حضرت کو خصوصی دل چسپی تھی، یاد ہے کہ جب اس کی تعمیر شروع ہوئی، تو اس کے تعمیری دورانیے میں جو سال ہا سال پر محیط رہا، دن میں کئی کئی بار جائے تعمیر پر تشریف لے جاتے، کبھی کبھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ وہاں بیٹھ کر تعمیری عمل کا بہ غور مشاہدہ کرتے۔ ان دنوں حضرت کی صحت بہت اچھی تھی، تیز رفتاری سے چلتے تھے، اس لئے دارالعلوم کے احاطے میں جہاں بھی کوئی تعمیری سرگرمی جاری ہوتی، وہاں پہنچ کر مشاہدہ کرتے اور دارالعلوم کے مختلف شعبوں کا بھی اچانک معاینہ فرمانے تشریف لے جاتے۔ سچ یہ ہے کہ وہ دارالعلوم کے سارے کاموں سے اس طرح دلچسپی لیتے تھے

کہ بہت سے لوگوں کو اپنے ذاتی کاموں سے بھی اتنی دلچسپی نہیں ہوتی۔

تعلیمی وثقافتی سطح پر بہت سے نئے شعبے ابھرے: معین المدرسین کا نظام استوار ہوا، جو اکابر کے زمانے میں کبھی ہوا کرتا تھا، تخصص فی الحدیث اور تکمیل العلوم کے شعبے قائم ہوئے، عالمی ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی، جس کے بعد دارالعلوم میں مستقل شعبۂ ختم نبوت قائم ہوا، رابطہ مدارس اسلامیہ کے نام سے ہندگیر تنظیم قائم ہوئی، فرقِ باطلہ کے رد کے لئے محاضرات کا مستقل نظام روبہ عمل آیا، نیز تحفظ سنت شعبہ اور شعبۂ ردعیسائیت قائم ہوئے، شیخ الہند اکیڈمی تازہ دم اور فعال ہوئی، انگریزی زبان وادب کے دوسالہ شعبے کا قیام ہوا، جس کے بعد ہی بہت سے مدارس نے طلبہ مدارسِ عربی کے لئے، انگریزی تعلیم کا اسی طرح کا نظام اپنے یہاں قائم کرنا شروع کیا، شعبۂ کمپیوٹر وانٹرنیٹ قائم ہوا، جس میں طلبہ کی ٹریننگ کا یک سالہ نظام زیرعمل آیا۔ دارالعلوم کے امتحانی نظام میں ایک بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ سالانہ امتحان کے علاوہ مزید دو امتحانات: سہ ماہی وشش ماہی ہوا کرتے تھے؛ لیکن ضیاعِ وقت کے ساتھ ساتھ تقریری ہونے کی وجہ سے ان سے مطلوبہ فائدہ حاصل نہیں ہوپاتا تھا، لہٰذا صرف دو امتحانات: شش ماہی اور سالانہ کردئے گئے، اور شش ماہی کو سالانہ ہی کی طرح باقاعدہ تحریری بنادیا گیا، جس سے طلبہ کی صلاحیت سازی کا عمل زیادہ کارگر اور مفید ثابت ہوا۔ طلبہ کی تعداد حضرت حکیم الاسلامؒ کے دور میں صرف اٹھارہ (۱۸۰۰) ہوا کرتی تھی، اسے بڑھا کر ساڑھے تین ہزار اور چار ہزار (۳۵۰۰-۴۰۰۰) کے قریب کردی گئی، طلبہ کے وظائف میں معقول اضافہ کیا گیا۔ بہت سے شعبوں کے وظائف لائق تذکرہ اور ریکارڈ ہیں، طلبہ کے کھانے میں بھی مہینے میں دوبار پھر تین بار بریانی کا انتظام ہوا۔ امتحانات کے زمانے میں ساری درس گاہوں کے کھلے رہنے کا انتظام ہوا، طلبہ کی سیکڑوں ضلعی وصوبائی انجمنوں کو معنوی مدد دی گئی اور ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

مالیہ کی فراہمی کا کارگر اور فعال نظام قائم ہوا، اور دارالعلوم کا بجٹ تقریباً ۱۴ رکروڑ تک پہنچ گیا، جب کہ حضرت حکیم الاسلامؒ کے بعد حضرت مرحوم کو صرف (۶۰) ساٹھ لاکھ کے بجٹ کا

دارالعلوم ملا تھا، حضرت مرحوم کی یہ خوبی رہی کہ جب تک وہ زیادہ ہوش میں اور زیادہ فعال رہے، دارالعلوم کے حساباتِ آمد ورفت کے ایک ایک پرزے کو بہ ذاتِ خود دیکھتے تھے، وہ دارالعلوم کے ملازمین کا بعض دفعہ ایک دوروپے کے ان مصارف پر مؤاخذہ کرلیتے تھے، جنہیں وہ غیر ضروری، بے قاعدہ یا ناروا سمجھتے تھے۔ یہ راقم اہتمام میں جاتا، تو اکثر وہ محاسبی کے رجسٹروں اور آمد وصرف کے واوچروں کو دیکھتے ہوئے نظر آتے۔ دارالعلوم کے وسیع تر ماحول میں آمد وصرف کو دقتِ نظر سے جانچنے اور مالی شعبے کی شفافیت کو مطلوبہ معیار پر باقی رکھنے کی ذاتی کوشش کرنے کے حوالے سے وہ منفرد شناخت کے حامل مہتمم تھے۔ دارالعلوم کے تعلق سے ان کی امانت ودیانت؛ بلکہ دارالعلوم کے پیسے کے سلسلہ میں انتہائی بخالت ضرب المثل بن گئی تھی۔ ہر چند کہ اُن کی اِس ''بخالت'' سے بعض دفعہ بعض پریشانیاں کھڑی ہوجاتی تھیں؛ لیکن اِس سے دارالعلوم کے تئیں ان کی غیر معمولی اپنائیت اور قوم کے پیسے کی حد درجہ نگہ داشت کی ان کی خوبی اجاگر ہوتی ہے، جو ہر ایک کے لئے لائق رشک وقابل تقلید تھی۔ دارالعلوم میں آمد وصرف کا نظام بہت بھاری بھرکم ہے، حضرت مرحوم اپنے تئیں سارے چھوٹے بڑے مصارف پر نگاہ رکھنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دیتے تھے، حضرت مرحوم کی طرح حساب وکتاب پر بہ راہ راست نگاہ رکھنے والا سربراہِ اعلیٰ کسی ادارے کو شاید ہی نصیب ہوا ہوگا۔

حضرت مرحوم کی بہ طور مہتمم کے ایک بڑی شناخت اس کے لئے ہمہ وقت کی فکرمندی تھی، ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے اسی کے غم کو اپنا غم بنالیا ہے۔ دارالعلوم کے لئے سوچنا، اس کے مسائل اوڑھ لینا، اس کی ضروریات، ترقیات اور اس کی ہمہ جہت بھلائیوں کے لئے، اپنے ذہن میں خاکے مرتب کرتے رہنا، لگتا تھا کہ یہی ان کی دوا، غذا اور ان کی راحت وعافیت کا ناگزیر سامان ہے۔ اللہ نے انہیں خوش حال پیدا کیا تھا، بڑی زمین جائداد کے مالک تھے، شہر بجنور میں سامانِ راحت سے بھرا پرا اُن کا محل نما اپنا گھر اور ان کے گھر کے پاس ہی ان کے سارے اہل خاندان کے مکانات تھے، جہاں انہوں نے بچپن سے بڑھاپے تک کی عیش وراحت

کی زندگی گزاری تھی؛ لیکن ان سارے اسبابِ راحت کو چھوڑ کر دارالعلوم کی مسجدِ قدیم کے احاطے کے ایک بالائی کمرے میں سادہ سی زندگی گزارتے، اپنے مصارف سے تیار کرائے گئے مطبخ کے کھانے پر اکتفا کرتے، بڑھاپے کی کم زوری اور اس سے پیدا شدہ بہت سے عوارض اور تکالیف کو جھیلتے اور نہ صرف کمرے کا کرایہ ادا کرتے؛ بلکہ دارالعلوم سے کسی طرح کا ادنیٰ سے ادنیٰ فائدہ اٹھانے کا بھی معاوضہ پیش فرماتے۔ اگر کسی مجبوری سے، مہینے دو مہینے بعد گھر جاتے، تو وہاں بھی ہر وقت دارالعلوم ہی کی فکر ستاتی رہتی، ٹیلی فون سے، آنے جانے والوں کے ذریعے، یا بہ وقتِ ضرورت کسی آدمی کو باقاعدہ دارالعلوم بھیج کر، دارالعلوم کے احوال اور مسائل سے مکمل طور پر واقف رہنے کی کوشش کرتے۔

زندگی کا تجربہ بتاتا ہے کہ زندگی کا کوئی کام صرف محنت اور سعیِ پیہم سے اتنا انجام پذیر نہیں ہوتا، جتنا فکرمندی سے، جس کی وجہ سے وہ کام ذہن پر ہمہ وقت مسلط رہتا ہے۔ حضرت مرحوم دارالعلوم کے متعلقہ کاموں کو نہ صرف محنت اور لگن سے انجام دیتے تھے؛ بلکہ اُس کی ساری متعلقہ ذمے داریاں شب و روز کے سارے لمحات میں ان کے ذہن پر مسلط رہتیں اور ہر وقت وہ انہی کے متعلق سوچتے رہتے۔ اُن کی وفات سے صرف ۱۹/دن پہلے کی بات ہے (حضرت مرحوم کی وفات کا سانحہ بہ روز چہارشنبہ: یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء کو ساڑھے دس بجے پیش آیا) یعنی شنبہ: ۱۳/ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰/نومبر ۲۰۱۰ء کی کہ راقم، دارالعلوم کے دو ایک اساتذہ کے ساتھ، اُن کی ملاقات کو اُن کے دولت کدے، واقع محلّہ قاضی پاڑہ شہر بجنور پہنچا، حضرت سے ملاقات ہوئی، تو مصافحہ اور خیر خیریت معلوم کرنے کے معاً بعد فرمایا کہ دارالعلوم میں قربانی کے کتنے جانور آئے تھے، اور یہ کہ اس سلسلے میں کمیٹی ٹھیک سے بن گئی تھی اور پتہ نہیں صحیح ریٹ پر چمڑے کی فروخت ہوئی کہ نہیں؟ راقم کے ساتھ جو اساتذۂ کرام تھے، اُن میں سے بعض کمیٹی کے ممبران میں تھے، اُنہوں نے کہا: حضرت چمڑے ماشاء اللہ اچھے ریٹ سے گئے، تو وہ مطمئن ہوگئے۔ ہم لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ صحت کے اِس عالم میں کہ وہ گھل

کر ہڈیوں کا مجموعہ بن گئے ہیں، دارالعلوم اور اُس کے مفادات ہی کی انہیں لگی ہوئی ہے، اِس حالت میں تو آدمی کو اپنی بھی خبر نہیں ہوتی، ۱۰۰/سال کا بوڑھا آدمی (حضرت مرحوم کا سنہ ولادت ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۲ھ ہے، اور وفات یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء ہے؛ اس لئے سنہ عیسوی کے اعتبار سے آپ کی عمر ۹۶/سال اور سنہ ہجری کے اعتبار سے کم وبیش ۱۰۰/سال ہوتی ہے) جو عرصے سے طرح طرح کے امراض اور بڑھاپے کی کمزوریوں اور اس کے مختلف الاقسام عوارض کا شکار ہے، اس کو صرف اپنے محبوب ادارے کی فکر ہے، اور کسی بات کی نہیں؟ ہم لوگوں کو بہت خوشی ہوئی کہ اللہ پاک نے اِس عمر میں بھی اُن کے ذہن اور حافظے کی کارکردگی کو پوری طرح محفوظ رکھا ہے، اور ان کا دماغ مکمل طور پر اپنا کام کر رہا ہے، ورنہ اس عمر اور اتنے امراض کی حالت میں آدمی کا ذہن کلاًّ یا جزءاً کام نہیں کرتا۔ یہ ان کی دین داری اور تقویٰ شعاری کی برکت تھی اور اپنے خاندان کے عظیم بزرگوں کی نیکیوں کی جو دارالعلوم کے دیرینہ خادم اور سچے بہی خواہ رہے تھے۔

دارالعلوم میں قربانی کے مسئلے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ دونوں کی نمازیں نہیں پڑھ سکا، اور یہ کہتے ہوئے اُن کی آواز بھرّا گئی اور وہ آب دیدہ ہوگئے۔ ہم لوگوں نے انہیں تسلی دی کہ حضرت! آپ کی نیت چوں کہ نماز پڑھنے کی تھی اور آپ میں اس کی سکت نہ تھی، اِس لئے آپ کو نماز کا ثواب مل گیا، اِن شاءاللہ آپ کا رب آپ کو محروم نہ کرے گا، آپ خاطر جمع رکھیں کہ آپ کو ثواب مل چکا۔ یہ سن کر ان کے چہرے پر ایک چمک سی نمودار ہوئی اور وہ قدرے مطمئن سے نظر آئے۔

حضرت مرحوم کو دارالعلوم کی عالمی شہرت کو مزید عالَمیّت دینے، بالخصوص عالم عرب کے علماء ومفکرین سے رابطہ رکھنے سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔ وہ جب تک صحت مند رہے، راقم کو تاکید کرتے رہے کہ عرب ممالک کے سفارت خانوں کو رمضان المبارک، عیدالفطر وعیدالاضحیٰ اور ان ممالک کے قومی دن کے موقع پر تہنیتی خطوط ضرور روانہ کئے جائیں، وہ دلچسپی کے ساتھ راقم سے خطوط تیار کرواتے اور انہیں ٹائپ کروا کر روانہ کرنے کا حکم فرماتے۔ سعودی عرب، کویت اور

عرب اِمارات وغیرہ کے اہم علماء کو بھی اِس موقع سے مبارک بادی کے خطوط روانہ کرنے کا اہتمام کرتے۔ راقم کو ۱۴۰۴ھ کے شعبان میں دارالعلوم کی طرف سے بہ طور خاص سعودی عرب کے علماء، اہل صحافت اور پڑھے لکھے طبقے سے ملنے کے لئے سعودی عرب بھیجا، اِس سلسلے میں راقم سے جو کچھ بن پڑا اُس نے کیا، حضرت مرحوم اُس کے وہاں قیام کے دوران فون اور خطوط کے ذریعے مسلسل رابطے میں رہے۔

راقم کے نام جب بھی عالم عربی سے کوئی دعوت نامہ کسی کانفرنس یا کسی تقریب میں شرکت کا ملتا، حضرت مرحوم سے جب اس کا تذکرہ کیا جاتا، تو سفر کے تعلق سے بہت دلچسپی لیتے اور جو سہولت اُن کے بس میں ہوتی، اُس کے فراہم کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ وہ چاہتے تھے کہ دارالعلوم کے اساتذہ بیرونِ ملک، بالخصوص عالم عربی کا سفر موقع بہ موقع ضرور کریں؛ تاکہ دارالعلوم کا بیرونی ممالک سے رابطہ مضبوط ہو اور وہاں کے لوگ اُس کے کام اور نام سے اچھی طرح واقف ہوں۔

حضرت کی اِسی دلچسپی کے پیش نظر، ان کی شدید کبرسنی میں جب سعودی عرب کی طرف سے حج کا دعوت نامہ، اُن کے نام آیا اور رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے ایک سے زائد بار اُس کی بعض اہم کانفرنسوں میں، اس کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی کی طرف سے انہیں بہ اصرار مدعو کیا گیا، اور انہوں نے اپنے ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے عذر کرنا چاہا، تو اِس راقم آثم نے، اُن کی ہمت بڑھائی اور بہ عجلت اور بہ کثرت وہاں کے متعلقہ ذمے داروں سے رابطہ کر کے اُن کے سفر کو یقینی بنانے کی کوشش کی۔ اللہ کے فضل سے حضرت کو، اُن اسفار کے لئے آمادہ ہو جانے کی ہمت ہوئی اور اپنے فرزند برادر مکرم مولانا انوار الرحمٰن صاحب قاسمی کی رفاقت میں اُن کے یہ اسفار ہوئے، اس سلسلے میں اگر کسی مقالے اور تحریر کی ضرورت محسوس کی گئی، تو راقم کو اسے بھی تیار کرنے اور حضرت کی بے پناہ دعاؤں اور ان کی خوشنودی و مسرت کے حصول کی سعادت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ وہ کم گو تھے، اس لئے زبان سے تو زیادہ کچھ نہ کہتے تھے؛ لیکن

ایسے موقع سے ان کی خوشی اور راقم کے لئے دعاؤں کی لکیریں اُن کے چہرے پر، وہ واضح طور پر پڑھتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی خاموشی ہزاروں گویائیوں پر بھاری لگتی تھی، وہ ایسے مواقع سے واپسی پر کوئی خاص تحفہ راقم کے لئے ضرور لاتے اور اس کی اپنے پاس حاضری کے وقت بہ ذاتِ خود اس کو پیش فرماتے، یا کسی خادم کے ذریعے اُس کی رہائش گاہ پر بڑے اہتمام سے بھجواتے۔

حضرت مرحوم کم گو اور خاموش مزاج تھے؛ لیکن نہ صرف امت مسلمہ؛ بلکہ عالمی مسائل پر اخبار نویسوں، نامہ نگاروں اور ٹیلی وزن کے مختلف چینلوں کے نمائندوں کو (جو ملک کا سب سے بڑا اور تاریخی اسلامی ادارہ ہونے کی وجہ سے دارالعلوم کثرت سے آتے رہتے ہیں) بہت جچا تلا اور بصیرت مندانہ جواب دیتے تھے، جس سے جہاں امت مسلمہ کے تئیں ان کی دل سوزی وفکر مندی کا اندازہ ہوتا تھا، وہیں عالمی حالات وواقعات سے ان کی آگاہی اور صحیح صورتِ حال کی ان کی جان کاری کا بھی پتا چلتا تھا۔ وہ اخبارات کا پابندی سے مطالعہ کرتے اور ہندی مسلمانوں، نیز عالم کے تمام مسلمانوں کے مسائل کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔ یہ راقم جب ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوتا اور صبح کا وقت ہوتا، تو عموماً وہ اخبار کے اوراق کھولے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے محو مطالعہ ہوتے، راقم سلام کرتا، تو اخبار ہاتھ سے ڈال دیتے اور مختلف داخلی وخارجی اور ملکی وعالمی بالخصوص اسلامی مسائل اور حالات پر تبادلۂ خیال کرنے لگتے۔

عراق کے مرحوم صدر صدام حسین نے جب کویت پر حملہ کر کے اپنے لئے، اپنے ملک کے لئے اور عالم عربی کے لئے مسائل پیدا کر لئے اور امریکہ کے عالم عربی میں در آنے اور اپنے فوجی اڈے ہمیشہ کے لئے قائم کر لینے اور عراق کو تباہ وبرباد کر دینے کے اپنے صہیونی صلیبی منصوبے کو بہ روئے کار لانے کا بہ ظاہر سبب بن گئے (۱) تو انہیں دنوں (جب امریکہ اپنی فوجیں

(۱) درحقیقت صدام حسین (اللہ ان کی غلطیوں کو معاف کرے) اپنی ناسمجھی، کم نظری، ناعاقبت اندیشی اور اُفتادِ طبع کی وجہ سے، جس کا صلیبی صہیونی منصوبہ سازوں کو بہ خوبی اندازہ تھا، امریکہ کے دام فریب میں آکر، عالم عربی کو تباہ کرنے اور ہمیشہ کے لئے ہمہ جہت غلام بنا لینے کے، اس کے دور رس صلیبی صہیونی منصوبے کے برپا ہونے کا آلہ کار بن کر، خود بھی اس کا شکار ہو گئے۔

خلیج عربی کے ملکوں میں اتار چکا تھا اور عراقی افواج پر کویت کو آزاد کرانے کے بہانے ہلہ بولنے کو تھا) سوءِ اتفاق کہ راقم کے پاؤں کے بائیں تلوے میں شدید زخم تھا اور اس کے لئے چلنا پھرنا دشوار تھا، حضرت مرحوم ایک روز ۱۰-۱۱/ بجے صبح کو اکیلے اس کی رہایش گاہ ''افریقی منزل قدیم'' تشریف لائے، بہ مشکل چائے لی، پھر اس وقت کے عالم عربی کے نازک حالات پر تبادلہ خیال کرنے لگے، فرمایا: مولانا! اب تو سارے ہندوستانی مسلمان صدام حسین کے ساتھ ہیں۔ حضرت نے یہ جملہ اِس پس منظر میں ارشاد فرمایا کہ حضرت کو معلوم تھا کہ یہ راقم کویت پر عراق کی چڑھائی اور اس پر اس کے قبضہ کر لینے کا مخالف ہے، اور اُس کی یہ رائے ہے کہ امریکہ کویت کو عراق سے آزاد کرانے کے بہانے ہمیشہ کے لئے عالم عربی میں اپنے پنجے گاڑ رہا ہے، اور یہ موقع چوں کہ اپنی حماقت سے صدام حسین نے فراہم کیا ہے، اس لئے وہ کسی ہم دردی کے مستحق ہیں۔ ہندوستان کے عوام چوں کہ حقیقت حال سے واقف نہیں؛ اس لئے وہ یہ سمجھ کر صدام حسین سے ہم دردی کا اظہار کر رہے ہیں کہ صدام اکیلے اور تن تنہا امریکہ کو للکار رہے ہیں، اور اتنی بڑی طاقت سے ٹکرانے کے لئے تیار ہیں۔

راقم نے عرض کیا: حضرت! کیا آپ بھی اب عوام سے متأثر ہو کر اپنی رائے بدل چکے ہیں، اور یہ سمجھنے لگے ہیں کہ صدام کا امریکہ کو للکارنا اور اس سے ٹکرانا، ان کے لئے یا اُمت عربیہ اور اُمت مسلمہ کے لئے، کچھ بھی سودمند ہو سکتا ہے؟ صدام نے ایک غلطی تو کویت پر حملہ اور قبضہ کرنے کی کی، اور اب دوسری غلطی امریکہ سے مقابلہ کرنے کی تیاری کے ذریعے کر رہے ہیں، گویا وہ نہ صرف اپنی قبر خود کھود رہے ہیں؛ بلکہ عراق اور عالم عرب کے لئے بھی دیرپا اور دوررس تباہی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔

حضرت کے چہرے بشرے سے لگا کہ وہ راقم کی بات سے شاید مطمئن ہو گئے ہیں؛ لیکن زندگی کے اکثر مواقع پر وہ زیرلب گہری مسکراہٹ پر اکتفا کرتے تھے، اِس موقع سے بھی انہوں نے ایسا ہی کیا، راقم کے دل نے کہا کہ وہ سچائیوں کی تہہ تک تو پہنچ گئے ہیں؛ لیکن حالات کا جبر اُنہیں لب کشائی کرنے نہیں دے رہا۔

حضرت مرحوم خاصے مردم شناس تھے، دارالعلوم کے ویسے تو سارے اساتذہ کا بڑا احترام کرتے تھے؛ لیکن جن اساتذہ کو وہ دارالعلوم کے لئے دور رس فوائد کا حامل اور اپنے تجربے، استقرا اور ذہنی مطالعے کی روشنی میں سچا خیر خواہ سمجھتے تھے، ان کے ساتھ احترام ومحبت کا خصوصی معاملہ کرتے تھے۔ اِس سلسلے میں اُن کے ذہن میں خانے بنے ہوئے تھے، اور ان میں سے ہر ایک کو اُسی خانے میں رکھتے تھے جو اُنہوں نے اُس کے لئے متعین کیا ہوتا تھا، اور اُسی ''درجہ بندی'' کے اعتبار سے وہ اُن کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔ تیس سالہ اہتمام کے طویل دورانیے کے دوران، انہیں بہ خوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ اُن میں سے کس کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرنا چاہئے۔ اِسی لئے اُن میں سے ہر ایک اور عام اساتذہ وملازمین، اُن سے میرے علم ومطالعے کے مطابق ہمیشہ خوش رہے، یا کم از کم ناراضگی اور دل شکنی کا شکار نہ ہوئے۔

راقم بھی سمجھتا ہے کہ وہ پورے خلوص سے، اُس کے متعلق بہت اچھی رائے رکھتے تھے، اِسی لئے اُس کے ساتھ بہت شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے۔ وہ بہت شرمندہ ہوتا تھا جب وہ آم کی سالانہ دعوت کے موقع پر شگر کی اُس کی بیماری کی وجہ سے، اُس کی غیر حاضری کو نوٹ کرتے ہوئے، اُس کی رہایش گاہ پر طرح طرح کے آموں کا ایک دو کارٹون ضرور بھجواتے۔ اُس کے بعد جب بھی پہلی مرتبہ حاضر ہوتا، فرماتے آپ نے کوئی آم چکھا کہ نہیں؟ اُن کی دل جوئی کے لئے کہتا: حضرت فلاں تخمی آم ناچیز نے چوسا ہے، بہت مزے دار تھا، یہ سن کر بہت خوش ہوتے۔ اِسی طرح پَرْوَلْ (ایک قسم کی ترکاری) کے موسم میں وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ بہت سارا پرول لاتے اور خاصی مقدار میں راقم کے پاس بھجواتے؛ کیوں کہ حضرت کو معلوم تھا کہ اُس کو پرول بہت پسند ہے، اور اُس کے علاقہ بہار میں وہ کثرت سے ہوتا ہے، اور اہم ترین سبزیوں میں شمار ہوتا ہے۔ بجنور میں گنگا کے کنارے چوں کہ کچھ اہل بنگال غیر مسلم آبسے ہیں؛ اِس لئے اب وہ اُس کی کھیتی کرنے لگے ہیں اور وہاں وہ اپنے موسم میں بہ کثرت ملنے لگا ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوا کہ بعض مسائل میں راقم کو حضرت سے شکایت ہوئی اور اُس نے اُن

سے اُس کا برملا اِظہار بھی کیا؛ لیکن حضرت کو اُس سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی، نہ حضرت نے اُس کا اُس سے اظہار کیا، نہ راقم سے کبھی اپنی کسی ناگواری کی طرف اشارہ کیا، جب بھی وہ ملا وہ بہت انبساط وفرحت سے کھل کر ملے اور ایسا لگا کہ وہ راقم کی آمد کے انتظار میں تھے، اللہ اُنہیں بہت نوازے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اُن کے اخلاص کی برکت سے دارالعلوم کو ہر خرخشے سے محفوظ رکھے۔

راقم کو چوں کہ اکثر تلوے میں یا پاؤں کی کسی انگلی میں شگر کے مرض کی وجہ سے زخم رہا کرتا ہے، اس لئے جب بھی حضرت سے ملا، حضرت نے ضرور معلوم کیا کہ آپ کا زخم اس وقت مندمل ہے؟ اگر راقم عرض کرتا کہ زخم مندمل نہیں ہوسکا، تو آہستہ آواز میں شفا کی دعا دیتے اور اگر عرض کرتا کہ الحمد للہ اس وقت کوئی زخم نہیں ہے تو بہت خوش ہوتے۔

اُن کی کم گوئی کی خو کی وجہ سے یہ ضرور ہوا کہ بعض دفعہ لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا کہ بڑے سے بڑا اور اچھے سے اچھا کام کرلو؛ لیکن مہتمم صاحب تعریف نہیں کرنے کے، وہ کبھی حوصلہ نہیں بڑھاتے نہ ماشاء اللہ یا ''واہ'' کا لفظ ادا فرماتے ہیں، بس مہر بہ لب رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے راقم ہمیشہ یہ کہتا کہ آپ ان کے چہرے کو پڑھا کیجئے، وہ خوش ہوتے ہیں، تو ان کا چہرہ دمک اٹھتا ہے اور خوشی کی لکیریں اُن کے چہرے پر نمایاں طور پر ابھر آتی ہیں، ان کی کم گوئی ان کے لئے لب کشا ہونے سے مانع رہتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ڈانٹنے اور جھڑکنے کی جگہ پر بھی وہ کسی کو ڈانٹتے ہیں نہ اس سے سخت کلامی کرتے ہیں؛ لیکن اچھے برے انسانوں کے ساتھ وہ الگ الگ معاملہ کرتے ہیں اور وہ انسانوں اور ان کے کاموں کی بہ خوبی شناخت رکھتے ہیں۔ تیس سالہ دور اہتمام میں انہوں نے کسی سے سخت کلامی کی نہ کسی سے ان کی بدزبانی کبھی ریکارڈ کی گئی۔ وہ طویل العمری اور انتہائی پیرانہ سالی کے باوجود جھنجھلاتے بھی نہ تھے، ورنہ ان سے کم عمر کے سن رسیدہ لوگ بھی عموماً ''بے صبرے'' ہوجاتے ہیں، اور ان کا پیمانہ صبر جلد جلد چھلکنے لگتا ہے۔ غصہ آنا، خفا ہوجانا، بات بات پر؛ جھڑکنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا؛ بوڑھے لوگوں کی شناخت ہی ہوتی

ہے؛ لیکن بہت بوڑھے اور ساتھ ہی کم زور اور بیمار ہونے کے باوجود حضرت کی یہ خوبی رہی کہ وہ صحت مند انسانوں سے زیادہ متحمل مزاج رہے۔ ہر طرح کے انسانوں کو برداشت کرنے کی ان کی ایسی خو میں نے بہت کم بڑوں میں دیکھی ہے اور جن میں دیکھی ہے وہ بہت بڑے تھے، حضرت مرحوم بھی انہی میں سے ایک تھے۔ وہ چھوٹے بڑے اور اچھے برے ہر ایک سے اس طرح پیش آتے تھے کہ اس کو لگتا تھا مہتمم صاحب اسی کو زیادہ چاہتے ہیں، گویا ان کا موقف یہ تھا:

چلو کہ ہنس کے گلے لگائیں کانٹوں کو

کہ صرف پھول ہی پروردۂ بہار نہیں

صبر وتحمل ان کی زندگی کے بہت بڑے قدر کی حیثیت رکھتا تھا، کہنا چاہئے کہ زندگی کے اکثر معرکے، اُنہوں نے اِسی سے فتح کئے۔ بعض دفعہ بعض لوگوں نے اُن کے ساتھ سخت کلامی یا ان کے خلاف سخت نگاری کی؛ لیکن انہوں نے اس کا جواب صبر وتحمل اور سکوتِ محض سے دیا۔ بہت سے لوگوں کو ان کی طرف سے اُن لوگوں پر سخت غصہ آیا، جنہوں نے اُن کے ساتھ ناروا رویہ اختیار کیا اور اُن کے ساتھ درشت گوئی کی یا درشت نگاری کی؛ لیکن خود انہیں کچھ بھی نہیں آیا؛ کیوں کہ وہ اپنا انتقام لینے کے لئے مخلوق ہی نہ ہوئے تھے۔ وہ دیانتاً جو سمجھتے تھے وہی کرتے تھے، اپنا معاملہ اللہ سے درست رکھنے کی کوشش کرتے تھے، اِسی لئے دارالعلوم کو اُن سے جو فیض پہنچا، اُس کی ابتدائی منزل میں کسی کو توقع نہ تھی اور دنیا سے اِس حال میں گئے کہ اب لوگوں کو اندیشہ ہے کہ اکتسابات اور فیضان کا یہ تسلسل باقی رہے گا کہ نہیں؛ کیوں کہ نفس کشی اور ناپسندیدگی اور مکروہات کا ایسا بلانوش؛ نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہوتا ہے:

منزل پہ مجھ کو دیکھ کر حیراں تو سب ہوئے

لیکن کسی نے پاؤں کے چھالے نہیں دیکھے

وہ دارالعلوم کے معاملات میں بھی اِسی لئے بہ عجلت کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے؛ کیوں کہ عجلت پسندی، جذباتیت، سریع الانفعالی سے وہ ناآشنائے محض تھے۔ بہت خوشی اور بہت غم کی وجہ

سے بہت زیادہ مثبت اور منفی طور پر متأثر ہوجانا، اور اُس مثبت اور منفی تأثر کے نتیجے میں کوئی کام کرگزرنا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ رائے، فکر اور سوچ کو بھی اُسی طرح پکاتے تھے، جس طرح دیر میں اور بہ مشکل گلنے والی چیز کو تادیر اور کئی زاویوں سے پکایا جاتا ہے۔ اِس کی وجہ سے بعض دفعہ وہ اُن باتوں کے لئے بھی بہ عجلت فیصلہ نہیں لے پاتے تھے، جن کے حوالے سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ معمولی چیزیں ہیں اور اِنہیں تو مہتمم صاحب کو ضرور ہی کرلینا چاہئے۔ لوگوں کے نزدیک اُن باتوں میں دیر کرنے سے نقصان کا پہلو متصور رہتا تھا؛ لیکن حضرت کے نزدیک خسارے کا کوئی پہلو نہیں ہوتا تھا؛ کیوں کہ ان کا ایمان تھا کہ جو کام بھی بہت سوچ سمجھ کر کیا جائے، اُس میں کسی نقصان کا کوئی احتمال نہیں ہوتا، سارا نقصان ان کاموں میں ہوتا ہے جو بہ عجلت اور بے سوچے کرلیا جاتا ہے۔

راقم کا خیال ہے کہ مہتمم صاحب کی درازئ عمر میں جہاں ان کی نیکی، خدا کی حکمت اور دارالعلوم کے لئے، ان سے تادیر کام لینے کی سعادت سے انہیں بہرہ ور کئے رہنے کی اس کی مشیت کا دخل تھا، وہیں ان کی یہ خوبی بھی ظاہری سبب کے درجے میں کارفرما رہی کہ وہ بڑے نازک سے نازک وقت میں بہ عجلت اور بار بار متأثر ہونے کے مریض نہیں تھے۔ جہاں وہ بڑے دماغ کے انسان تھے وہیں وہ بڑے مضبوط اعصاب کے آدمی بھی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ شروع سے ہی علم وتدریس کو اپنا مشغلہ بناتے، تو شاید وہ بڑے دانش ور وبصیرت مند وبصیرت افروز مدرس ہوتے اور ان کے علم وفکر کے نتائج بہت کارآمد اور ان سے استفادہ کرنے والے طلبہ گہری سوچ، سنجیدہ رائے اور دانش مندانہ غور وفکر کے حامل ہوتے اور خود اُن کی خاموشی گویائی میں تبدیل ہوکر علم وفکر کے موتی رولنے میں مددگار ہوتی اور امت اور ملت کے لئے بڑے فائدے کا ضامن ہوتی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت مہمان نواز تھے، مہمان نوازوں کا تناسب انسانی معاشرے میں بہت زیادہ نہیں، تو بہت کم بھی نہیں ہوتا؛ لیکن اصل چیز جو ایک مہمان نواز کو دوسرے سے

ممتاز کرتی ہے وہ مہمان نوازی کا سلیقہ اور مہمان نوازی کی قدروں اور آداب پر کاربند رہنے کی توفیق ہے۔ حضرت مہتمم صاحب پرانے زمین دار تھے، شرافت نسبی کے بھی حامل تھے کہ وہ صدیقی النسب تھے، وہ خلقتاً حلیم وکریم وشریف تھے، سخاوت وکرم گستری انہیں موروثی طور پر حصے میں ملی تھی، رکھ رکھاؤ اور روایات وتہذیب کے آدمی تھے، سیر چشمی وکشادہ دلی اور فیاضی سے ان کا خمیر اٹھا تھا، عالی حوصلگی ہمیشہ ان کے ہم رکاب رہتی تھی اور میزبانی کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے کے اسباب بھی اللہ نے ان کے لئے مہیا کرر کھے تھے کہ مادی وسائل کی بھی کمی نہ تھی (اللہ پاک اپنے فضل خاص سے، اُن کے پس ماندگان کے لئے بھی یہ وسائل افزودگی کے ساتھ باقی رکھے) پھر یہ کہ انہوں نے اپنے سلف کو میزبانی کے سارے آداب برتتے ہوئے دیکھا اور سیکھا تھا؛ اس لئے وہ صحیح معنی میں مہمان نواز تھے۔ وہ دسترخوان پر بیٹھے سارے مہمانوں تک دسترخوان کے سارے مشمولات کے پہنچنے کو یقینی بناتے، ڈھکی ہوئی روٹیوں میں سے گرم گرم روٹیاں ہر ایک کی طرف اپنے ہاتھ سے بڑھاتے، ہر ایک کی پلیٹ میں ہر طرح کے سالن اپنے سے ڈالنے کی کوشش کرتے، مہمانوں کا کھانے کے دوران ''حوصلہ'' بڑھاتے کہ خود بھی آہستہ آہستہ آخر تک ان کے ساتھ کچھ نہ کچھ لیتے رہتے اور زبان سے بھی اور ماکولات لینے کے لئے ان پر زور ڈالتے۔ پھر یہ کہ ہر طرح کی چیزیں دسترخوان پر وافر مقدار میں ہوتیں، جس سے مہمانوں کا ''حوصلہ'' کھانے کے لئے از خود مہمیز ہوتا، دسترخوان کا ماحول ایسا تشکیل دیتے کہ کسی مہمان کو کھانے میں تکلف ہوتا نہ شرمندگی ہوتی۔ بہت سے ''مہمان نواز'' دسترخوان پر ساری چیزیں چن کے مہمانوں کو دسترخوان پر بٹھا دیتے ہیں اور کھانے کے لئے ذرا بھی ترغیب وتشویق کا رویہ نہیں اپناتے، جیسے ان کا اصلی مقصد کھانوں اور برتنوں کی نمائش تھی جو ہو چکی، اب مہمان کچھ لیں یا نہ لیں، ان کی بلا سے۔

اُن کی مشہور آم کی سالانہ دعوت، جس میں اساتذہ واَعیانِ شہر اور سرکاری اہل کاروں کی ایک تعداد بھی شرکت کرتی تھی، یہی ان کی پہچان نہ تھی؛ بلکہ ان کی اصل شناخت ان کا وہ

دسترخوانِ ضیافت تھا جو وقفے وقفے سے ان کے دارالعلوم والے کمرے میں اور تقریباً ہمہ روز اُن کے گھر پر بچھا کرتا تھا۔

مہتمم صاحب طلبہ اور عام واردین وزائرین سے، جن کی دارالعلوم میں کثرت رہتی ہے اور جن میں عموماً ناخواندہ اور بے سلیقہ لوگ ہی زیادہ ہوتے ہیں، بڑی شفقت اور کھلے پن سے ملتے تھے۔ بعض دفعہ تبلیغی جماعت کا کوئی بڑا وفد دفتر اہتمام میں آ گھستا، کبھی کبھی اس میں ۱۰۰-۵۰/ آدمی بھی ہوتے، ہر ایک اُن سے سلام ومصافحے کا خواہش مند ہوتا، مہتمم صاحب بڑے تحمل اور بردباری وخوش اخلاقی سے ہر ایک کے سلام کا جواب دیتے اور مصافحہ کرتے۔

اِسی طرح بعض دفعہ دارالعلوم یا کسی اور جگہ کے طلبہ کا وفد ان کے پاس اچانک آجاتا اور ہر ایک سلام ومصافحہ کرتا اور آپ ذرا بھی برا نہ مانتے، خواہ کتنے ہی ضروری کام میں لگے ہوں، کسی سے بھی کام کے بیچ میں ہی خوش دلی سے مل لیتے۔ طلبہ دارالعلوم میں سے کوئی بھی دفتر اہتمام بہ راہِ راست اُن کے پاس آجاتا اور اپنے کسی ضروری کاغذ پر دستخط کا خواہش مند ہوتا، تو آپ کبھی تنگ دل نہ ہوتے۔ ایسے موقعوں پر کبھی یہ راقم ہوتا، تو دل ہی دل میں کڑھتا کہ حضرت ہر ایک کو ہر وقت گوارا کر لیتے ہیں، ان کی جگہ اگر یہ راقم ہوتا، تو اِس کے لئے اِس صورتِ حال کو گوارا کرنا مشکل ہوتا، پھر اس کو معاً خیال آتا کہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں دارالعلوم جیسے الہامی ادارے کے منصب اہتمام پر بٹھا رکھا ہے نہ کہ راقم جیسے زود رنج کو۔

حضرت مرحوم کو اللہ نے خوش حالی دی تھی؛ لیکن دارالعلوم کے تیس سالہ دورِ اہتمام میں، اِس راقم نے اُنہیں ٹیپ ٹاپ کی زندگی گزارتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ چاہتے تو اچھے سے اچھا لباس اختیار کر سکتے تھے؛ لیکن اکثر بہت معمولی کپڑے زیب تن فرماتے، بعض دفعہ گرمی کے دنوں میں، اِس راقم نے اُن کے سفید کرتوں میں پیوند لگے ہوئے بھی دیکھے، اُن کے کرتوں کے کالر بعض دفعہ انتہائی بوسیدہ، بلکہ لب کشا نظر آئے، سادہ سی دو پلی ٹوپی جو صالحین دارالعلوم کا امتیاز رہا ہے استعمال فرماتے، رہائش گاہ میں بھی سادگی تھی، کھڑکیوں پر عام قسم کی بانس کی تیلیوں

کی چق پڑی رہتی تھی، منتظمین کے اِصرار کے باوجود بھی اُن میں لوہے یا پلاسٹک کی جالیاں ڈلوانا پسند نہیں فرمایا۔ زمین پر بھی معمولی سا فرش اور پرانی قالین بچھی رہتی تھی، بڑے بڑے مہمانوں: علما، قائدین اور اَتقیا وصالحین کا اپنی اسی معمولی رہائش گاہ میں استقبال کیا اور اُنھیں کبھی کسی خفت کا اِحساس نہ ہوا؛ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ دارالعلوم کے اُن کے اَساتذہ ومشائخ اِس سے بھی معمولی اور سادہ زندگی گزارتے تھے۔ اِس سچائی کو جانتے تو ہم سبھی لوگ ہیں؛ لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو کشادگی، خوش حالی وفارغ البالی اور مادی وسائل کی فراوانی کے باوجود، عملی طور پر اُن کی سیرت پر گامزن ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہو پاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے دارالعلوم کے اس عالی مقام منصب کے معیار پر اُترنے کی نہ صرف کوشش کی؛ بلکہ اِس حد تک اُترے کہ اب ہر ایک کی زبان پر ہے:

کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگنِ عشق
ہے لبِ ساقی پہ مکرر یہ صَلا میرے بعد

حضرت مرحوم ویسے تو کئی سال سے خاصے کم زور تھے، جب سے اُن کے کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی، چہرے اور پاؤں پر بھی اکثر ورم رہتا تھا، آنکھوں میں نزولِ آب کی بھی شکایت تھی؛ لیکن اِس کے باوجود وہ دو ایک سال قبل تک بہت پابندی سے دفترِ اہتمام میں صبح وشام کے مکمل دورانیوں میں تشریف لے جاتے اور سارے ضروری کام انجام دیتے تھے۔ زیادہ کم زوری اور معذوری کے بعد جب چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تھا، دارالعلوم میں اپنے حجرے ہی میں تشریف رکھتے تھے اور دارالعلوم کے کام کے اوقات میں سارے اہل کار اپنے اپنے ضروری کاغذات پر دست خط اور منظوری وہیں جا کے حاصل کر لیتے تھے۔ عرصے سے حضرت کا یہی معمول رہا۔ شعبان ۱۴۳۱ھ کی شوریٰ کے بعد اپنے دولت کدہ بجنور تشریف لے گئے، وہاں پھر پھسل گئے اور کولھے کی ہڈیوں میں پھر شدید تکلیف ہو گئی، چلنا پھرنا تو پہلے سے ہی مشکل تھا، اب اُٹھنا بیٹھنا بھی دشوار تھا، خادم کے سہارے اُٹھائے بیٹھائے جاتے تھے، ہڈیوں کا مجموعہ بن گئے تھے۔ ۱۳؍ ذی الحجہ کو

۱۱؍ بجے صبح میں ہم چند اساتذۂ دارالعلوم، اُن کی عیادت اور زیارت کو پہنچے، تو حضرت کے صاحب زادے برادرِ مکرم مولانا انوار الرحمٰن قاسمی نے فرمایا: اچھا ہوا کہ آپ مہتمم صاحب سے ملنے آ گئے، کل ہی کی بات ہے کہ انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے قربانی کے گوشت اُن سارے لوگوں میں تقسیم کئے کہ نہیں جن میں؛ میں تقسیم کیا کرتا تھا؟ پھر فرمایا: مولانا نور عالم اور مفتی سعید صاحب یہاں آئے تھے کہ نہیں؟ میں نے عرض کیا: حضرت! یہ دونوں تو ابھی تک نہیں آئے ہیں، شاید آنے والے ہوں۔

بھائی انوار سے یہ سن کر میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ شاید حضرت کا وقت آخر نہ آ پہنچا ہو؛ کیوں کہ موت سے پہلے عموماً آدمی اُن لوگوں کو یاد کرنے لگتا ہے، جن سے کسی طرح کا خصوصی ربط و تعلق اُس کو رہتا ہے۔ راقم کی سعادت کی بات ہے کہ اُن کی موت سے صرف چند روز پہلے وہ اُن سے دنیا کی اِس زندگی میں مل آیا۔

چہارشنبہ: یکم محرم ۱۴۳۲ھ مطابق ۸؍ دسمبر ۲۰۱۰ء کو خدا معلوم کیوں راقم کے دل میں شدید تقاضا ہوا کہ شعبان ۱۴۳۱ھ کے بعد کئی ماہ سے دفترِ اہتمام نہیں جا سکا، آج ضرور جاؤں گا، دیکھیں وہاں حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ کارگزار مہتمم دارالعلوم کی وفات کے بعد (۱) کیسا نقشہ ہے، دونوں نائب مہتمم: حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی اور صدیق مکرم مولانا عبدالخالق سنبھلی سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ بالخصوص آخر الذکر سے کہ وہ ابھی چند روز قبل حج کے سفر سے واپس آئے تھے۔ دفترِ اہتمام میں جھانک کے دیکھا، تو وہاں توقع کے خلاف سناٹا تھا، پیش کار صاحب نے بتایا کہ آج دفترِ تعلیمات میں مجلسِ تعلیمی کی میٹنگ ہے، اِس لئے دونوں حضرات وہیں تشریف لے گئے ہیں۔ صبح کے دس بج رہے تھے، پیش کار صاحب کی رائے ہوئی

(۱) (حضرت مولانا کی وفات دارالعلوم کے مہمان خانے میں، جہاں دارالعلوم آمد کے وقت ان کا قیام رہتا تھا، بہ روز جمعہ سوا پانچ بجے شام: ۲۷؍ شوال ۱۴۳۱ھ مطابق ۸/۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو ہوئی۔ ۹؍ بجے صبح ان کی نمازِ جنازہ اُن کے صاحب زادے مولانا نظام الدین نے پڑھائی، جنازے میں کئی ہزار علماء و طلبہ و باشندگانِ شہر نے شرکت کی، ۱۰؍ بجے مقبرۂ قاسمیہ میں تدفین عمل میں آئی، اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، آمین۔

کہ آپ آدھا پون گھنٹہ رک سکتے ہوں تو دفتر اہتمام میں تشریف رکھیں، ساڑھے دس بجے کے بعد یا تو یہ دونوں حضرات خود تشریف لے آئیں گے، یا میں اِنہیں آپ کی آمد کی اطلاع دے دوں گا، تو بالضرور آ جائیں گے؛ کیوں کہ اُس وقت تک میٹنگ ضرور ختم ہو جائے گی۔ میں اہتمام کے ہال میں دروازے کے پاس دائیں طرف بیٹھ گیا، نہ معلوم کیوں شدید تقاضا ہوا کہ بے کار بیٹھنے کے بجائے قرآنِ پاک کی زبانی تلاوت کروں۔ راقم نے پہلے سورۂ یٰسین شریف پڑھی اور پھر انتہائی لگن سے کئی سو بار ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْـتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ کا ورد کرتا رہا۔ اتنے میں ۱۱؍بج گئے، تو اٹھا کہ پیش کار صاحب کو یہ کہہ کر چلا جاؤں کہ اِن دونوں حضرات سے راقم کا سلام کہہ دیجئے گا اور بتا دیجئے گا کہ عرصے کے بعد ملاقات کو آیا تھا؛ لیکن اِس سعادت سے محروم رہا کہ اِتنے میں مولانا عبدالخالق سنبھلی دفتر تعلیمات سے تیزی سے واپس آئے اور بتایا کہ ابھی ابھی اطلاع آئی ہے کہ ذرا پہلے حضرت مہتمم صاحب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، وہ دودھ لے رہے تھے کہ اُنہیں اُچھو آیا اور اسی دوران انہوں نے آخری سانس لی۔ انہوں نے کہا کہ بھائی انوار کی رائے جنازہ یہاں دارالعلوم لانے کی ہو رہی ہے؛ لیکن بجنور میں اعزا اور اہلِ شہر وہیں تدفین کے خواہش مند ہیں۔ بھائی انوار مولانا سید ارشد مدنی سے (جو جنوبی افریقہ کے سفر پر ہیں) اور بھائی محمود (مولانا محمود مدنی بن مولانا سید اسعد مدنیؒ) نیز اپنے بڑوں سے مشورہ کر رہے ہیں، بہ جلد یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ تدفین کہاں ہو؟ ہم لوگ اِنا للہ پڑھتے ہوئے دفتر تعلیمات کی طرف چل پڑے کہ بہت سے اساتذہ وہیں تھے، دل نے کہا کہ شاید اسی لئے اِس راقم کو خدائے کریم نے سورۂ یٰسین اور آیت کریمہ پڑھنے کی طرف متوجہ کر دیا تھا؛ کیوں کہ وہی وقت وفات کا وقت تھا۔ اساتذہ کی بڑی تعداد کو شدہ شدہ وفات کی خبر مل گئی اور بہت سے دفتر تعلیمات میں جمع ہو کے ایک دوسرے کی تعزیت کرنے لگے، بغیر اعلان کے یہ روح فرسا خبر سارے دارالعلوم میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، بہت سے طلبہ بجنور کو روانہ ہونے لگے۔ دارالعلوم کا سارا ماحول غم واندوہ میں ڈوب گیا، ہر ایک کو ایسا

لگا کہ وہ یتیم اور بے سہارا ہو گیا ہے۔ دارالعلوم کی فضا اجڑی اجڑی سی محسوس ہونے لگی۔ حضرت مرحوم کو دارالعلوم سے جو عشق تھا، اُس کی خدمت کو عبادت کی طرح جس طرح انجام دیتے تھے، سارے اساتذہ وطلبہ وملازمین سے انہیں جو پیار تھا؛ اُس کا کچھ اندازہ آج ہو رہا تھا۔

بالآخر بھائی انوار نے بڑوں کے مشورے سے جنازہ دیوبند لانے کا فیصلہ کرلیا، جو دارالعلوم کے تمام اساتذہ وملازمین وطلبہ کی خواہش کے عین مطابق تھا، دارالعلوم میں مائک سے بہ عجلت یہ اعلان کئی بار دہرایا گیا کہ حضرت مہتمم صاحب مولانا مرغوب الرحمٰن کا انتقال ہو گیا ہے اور شب میں ۹؍ بجے نماز جنازہ احاطۂ مولسری میں ادا کی جائے گی؛ لیکن شدید بھیڑ کی وجہ سے نیز بعض علماء اور اہل قرابت کے انتظار میں نماز جنازہ ۱۱؍ بجے شب میں ادا کی جاسکی؛ کیوں کہ عصر کے بعد جنازہ بجنور سے روانہ ہوا اور ۹؍ بجے شب میں دیوبند پہنچ سکا، اِس لئے کہ راستے میں ہر جگہ علماء واہل تعلق نے روک روک کے دیدار کرنے پر اِصرار کیا۔ تقریباً ۵۰؍ ہزار علماء وطلبہ واہل شہر نے نماز جنازہ وتدفین میں شرکت کی۔ دارالحدیث دونوں طرف کی درس گاہیں، اِحاطۂ مولسری، اِحاطۂ مطبخ، اِحاطۂ باغ، اِحاطۂ دفاتر، صدر گیٹ کے آگے کا میدان صد سالہ بلڈنگ تک، دفتر تعلیمات کے سامنے کی چھت دفتر اہتمام تک؛ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، اِس راقم نے اور کئی اساتذہ وملازمین نے بالائی منزل پر دفتر اہتمام کی گیلری میں نماز میں شرکت کی۔ ٹھیک ۱۲؍ بجے شب میں تدفین سے فراغت ہوئی۔

نماز جنازہ اور تدفین میں اساتذہ وطلبہ کی محبت وعقیدت دیدنی تھی، ہر ایک ذوق وشوق اور غم والم کے شدید جذبات سے مغلوب نظر آ رہا تھا، نماز جنازہ برادر مکرم مولانا انوار الرحمٰن قاسمی نے پڑھائی، اِس سے قبل بجنور شہر کی عیدگاہ میں بہت بڑے مجمع نے نماز جنازہ پڑھی، جس کی امامت جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے مولانا مفتی شبیر احمد صاحب نے کی۔

صبح کو ساڑھے آٹھ بجے دارالعلوم کی حضرت مرحوم کی تعمیر کردہ پرشکوہ مسجد رشید کے کشادہ ہال میں دارالعلوم کی طرف سے تعزیتی جلسہ ہوا، مسجد اپنی کشادگی کے باوجود مکمل طور پر

بھری ہوئی تھی، اساتذہ اور کئی ارکانِ شوریٰ نے اپنے اپنے تأثرات کا اظہار کیا۔ کئی اساتذہ وارکانِ شوریٰ اپنی تقریر کے دوران رو پڑے اور اُن کی آواز شکستہ وغم آلود ہوجانے کی وجہ سے ناصاف ہوگئی۔ دوسرے روز اہل شہر نے دارالعلوم کے مدرسہ ثانویہ کے میدان میں ایک بڑا جلسہ تعزیت منعقد کیا، دیوبند کے دیگر سارے مکاتب ومدارس میں یہ سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا۔ ملک وبیرونِ ملک کے مدارسِ اسلامیہ میں ہر جگہ بالخصوص مغربی یوپی کے مدارس ومکاتب وجامعات میں بڑے بڑے تعزیتی جلسے ہوئے، بعض فضلائے دارالعلوم نے عین نمازِ جنازہ اور تدفین کے وقت مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ اور طواف کیا، بعض فضلا نے جنازہ قبر میں اتارے جانے کے وقت ملتزم سے چمٹ کر، حضرت کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ ملک کے بہت سے مسلم وغیر مسلم قائدین واہل سیاست وحکومت بالخصوص مسلم جماعتوں اور اِداروں کے ذمہ داروں نے، دارالعلوم پہنچ کر، دارالعلوم کے موجودہ ذمے داروں سے تعزیت کی اور اپنے اپنے رنج وغم کا اظہار کیا، جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

بٹا ہوا بدن؛ باوقار پیکر؛ دراز قد؛ بڑا سا سر؛ کشادہ پیشانی؛ گھنیریں بھویں؛ ہلکی داڑھی؛ کھلتا ہوا گندمی رنگ؛ لمبی اور اونچی ناک؛ چہرے پر معصومیت؛ گفتگو میں نرمی اور دھیما پن؛ برتاؤ میں تہذیب وشائستگی کی تراوش؛ درویشی، سادگی، سنجیدگی، بردباری، شرافت، رکھ رکھاؤ، عالمانہ متانت، رئیسانہ عظمت اور نسبی برتری کی مورت؛ فکر وتدبر میں سمندر کی گہرائی؛ حسن اخلاق میں صحرائے ناپیدا کنار کی وسعت؛ صبر اور خاموشی کا پتلا؛ ستایش کی تمنا سے خلقتاً بے نیاز اور صلے کے پروا سے ناآشنائے محض؛ انتہائی بخالت اور بے پناہ سخاوت کے تضاد کا عجیب وغریب مجموعہ: اپنے دسترخوان پر اپنے ذاتی مال کو مہمانوں پر، اور وقتِ ضرورت فقیروں، یتیموں، بیواؤں اور بے سہاروں پر خرچ کرنے میں ''حاتم طائی'' اور دارالعلوم کے ملی مال کے پیسے پیسے کو بٹور کر رکھنے اور ایک ایک جبّے کو سوچ سمجھ کر خرچ کرنے اور بادلِ ناخواستہ اُس کے صرف کی اِجازت دینے میں ''اشعب لالچی بخیل'' سے زیادہ بخیل۔ یعنی اپنی ذات میں انجمن، اپنے بعد اپنے

جانشین کی تلاش کے لئے، اپنے بعد والوں کو بہت زیادہ سرگرداں چھوڑ جانے والا مردِ بے بدل۔ **رحمہ اللّٰہ وجعل جنة الفردوس مثواہ.**

یہاں پر ایک واقعے کا تذکرہ عبرت اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا: کئی سال پہلے (یعنی سہ شنبہ - چہار شنبہ: ۱۱-۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۳-۲۴/ جولائی ۲۰۰۲ء کی شب میں مغرب کی نماز کے بعد تقریباً سوا سات بجے) کی بات ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالب علم کے ساتھ کسی وجہ سے چند شہریوں نے زدوکوب کا معاملہ کیا، دارالعلوم کے طلبہ کی ایک تعداد نوجوانی کے جوش سے مغلوب ہوگئی، اور اُن سے دارالعلوم کے چوراہے کی چند دکانوں کو ذرا بہت نقصان پہنچ گیا، متعلقہ شہریوں کو بہت تکلیف ہوئی اور انہوں نے حضرت مرحوم سے بڑھا چڑھا کے اِس معاملے کی شکایت کی، حضرت نے فرمایا کہ آپ تحریری طور پر لکھ کے دیجئے کہ آپ لوگوں کا واقعتاً کتنا اور کیا کیا نقصان ہوا ہے؟ انہوں نے مبالغے کے ساتھ نقصانات کا اندازہ تحریراً پیش کیا، تو حضرت نے فرمایا: دیکھئے دارالعلوم کو قوم جو چندہ دیتی ہے وہ دارالعلوم کے ضروری مفادات پر خرچ کرنے کے لئے دیتی ہے، یہ حقیر اُس کا امین ہے، اُس میں کوئی خیانت اُس کے لئے جائز نہیں؛ اِس لئے میں دارالعلوم کی رقم سے آپ کے نقصانات کی تلافی نہیں کرسکتا۔ آپ لوگ مہینے دو مہینے کا موقع دیجئے کہ میں اپنی زمین کا کوئی حصہ مناسب قیمت پر فروخت کرکے آپ کے نقصانات کا معاوضہ ادا کرسکوں۔ حضرت کی بات سن کر شہریوں کا وفد آب دیدہ ہوگیا اور اُس نے حضرت سے معافی کی درخواست کی کہ حضرت! ہم لوگوں سے شدید غلطی ہوئی کہ ہم نے آپ کو پریشان کیا اور آپ کے لئے ذہنی اذیت کا باعث بنے، ہمیں کوئی معاوضہ نہیں چاہئے، دارالعلوم جیسے آپ کا ہے، ویسے ہی ہمارا بھی ہے۔

اُن کی وفات کے بعد بہت سے ہما شما قسم کے لوگوں نے، اُن کے جانشین کی اپنے تئیں اپنی خواہش کے مطابق نشان دہی شروع کردی ہے اور اِس سلسلے میں اخبارات میں بیان بازی بھی کر رکھی ہے؛ تاکہ ارکانِ شوریٰ کو انتشار میں مبتلا کیا جاسکے۔ حالاں کہ اِس مسئلے میں کسی ہما شما

کو رائے زنی کی کوئی ضرورت تھی نہ ہے، یہ کام دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے اہل خرد پاسبانانِ مفادِ دارالعلوم کا ہے کہ وہ باہمی رائے مشورے سے، جس شخصیت کو دارالعلوم کے اِس عظیم منصب کے لئے موزوں سمجھیں، اُس کو اِس کے لئے منتخب کریں۔ اِن شاء اللہ خدائے کریم کی توفیق سے وہ اتفاقِ رائے یا کثرت سے جو بھی فیصلہ کریں گے وہ ملت کے لئے قابل قبول ہوگا۔

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ سب کو
مرد وہ ہے جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

(اکبرالٰہ آبادی)

(ندائے شاہی مارچ / اپریل / مئی ۲۰۱۱ء)

اکابر واَسلاف کی سچی یادگار

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

۱۴۳۱ھ کی آخری شب اپنا دامن سمیٹ کر فارغ ہی ہوئی تھی، سورج نے ۱۴۳۲ھ میں آج پہلی مرتبہ اپنی ضیابار کرنوں سے چہار دانگ عالم کو منور کرنا شروع کیا تھا؛ نظام قدرت دیکھئے کہ ایک طرف سال نو کے آفتاب کو سماء دنیا پر طلوع ہونے کا حکم ملتا ہے تو دوسری طرف علم وعمل، فضل وکمال، امانت ودیانت اور تقویٰ وپارسائی کے ایک نیر تاباں کو بے ثبات دنیا چھوڑ کر عالم ازل کی طرف رخت سفر باندھنے کا پروانہ ملتا ہے۔

۱۴۳۲ھ اللہ کے خاص مہینہ محرم الحرام کی پہلی تاریخ، چہار شنبہ صبح کے ساڑھے دس بجے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے کھیون ہار، اکابر واسلاف کی سچی یادگار، امارت ملت اسلامیہ ہند کے تاج بردار، اور سینکڑوں بیواؤں، یتیموں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کے غم گسار، حضرت اقدس الحاج مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہٗ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) تقریباً ایک صدی تک اس جہاں رنگ وبو میں روشنی بکھیرنے کے بعد اپنے پیدا کرنے والے سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور سرزمین دیوبند میں ''قبرستانِ قاسمی'' کی اس خاک میں ہمیشہ ہمیش کے لئے پنہاں ہوگئے جہاں اُن کے پیش رو اکابر اور بزرگوں کی ایک بڑی تعداد آسودۂ خواب ہے، قاسمی قبرستان کا وہ خطۂ صالحین جہاں حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ جیسے اساطین علم آرام فرما ہوں، وہاں کے انوار وبرکات کا پوچھنا ہی کیا ہے، سعید وخوش بخت ہیں وہ لوگ جن کو وہ مٹی نصیب ہو اور اس بزم میں اللہ والوں کی رفاقت کا موقع ملے۔

حضرت مہتمم صاحب ۱۹۶۲ء میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن منتخب ہوئے، ماہِ اگست

۱۹۸۱ء میں مددگار مہتمم بنائے گئے اور پھر نومبر ۱۹۸۱ء میں ازہر ہند کے منصب اہتمام پر فائز ہوئے، اور تادم زیست اسی عہدۂ جلیلہ کو زینت بخشتے رہے۔ گویا انتظامی طور پر کم وبیش پچاس سال دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہے، اور ایسی خوش اسلوبی، دیانت داری، فرض شناسی، عالی حوصلگی اور سادگی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے چلے گئے کہ دارالعلوم برابر شاہ راہِ ترقی پر گامزن رہا اور خلفشار سے ابرنے کے بعد اُس کو اتنا استحکام نصیب ہوا جس کی بظاہر توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

مرحوم کا ایک بہت بڑا وصف اُن کی بے پناہ سادگی اور بے تکلفانہ زندگی تھی، بہت بڑے ہونے کے باوجود بہت چھوٹوں سے بھی بڑے اپنائیت، محبت اور خوش دلی کے ساتھ پیش آتے تھے، ہم جیسا معمولی اور ادنیٰ سا طالب علم اُن کے بھرپور رعب، وجاہت، متانت اور سنجیدگی کے باوجود اپنے مدعی کو بآسانی اُن کے سامنے پیش کرتا اور گفتگو کے بعد مطمئن ہوکر واپس جاتا، کوئی بھی طالب علم اپنی درخواست لے کر خدمت عالیہ میں پہنچ جاتا، پوری توجہ کے ساتھ اُس کی بات کو سنتے، کارروائی کی ضرورت ہوتی تو متعلقہ شعبہ جات کو احکامات صادر فرماتے، ورنہ حسبِ ضرورت فہمائش اور کلماتِ تسلی کا سہارا لے کر واپس بھیج دیتے، بات بات پر غصہ ہونا اور مخاطب کو غیر ثقہ کلمات سے نوازنا اُن کا شیوہ نہ تھا، وہ بڑے حلیم، بردبار، نرم خو، کم گو اور زندہ دل واقع ہوئے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے نظم ونسق اور انتظام وانصرام کو جس سلیقہ، حسن عمل، امانت داری اور احتیاط کے ساتھ آپ نے چلایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، آپ بجا طور پر دارالعلوم کی خدمت کا حق ادا کرنے والے اور بلا مبالغہ بےلوث ''خادم دارالعلوم'' کہے جانے کے مستحق ہیں، دارالعلوم سے وابستگی کی اس طویل مدت میں آپ نے تمام تر خدمات کو بلا معاوضہ حسبۃً للہ انجام دیا ہے، اور دارالعلوم سے کسی طرح کا کوئی فائدہ حاصل کرنا تو دور کی بات؛ حتیٰ کہ رہائش کے دوران کھانے پینے کے مصارف بھی اپنی جیب خاص سے اَدا فرمایا کرتے تھے۔ ہم نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں، دارالعلوم کے منصب اہتمام پر مہتمم صاحب ہی کو پایا، اور جیسا پہلے دن پایا تھا آخر تک اس میں کوئی تبدیلی محسوس نہ کی۔ اِحاطۂ مسجد کی وہی قدیم اور معمولی رہائش گاہ، سادہ کھانا، بجنور آمد ورفت اور دیگر مقامات پر جانے کے لئے اکثر وبیشتر ایک متعینہ کار، دارالعلوم جیسے عظیم

اِدارے کے مہتمم اور خاندانی رئیس۔ اگر چاہتے تو اپنے معیار زندگی میں حسب منشاء تبدیلی کر سکتے تھے؛ لیکن غالباً اُن کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی، وہ تو صرف اور صرف دارالعلوم کی خدمت، اس کی فلاح و بہبود کے منصوبے بنانا اور ان کو روبہ عمل لانا ہی جانتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنے بعد آنے والے لوگوں اور قومی ملی امانتوں کے ذمہ داران کے لئے اپنے محتاط رویہ اور شفاف کردار سے ایک ایسی ڈگر چھوڑی ہے جس کی برابری کرنا جوئے شیر لانے کے مرادف ہوگا۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دارالعلوم کے تئیں ان کی بے پناہ عقیدت، عظیم سے عظیم تر خدمت کے جذبات، ہزاروں لاکھوں علماء اور اہل عمل کی سر پرستی اور رابطۂ مدارس عربیہ کے شہ نشین کی حیثیت سے ہزاروں مدارس کی بے تاج بادشاہت آپ کی زندگی کا بیش قیمت سرمایہ، دونوں جہاں میں عزت و سربلندی کا ذریعہ اور ذخیرۂ آخرت ہے۔ کیا یہ اللہ کا خصوصی فضل و کرم نہیں کہ تقریباً سو سال عمر، اعضاء جسمانی نڈھال اور کمزور، چلنا یا اٹھ کر بیٹھنا تو دور خود سے کروٹ لینا بھی مشکل؛ لیکن دل و دماغ مکمل طور پر حاضر، سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی بھرپور صلاحیت اور ذہنی استحضار اپنی جگہ بدرجۂ اَتم موجود۔

رمضان سے قبل یہ حقیر بغرض ملاقات بجنور حاضر ہوا، مکان کے اندرونی حصہ میں صحن میں بچھی ہوئی چارپائی پر آرام فرما تھے، غالباً مغرب کے بعد کا وقت تھا، کچھ اندھیرا سا تھا، احقر نے قریب جا کر سلام کیا، نام بتایا، فوراً پہچان گئے، خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد فرمایا: ''اب تو تم امروہہ آ گئے، قاری صاحب بھی دارالعلوم آنے سے پہلے وہیں تھے''۔ زیرِ درس کتابوں کے متعلق دریافت کیا، احقر کے جواب دینے پر حوصلہ افزائی کے کلمات ارشاد فرمائے، اور دعاؤں سے نوازا۔ میں یہ سوچتا رہا کہ اتنے ضعف، پیرانہ سالی اور نقاہت کے باوجود یہ حاضر دماغی یقیناً باری تعالیٰ کی عنایت خاصہ، دین متین کی خدمت اور دارالعلوم دیوبند سے گہری وابستگی اور عقیدت کا نتیجہ ہے۔

آپ کو اپنی اہمیت جتانے یا عظمت منوانے کا کوئی شوق نہ تھا، دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کام تو تھوڑا کرتے ہیں، جس کا معاوضہ بھی انہیں ملتا ہے؛ لیکن شور زیادہ مچاتے

ہیں۔ آپ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا، معمولی سے معمولی کام ہو یا بڑے سے بڑا، اس کو خاموشی اور سبک رفتاری کے ساتھ اس طرح انجام کو پہنچاتے کہ لوگوں کو معلوم بھی نہ ہو پاتا کہ کس کی کاوش اور جدوجہد اس میں کارفرما ہے، نام ونمود اور شہرت وریاء سے کوسوں دور تھے، کسرنفسی اور تواضع آپ کی زندگی میں نمایاں تھی۔

دارالعلوم دیوبند کی پرشکوہ اور عالیشان مسجد ''جامع رشید'' آپ کے دوراہتمام کی ایک زریں یادگار ہے، جب تک چلنے کی طاقت رہی، قیام دیوبند کے دوران تقریباً روزانہ بعد نماز عصر ''مسجد رشید'' تشریف لاتے، اور کاموں کا معاینہ فرماتے اور نماز مغرب پڑھ کر واپس ہوتے۔ مدرسہ ثانویہ کی عمارت ''شیخ الاسلام منزل''، ''حکیم الامت منزل''، ''جدید دارالاقامہ'' اور اُس کے علاوہ تعلیمی شعبوں کا قیام جیسے تخصص فی الحدیث الشریف، تحفظ ختم نبوت، ردفرق باطلہ کے سلسلہ میں محاضراتِ علمیہ کا اجراء، شعبہ ردعیسائیت اور اس جیسی ہمہ جہت خدمات وقربانیاں آپ کے تذکرہ کو ہمیشہ باقی اور زندہ وجاوید رکھیں گی، اِن شاءاللہ۔

ملکی اور ملی حالات کے تناظر میں جمعیۃ علماء ہند اور اس کے نظریات کے آپ کٹر حامی تھے، عرصۂ دراز تک جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے سرگرم رکن رہے اور تاحین حیات سرپرستی فرماتے رہے۔ جمعیۃ علماء سے آپ کی وابستگی کوئی رسمی نہ تھی؛ بلکہ اس کو ایک فرض سمجھ کر نبھایا کرتے تھے، اور اس حقیقت کا اظہار بھی کرتے تھے کہ: ''میرے والد مرحوم نے یہ وصیت کی تھی کہ تاعمر جمعیۃ علماء ہند سے منسلک رہنا''۔ یہی وجہ تھی کہ آپ دلچسپی کے ساتھ جمعیۃ علماء کے پروگراموں میں حصہ لیتے، گراں قدر مشوروں سے نوازتے اور اس کی ہمہ جہت ترقی کے لئے کوشاں اور دعاگو رہتے۔

باری تعالیٰ حضرت مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی خدمات کا اپنی شایانِ شان بدلہ مرحمت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۱ء)

میر کارواں

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

تحریر: حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند

حضرت مہتمم صاحب نوراللہ مرقدہ کی وفات کے اگلے ہی دن سے بزرگوں اور احباب کی فرمائش اور خود اپنی طبیعت کا تقاضا تھا کہ حضرتؒ کی شخصیت پر کچھ لکھا جائے؛ لیکن ایک ہفتہ سے زائد وقفہ تک مختلف تعزیتی ملاقاتوں یا ایک دو تعزیتی پروگراموں میں مصروفیت رہی۔ ۹ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کی شام صدیق گرامی حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری زید مجدہم کا فون آیا، موصوف نے ندائے شاہی کے لئے مضمون کی فرمائش کے ساتھ ایک اچھا کام یہ کیا کہ وقت کی تحدید کردی، جس کی برکت سے یہ چند سطور وجود میں آگئیں۔

یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸ر دسمبر ۲۰۱۰ء بدھ کا دن جب ملت اسلامیہ کی متاع گراں مایہ دارالعلوم دیوبند (قیام ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ) کی عمر کے ۱۴۹ر سال پورے ہونے میں صرف ۱۴ر دن باقی تھے، صبح تقریباً پونے گیارہ بجے یہ خبر بجلی بن کر گری کہ تھوڑی دیر پہلے یہ کاروانِ علم وعمل اپنے سالار سے محروم ہوگیا۔ یعنی امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنی حیاتِ مبارکہ کا صدسالہ سفر پورا کرکے حقیقی منزل سے ہمکنار ہوگئے، اور ہم سے قیامت تک کے لئے جدا ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس دنیا میں موت کسی کی بھی غیر متوقع نہیں، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ عمر کی جس منزل میں تھے، اس کے پیش نظر تو یہ حادثہ اور بھی قرین قیاس تھا؛ لیکن جس طرح وہ حیات کے آخری

سالوں تک برسرِ کار اور سرگرم عمل رہے، اور اب بھی عام ضعف کو چھوڑ کر تقریباً معمول ہی کی زندگی گذار رہے تھے، اس کو دیکھتے ہوئے ایسا نہیں لگتا تھا کہ وہ ابھی چلے جائیں گے، اس لئے حادثۂ وفات اچانک سا ہی محسوس ہوا اور ذہن و دماغ کو زبردست جھٹکا لگا، فوراً دل کی یہ دعاء زبان پر آئی کہ: اے اللہ: حضرت کی مغفرت فرما، ان کے درجات بلند فرما، دارالعلوم کے لئے خیر وخوبی مقدر فرما اور تمام شر ور وفتن سے دارالعلوم کی اور ہم سب کی حفاظت فرما۔ آمین.

اسی کے ساتھ یہ خیال بھی آیا کہ ناواقف لوگوں کی سمجھ میں کیسے آئے گا کہ آج ہم کس عظیم شخصیت کے سائے سے محروم ہو گئے؟ اسلاف کی کیسی یادگار ہمارے درمیان سے اٹھ گئی؟ اخلاص وللّٰہیت کا کیسا نمونہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا؟ شاید تاریخ کے صفحات اسی طرح بدلتے ہیں، بلکہ پیچھے مڑ کر غور کیا تو محسوس ہوا کہ یہ شمسی سال ۲۰۱۰ء دارالعلوم کے لئے عام الحزن بن گیا ہے، سب سے پہلے فروری میں استاذ الاساتذہ محدث جلیل حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب نور اللہ مرقدہ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے داغِ مفارقت دیا، اس کے بعد ۸/ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو دارالعلوم کے دوسرے لائق ومقبول منتظم، اخلاص وللّٰہیت کے پیکر، حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب نور اللہ مرقدہ کارگذار مہتمم دارالعلوم دیوبند کا حادثۂ وفات پیش آیا اور اب ۸/ دسمبر ۲۰۱۰ء کو میر کارواں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ رخصت ہو گئے، گویا بساط ہی الٹ گئی:

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

لیکن اسی کے ساتھ یہ بات باعث اطمینان ہے کہ یہ دارالعلوم ملت اسلامیہ کے لئے رب کائنات کی نعمت اور عظیم امانت ہے، وہی اس کشتی کا اصل چلانے والا ہے، جب تک اس کو اس سے کام لینا منظور ہے، وہ اس کے لئے مخلص خدام منتخب کرتا رہے گا، اور اس کی حفاظت فرمائے گا۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت مہتمم صاحب نوراللہ مرقدہ کی وفات پر تاثرات اور اظہارِ تعزیت کا طویل سلسلہ شروع ہوا جو اب تک جاری ہے، تقریباً ایک ہفتہ تک تو اخبارات کا سب سے مفصل موضوع یہی رہا، کون سا ایسا قابلِ ذکر ادارہ، تنظیم یا شخصیت ہے، جس نے رنج وغم کا اظہار نہ کیا ہو؟ ہر طرف سے خراجِ عقیدت پیش کیا جا رہا ہے، اور ہر شخص اپنی اپنی معلومات کے مطابق ان کے اوصاف حسنہ کو یاد کر رہا ہے۔

احقر نے دارالعلوم کی سترہ سالہ مدت تدریس کے دوران اور اس سے پہلے بھی چند سال حضرت کو قریب سے دیکھا، اس طویل عرصہ میں ان کے بے شمار اوصاف وکمالات سامنے آئے، طبیعت نے مختلف انداز سے ان کی شخصیت کا تاثر قبول کیا، اور نگاہوں نے ان کے بہت سے کارہائے نمایاں کا مشاہدہ کیا، اس مختصر تحریر میں ان سب کا خلاصہ پیش کرنا بھی مشکل ہے، جو کچھ بروقت ذہن میں آ رہا ہے اس کا اجمال پیش خدمت ہے، اگر اللہ نے توفیق دی تو کسی وقت تفصیل بھی عرض کی جائے گی؛ تاکہ آئندہ زمانے میں خدمت دین کے میدان میں قدم رکھنے والی نسلوں کے لئے ایک عظیم نمونہ محفوظ ہو جائے اور وہ ان کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے۔

کیا لوگ تھے کہ راہِ وفا سے گذر گئے
جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جب کوئی بات کی جاتی ہے یا لکھنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو ان کے جو اوصاف سب سے پہلے ذہن ودماغ سے زبان یا قلم کی طرف منتقل ہونے کی کوشش کرتے ہیں ان میں سب سے نمایاں وصف ان کی دیانت وامانت ہے۔

دیانت وامانت

یہ حضرتؒ کی حیاتِ مبارکہ کا سب سے جلی عنوان ہے، جو ان کی طبیعت کا حصہ تھا، اور جس کے لئے ان کو کسی غور وفکر یا ارادہ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بلکہ ان کا ہر عمل دیانت کے دائرہ کا پابند ہوتا تھا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فارغ البالی عطاء فرمائی تھی، اور وہ خاندانی رئیس

اور صاحب جائداد تھے، لیکن کیا اغنیاء کا طبقہ حرصِ دنیا سے خالی ہوتا ہے؟ کیا اہل دولت وثروت کو ہر ممکن طریقہ سے اپنی دولت میں اضافہ کی فکر نہیں ہوتی؟ کیا یہ طبقہ حصولِ مال وزر کے کسی حاصل شدہ موقع کو چھوڑ سکتا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر یہ سوچئے کہ کیا ایسی آمدنی یا ایسا پیسہ جو اپنا حق ہو یا شرعی اعتبار سے لینا قطعاً جائز ہو، اس کو چھوڑنے کی کسی سے بھی اس زمانے میں توقع کی جاتی ہے؟ ان تمام حقائق کو مدنظر رکھ کر دیانت وامانت اور تقویٰ واحتیاط کے اس معیار کو چند مثالوں کے ذریعہ ملاحظہ فرمایئے جو اس دور میں حضرتؒ نے قائم کیا۔

(۱) یہ حقیقت اب عام طور پر دنیا کے سامنے آچکی ہے کہ حضرتؒ نے اپنے تیس سالہ دور اہتمام میں دارالعلوم کا کوئی پیسہ اپنی ذات پر خرچ نہیں ہونے دیا، کبھی تنخواہ نہیں لی، کوئی الاؤنس نہیں لیا، کبھی بھی سفر خرچ نہیں لیا، حتی کہ دارالعلوم کے لئے غیر ملکی اسفار بھی کئے اور ان سے دارالعلوم کو عظیم مالی فائدہ بھی پہنچا مگر دارالعلوم سے سفر خرچ لینے کے روادار نہ ہوئے، دارالعلوم کے اندر جس کمرے میں قیام تھا اس کا کرایہ اور بجلی پانی کا بل ہمیشہ باقاعدگی سے اپنی جیب سے ادا کیا، کمرے میں آنے والے تمام مہمانوں کی ضیافت ہمیشہ اپنی جانب سے کی، مطبخ سے اپنا کھانا بنوایا تو ہمیشہ اس کی اجرت اور پورا خرچ دیا، یہاں تک کہ مطبخ کی ایک پیاز بھی اگر اتفاق سے حضرتؒ کے سالن میں ڈال دی گئی تو اس کی قیمت ادا کئے بغیر کھانا نہیں کھایا، حد یہ ہے کہ اگر کمرے کی صفائی دارالعلوم کے ملازمین نے کی تو اس کی اجرت دارالعلوم میں جمع فرمائی، اگر کبھی دارالعلوم کے کام سے ہٹ کر کوئی تحریر لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو اس کے لئے دارالعلوم کا لیٹر پیڈ استعمال نہیں کیا۔

(۲) اپنی ذات کے سلسلہ میں اس غیر معمولی احتیاط ساتھ ساتھ دارالعلوم کے پیسہ کا کہیں بھی اور کسی کے ذریعہ بھی غلط استعمال یا اس کے سلسلے میں بے احتیاطی، ان کو برداشت نہیں تھی، اس چیز کے بے شمار لوگ گواہ ہیں کہ وہ فرصت کے اوقات میں سفراء کی رسیدوں کے مثنّے دیکھتے تھے، اگر کسی کارکن کی جانب سے بے احتیاطی کا شبہ ہوجائے تو دارالعلوم کے مفاد کے

مطابق کارروائی کرنے میں ان کو کوئی تامل نہیں ہوتا تھا، سامان کی خریداری کے سلسلے میں بڑی چھان بین فرماتے تھے، اگر کسی بھی شعبے سے متعلق کسی سامان یا مشین یا گاڑی کے پرزے کی خرابی کی اطلاع دی جاتی اور نئی چیز کی خریداری کی اجازت مانگی جاتی تو وہ پرانی چیز منگا کر خود دیکھتے اور ہر طرح خریداری کی ضرورت کا اطمینان ہونے پر ہی اجازت دیتے ہر وقت ایسی تدابیر سوچتے رہتے تھے کہ دارالعلوم کا پیسہ کم سے کم خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ کام ہو سکے۔

زاہدانہ زندگی

حضرتؒ کی دوسری بڑی خصوصیت ان کی درویشانہ اور زاہدانہ زندگی ہے، جن حضرات نے حضرتؒ سے ملاقات کی ہوگی، اُن کو اُن کے سادہ لباس اور انداز واطوار کا مشاہدہ تو ہوا ہی ہوگا، اس کے علاوہ جن حضرات نے ان کا کمرہ دیکھا ہوگا وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ ان کا کمرہ اپنے معیار اور سہولیات کے اعتبار سے کسی دینی مدرسہ کے ایک عام مدرس کے کمرے سے کسی طرح بھی بہتر نہیں تھا، جب کہ وہ اگر چاہتے تو اپنے پیسے سے ذاتی ہر قسم کی سہولت فراہم کر سکتے تھے۔

گرامی قدر حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب مدظلہ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے تعزیتی اجلاس میں سنایا کہ ''ایک بار میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہمیں معلوم ہے کہ آپ اپنی ذات کے لئے دارالعلوم کا ایک پیسہ بھی صرف نہیں کر سکتے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ نے آپ کو بہت دیا ہے، آپ اپنے پیسہ سے ہر طرح کا انتظام کر سکتے ہیں؛ لیکن ہماری خواہش ہے کہ ہم اپنی طرف سے آپ کے کمرے میں کچھ کام کرادیں اور سہولیات مہیا کر دیں؛ لیکن حضرتؒ نے اصرار کے باوجود منظور نہیں فرمایا''۔

چناں چہ وہ کمرہ اب تک ایرکنڈیشن وغیرہ سے ناآشنا چلا آرہا ہے، یہ بھی ان کی فطری سادگی اور زاہدانہ زندگی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے تقریباً ستر سال کی عمر میں دارالعلوم کی خدمت کے لئے گھر کی سہولیات کو چھوڑا اور ہمیشہ سادہ کھانے اور سادہ رہائش کے ساتھ طالب علمانہ زندگی گذار دی۔ اہتمام سنبھالنے کے بعد خود فرمایا کرتے تھے کہ میری طالب علمی کا زمانہ لوٹ آیا۔

عبادت اور دعاء کا اہتمام

حضرتؒ کی حیات کا ایک جلی عنوان دعاء ونماز کا اہتمام ہے، جب تک قوت رہی، پابندی کے ساتھ مسجد فوقانی میں نماز باجماعت ادا فرماتے تھے، اور یہ منظر تو بے شمار لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ مسجد خالی ہوگئی؛ لیکن مہتمم دارالعلوم دیوبند دیر تک اپنے رب سے دعاء ومناجات میں مصروف ہیں، یہ تقریباً ہر نماز کے بعد کا معمول تھا، اس کے علاوہ صبح دفتر میں تشریف لانے سے پہلے چار رکعات پڑھنے اور دعاء مانگنے کا ہمیشہ معمول رہا؛ بلکہ استاذ گرامی حضرت مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند سے میں نے سنا ہے کہ صبح کی چار رکعات کے حضرت جوانی ہی سے پابند تھے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ جس زمانے میں آپ نہ مہتمم دارالعلوم تھے، اور نہ عموماً اسفار ہوتے تھے، اس زمانے کے بارے میں حضرتؒ کے گھر کی قریبی مسجد والوں نے بتایا کہ ہمیں پچیس سال تک اپنی مسجد میں امام رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی؛ اس لئے کہ ہمیشہ مولانا مسجد میں ہوتے تھے، وہی نماز پڑھادیتے تھے، یہ گواہی جو ایک مال دار اور صاحب جائیداد شخص کے بارے میں دی جارہی ہے، کس قدر وقیع ہے، اس کا بیان مشکل ہے۔

تدبر اور اصابت رائے

حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب تدبر، دانائی، گہرائی، اصابت رائے اور دماغی وذہنی صلاحیتوں سے نوازا تھا، وہ غور وفکر کے بعد جو رائے قائم فرماتے تھے، وہ درست ہی ثابت ہوتی تھی، اگر ان کے رفقاء کار کو ابتداء میں ان کی رائے سے اختلاف بھی ہوتا تو آخر میں وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے تھے کہ رائے انہی کی صحیح تھی، غالبًا اسی اصابت رائے اور تدبر ودانائی کے پیش نظر اُن کو دارالعلوم کی زمام کار اس زمانے میں دی گئی جب مجلس شوریٰ میں کبار مشاہیر اور جبال علم موجود تھے، اور اسی لئے جب اُن کو انتظامی اُمور میں حکیم الاسلام حضرت

مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے تعاون کے لئے ۱۴۰۱ھ میں مددگار مہتمم بنایا گیا، تو حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے ان کو خط میں لکھا کہ ''آپ میرے لئے محبوب بھی ہیں، مطلوب بھی ہیں، مرغوب بھی ہیں''۔

یہ اس بات کی تلمیح بھی تھی کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے سب سے بڑے بھائی کا نام مولانا محبوب الرحمٰن تھا (جو غالباً حضرت حکیم الاسلامؒ کے ہم سبق تھے) اور منجھلے بھائی کا نام مطلوب الرحمٰن تھا، تیسرے بھائی خود حضرتؒ تھے، حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کا یہ مکتوب بجنور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادۂ محترم جناب مولانا انوار الرحمٰن صاحب زیدمجدہم کے پاس محفوظ ہے۔

مشورہ کا اہتمام اور دوسروں کی رائے کا احترام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نمایاں صفت جس کا ان کی کامیابیوں میں بنیادی کردار ہے اور جو کسی بھی منتظم کے لئے کامیابی کی کلید ہے، وہ مشورہ کا اہتمام اور دوسروں کی رائے کا احترام ہے۔ دارالعلوم کے اہم معاملات میں بنیادی مشورہ بلکہ فیصلہ تو مجلس شوریٰ کا ہوتا ہے، جس کا حضرت مہتمم صاحبؒ نے ہمیشہ احترام ملحوظ رکھا؛ بلکہ شوریٰ کے نظام کو تقویت پہنچائی، اور ایسے اقدامات کئے، جن سے شوریٰ کی اہمیت وحیثیت واضح اور مستحکم ہوئی۔

اس طرح حضرت مہتمم صاحبؒ بنیادی معاملات میں تو مجلس شوریٰ کے پابند تھے ہی اور اس کے فیصلوں اور تجاویز کو نافذ کرتے تھے؛ لیکن روزمرہ کے معاملات اور ہنگامی امور میں بھی وہ تنہا اپنی رائے سے فیصلہ نہیں کرتے تھے؛ بلکہ مشورہ کا اہتمام کرتے تھے، جن حضرات سے وہ مشورہ فرماتے تھے، ان میں حضرت مولانا سلطان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی رحمۃ اللہ علیہ، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات تھے، اس کے علاوہ دیگر رفقاء کار سے بھی مشورہ کا ان کا معمول تھا، اور وہ ان کی رائے کا مکمل احترام فرماتے تھے؛

بلکہ وہ اپنے اہل مشورہ کے اتفاق رائے کے بعد ہی عمل کرتے تھے۔ نیز یہ کہ دارالعلوم کی ترقی کے لئے جو بھی تجویز ان کے سامنے پیش کی جاتی تھی، اس پر وہ کھلے دل سے غور کرتے، اس کا استقبال فرماتے، اور حتی الامکان اس کو نافذ فرماتے تھے۔

حلم ودرگذر اور نرم خوئی

یہ بھی حضرت کا ایک نمایاں وصف تھا، جو انتظام کے لئے ضروری ہے کہ حضرتؒ بے شمار ناگوار باتوں کو بڑے تحمل کے ساتھ سنتے اور بالکل نظر انداز فرمادیتے، تنقید برداشت کرتے، کسی سے ذاتی انتقام نہ لیتے، اور لوگوں کے ساتھ نرم خوئی کا معاملہ فرماتے، اس چیز نے ان کو اتنے بڑے نظام کے چلانے میں بہت مدد دی، اور مختلف ذوق ومزاج کے لوگوں کے ساتھ لے کر چلنا، ان کے لئے ممکن ہوا، وہ تمام خدام دارالعلوم کا احترام ملحوظ رکھتے تھے، اسی لئے ضوابط کی پابندی کے مزاج کے باوجود ان سے ملنے میں کارکنوں کو کوئی الجھن یا دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی۔

کبر سنی کے باوجود حاضر دماغی

حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح دارالعلوم کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور حضرتؒ نے جس طرح خاص توفیق الٰہی سے اس ذمہ داری کو پورا کیا تھا، شاید اسی کی برکت تھی کہ ان کا ذہن ودماغ آخر تک صحیح کام کرتا رہا، زندگی کے آخری دو تین سال جسمانی ضعف کے ضرور گذرے، اور اس کی وجہ سے وہ تمام جزئیات میں شریک نہیں ہوتے تھے، اور نہ اس کی ضرورت تھی؛ کیوں کہ حضرات نائبین محترم اس طرح کے کاموں کو بخوبی سنبھالتے ہیں؛ لیکن تمام اہم معاملات میں ان کا مشورہ ضرور شامل ہوتا تھا، اور ان کے ملاحظہ میں جو بھی مسئلہ آتا تھا اس پر اُن کا ذہن ودماغ پورا کام کرتا تھا۔

ہم نے گذشتہ چند سالوں میں بارہا دیکھا کہ حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب قدس سرہٗ یا اُستاذ محترم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی دامت برکاتہم نائب مہتمم

دارالعلوم دیوبند، اور اُستاذ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم (اپنی نیابت اہتمام کے دوران) اور اب اُن کے بعد حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی مدظلہم بھی تمام اہم جزئیات حضرت مہتمم صاحب قدس سرہٗ کے مشورہ کے بعد طے فرماتے تھے، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرتؒ کی رائے کے بعد ہی ان حضرات کو پورا اطمینان ہوتا تھا۔

اسی طرح تعلیمات کے ذمہ داران: حضرت مولانا ریاست علی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا قمرالدین صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم (اپنے اپنے دور نظامت میں) اور اَب حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب مدظلہم سب حضرات؛ حضرت مہتمم صاحبؒ سے اہم معاملات میں رجوع فرماتے اور مشورہ کے بعد عمل فرماتے رہے۔

شاید بہت سے قارئین کے لئے یہ بات باعث حیرت ہو کہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے اپنی زندگی کی آخری مجلس شوریٰ منعقدہ ماہ شعبان ۱۴۳۱ھ میں بھی مکمل شرکت فرمائی اور تمام اہم معاملات کے مشوروں میں شریک رہے، اور اس سے پہلے صفر ۱۴۳۱ھ کی شوریٰ جو اُن کی حیات میں بجٹ کی آخری شوریٰ تھی؛ اس میں پیش ہونے والا بجٹ مکمل اپنی نگرانی میں تیار کرایا اور اس کے لئے تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ پہلے سے دارالعلوم میں مسلسل قیام فرمایا، جو لوگ دارالعلوم کے بجٹ اور اس کی تفصیلات کے حجم سے واقف ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کام کس قدر دماغی قوت کا متقاضی تھا؟ اور حضرتؒ نے اس کے تقاضے کو پورا کیا۔

اور ابھی وفات سے ڈیڑھ ماہ پہلے ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ میں مجلس عاملہ کی میٹنگ بجنور میں حضرتؒ کے دولت کدہ پر ہوئی اور اس میں حضرتؒ نے پورا حصہ لیا۔

خود ذاتی طور پر احقر کو بارہا تجربہ ہوا کہ حضرتؒ کے حکم پر کوئی تحریر لکھی، جو بسا اوقات دو تین صفحات اور کبھی کبھی آٹھ دس صفحات پر بھی مشتمل ہوتی، ساری تحریر سننے کے بعد فرماتے کہ اس میں فلاں چیز کا ذکر نہیں ہوسکا، اس کو شامل کرو، یا فلاں تعبیر کو بدل کر اس طرح کردو۔ ابھی

شعبان ۱۴۳۱ھ کی بات ہے، جبریہ تعلیم کا بل زیرغور تھا، اوراس سے مدارس کے استثناء کا مطالبہ زوروں پر تھا، احقر نے حضرتؒ کے حکم پر اس سلسلہ میں ایک بیان لکھا جو ڈیڑھ صفحہ کا تھا، میں سنانے کے لئے پہنچا تو شوریٰ کی نشست سے فارغ ہوکر تھکے ہوئے تھے، اسی حالت میں سنا اور پورا سن کر فرمایا کہ اس میں مسلمانوں کے دیگر پرائیویٹ تعلیمی اداروں کا ذکر نہیں آیا، میں نے عرض کیا کہ اشارۃً آ گیا ہے، فرمایا وہ کافی نہیں ہے، صراحت کرو، اور ابھی وفات سے چند دن قبل شعبۂ اوقاف کے ذمہ دار مولانا مرتضٰی صاحب بجنور حاضر ہوئے اور انہوں نے دارالعلوم کے مختلف اضلاع میں واقع اوقاف کی رپورٹ پیش کی، رپورٹ سن کر فوراً فرمایا کہ اس میں علی گڈھ کا نام نہیں آیا، انہوں نے عرض کیا کہ ابھی وہاں جانا نہیں ہوا۔ اس قسم کے بے شمار جزئیات ہیں جو اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ خدمت دین کی برکت سے اللہ رب العزت نے ان کو آخر تک ان کمزوریوں سے محفوظ رکھا جو عام طور پر مشاہدہ میں آتی ہیں۔

یہ چند اوصاف ہیں جو بے تکلف ذہن میں آ کر قلم بند ہوتے گئے، ورنہ یہ موضوع اس سے کہیں زیادہ مفصل ہوسکتا ہے، جس کے لئے کسی اور فرصت کی ضرورت ہوگی، اب چند سطور ان ترقیاتی کاموں کے سلسلہ میں جو حضرتؒ کے زیر اہتمام دارالعلوم میں انجام پائے۔

دارالعلوم شاہ راہِ ترقی پر

حضرت مہتمم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے دور اہتمام میں دارالعلوم نے بے نظیر ترقی کی، جس کا اعتراف آج ہر شخص کرنے پر مجبور ہے، جس وقت حضرتؒ نے ذمہ داری سنبھالی، اس وقت طلبہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی، اور بجٹ پچاس لاکھ کے آس پاس تھا، اور آج طلبہ کی تعداد تین ہزار نوسو اور بجٹ چودہ کروڑ سے متجاوز ہے، اس عرصہ میں بہت سے تعلیمی شعبوں کا قیام ہوا، اور بے شمار تعمیرات وجود میں آئیں، جن کی تفصیلات ایک طویل تحریر کی متقاضی ہیں، اجمال اس طرح ہے۔

تعلیمی ترقی اور معیار کی بلندی

حضرتؒ کے دور اہتمام میں تعلیمی معیار بھی بلند ہوا اور بہت سے شعبے قائم ہوئے، مثلاً

شیخ الہند اکیڈمی، تحفظ ختم نبوت، رابطہ مدارسِ عربیہ، تخصص فی الحدیث، شعبۂ محاضرات، شعبۂ رد عیسائیت و ہندوازم، شعبۂ تحفظ سنت، شعبۂ کمپیوٹر، شعبۂ انگریزی زبان وادب، شعبۂ انٹرنیٹ وغیرہ ان تمام شعبوں سے ہر میدان کے رجال کار تیار ہوئے اور ہورہے ہیں، اور دارالعلوم کو ملت اسلامیہ کی متاعِ دین وایمان کے تحفظ کے سلسلہ میں اپنا کردار صحیح طور پر ادا کرنے میں مدد ملی، ان شعبوں میں شیخ الہند اکیڈمی سے علمی وتحقیقی کتابوں کی اشاعت کا بڑا کام ہوا، اور اب تحقیقی کتب کی اشاعت کے علاوہ صحافت وانشاء پردازی کی تربیت کا کام بھی جاری ہے۔

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے قیام سے مدارس کے ساتھ رابطہ مستحکم ہوا، اسی وقت سے کئی ہزار مدارس رابطہ سے مربوط ہیں، اور اس سے مدارس کے مسائل حل کرنے میں بہت مدد ملی۔

شعبۂ تحفظ ختم نبوت کے ذریعہ ملک گیر سطح پر فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی ہوئی، ہر جگہ اس کا کامیاب تعاقب ہوا، ختم نبوت کے موضوع پر بہترین کتابیں شائع ہوئیں، اور ہورہی ہیں، اسی طرح طلبہ کو اس موضوع پر تربیت دینے کا کام مسلسل چل رہا ہے۔

شعبۂ محاضرات اور تحفظ سنت فرق باطلہ کی تردید کے لئے قائم ہیں، شعبۂ محاضرات کے تحت تکمیلات کے تمام طلبہ کو فرق باطلہ کے بارے میں معلومات کی فراہمی اور ان کے رد کی تربیت دی جاتی ہے۔

شعبۂ ردعیسائیت وہندوازم کے تحت ان دونوں مذاہب کے بارے میں معلومات ،مطالعہ اوران کے رد کی تربیت ہورہی ہے۔

شعبۂ تخصص فی الحدیث کے تحت حدیث کے موضوع پر طلبہ کی تیاری وتربیت کے علاوہ اعلیٰ تحقیقی کتب کی اشاعت ہورہی ہے، جن کو علمی حلقوں سے خراجِ تحسین حاصل ہوا ہے، اس شعبے کا نصاب خصوصی اہمیت کا حامل ہے، جو استاذ گرامی حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کا تیار فرمودہ ہے۔

شعبۂ کمپیوٹر اپنے موضوع پر طلبہ کی تربیت کا کام کررہا ہے، شعبۂ انگریزی زبان وادب

میں فضلاء کو انگریزی تحریر و تقریر اور ترجمہ کی مشق کرائی جاتی ہے اور وہ بھی اپنی کارکردگی میں نمایا ں ہے، ان تمام شعبوں کا تعارف اس تحریر میں ناممکن ہے، بلکہ شاید بعض شعبوں کا نام بھی رہ گیا ہے، لیکن اختصار کے پیشِ نظر اسی پر اکتفاء کرتا ہوں، اور اب تھوڑا سا ذکر تعمیری ترقیات کا۔

تعمیری میدان میں پیش رفت

حضرت کے دور اہتمام میں تعلیمی ترقیات کے ساتھ تعمیرات پر بھی خاص توجہ ہوئی، اور ضرورت کے تحت بے شمار تعمیرات وجود میں آئیں، مثلاً:

(۱) جامع رشید: –تقریباً تیرہ ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھنے والی یہ عظیم مسجد مسلمانان ہند کے جذبۂ اخلاص، حضرت مہتمم صاحبؒ کی توجہ کی برکت اور اپنے نگرانِ تعمیر حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی دامت برکاتہم کے حسن ذوق کا حسین شاہکار ہے۔

(۲) دار جدید: – دارالعلوم کا سب سے وسیع دارالاقامہ جو تعمیر نو کا محتاج تھا، اس کا نصف حصہ جو تقریباً ساٹھ کمروں پر مشتمل ہے، حضرت کی وفات سے پہلے تعمیر ہو چکا ہے، باقی حصہ کا منصوبہ تیار ہے۔

(۳) شیخ الہند منزل: –یہ وسیع دارالاقامہ تقریباً ستر کمروں پر مشتمل ہے تین منزلہ ہے۔

(۴) شیخ الاسلام منزل: –یہ عظیم الشان سہ منزلہ دارالاقامہ تقریباً ایک سو بیس کمروں پر مشتمل ہے۔

(۵) رواق خالد: –ایک عظیم دارلاقامہ جس کے درمیانی حصہ کی زیریں منزل پہلے دور میں تعمیر ہوئی تھی، اور اس کے کمروں کی تعداد تیس تھی، حضرتؒ کے دور میں اس کا بالائی حصہ اور دونوں جانب کی تین منزلہ عمارتیں وجود میں آئیں اور اب اس کے کمروں کی تعداد سو سے زائد ہے۔

(۶) حجۃ الاسلام منزل: – یہ دو منزلہ عالی شان عمارت چہارم عربی تک کی تعلیم کے لئے تعمیر ہوئی، اس میں بیس سے زائد درس گاہیں اور ایک دفتر ہے۔

(۷) حکیم الامت منزل (دارالقرآن): – یہ سہ منزلہ عمارت حفظ و ناظرہ کی تعلیم

کے علاوہ کئی سو طلبہ کے قیام کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے، اس میں حفظ و ناظرہ کی بیس بائیس درس گاہوں کے علاوہ طلبہ کے کمرے ہیں۔

(۸) دفتر تعلیمات۔

(۹) عظمت ہسپتال و ریلوے کاؤنٹر۔

(۱۰) **پانی کی دو ٹنکیاں:**۔ جن کی مجموعی گنجائش چھ لاکھ لیٹر کی ہے۔

(۱۱) چھتہ مسجد کی بالائی منزل اور برآمدہ۔

(۱۲) اساتذہ اور ملازمین کے بہت سے مکانات وغیرہ اور ایک عظیم تعمیری منصوبہ لائبریری کا جاری ہے جس کی دو منزلیں تکمیل پذیر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ سرسری طور پر ذہن میں آجانے والی تعمیر کا ذکر ہے، ورنہ بہت سی چیزیں یقیناً باقی رہ گئی ہونگی مختصر یہ کہ دارالعلوم کی موجودہ عمارات میں نصف سے زائد حضرت کے دور اہتمام میں تعمیر ہوئی ہیں۔

ان تمام کمالات اور کارناموں کے باوجود نام ونمود سے پرہیز

یہ حضرت کی عجیب وغریب خصوصیت ہے جس کو الگ عنوان سے ہی ذکر کرنا ضروری ہے، کہ اس قدر کمالات وخصوصیات اور اس قدر عظیم الشان عملی کارناموں کے ساتھ بلکہ ان سب پر بھاری ان کا یہ وصف ہے کہ انھوں نے کبھی کوئی کام کر کے اس کا پروپیگنڈہ نہیں کیا شہرت یا تعریف کے طالب نہ ہوئے کہیں کسی عمارت پر اپنا نام نہیں لکھوایا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں یہ بات آتی ہی نہیں تھی کہ کہیں میرا نام آئے، لیکن ہمیں یقین ہے کہ جس رب کائنات کے لئے انھوں نے یہ مخلصانہ خدمات انجام دیں وہ ان سے راضی ہوگا اور ان کے نام کو زندہ رکھے گا۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کی شخصیت اس دور میں حضرات اکابر واسلاف کی یادگار تھی وہ نگہ بلند سخن دل نواز اور جاں پرسوز کے اس رختِ سفر سے بہرہ ور تھے جو میر کارواں کے لئے درکار رہوتا ہے، ان کی امیدیں قلیل اور مقاصد جلیل تھے وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو تھے وہ رزم اور بزم دونوں میں پاک دل اور پاک باز تھے ،اور اپنی خدمات پر کسی ستائش کی تمنا یا دنیا میں کسی صلے کی پرواہ سے وہ کوسوں دور تھے مختصر یہ کہ وہ ان بلند مقام شخصیات میں سے تھے جن کے بارے میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ:

ایسا کہاں سے لائیں کہ تم سا کہیں جسے

معذرت خواہ ہوں کہ تقریباً ایک نشست میں لکھی جانے والی اس معمولی تحریر میں ان کے اوصاف وکمالات اور کارناموں کا پورا جائزہ نہیں پیش کر سکا۔ اللہ تعالیٰ آئندہ اس کی تلافی کی توفیق عطا فرمائیں۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۱ء)

تحمل، امانت اور بے لوثی کا عظیم نمونہ

مولانا مفتی عمران اللہ قاسمی اُستاذ دارالعلوم دیو بند

دنیا میں وجود پانے والے افراد میں سے بعض خوش نصیب افراد شخصیت کا رتبہ حاصل کر لیتے ہیں، اور پھر ان میں سے بھی بعض شخصیت سے بلند ہو کر عبقریت کے بلند منصب پر فائز ہو جاتے ہیں، عموماً علوم کی پختگی، فنون کی مہارت یا تدریس وتقریر کا کمال، تصنیف وتالیف کی کثرت وجودت یا تصوف وسلوک کی بلندی یا پھر سیاسی امور سے اشتغال جیسے افعال کو اس عظیم ترقی کا سبب قرار دیا جاتا ہے، اور عبقریت کا ہدف پانے کی تمنا رکھنے والوں کو انہیں اوصاف سے متصف ہونے کی تلقین کی جاتی ہے، مگر بعض شخصیتیں مذکورہ اوصاف کی تو کامل طور پر حامل نہیں ہوتیں، پھر بھی وہ اپنی پختگیٔ کردار، کمالِ اخلاق، حسنِ کارکردگی اور عظیم تر بے لوث خدمات کی بنا پر عبقریت کے رتبہ کو آسانی سے پالیتی ہیں، ایسی شخصیات اگر چہ خال خال ہی ہوتی ہیں، مگر ان کی ذات عظمت وشوکت اور محبت ومودت کا ایسا مرکز بن جاتی ہے جو نسل نو کے لئے مثال اور نمونہ ہوتی ہے، اسی طرح کی شخصیات میں امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو شمار کیا جاسکتا ہے، جو یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء بدھ کو تقریباً سو سال پر مشتمل اپنا دنیاوی سفر پورا کر کے اخروی سفر کے لئے روانہ ہوگئے، اور رب حقیقی سے جاملے، آپ کے چلے جانے سے کاروانِ قاسمی خصوصاً اور ملت اسلامیہ عموماً سوگوار ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ولادت وبچپن

مغربی یوپی کے مشہور اور زرخیز شہر بجنور کے محلّہ قاضی پاڑہ میں ۱۳۳۲ھ غالباً ماہ صفر میں

حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے میں آپ نے آنکھیں کھولیں، والدِ محترم حضرت مولانا مشیت اللہ صاحبؒ بڑے زمیں دار، رئیس زادے تھے، دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید نیز حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص رفیق درس اور مخلص دوست تھے، دورانِ تعلیم شاہ صاحب سے خوب حق رفاقت نبھایا تھا، سلسلۂ تعلیم منقطع ہونے کے بعد بھی آخر زندگی تک حضرت علامہ اور ان کے اہل وعیال سے رفیقانہ مراسم باقی رکھے، یہی وجہ تھی کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور دیگر علماء کرام کی آپ کے درِ دولت پر بکثرت آمد ورفت رہتی، آپ کا گھرانہ دارالاضیاف بنا رہتا تھا، نیز آپ کے ماموں حکیم رحیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے اعتماد یافتہ اور ٹی بی کے ماہر معالج تھے، علم پرور اور علماء وصلحاء کے قدر داں شمار ہوتے تھے، ان کے پاس بغرض علاج اور بقصد زیارت وملاقات آنے والے علماء وصلحاء کی بھی کثرت تھی، جس کی بنا پر حضرت مہتمم صاحب کو بچپن ہی میں بڑے بڑے نامور علماء وصلحاء کی خدمت کرنے کے مواقع حاصل ہوئے، اسی خدمت وزیارت کی بدولت آپ کو بچپن سے ہی علماء وصلحاء کی شفقتیں حاصل رہیں۔

تعلیم وتربیت

آغازِ تعلیم کے لئے مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ بجنور میں داخل ہوئے، وہاں ناظرہ قرآنِ کریم اور ابتدائی درجات کے ساتھ درس نظامی کی شرح تہذب تک کی تعلیم مکمل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، اور باضابطہ طور پر ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اس وقت دارالعلوم دیوبند کی انتظامی باگ ڈور بالترتیب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ جیسے اصحابِ کمال کے ہاتھوں میں تھی، اور یہی حضرات دارالعلوم کے جز وکل پر چھائے ہوئے تھے، دارالعلوم کے مسانید درس پر علوم وفنون کے ماہرین اساتذہ جلوہ افروز تھے، اور دارالعلوم کا علمی وروحانی ماحول نہایت مثالی تھا، آپ نے دارالعلوم میں جن اصحابِ کمال

حضرات سے اکتساب فیض کیا ان میں حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ، حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ قابل ذکر ہیں؛ البتہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے گھر آمد ورفت کے دوران متعدد کتابوں کا امتحان لیا ہے اور حضرت مہتمم صاحب نے ان کی خدمت کا شرف اٹھایا ہے۔ ۱۳۵۲ھ شعبان میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی، اس کے بعد مختلف امراض کے شکار ہونے کی وجہ سے تقریباً تین سال تک تعلیمی سلسلہ منقطع رہا، مزید علمی سیرابی کے لئے دوبارہ دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، اور حضرت مفتی محمد سہول صاحب بھاگل پوریؒ اور دیگر اصحابِ افتاء سے فتویٰ نویسی کی مشق کی، اساتذۂ کرام کے حکم سے متعدد فتاویٰ بھی تحریر کئے جن کی نقلیں آج بھی دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کے رجسٹروں کی زینت ہیں۔

عملی زندگی

فتاویٰ کی مشق وتمرین سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن بجنور واپس آ گئے، اور والد محترم بھائی محبوب الرحمٰنؒ، مطلوب الرحمٰنؒ کے ہمراہ گھریلو مشاغل کاشتکاری وغیرہ میں مصروف ہو گئے؛ لیکن والد محترم حضرت مولانا مشیت اللہ صاحبؒ جو علماء صلحاء سے گہری عقیدت کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے بھی قلبی وابستگی رکھتے تھے، نیز دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے مؤقر رکن بھی تھے، وہ اپنے بیٹے (مولانا مرغوب الرحمٰن) کی دیوبند سے اس واپسی پر مطمئن نہ تھے، وہ کہا کرتے: ''اللہ جانے میری خواہش تھی کہ یہ دارالعلوم ہی میں رہتا'' (اللہ جانے والد محترم کا تکیہ کلام تھا) یہ یقین کامل ہے کہ والد محترم اپنی اس تمنا کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور ضرور دعا کرتے رہتے ہوں گے، جس کی قبولیت کی بنا پر ہی صاحب زادے دارالعلوم کے بے لوث خادم قرار پائے۔

والد محترم دارالعلوم کے رکن رکین، بے لوث خادم تھے، دارالعلوم کے ہر معاملہ میں نہایت دلچسپی لیتے، اس کی ترقی کے لئے مسلسل کوشاں رہتے اور جس قدر ممکن ہوتا، دارالعلوم کی

خدمت کے لئے اپنے کو پیش کئے رہتے، والد محترم کے یہی انداز واداا ور اسی بے لوثی کی جھلک حضرت مہتمم صاحب میں بھی پیدا ہوگئی تھی، چناں چہ آپ کو بھی ابتداء ہی سے مادرِ علمی سے قلبی انسیت اور پرخلوص لگاؤ تھا، آپ بھی دارالعلوم کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔

باضابطہ انتظامی ذمہ داری

والد محترم کی طویل خدمات اور آپ کے خانوادے کی دارالعلوم سے قدیم وابستگی اور خود آپ کی ذاتی دلچسپی کی بنا پر ۱۹۶۲ء میں شوریٰ نے باضابطہ طور پر آپ کو دارالعلوم کا رکن نامزد کردیا، اس روز سے آپ کی دل چسپی اور نگہداشت میں اضافہ ہی ہوتا گیا، مختلف مواقع پر وقتی حالات کے پیشِ نظر متعدد مرتبہ کچھ جزوی ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد کی گئیں، آپ نے ان کو بحسن وخوبی انجام دیا، جس کی بنا پر اربابِ انتظام اور اراکین شوریٰ کا آپ پر اعتماد بڑھ گیا، چناں چہ جب دارالعلوم کے حالات کشیدہ ہوئے اور ایک معاون مہتمم کی ضرورت محسوس کی گئی تو اراکین شوریٰ نے ۱۴۰۱ھ مطابق اگست ۱۹۸۱ء میں آپ کو بالاتفاق معاون مہتمم نامزد کردیا، آپ نے اس ذمہ داری کو بھی نہایت خوش اسلوبی سے کام نبھا کر اپنے اعتماد کو اس قدر پختہ کردیا کہ جب انتظامی انقلاب برپا ہوا تو نومبر ۱۹۸۱ء میں حاصل شدہ اعتماد کی بدولت اتفاق رائے سے آپ کو منصب اہتمام پر فائز کردیا گیا۔

آپ جب منصب اہتمام پر فائز ہوئے تو وہ عجیب کش مکش کا دور تھا، دارالعلوم دیوبند اپنی عمر کے ۱۱۸؍سال پورے کر چکا تھا اور متعدد مواقع پر قائدانہ کردار ادا کر چکا تھا، نیز جامع علم وعمل، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ساٹھ سال تک منصب اہتمام پر جلوہ افروز رہ چکے تھے، وہ اپنے نظم وانتظام کی خوش اسلوبی کی بدولت اور اپنی سحر بیانی کے ذریعہ سارے عالم میں دارالعلوم کا گراں قدر تعارف کرا چکے تھے، اُن دنوں دارالعلوم دیوبند کے حالات بھی اطمینان بخش نہ تھے، مزید برآں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی ستر سالہ زندگی کسی بھی تابناک پس منظر سے خالی تھی، اس لئے محبین دارالعلوم کو اس

انتخاب پر سخت حیرت ہوئی اور عموماً یہ حیرت مجالس میں ظاہر بھی ہوجاتی، مگر ہنگامہ فرو ہونے کے بعد مجلس شوریٰ کی نگرانی اور حضرت مہتمم صاحب کے نظم وانتظام کے تحت جب دارالعلوم نے ترقی کی جانب قدم بڑھانے شروع کئے تو حیرتِ مذکور اعتمادِ کامل میں تبدیل ہوگئی، جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کے بعد بھی دارالعلوم کی راہ میں کیسی کیسی اڑچنیں آئیں اور کیسے سخت سے سخت حالات رونما ہوئے، متعدد مرتبہ بعض خارجی اور داخلی عناصر نے ادارے کے تعلیمی اور انتظامی ماحول کو تاراج کرنا چاہا، مگر حضرت مہتمم صاحب عزیمت کا پہاڑ بن کر تمام حالات میں سینہ سپر رہے اور اپنے حسن تدبر اور خداداد صلاحیتوں کی مدد سے دارالعلوم کی کشتی کو طوفانی تھپیڑوں سے اس طرح محفوظ وسلامت باہر نکال لے گئے کہ آج اسے سوچ کر بھی حیرت ہوتی ہے، موجودہ وقت میں دارالعلوم ترقی کی جس راہ پر گامزن ہے اس میں حضرت مہتمم صاحب کے نظم وانصرام اور محنت ودل لگی اور خلوص کو خاصا دخل ہے۔

آپ کے ۳۰؍ سالہ دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے تعلیمی، تعمیری ہر میدان میں ترقی کے منازل طے کئے، وقت وحالات کے تقاضوں کی مناسبت سے متعدد شعبہ جات وجود میں آئے، تخصصات وتکمیلات اور جادۂ حق سے منحرف اور باطل فرقوں کے رد سے متعلق شعبے اسی قبیل کے ہیں، حالات کے تقاضے اور دارالعلوم دیوبند کی بڑھتی وسعت کے پیش نظر بلند وعالیشان عمارتوں کی تعمیر ہوئی، جس سے دارالعلوم کے حسن میں دوبالگی پیدا ہوئی، طلبہ کی تعداد میں اضافہ، ان کے قیام وطعام کو عمدہ اور باسہولت بنانے کی سعی مسلسل، عوام الناس سے ادارے کی وابستگی اور ہمدردی ومحبت اور ہر ممکن تعاون کے ساتھ دیگر مدارسِ اسلامیہ سے رابطہ میں بے بہا اضافہ ہوا، تعلیمی وتربیتی انتظام کو صاف وشفاف بنانے اور تکرار ومطالعہ کے لئے مواد کی فراہمی، افادے اور استفادے کی راہ کو آسان تر بنانے کے لئے موقع بموقع غور وخوض کی مجلسیں منعقد ہوئیں، جن کے ذریعہ امتحانات میں مضبوطی اور شفافیت پیدا ہوئی، اساتذۂ کرام اور ملازمین کی متعدد ضروریات ومشکلات کو حل کرنے میں بھی نمایاں پیش رفت ہوئی۔

ملت اسلامیہ کی دینی رہنمائی، آزمائش کے مراحل میں عوام کو اطمینان بہم پہنچانا، باطل فتنوں کی سرکوبی، ان کی سازشوں سے افرادِ امت کو آگاہ کرنا، مذہبِ اسلام کی صحیح معتدل تصویر پیش کرنے، اور امت کی دینی ضرورت کی تکمیل کے لئے افراد سازی، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف اور نصاب درسِ نظامی کی اصلاح کے حوالے سے متعدد کتابوں کی ترتیب وانتخاب، بحث وتحقیق پر مشتمل اردو اور عربی زبان میں متعدد کتابوں کی اشاعت، دارالعلوم کی ترجمانی کرنے والے رسائل کی نشر واشاعت کے ساتھ ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ہر شعبہ اور اس سے وابستہ ہر ہر چیز نے بے پناہ ترقی حاصل کی، اور ایک ایسا نہج متعین ہوا کہ اور اللہ کی ذاتِ اقدس سے قوی امید ہے کہ دارالعلوم آئندہ بھی ترقی کے اسی نہج پر گامزن رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ذمہ دارانہ احساس و بیدار ذہنی

منصب اہتمام پر فائز ہونے کے وقت سے اخیر زندگی تک احساس ذمہ داری اور بیدار ذہنی کے ساتھ امورِ مفوضہ انجام دیتے رہے، آپ کی احتیاط اور بیدار ذہنی مثالی تھی، دارالعلوم کے متعدد افراد اس کے شواہد پیش کر سکتے ہیں، معمولی معمولی باتوں کی خبر گیری، چھوٹے چھوٹے کاموں پر بھی نظر ایک عام بات تھی۔ دارالعلوم کے تعلق سے کسی کوتاہی اور بے احتیاطی کو نظر انداز کرنے کا سوال ہی نہ تھا، وہ خود بھی ہر طرح کی کوتاہی سے خود کو دور رکھنے کی سعی کرتے، جب تک اعضاء مضبوط تھے اور چلنے پھرنے کا معمول تھا، تو از خود چل کر نگرانی فرماتے۔ احقر نے زمانۂ طالب علمی میں متعدد مرتبہ مطبخ کا جائزہ لیتے ہوئے اور تعمیرات کی نگرانی کرتے ہوئے دیکھا ہے؛ لیکن جب ضعف بڑھ گیا اور چلنے پھرنے میں کمی واقع ہوگئی، تو پھر ملازمین کو بھیج کر نگرانی کراتے اور صحیح صورتِ حال سے واقفیت حاصل کرتے، ضعف کے زمانہ میں بھی پابندی سے دفتر میں تشریف لاتے۔ فرمایا کرتے کہ میں پہلے یعنی اپنی صحت کے زمانہ میں پورے چھ گھنٹے دفتر میں بیٹھا کرتا تھا، پابندیٔ وقت میں بھی آپ مثالی تھے، متعدد مرتبہ دیکھا گیا کہ اجلاس میں مقررہ وقت پر از خود تشریف فرما ہو جاتے تھے، وہ اپنے خوردوں کو بھی اسی طرح کی احساسِ

ذمہ داری سے کام کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

احقر کو حضرت مہتمم صاحب سے زیادہ قرب تو حاصل نہ رہا؛ لیکن متعدد مرتبہ خدمت میں حاضر ہونے اور آپ کے طرزِ زندگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا، حضرت کی زندگی کے لیل ونہار اور دارالعلوم کی خدمت میں آپ کے اشتغال کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی میں چند ایسی نمایاں اور قابل تقلید خوبیاں تھیں جو بہت ہی کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں، اور یہی خوبیاں آپ کی عظمت اور عوام کے دلوں میں آپ کی محبت جاگزیں ہونے کا سبب ہیں۔

صبر وتحمل

آپ کی زندگی کی نمایاں خوبی آپ کا حد درجہ کا صبر وتحمل ہے، جو آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، مختلف مواقع پر اس کا مظاہرہ ہوتا تھا، دارالعلوم کے نظم کو سنبھالنے کے بعد کشیدہ حالات سے نمٹنے اور دارالعلوم کو ترقی کے منازل طے کرانے میں آپ کے صبر وتحمل کا بڑا حصہ ہے، بعض حالات میں متعدد لوگوں کی جانب سے ناگوار باتیں سامنے آتیں، کردارکشی، الزام تراشی، اور بہتان پر مشتمل جملے اور تحریریں منظرِ عام پر آتیں، مگر کسی ردِعمل کے بجائے صرف صبر وتحمل کا مظاہرہ ہوتا، انتظام اور دیگر معاملات کے حوالے سے بہت سے افراد جو آپ کے سامنے بچوں کی سی حیثیت رکھنے والے ہوتے، آپ سے نامناسب رویہ اپناتے جو ناگوار ہوتا، مگر حضرت مہتمم صاحب صبر وتحمل کا دامن تھامے رہتے اور ان لوگوں کے لئے نہ کوئی جواب ہوتا نہ کوئی دوسرا ردِعمل اور نہ کارروائی؛ بلکہ سنجیدگی کے ساتھ ان کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرتے۔ حالات کے مشاہدین ناگواری محسوس کرنے لگتے؛ لیکن آپ کے صبر وتحمل کو دیکھ کر آپ کی عظمت کے قائل ہوجاتے، نامعلوم کتنے درد، کتنی ناگواریاں اور تلخ باتیں، الزام تراشی کے جملے اپنے سینہ میں دبائے رہتے، مگر اظہار نہ کرتے، آپ سے قربت رکھنے والے افراد آپ کے صبر وتحمل کے بے شمار واقعات بیان کرسکتے ہیں۔

امانت ودیانت

دیانت داری بھی آپ کی زندگی کا نمایاں ترین وصف ہے؛ بلکہ دارالعلوم کے تعلق سے آپ کی زندگی میں امانت ودیانت کے متعدد نمونے موجود ہیں، اس سلسلہ میں آپ نہایت متشدد واقع ہوئے تھے، صاحب زادہ محترم جناب مولانا انورالرحمٰن نے واقعہ سنایا کہ ۱۹۶۰ء میں جب آپ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو مولانا زاہد صاحب سفیر دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمود گل بجنوری اور بھی دیگر حضرات ساتھ تھے، اس زمانہ میں پانی کے جہاز سے حج کا سفر ہوتا تھا جس میں کافی وقت لگتا، اور مغربی یوپی کے حجاج بذریعہ ٹرین بمبئی پہنچتے، وہاں سے پانی کے جہاز پر سوار ہوتے، حضرت مہتمم صاحب جب حج کے لئے جارہے تھے تو بمبئی پہنچنے کے لئے اپنے رفقاء کے ہمراہ ٹرین پر سوار ہوئے، ٹرین جھانسی اسٹیشن پر رکی، مسافر چائے وغیرہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اترے، حضرت نے ایک دکان دار سے چائے اور دیگر سامان خریدا اور دیگر ساتھیوں کے لئے دکان دار کی اجازت سے اس کے برتن ٹرین میں لے گئے، ابھی ناشتہ سے فراغت نہ ہوسکی تھی کہ ٹرین چل پڑی اور دکان دار کے برتن واپس نہ کئے جاسکے؛ بلکہ وہ ٹرین ہی میں رہ گئے، حضرت نے ان برتنوں کو احتیاط سے رکھا اور بمبئی سے جہاز میں اور پھر پورے سفرِ حج میں ان برتنوں کو نہایت حفاظت سے رکھا اور ان کی اس قدر نگہداشت کرتے کہ بسا اوقات ساتھی ہنستے؛ لیکن حضرت ان کی کوئی پرواہ نہ کرتے، اسی حالت میں سفرِ حج مکمل کیا، پھر واپسی میں بمبئی سے بذریعہ ٹرین لوٹتے ہوئے جب ٹرین جھانسی کے اسٹیشن پر رکی، تو اُن برتنوں کو لے کر ہر دکان دار سے معلوم کرتے، اور اس کو تفصیل بتلاتے، آخر برتن کا مالک دکان دار مل گیا تو اس کو برتن واپس کرکے بہت مسرور ہوئے۔

اس ایک واقعہ سے حضرت کی امانت ودیانت کے وصف کو سمجھا جاسکتا ہے کہ حج کا دشوار گذار سفر اور وہ بھی کئی مہینوں پر مشتمل ایسے وقت میں امانت کی حفاظت کا خیال رکھا، دارالعلوم کی ذمہ داری کے دوران بھی آپ کا یہ وصف سب سے زیادہ نمایاں ہوکر سامنے آتا ہے، چناں چہ

آپ نے دارالعلوم کے مالیہ کو صحیح اور درست مصرف میں استعمال کرنے کا پورا خیال رکھا، کبھی اس میں خرد برد اور اس کو بے مصرف استعمال نہ ہونے دیا۔ ایک معروف عالم دین کے بقول وہ دارالعلوم کے مال میں بخیل اور اپنے مال میں سخی واقع ہوئے تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ چند طلبہ کی نادانی سے بازار والوں کی دکانوں میں کچھ نقصان ہو گیا، معاملہ بڑھ گیا، شہر والوں نے نقصان کا بل جو کثیر مقدار پر مشتمل تھا؛ حضرت کے سامنے رکھا اور کہا کہ اس کی ادائیگی کی صورت میں بات رفع دفع ہو سکتی ہے، ان جذباتی طلبہ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی، دارالعلوم یہ نقصان پورا کر دے؛ کیوں کہ دارالعلوم کے لئے اِس نقصان کو برداشت کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ حاضرین نے جن میں ڈی ایم اور شہر کے معزز حضرات بھی موجود تھے، اِس رائے کی تائید کی، مگر حضرت نے فرمایا کہ: ''دارالعلوم کی رقم کو میں اِس کام میں خرچ نہیں ہونے دوں گا؛ کیوں کہ عوام نے یہ رقم اِس مصرف کے لئے نہیں بھیجی ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ میں اپنی ذاتی زمین کا کوئی حصہ فروخت کر کے نقصان کو پورا کر دوں؛ البتہ آپ حضرات مجھے کچھ وقت دیں؛ کیوں کہ میں بجنور جا کر یہ کام کروں گا اور اس میں وقت لگ سکتا ہے''۔ جب لوگوں نے حضرت کے یہ الفاظ سنے تو وہ اپنے مطالبات سے دست بردار ہو گئے۔

اسی طرح آپ کی یہ بھی کوشش رہی کہ دارالعلوم کے خزانہ میں صحیح اور پاکیزہ رقومات ہی جمع ہوں۔ چناں چہ ایک مرتبہ ایک دولت مند آپ کے یہاں مہمان ہوئے، آپ نے اُن کی پوری ضیافت کی، موقع پا کر اُنہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ میرے پاس سود کی رقم خاصی مقدار میں جمع ہو گئی ہے، اگر آپ کے پاس مدرسہ میں اس کا کوئی مصرف ہو تو میں وہ رقم آپ کے حوالے کر دیتا ہوں؛ تاکہ وہ استعمال میں آ جائے، اور دارالعلوم کی کوئی ایک ضرورت بھی پوری ہو جائے۔ حضرت نے جواب دیا کہ: ''میں اپنی حیات تک دارالعلوم میں ایک پیسہ بھی سود کی رقم میں سے لگانے کا روادار نہیں ہوں''۔ اِس طرح کے واقعات؛ بلکہ دارالعلوم کی ہر چیز سے متعلق آپ کا طرزِ عمل آپ کی اَمانت و دیانت کی گواہی دیتا ہے۔

بے لوث خدمت

آپ کے والد بھی دارالعلوم کے نہایت مخلص اور بے لوث خادم تھے، آپ میں یہ وصف اپنے والد سے ہی منتقل ہوا تھا، چناں چہ آپ نے پوری زندگی دارالعلوم کی کوئی رقم اپنی ذات پر استعمال نہ کی، بجنور سے دیوبند آمد ورفت، کھانا پینا، دارالعلوم کے لئے دوسری جگہوں کے اسفار سب اپنے مصارف سے کرتے، یہاں تک کہ اپنے رہائشی کمرے کا کرایہ اور بجلی کا بل بھی ادا کرتے، یہ وصف آپ کے اندر پہلے سے ہی پایا جاتا تھا؛ کیوں کہ دارالعلوم آنے سے پہلے جب آپ گھریلو مصروفیات میں لگے رہتے تھے، تو اپنے محلّہ کی مسجد میں بلا معاوضہ امامت کے فرائض انجام دیتے، اور اس قدر پابندی سے ذمہ داری نبھاتے کہ اہل محلّہ کو تقریباً پچیس سال تک کوئی باضابطہ امام رکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

ایک نو وارد جب آپ کے کمرے کی سادگی کو دیکھتا تو حیرت زدہ رہ جاتا؛ کیوں کہ موجودہ دور میں مدارسِ اسلامیہ کے اربابِ انتظام کے خصوصی اختیارات اور ادارے کی اشیاء کو اپنی ذات کے لئے بے خوف وخطر استعمال کرنا ایک عام تصور بن گیا ہے۔ حضرت مہتمم صاحب سے قریبی تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ قدیم رؤسا میں تھے، بہت بڑے کاشت کار اور زمین دار تھے، آپ کے گھر کا معیارِ زندگی نہایت بلند تھا؛ لیکن دارالعلوم میں آپ نہایت سادگی پسند واقع ہوئے تھے، متعدد مرتبہ ہم لوگوں نے آپ کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے بھی دیکھے۔

یقیناً تحمل، امانت داری، بے لوثی، تواضع، سادگی، احساسِ ذمہ داری یہی آپ کی زندگی کے نمایاں ترین اوصاف ہیں اور انہیں اوصاف نے آپ کو عظیم سے عظیم تر بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، اور ہم خوردوں کو بھی آپ کے ان اوصاف کو اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۱ء)

ایک مخلص ساتھی؛ جو بچھڑ گیا

(بیاد: مولانا محمد یوسف قاسمیؒ تیوڑہ مظفرنگر)

۹/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۵/مارچ ۲۰۱۱ء منگل کا دن کافی دنوں تک یاد رہے گا، جب ہمارا ایک مخلص دوست، درسی ساتھی اور قوم وملت کی خدمت سے سرشار، دارالعلوم دیوبند کا ایک لاڈلا فرزند جوان عمری ہی میں ہم سے بچھڑ گیا، لوگ اسے ''مولانا محمد یوسف قاسمیؒ'' کے نام سے جانتے پہچانتے تھے۔ اصل وطن ٹنڈھیڑہ ضلع مظفرنگر تھا؛ لیکن گذشتہ ۱۲/سال سے وہ علاقہ مظفرنگر کے ایک مرکزی اِدارے ''مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ''، ضلع مظفرنگر کی خدمت پر مامور تھے، اور اس شخص نے دن رات کی ان تھک محنت سے بہت ہی مختصر مدت میں اس ادارہ کو تعلیمی وتعمیری ترقی کے بامِ عروج پر پہنچا کر گلزار بنادیا تھا۔ مولانا محمد یوسف کو اللہ تعالیٰ نے ملت کی دینی تعلیمی زبوں حالی دور کرنے کا عجیب جذبہ عطا کیا تھا، ان کی ہر وقت کی دھن یہی تھی کہ قوم کی تعلیمی حالت کو کیسے سنوارا جائے؟ اس کے لئے انہوں نے اپنے راحت وآرام، گھر بار سب کو تج دیا تھا، عوام وخواص کے مسلسل رابطے اور اعلیٰ کردار کی وجہ سے انہیں ہر دل عزیزی کی صفت حاصل تھی، جس کا کچھ اندازہ ان کے جنازہ میں اٹڈنے والی بھیڑ سے ہوا کہ اگرچہ عشاء کے کافی دیر کے بعد گاؤں کے ایک وسیع میدان میں نماز ہوئی؛ لیکن دور دور تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔

امیر الہند حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند نے نماز جنازہ پڑھائی، اور اس گنج گراں مایہ کو ہزاروں سوگواروں نے نم آنکھوں کے ساتھ سپرد خاک کردیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آخری آرام گاہ تک رخصت کرنے والوں میں علاقہ کی علمی، دینی، سماجی اور سیاسی شخصیات کے علاوہ بالخصوص حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی اور حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند وایم پی بھی موجود تھے۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، اہل وعیال کی غیب سے کفالت فرمائیں، امت کو ان کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔ قارئین سے بھی مرحوم کے لئے ایصالِ ثواب کی اپیل ہے۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۱ء)

اُستاذ العلماء

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ (آندھرا پردیش)

مجلس علمیہ آندھرا پردیش کے عالی وقار ناظم اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۲۷؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲؍اپریل ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ کو تقریباً ایک ماہ کی شدید علالت کے بعد واصل بحق ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ اور فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر شاگردوں میں تھے، اور صوبہ آندھرا پردیش میں مسلک دارالعلوم دیوبند کے سب سے بڑے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔ موصوف کے فیض یافتگان کی تعداد ہزاروں میں ہے، انہوں نے پوری زندگی دینی تعلیمی اور اصلاحی سرگرمیوں کے لئے وقف کردی تھی، ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود دور دراز علاقوں کے دینی پروگراموں میں بشاشت کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، اور کام کرنے والے حضرات کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی میں کوئی کمی نہ فرماتے تھے۔ موصوف اصابت رائے اور موقف پر پختگی میں بھی اپنی مثال آپ تھے، حق بات کہنے میں کسی کی پروانہ فرماتے، دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے، آپ کا آخری سفر بھی دہلی میں جمعیۃ کے ایک پروگرام میں شرکت کے لئے ہوا تھا، جس میں طبعیت کی سخت ناسازی کے باوجود شریک ہوئے اور واپسی میں جہاز کے سفر کے دوران جو بے ہوشی طاری ہوئی تو پھر وفات تک ہوش میں نہ آسکے۔ تقریباً

ایک مہینہ حیدرآباد کے ''اپولوہسپتال'' میں داخل رہے؛ لیکن افاقہ نہ ہوسکا، اور ۲؍اپریل ۲۰۱۱ء کو خالق حقیقی سے جاملے۔

یہ حسن اتفاق تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے کارگزار مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی زیدمجدہم آپ کی عیادت کی غرض سے اسی دن حیدرآباد پہنچے تھے، چناں چہ موصوف ہی نے عشاء کی نماز کے بعد آپ کے وطن ''سوریاپیٹ'' میں ہزاروں علماء اور عوام وخواص کی موجودگی میں نماز جنازہ پڑھائی۔

موصوف کی ولادت ۱۱؍فروری ۱۹۳۵ء کو ہوئی، دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۵۷ء میں فارغ ہوئے- جو حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کا سال ہے- فراغت کے بعد ۵؍سال نظام آباد میں دینی خدمات انجام دیں، بعدازاں ۱۹۶۲ء سے سوریاپیٹ میں مدرسہ بیت العلوم میں قیام فرمایا، اور تاوفات اسی مدرسہ کو مرکز بناکر کام کرتے رہے۔ ۱۹۸۷ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن بنایا گیا، اور ۱۹۸۸ء میں آپ صوبہ آندھراپردیش کے علماء کی باوقار تنظیم ''مجلس علمیہ'' کے ناظم منتخب ہوئے، نیز آپ مجلس تحفظ ختم نبوت آندھراپردیش کے صدر اور بہت سے چھوٹے بڑے مدارس کے سرپرست بھی تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں اور آپ کی خدمات کا بہتر صلہ عطا فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۱ء)

حضرت الاستاذ

مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ

ہمیں جن عظیم اساتذہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، ان میں ایک اہم شخصیت حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی نور اللہ مرقدہٗ کی تھی، حضرت موصوف سے تکمیل افتاء کے سال ''درمختار کتاب النکاح والطلاق'' پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی، اس کے بعد تدریب الافتاء کے دونوں سالوں میں موقع بموقع حضرت والا سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد ۱۴۲۰ھ میں احقر مدرسہ شاہی مرادآباد میں خدمت پر مامور ہوگیا تو اس درمیان اکثر دیوبند حاضری کے وقت دارالافتاء میں حضرت الاستاذ سے ملاقات ہوتی تو انتہائی مسرت کا اظہار فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب بڑے سادہ نفس، متواضع اور مسکنت مزاج شخص تھے، آپ کی ہر ہر ادا سے مسکنت کا اظہار ہوتا تھا، علمی گیرائی کے باوجود آپ کی زندگی یا گفتگو کے کسی انداز سے ذرہ برابر بڑائی کی خوبو محسوس نہ ہوتی تھی۔ دارالعلوم میں آپ کی رہائش گاہ آپ کی سادگی کا پتہ دیتی تھی، عموماً آپ ایک سادہ تخت یا کھری چارپائی پر تشریف فرما رہتے اور فارغ اوقات میں اکثر کسی کتاب کے مطالعہ میں وقت گذارا کرتے تھے، اکثر جب بھی آپ کے کمرے پر حاضری ہوتی تو مطالعہ میں مشغول نظر آتے اور مطالعہ کا انداز یہ تھا کہ کتاب اٹھا کر آنکھ کے بالکل قریب کرلیتے تھے، اور مطالعہ میں ایسا انہماک ہوتا تھا کہ آس پاس سے بے خبر ہوجاتے تھے، یہ آپ کے علمی شوق کی علامت تھی۔

خورد نوازی آپ کا خاص وصف تھا، آپ کا کوئی شاگرد اگر کوئی خیر کا کام کرتا تو اس کی اس قدر عزت افزائی فرماتے کہ وہ باغ باغ ہوجاتا۔ احقر نے جب کتاب ''فتویٰ نویسی کے رہنما

اصول'' تالیف کی، تو حضرت موصوف نے نہایت حوصلہ افزا کلمات سے نوازا، طلبہ کے ساتھ ہمیشہ گھلے ملے رہتے، اور کسی بھی طالب علم کو آپ سے رابطہ کرنے میں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا، سبق کی پابندی بھی مثالی تھی، بغیر کسی شدید عذر کے سبق کا ناغہ نہ فرماتے تھے، تحریر بڑی شستہ، سادہ اور آسان ہوتی تھی، بے تکلفی کے ساتھ بے تکان ایک ہی انداز سے لکھتے چلے جاتے تھے، اور تقریر وخطابت کا انداز بھی تقریباً ایسا ہی تھا کہ روانی کے ساتھ اپنی بات کہتے چلے جاتے تھے۔

آپ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے، آپ نے ابتدائی اور متوسط تعلیم مدرسہ محمودیہ راج پور اور مدرسہ وارث العلوم چھپرا میں حاصل کی، اور ۱۹۴۴ء میں مدرسہ مفتاح العلوم مئو یوپی سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، یہاں اس وقت محدثِ کبیر امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ شیخ الحدیث تھے، فراغت کے بعد متعدد مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں؛ تا آں کہ ۱۹۵٦ء میں دار العلوم دیوبند کے شعبہ تصنیف وتالیف سے منسلک ہوئے۔ اسی دوران آپ نے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ کے فتاویٰ ۱۲؍جلدوں میں مرتب فرمائے۔ نیز کتب خانہ دار العلوم دیوبند کی فہرست سازی میں آپ کی خدمات قابل قدر ہیں۔ دار العلوم کی نشأۃ ثانیہ کے بعد آپ کو دار العلوم دیوبند میں مفتی کے منصب پر فائز کیا گیا اور فتویٰ نویسی کے علاوہ فقہ حنفی کی اہم کتاب ''درمختار'' آپ کے زیر درس رہی، اور سیکڑوں طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔

آپ دار العلوم دیوبند کے مفتی اور استاذ فقہ ہونے کے ساتھ مختلف علمی اداروں سے وابستہ رہے، بالخصوص مسلم پرسنل لاء بورڈ کے آپ رکن رکین تھے، اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے صدر نشین تھے۔

۲۰۰۸ء میں آپ کمزوری اور اعذار کی وجہ سے دار العلوم سبک دوش ہوکر وطن تشریف لے گئے تھے، وہیں ۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۳۱؍مارچ ۲۰۱۱ء بروز جمعرات کو وفات پائی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کو ان کی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائیں، اور امت کو ان کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی مئی ۲۰۱۱ء)

❍❖❍

نمونۂ سلف

حضرت مولانا سید محمود احمد صاحب پٹھیڑ ویؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اَجل، زاہد فی الدنیا اور گوشہ نشین بزرگ حضرت مولانا سید محمود احمد صاحب پٹھیڑ وی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۵؍مارچ ۲۰۱۱ء کو جمعہ کی نماز سے چند گھنٹے قبل دیو بند میں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف بڑے قوی النسبت بزرگ تھے، ورع وتقویٰ، زہد ومسکنت اور خودداری کے ساتھ پوری زندگی گذاری اور آخر میں اپنے شیخ حضرت مدنیؒ کے قدموں میں دفن ہونے کی تمنا لئے ہوئے دیو بند کے ''مدنی مہمان خانہ'' میں آ پڑے، بالآخر وہیں سے آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا۔

مولانا موصوف کی پیدائش غالباً ۱۹۲۴ء میں ہوئی، ابتدائی اور متوسط تعلیم مدرسہ ریڑھی تاجپورہ اور مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں حاصل کی، پھر ۱۹۴۴ء میں دار العلوم دیو بند سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اکابر اساتذہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ فراغت کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ کے حکم پر مدرسہ حسینیہ تاؤلی ضلع مظفر نگر میں انتظامی اور تدریسی ذمہ داریاں انجام دیں؛ تاہم حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد آپ مدرسہ تاؤلی سے یکسو ہو کر مختلف جگہوں پر مساجد کی امامت اور مکاتب میں تدریسی خدمات میں مشغول رہے، اور اَب ۲۱؍سال سے مسلسل ''مدنی مہمان خانہ'' دیو بند میں مقیم تھے۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے پاس آمدہ اصلاح

وتربیت سے متعلق خطوط کے جوابات حضرتؒ کے ایماء پر آپ ہی تحریر فرمایا کرتے تھے۔

مولانا موصوف کی زندگی حدیث رسول: کُنْ فِی الدُّنْیَا کَأَنَّکَ غَرِیْبٌ (دنیا میں مسافر کی طرح رہو) کی عملی تعبیر تھی، جو بھی آپ سے ملنے جاتا وہ آپ کے اردگرد کے ماحول کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا اندازہ لگا سکتا تھا، آپ اد و وظائف اور تلاوتِ قرآنِ کریم کے بے حد شائق تھے، دن رات کے اکثر اوقات قرآنِ کریم کی تلاوت میں گذارتے تھے، کئی سالوں سے ضعف، بیماری اور تکالیف میں مبتلا تھے؛ لیکن ہمیشہ صبر وتشکر کا دامن تھامے رہے، اپنے شیخ حضرت مدنیؒ سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا، اکثر ان کا ذکر آتے ہی آبدیدہ ہو جاتے، اور اپنے اوپر قابو نہ رکھ پاتے، جو بھی آپ کے پاس جاتا اس کو اکابر کے واقعات سنا کر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ فرماتے تھے، مسلمانوں کی دین سے دوری اور بے راہ روی کو سن کر بے چین ہو جاتے، اور دلی کڑھن کا اظہار کرتے تھے، الغرض نہایت خوبیوں کے انسان تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور آخرت میں درجات بلند فرمائیں، آمین۔ ادارہ ندائے شاہی حضرت مرحوم کے سبھی پسماندگان بالخصوص صاحب زادگان اور حضرت کے داماد حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی جامعہ اور ان کے اہل خانہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے قارئین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حضرت مرحوم کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام جاری رکھیں۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۱ء)

ایک مردِ قلندر نہ رہا

(پیدائش ۱۳۴۱ھ وفات ۱۴۳۲ھ)

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے تلامذہ، خلفاء اور عشاق میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا سید محمود حسن پٹھیڑوی (سہارن پوری) علیہ الرحمہ کا ہے، جو گذشتہ ۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۵؍مارچ ۲۰۱۱ء بروز جمعہ دیوبند میں واصل بحق ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور اپنی دیرینہ آرزو کے مطابق قبرستانِ قاسمی میں اپنے شیخ کے قریب ہی میں ہمیشہ کے لئے آسودۂ خواب ہوگئے۔

مولانا مرحوم فنا فی الشیخ کا جیتا جاگتا ثبوت تھے، ان کی کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی جس میں کسی نہ کسی زاویہ سے حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا تذکرہ نہ آتا ہو، آپ کا ذکر کرتے کرتے آبدیدہ ہوجاتے اور اپنی قسمت پر ناز کرتے کہ ہمیں حضرت مدنیؒ جیسا مربی اور شفیق روحانی باپ نصیب ہوا۔ بڑے فخر کے ساتھ حضرت مدنیؒ کی توجہات وعنایات کا تذکرہ فرماتے اور کہتے کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ حضرت کی جوتیاں سیدھی کرنے کا صلہ ہے، ورنہ تو ہم کسی بھی شمار میں نہیں تھے، اللہ نے شیخ کی رفاقت ومعیت کا موقع بھی خوب خوب عطا فرمایا تھا کہ بیعت ہونے کے بعد کوئی بھی رمضان المبارک ایسا نہیں گذرا جس میں حضرت کی معیت کا شرف حاصل نہ ہوا ہو، اور معمولات میں شرکت کا موقع نہ ملا ہو۔

اپنے شیخ سے عشق وعقیدت کا یہ عالم تھا کہ عمر کے آخری سالوں میں اپنے وطن مالوف کو

بالکلیہ ترک کر کے دیوبند میں ''مدنی مہمان خانہ'' کو اپنا مسکن بنالیا تھا؛ تاکہ شیخ کی قبر پر فاتحہ خوانی اور حاضری کا بار بار موقع ملتا رہے اور اسی سرزمین کا پیوند بننے کی آرزو بھی پوری ہو جائے۔ ہمیں یاد نہیں کہ کتنی مرتبہ انہوں نے ہم جیسے تربیت یافتگان کے سامنے اپنی اس دلی خواہش کا اظہار کیا ہو، حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی ایک قمیص انہوں نے محفوظ کر رکھی تھی اور یہ وصیت کی تھی کہ انتقال کے بعد اسے پہنا کر ہی تدفین کی جائے، اور حضرت کے قریب ہی میں دفنایا جائے، اللہ نے ان کی یہ دونوں تمنائیں پوری فرمادی، جب تک چلنے پھرنے کی سکت رہی دیوبند میں رہتے ہوئے ان کا یہ معمول تھا کہ روزانہ صبح وشام ہاتھ میں رحل، کلام پاک اور ایک چادر لے کر قبرستان قاسمی تشریف لے جاتے اور ڈیڑھ دو گھنٹہ حضرت مدنیؒ کے مزار کے قریب بیٹھ کر تلاوت فرماتے، یہ اپنے شیخ کے ساتھ تعلق کی انتہاء تھی جس کو وہ پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیا کرتے تھے، قرآنِ مقدس کی تلاوت تو ان کا محبوب مشغلہ اور والہانہ ذوق تھا، اپنی قیام گاہ پر بھی وہ خالی اوقات میں تلاوتِ قرآن ہی میں منہمک دکھائی دیتے تھے، دوسرے تیسرے دن بآسانی ان کا کلام پاک ختم ہو جایا کرتا تھا، بعض دفعہ اپنے خاص متعلقین سے فرمادیا کرتے تھے کہ آج اللہ کے فضل سے بیس پارے پڑھ لئے یا پچیس پارے پڑھ لئے، قرآن کریم سے اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ طویل عمری کے باوجود اخیر وقت تک ان کا قلب ودماغ، قوتِ حافظہ صحیح رہا اور ہوش وحواس بھی برقرار رہے اور ہمیں یقین ہے کہ قبر اور اس کے بعد کی منزلوں میں بھی قرآنِ پاک کے سچے تعلق کے صدقے میں ان کی راہیں آسان سے آسان تر ہوتی چلی جائیں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری علیہ الرحمہ، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے آپ کے روابط نہایت مستحکم اور گہرے تھے، سب بزرگوں کی مجالس میں بے تکلفانہ حاضری اور گفتگو کی تفصیلات آپ سنایا کرتے تھے، حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی مجالس میں تو زینت محفل آپ ہی ہوا کرتے

تھے، عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت آپ کے منتظر ہوتے، آمد پر خوش کلامی فرماتے، کبھی حافظ طیب صاحب (خلیفہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ) کو مخاطب کر کے فرماتے کہ: ''دیکھئے جھوٹی پیشین گوئی کرنے والے آرہے ہیں، ہر سال کہتے ہیں کہ یہ میرا آخری رمضان ہے اور ہوتا کچھ نہیں ہے''۔ حافظ طیب صاحب فرماتے کہ حضرت ''اب مولانا بوڑھے ہوگئے ہیں''، بس اس پر تو چراغ پا ہوجاتے، اپنی مضبوطی اور صحت مندی کے دلائل دیتے اور فرماتے کہ: ''میں تمہیں بوڑھا دکھائی دے رہا ہوں''، محفل زعفران زار ہوجاتی۔

گذشتہ ۲۱؍سال سے آپ خانقاہِ مدنی ہی میں مستقل قیام پذیر تھے، فدائے ملت علیہ الرحمہ کے مسترشدین کو مراحل سلوک طے کراتے اور آنے والے خطوط کے جوابات ارسال فرمایا کرتے تھے، اس حقیر کو بھی حضرت مرحوم کی زیرِ تربیت رہ کر کچھ سیکھنے اور شفقتیں لوٹنے کا موقع ملا۔ حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ جن سے ہمارا اصلاحی تعلق تھا، ابتداء اسباق کی تلقین کرنے کے بعد مزید استفادہ کے لئے حضرت والد صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے رجوع کرنے کا اشارہ فرماتے، اور پھر حضرت والد صاحب دام ظلہ العالی حضرت مولانا سید محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت عالیہ میں بھیج دیا کرتے تھے، اس طرح یہ نالائق حضراتِ اکابر کے فیوض وبرکات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اصلاح کی تلاش وطلب میں سرگرداں رہا اور ہے، اللہ تعالیٰ اپنی خاص لطف وعنایت سے ہدایت نصیب فرمائے، اور خدمت دین کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا سید محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ کی زندگی سادگی بے تکلفی اور قناعت پسندی سے عبارت تھی، جیسا میسر ہوا کھالیا اور جو میسر ہوا پہن لیا، اکثر ان کے کپڑوں اور بچھانے والی چادروں میں پیوند دکھائی دیتے، جس کو وہ خود ہی لگالیا کرتے تھے، طبیبانہ ذوق ہونے کی وجہ سے خمیرہ جات بھی کچھ تیار کرلیا کرتے تھے، بندگانِ خدا کی راحت رسانی کے لئے پریشان حال اور ضرورت مند لوگوں کو تعویذ بھی دیا کرتے تھے، جس کی اجازت ان کو اپنے شیخ سے حاصل تھی،

حضرت مدنیؒ کے بیاض کی نقل ان کے پاس بھی موجود تھی جس سے وہ حاجت مندوں کو فیض پہنچایا کرتے تھے۔

گذشتہ دنوں امام حرم مکی ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس کی دیوبند آمد سے ایک روز قبل حضرت والد صاحب مدظلہ العالی بغرض ملاقات ان کے پاس تشریف لے گئے، ناشتہ کرایا، گفتگو کی اور فرمایا: ''کل امام صاحب آرہے ہیں اگر میرا انتقال ہوجائے تو میری نماز جنازہ انہی سے پڑھوادیں، ورنہ آپ پڑھائیں'' اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اگلے دن نماز جمعہ سے قبل ہی روح پرواز کرگئی اور راہی ملک عدم ہوگئے، غیر معمولی اژدہام اور تنگی وقت کے باعث امام حرم آپ کی نماز جنازہ تو نہ پڑھا سکے؛ البتہ مغفرت کی خصوصی دعاء ضرور فرما گئے، حضرت والد صاحب مدظلہ العالی نے امام صاحب کو ایک رقعہ تحریر فرمایا جس میں مولانا کے سانحۂ وفات کی اطلاع اور ان کی مذکورہ خواہش کا ذکر تھا، امام صاحب نے پڑھ کر اظہار افسوس کیا اور مغفرت کی دعاء فرمائی۔ بعد نماز مغرب احاطہ مولسری میں حضرت والد صاحب دامت برکاتہم نے سیکڑوں علماء اور اہالیانِ شہر کی موجودگی میں نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا مزاجاً متصلب فی الدین، تارک عن الدنیا اور متوکل علی اللہ واقع ہوئے تھے، اس ترقی یافتہ اور چکاچوند کردینے والے دور میں ان کی دنیا سے بے رغبتی، اقل قلیل پر قناعت بے مثال اور قابل رشک تھی، اللہ تعالیٰ ان کی آخرت کو دنیا سے کہیں بہتر بنائے اور اپنے مقرب ترین بندوں میں شمار فرمائے، آمین۔

مولانا کی ابتدائی اور متوسط درجات کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ عربیہ ریڑھی تاجپورہ اور مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں ہوئی، جہاں آپ نے مختصر المعانی، سلم العلوم، ہدایہ اولین اور نور الانوار وغیرہ کتابیں پڑھیں، بعد ازاں شوال ۱۳۶۳ھ میں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا (اس وقت آپ کی عمر دارالعلوم دیوبند کے رجسٹر میں اندراج تفصیل کے مطابق ۲۲ سال تھی) یہاں آپ نے دو سال رہ کر حضرت مدنیؒ اور حضرت شیخ الادبؒ جیسے جبال علم کے سامنے

زانوئے تلمذ طے کیا اور علوم عالیہ کی تکمیل کی اور شعبان ۱۳۶۵ھ میں سند فراغت حاصل کی، اسی سال غالباً رمضان میں حضرت مدنی علیہ الرحمہ سے باقاعدہ اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور راہِ سلوک میں محنت شاقہ کے ساتھ چند سالوں ہی میں خلعت خلافت سے سرفراز کئے گئے، داخلہ کے وقت دارالعلوم کے رجسٹر میں آپ کا حلیہ اور نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: ''محمود حسن ولد رشید احمد: کشیدہ قامت، رنگ گندمی، پیشانی متوسط، آبرو متوسط، چشم قدرے خورد، سبزہ آغاز، متوسط اندام۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد تاؤلی کے مدرسہ کے مہتمم رہے، رام نگر، سونچڑہ اور کٹیسرہ وغیرہ میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں اور اب گذشتہ ۲۱ر سالوں سے اپنے شیخ کے قدموں میں تدفین کی آرزو لے کر قیام پذیر تھے، جو اللہ نے پوری کرائی، باری تعالیٰ اپنے جوار میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

فہرست خلفاء حضرت مولانا سید محمود صاحب پٹھیڑویؒ

حضرت مولانا سید محمود احمد پٹھیڑویؒ نے درج ذیل حضرات کو اپنی طرف سے اجازت بیعت مرحمت فرمائی تھی، اور ان کی فہرست مؤرخہ ۲۳ر ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ کو صاف کر کے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب کو بطور یادداشت مرحمت فرمادی تھی، موصوف کے شکریہ کے ساتھ خلفاء کے اسماء گرامی شائع کئے جارہے ہیں: (مرتب)

○ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ، صدر جمعیۃ علماء ہند ○ امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند ○ حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ○ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ○ حضرت مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدرسہ شاہی مرادآباد ○ مفتی محمد راشد صاحب مدظلہ استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند ○ مولانا عبداللہ معروفی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند ○ مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری استاذ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ ○ مولانا عبدالرحیم میر صاحب لندن ○ مولانا شمیم احمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ

حسین بخش دہلی ○ حضرت مفتی عبدالرزاق صاحب مہتمم ترجمہ والی مسجد بھوپال ○ مولانا منصور احمد صاحب مہتمم جامعہ سعیدیہ اشاعت العلوم ○ مولانا مسیح الزماں صاحب صدر المدرسین جامعہ سعیدیہ ○ مولانا مفتی خلیل احد صاحب مہتمم مدرسہ مرادیہ مظفرنگر ○ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوری ○ حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مرحوم بانی مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ○ مولانا مفتی عبدالغنی صاحب کشمیری ○ مولانا سید اطہر حسن صاحب مدرسہ عربیہ بلہ مزرعہ ضلع مظفرنگر ○ حضرت مولانا ناظر حسین صاحب مرحوم مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ ○ مولانا عبدالستار صاحب مدرسہ عربیہ بوڑیہ ضلع جمنانگر ○ مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ○ مولانا مفتی خورشید انور صاحب مہتمم دارالعلوم حسن پور ضلع امروہہ ○ مولانا رحمت اللہ صاحب ناظم مدرسہ اشاعت الاسلام بڑھڑا گنج ○ مولانا حسیب صاحب سابق ناظم مدرسہ اشاعت الاسلام بڑھڑا گنج ○ مولانا اصغر علی صاحب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور ○ مولانا اختر علی صاحب مہتمم جامعہ ریڑھی تاجپورہ ○ مولانا ابوالحسن صاحب مدرس مدرسہ ریڑھی تاجپورہ ○ مولانا قاری محمد عاشق الٰہی صاحب مدرسہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ○ مولانا عظیم الدین انبیٹھہ ضلع سہارن پور ○ مولانا شاہد حسین صاحب بانی مدرسہ ایکڑ ضلع ہریدوار ○ مولانا اطہر حسن صاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ○ مولانا عباد الرحمٰن صاحب ○ حاجی محمد ایوب صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ بوڑیہ ضلع جمنانگر ○ قاری خورشید اطہر صاحب بارہ دری مرادآباد ○ مولانا مصطفیٰ صاحب عرف صوفی جی بڑھڑا گنج کشی نگر ○ حافظ حاجی معین الدین صاحب نلہیڑہ ضلع سہارنپور ○ قاری رضاء الاسلام صاحبزادہ حضرت والا ○ حضرت مولانا نور احمد صاحب نائب مہتمم جامعہ سعیدیہ۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۱ء)

حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحبؒ (بستی)

ملک کے مشہور دینی ادارے جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد اور دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے مہتمم حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۱ر اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات آٹھ بجے شب اپنے وطن بستی میں طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف نہایت شریف النفس، نرم مزاج، باوقار، خدمت قوم وملت سے سرشار اور حسن انتظام کی دولت سے مالا مال عالم دین تھے۔ آپ نے کئی بڑے دینی اداروں کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی اور انھیں تعلیمی اور تعمیری اعتبار سے بام عروج پر پہنچایا۔

آپ غالباً ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ فراغت کے بعد مدرسہ خادم العلوم باغوں والی اور مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں کچھ دنوں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد مدرسہ امدادیہ مرادآباد تشریف لے آئے۔ آپ کے دور انتظام میں مدرسہ کو بے مثال ترقی اور استحکام حاصل ہوا۔ ۱۹۸۰ء میں آپ نے دارالعلوم الاسلامیہ بستی کی بنیاد ڈالی جس نے چند ہی سالوں میں آپ کی انتھک جدوجہد سے ملک کے دینی مدرسوں میں مرکزی مقام اور اعتبار حاصل کیا، آج بھی بفضلہ تعالیٰ آپ کا لگایا ہوا یہ گلشن آباد اور شاداب ہے۔

ادارہ ندائے شاہی مولانا موصوف کے قابل وفاضل صاحب زادگان جناب مولانا محمد اسعد صاحب قاسمی نائب مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ بستی، اور جناب مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ امدادیہ مرادآباد اور سبھی پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے چھوڑے ہوئے اداروں کی ہر شر سے حفاظت فرمائیں۔ آمین۔ قارئین سے بھی ایصال ثواب کی درخواست ہے۔ (ندائے شاہی مئی ۲۰۱۱ء)

حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب رحمہ اللہ

بابرکت زندگی کی ایک جھلک

ازقلم: مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

اب تک کی اپنی حیاتِ مستعار میں مختلف موضوعات پر لکھنے والے اِس حقیر وعاجز کو کوئی تحریر اتنی مشکل اور ضبط آزما نہیں محسوس ہوئی جتنی دشوار اور صبر آزما یہ تحریر ہے۔

آہ! جسم وروح کو کیسے کیسے چرکے لگ رہے ہیں، دل ودماغ درد والم کی کیسی ناقابل بیان کیفیات سے دوچار ہورہے ہیں، آنکھیں کس طرح اشکوں کے جام لٹارہی ہیں، اور قلم اس واقعۂ فاجعہ کے اظہار میں کتنی دشواری محسوس کررہا ہے کہ میرے والد ماجد، میرے معلم ومربی، پیکرِ محبت وشفقت، حضرت اقدس مولانا محمد باقر حسین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اس دارِفانی سے رخصت ہوکر اپنے مالک حقیقی سے جاملے، **فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون**۔

۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۱/اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب، تقریباً آٹھ بجے شب حضرت نے اس دنیا سے اپنی آنکھیں بند کرلیں، وہ سالہا سال سے شوگر کے مریض تھے، نسیان اور دماغی امراض نے بری طرح اُن کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق ضعف روزافزوں تھا، بایں ہمہ بہ ظاہر کوئی آخری درجہ کی تشویش کی بات معلوم نہ ہوتی تھی؛ لیکن:

کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم، اَرزاں ہے موت

کلبۂ اَفلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت

دشت ودر میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت

اپنی حیات کے اس سب سے سنگین سانحے پر تأثرات کے اظہار کے لئے ڈھونڈے سے بھی الفاظ نہیں مل رہے ہیں، احباب کے اصرار اور بزرگوں کے حکم کی تعمیل میں حضرت والد صاحب کی شخصیت اور خدمات کے تعلق سے یہ مختصر سی تحریر ٹوٹی پھوٹی اور بے ربط شکل میں پیش کی جارہی ہے۔

ولادت، وطن اور خاندان

ضلع سنت کبیر (سابق ضلع بستی) کے آباد وشاداب مسلم اکثریتی خطے میں واقع ایک چھوٹے سے گاؤں ''مدار پور'' میں ۱۹۳۶ء میں حضرت اقدس مولانا محمد باقر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آنکھیں کھولیں، حضرت کے والد ماجد محترم جناب محمد اسماعیل صاحب مرحوم انتہائی صالح ومتدین انسان تھے، بچپن ہی میں حضرت کو اپنے والد کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا، اس طرح یتیمی کی زندگی گذاری، حضرت کی والدہ محترمہ مریم صاحبہ مرحومہ نے بے حد محبت سے اپنے لختِ جگر کی تربیت کی، اور دینی تعلیم کے لئے ان کا انتخاب کیا، حضرت کی مبارک زندگی کی بے نظیر دینی وعلمی خدمات میں اُن کی والدہ کی دعائے نیم شبی، آہ سحرگاہی اور مؤمنانہ تربیت کا نمایاں اور اولین کردار ہے۔ صالح، متدین، شریف النفس، سیدھے سادھے، مخلص وبے ضرر خانوادے کا چشم وچراغ ہونے کی وجہ سے حضرت کی ذات وصفات میں (رسوخ علمی اور اکابر سے تعلق وربط کے اثرات کے پہلو بہ پہلو) نسبی ونسلی اثرات کے لحاظ سے بھی صلاح، تدین، کریم النفسی، شرافت انسانی، بے لوثی، اخلاص، خیرخواہی، ہم دردی، بے نفسی، نافعیت اور دوسروں کی بدخواہی، ایذا اور ضرر رسانی کی تمام ظاہری، باطنی، خفیہ، علانیہ، چھوٹی بڑی، محسوس وغیر محسوس شکلوں اور طریقوں سے آخری حد تک گریز اور اجتناب جیسے اوصافِ عالیہ کا رنگ اس طرح غالب اور نمایاں تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے بھی ملنے والا اسے محسوس کئے اور اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا تھا۔

ابتدائی تعلیم

حضرت نے دارالعلوم دیوبند کے چشمۂ فیض سے استفادہ سے پہلے تین اداروں میں علم دین حاصل کیا: (۱) مکتب اور ابتدائی درسیات کی تعلیم اپنے وطن سے متصل دریاباد کے مکتب اور مدرسہ دینیہ مونڈا ڈیہہ بیگ ضلع سنت کبیر نگر (بستی) میں حاصل کی، اس وقت وہاں کے معروف اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالوہاب صاحبؒ، حضرت مولانا عبداللہ صاحب مہاجر مدنیؒ (دفین جنۃ البقیع، مدینہ منورہ) اور حضرت مولانا محمد اسلام صاحبؒ اور ماسٹر شہرت علی صاحب دریابادی مرحوم تھے۔ (۲) مختصر سے عرصے کے لئے جو غالباً ایک سال سے بھی کم تھا، مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڈھ میں مقیم رہے اور علمی پیاس بجھائی۔ (۳) درسِ نظامی کی بنیادی، اولین اور ٹھوس تعلیم کا مرکز پورے خطے میں اُس وقت جامعہ عربیہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ تھا، جو اکابر راسخین علم کا گہوارہ بنا ہوا تھا، حضرت وہاں داخل ہوئے اور خوب خوب استفادہ کیا، اُس دور کے نمایاں اساتذہ میں (جن کا بار بار عقیدت سے اپنی مجلسوں میں نام بھی لیا کرتے تھے) حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن نامیؒ، حضرت مولانا سلامت اللہ بیگ صاحبؒ، حضرت مولانا حافظ حبیب احمد صاحبؒ، حضرت مولانا حافظ محمد نعمان صاحبؒ اور حضرت مولانا افضال الحق جوہر قاسمی مدظلہم وغیرہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں

متوسطات سے لے کر دورۂ حدیث تک کئی سالوں کی مکمل تعلیم کے لئے حضرت نے ام المدارس دارالعلوم دیوبند کا انتخاب کیا، اور معاشی ناہمواریوں کے باوجود ہر طرح کی تکلیف جھیل کر تحصیل علم میں اپنی پوری طاقت کھپادی، اپنی متواضعانہ اداؤں اور جوہر قابل کی وجہ سے اکابر اساتذہ کے منظورِ نظر بن گئے، دارالعلوم کے زمانۂ قیام میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ، حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ، شیخ الادب حضرت مولانا

اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ وغیرہم سے بطور خاص کسب فیض کیا۔ ۱۹۵۶ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی، اور از اول تا آخر مکمل بخاری شریف حضرت شیخ الاسلامؒ سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی، اور امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

ابتدائی تدریس

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ہی فوراً اپنے اساتذہ کے حکم سے دیوبند سے قریب موضع باغوں والی ضلع مظفر نگر کے ممتاز ومعروف تعلیمی ادارہ مدرسہ خادم العلوم میں ایک سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، اور اپنی حسن کارکردگی اور نیک طبعی کی بنا پر وہاں مقبول رہے، اسی دوران حضرت مدنیؒ کا انتقال ہوا۔ باغوں والی کے زمانۂ قیام میں حضرت والد صاحب کی طبیعت بار بار خراب ہوتی رہی، اس لئے مجبوراً وہاں سے رخت سفر باندھا اور اساتذہ کے حکم پر ہاپوڑ منتقل ہوئے اور تین سال سے زائد عرصہ تک مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور اوپر سے نیچے تک تقریباً تمام کتابیں پڑھائیں، آپ کی تدریسی قابلیت کا دور دور تک شہرہ ہوا۔ ہاپوڑ کے دور کے پچاسوں باصلاحیت شاگرد آخر وقت تک حضرت سے والہانہ اور عقیدت مندانہ طور پر مربوط رہے، اس وقت کے معاصر اساتذہ میں حضرت مولانا قاری محمود علی صاحبؒ، حضرت مولانا قاری مشتاق احمد صاحب بلند شہریؒ، حضرت مولانا ناظر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا صادق علی صاحب قاسمی مدظلہ (مدیر ''نقوشِ حیات'' لہرولی سنت کبیر نگر) حضرت مولانا قاری محمد اصغر صاحب مدظلہ (حال شیخ الحدیث خادم الاسلام ہاپوڑ) وغیرہ تھے۔

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد میں قیام: علمی ودینی خدمات کا دورِ شباب

اہل مرادآباد کے اصرار اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ۱۹۶۱ء میں حضرت والد صاحب مرحوم ہاپوڑ سے مرادآباد کی قدیم، بافیض دینی درسگاہ

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد منتقل ہوگئے، درجاتِ عالیہ کی کتب کا درس آپ سے متعلق ہوا، بلا مبالغہ سیکڑوں تشنگانِ علوم نے آپ کے حلقۂ درس میں اپنی پیاس بجھائی، اس دور میں بطور خاص ''صحیح مسلم'' کا آپ کا درس بے حد مقبول اور معروف ہوا، حتی کہ شہر واطراف کے دیگر مدارس کے طلبہ بھی فرصت نکال کر آپ کے ''مسلم شریف'' کے درس میں پروانہ وار شرکت کرتے اور استفادہ کرتے تھے، جامعہ عربیہ امدادیہ اس وقت گلہائے رنگا رنگ سے آراستہ انتہائی خوش نما اور پرکشش چمن تھا، علم وعمل کے آفتاب وماہتاب وہاں اکٹھا تھے، وہ مشرق ومغرب کے طلبہ کا مرکز بنا ہوا تھا، حضرت کے اس دور کے معاصر اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا معین الدین صاحب گونڈویؒ (جو حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کے خلیفہ تھے اور حضرت والد صاحب سے ان کا تعلق انتہائی مثالی رفاقت کا تھا) حضرت مولانا سجاد احمد صاحب مرادآبادیؒ، حضرت مولانا نثار احمد صاحب گونڈویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد انعام اللہ صاحب مدظلہم (خلیفہ حضرت محی السنہ ہردوئی، حال صدر مفتی جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد، اللہ ان کا سایہ عافیت کے ساتھ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے) وغیرہ تھے۔ جامعہ عربیہ امدادیہ حضرت والد صاحب کی تدریسی، تعلیمی، تربیتی، اصلاحی، تبلیغی، دعوتی، سماجی اور انتظامی صلاحیتوں کی باضابطہ طور پر اولین جولان گاہ تھی، حضرت کی خدمات کے نقوش جامعہ امدادیہ کے ہر گوشے اور ہر حصے میں اس طرح ثبت ہیں کہ ان کو کبھی نہ محو کیا جاسکتا ہے اور نہ نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ غالباً ۱۹۶۷ء میں کچھ آزمائشی حالات سے بددل ہوکر امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی دعوت پر جامعہ رحمانیہ خانقاہ رحمانی مونگیر (بہار) چلے گئے، تقریباً ایک سال وہاں درجاتِ عالیہ کا درس دیا، بطور خاص تفسیر بیضاوی کا سبق آپ سے متعلق رہا؛ لیکن جامعہ امدادیہ کے اربابِ حل وعقد اور عمائدین شہر کے بے حد اصرار پر پھر مرادآباد واپسی ہوئی۔

حضرت کی صلاحیتوں، جوہر قابل، حوصلہ، لگن اور مجاہدے کو دیکھ کر جامعہ امدادیہ کی مؤقر مجلس شوریٰ نے ۱۹۶۹ء میں آپ کو وہاں کا انتظام وانصرام سپرد کیا، بزرگوں کے صحبت یافتہ شہر

مرادآباد کے مشہور دین دار تاجر ظروف الحاج عبدالواحد صاحب شمسی مرحوم ادارے کے ذمہ دار تھے، حضرت والد صاحب کو مہتمم متعین کیا گیا، حضرت والد صاحب نے تعلیمی استحکام، مالی استحکام، انتہائی لائق ٹیم تیار کرنے اور جامعہ کو ملک گیر شہرت کا حامل ادارہ بنانے کی تمام سمتوں میں اپنے خاص ذوق وشوق، لگن، ہمت، حوصلہ، ولولہ اور فکرمندی (جو ان کا خاص امتیاز ہے اور جس کی مثال اب طبقۂ علماء میں خال خال ہی دستیاب ہے) کے ساتھ محنت شروع کی، اور اپنی لگن اور استقامت سے جامعہ امدادیہ کو ایک اعتبار اور وقار عطا کردیا، فعال اساتذہ وکارکنان کی مضبوط ٹیم سرگرم عمل ہوگئی، تعلیم وتربیت کا مثالی نظام قائم ہوا، ملک کے اکابر علماء کا جامعہ امدادیہ سے تعلق مستحکم ہوا، اکابر کی آمد بکثرت ہونے لگی، یہ وہ دور تھا جب جامعہ کے سرپرست حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند تھے، اسی دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضرت والد صاحب کا تقرر بحیثیت مدرس کتب متوسطہ درجاتِ عربی دارالعلوم دیوبند میں ہوگیا، حضرت والد صاحبؒ کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ دارالعلوم کی بلاواسطہ خدمت کی سعادت کو وہ مرادآباد کے قیام پر ترجیح دینے کا ارادہ کرچکے تھے؛ لیکن حضرت شیخ الحدیث سہارن پوریؒ نے حکماً فرمایا کہ: ''دارالعلوم کو مدرس بہت سے مل جائیں گے؛ لیکن جامعہ امدادیہ مرادآباد کو آپ جیسا فعال منتظم ملنا مشکل ہے''۔

بالآخر آپ نے اپنا ارادہ بدلا، پھر جامعہ امدادیہ ہی پر اپنا سب کچھ نچھاور کردیا، ۱۹۷۸ء میں جامعہ امدادیہ کی شہری عمارت کے ناکافی ہونے اور طلبہ کے رجوع کی وجہ سے وسیع اراضی وعمارت کی ضرورت کے پیش نظر شہر سے باہر بالکل متصل شاہ راہِ عام (رام پور روڈ) پر چالیس بیگھہ وسیع اراضی کی خریداری عمل میں آئی، پرائمری، حفظ اور ابتدائی عربی کے درجات بتدریج وہاں منتقل کئے گئے، انتہائی پرشکوہ، دیدہ زیب اور عالی شان وسیع وعریض جامع مسجد تعمیر ہوئی (جو حسن تعمیر اور سادگی کا شاہکار ہے) درس گاہوں اور دارالاقامہ، دارالقرآن، دفاتر، اور اسٹاف کوارٹرس کے لئے پچاسوں کمرے تعمیر ہوئے، اور شہر کے باہر کی کھلی فضا میں انتہائی

پرسکون ماحول میں تعلیم کا نظام بنایا گیا، جو ہنوز اُسی آب وتاب کے ساتھ جاری ہے۔ یہ سارے کام حضرت والد صاحب کی محنتوں کے نقوش ہیں، اور ان کاموں میں اور ادارے کو اس منزل تک لانے میں اللہ کے اس مخلص بندے کا کتنا خون جگر خرچ ہوا ہوگا، رکاوٹوں کے کیسے کیسے طوفان سے گذرنا پڑا ہوگا، صعوبتوں اور مشقتوں کے کون کون سے مرحلے طے کرنے پڑے ہوں گے؟؟ آج ہم اس کا صحیح ادراک وتصور بھی نہیں کرسکتے، بس اللہ کی خاص توفیق تھی اور اُس کی عطا کردہ خاص عزیمت اور ہمت تھی کہ بہت سے ناسازگار مواقع حضرت کی محنتوں اور لگن کے نتیجے میں سازگار ہوئے، ناہموار زمین ہموار ہوئی، نامساعد فضا مساعد بنی، یہ انہیں کی ہمت اور حوصلہ تھا کہ انہوں نے حالات کی ستم ظریفیوں کی پرواہ کئے بغیر زمانے کے سمندر سے گوہرِ فردا نکالا، بقول علامہ اقبال:

وہی ہے صاحبِ امروز، جس نے اپنی ہمت
سے زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

۱۹۶۹ء سے لے کر تا وفات حضرت جامعہ عربیہ امدادیہ کے مہتمم اور وہاں کی علمی قافلے کے سالار ومیر رہے، پورا عملہ اُن کی سرپرستی کی گھنی چھاؤں میں مصروفِ کار تھا، کئی سالوں سے علالت ضرور تھی؛ لیکن ان کے وجود مسعود کی برکات نمایاں تھیں، اب جب کہ یہ حادثۂ فاجعہ وقوع پذیر ہوچکا ہے، ہر کوئی سکتے کی کیفیت میں ہے اور اپنے کو یتیم محسوس کررہا ہے۔ تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ شَآبِيْبَ فَضْلِهٖ.

دار العلوم الاسلامیہ بستی: حضرتؒ کا اصل سرمایۂ زندگی

ملک کے دردمند اکابر ومشائخ اتر پردیش کے مشرقی خطے میں ایک مرکزی دینی درسگاہ کی کمی شدت سے محسوس کررہے تھے، اتر پردیش کے مشرقی اضلاع (بالخصوص بستی، گورکھپور، فیض آباد، دیوریا وغیرہ) میں کوئی معیاری مرکزی دینی ادارہ نہ ہونے کا احساس سبھی اہل فکر کررہے تھے، ضلع بستی (جو اس وقت تقسیم نہ ہوا تھا، اور موجودہ ''سنت کبیر نگر'' اور ''سدھارتھ نگر''

اسی کا حصہ تھا) آبادی کے اعتبار سے یوپی کا سب سے بڑا ضلع تھا، اس کی کل آبادی تیس لاکھ اور مسلم آبادی تقریباً دس لاکھ تھی، اس لئے شہر بستی میں ایک مرکزی دینی ادارے کا قیام بے حد ضروری سمجھا جارہا تھا۔ بطور خاص عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ کی طرف سے حضرت والد صاحبؒ کو بار بار اصرار کے ساتھ بستی کی طرف توجہ فرمائی کا حکم ہوتا تھا، بالآخر ۱۹۸۰ء میں حضرت والد صاحبؒ نے حضرت باندویؒ کے حکم وتحریک پر ملک کے تمام اکابر کی سرپرستی اور تائید سے اپنے مخلص احباب ورفقاء کے ساتھ توکلاً علی اللہ بے سروسامانی کے باوجود ''دارالعلوم الاسلامیہ بستی'' کا قیام فرمایا۔

۴رشوال ۱۴۱۲ھ کے اپنے تأثرات میں حضرت باندویؒ نے تحریر فرمایا ہے: ''احقر دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں اکثر حاضر ہوتا رہتا ہے، اس کی خواہش تھی کہ ہمارے پورب میں ایسا ادارہ ہو جس میں اپنے اسلاف کے اصول کے مطابق تعلیم وتربیت کا معقول انتظام ہو، اور شروع سے لے کر آخر تک کی درسیات اس میں پڑھائی جائیں، اس کا مشورہ جناب مولانا محمد باقر حسین صاحب مدظلہ العالی سے ہوتا رہا، ہمارے اس پوربی علاقہ میں انہیں کی ایسی ذات ہے جن کے عزم وارادہ کے سامنے کوئی مشکل، مشکل نہیں رہتی، اللہ پاک نے اُن کے دل کے اندر اس کا جذبہ پیدا فرمادیا، اور بحمدہ تعالیٰ چند ہی سال میں ایسا عظیم الشان ادارہ قائم ہوگیا جس میں درسِ نظامی کا مکمل نظم اور تربیت کا معقول انتظام ہے''۔

شروع میں مستقل عمارت نہ ہونے کی وجہ سے کرائے کا مکان لے کر ابتدائی تعلیم کا بندوبست کیا گیا، پھر اس کے بعد شہر میں دارالعلوم کے لئے وسیع اراضی کی خریداری کی گئی، حضرت والد صاحبؒ نے پہلے شہر کے کنارے جانب جنوب میں پانچ ایکڑ زمین خریدی تھی جس میں عارضی طور پر ٹین شیڈ ڈال کر عربی، فارسی اور حفظ کی تعلیم کا آغاز ہوا؛ لیکن پھر شہر کے طلبہ کے لئے آمد ورفت کی دشواری کے سبب اور شہر کی مسلم آبادی کی سہولت کے پیش نظر وسط شہر کے محلّہ دریاخاں میں تین ایکڑ زمین خریدی، جس میں تعمیری منصوبے شروع ہوئے اور عربی، فارسی

وحفظ کے درجات منتقل کئے گئے، فرقہ پرست غیر مسلموں کی طرف سے دارالعلوم پر بالکل ابتدائی دور ہی میں بے حد آزمائشی اور دشوار حالات آئے، طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں؛ لیکن حضرت والد صاحبؒ کی مجاہدانہ عزیمت:

ع: راہ میں حائل ہوں اگر کوہ تو ٹھکرا کے نکل

کے مصداق ہر طرح کے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتی رہی، بالآخر اُن کے خلوص ومجاہدے اور اکابر کی مسلسل دعاؤں کی برکت کا یہ اثر ہوا کہ تمام مسائل حل ہوگئے، اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹھوس، مستحکم، معیاری اور مثالی تعلیم وتربیت کا مرکز بن کر ابھرا، یہ حضرت والد صاحبؒ کا لگایا ہوا وہ شجر طوبیٰ تھا جس کے برگ وبار پورے خطے کو سیراب کرنے لگے، ملک کے تمام دینی مراکز میں اس کا لوہا مانا جانے لگا۔

حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ نے ایک طرف مستحکم تعلیمی نظام کے لئے ماہرفن، محنتی، لائق اور فعال اساتذہ کی ایک ٹیم دارالعلوم بستی میں جمع کی، جن کی محنتوں اور کاوشوں سے دارالعلوم کا تعلیمی معیار بے حد بلند اور تعلیمی ریکارڈ انتہائی اعلیٰ اور مثالی بن کر سامنے آیا، درجاتِ عربی، درجاتِ حفظ وناظرہ، درجاتِ تجوید وقراءت اور درجاتِ پرائمری، سب کے لئے حضرت والد صاحب کی نگاہِ دوررس خوب سے خوب تر کی جستجو کرتی رہی، وہ جوہر قابل تلاش کرتے رہے، اور اپنے دارالعلوم کا دامن علم وفن کے آبدار گوہروں سے مالا مال کرتے رہے۔

تعلیم کے علاوہ تربیتی نظام کو بہتر کرنے کی سمت میں حضرت والد صاحبؒ نے بطور خاص توجہ فرمائی، تلاوت ودعا وذکر کا اہتمام، پند ونصائح کا التزام، سلام کی ترویج، ادب وسلیقہ کی طرف توجہ دہانی، طلبہ کی تربیت کے لئے اذان، اقامت، امامت، خطابت کی مشق، غیر حفاظ کو قرآن کے آخری دو پارے حفظ کرانے کی تاکید اور تشجیع، سب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ حضرت والد صاحبؒ کی ذاتی دلچسپی اور خاص ذوق وشوق کی وجہ سے دارالعلوم میں دینی وعصری ہر دو علوم کے ماہرین کا ورود بار بار ہوتا رہا، مختلف موضوعات پر توسیعی محاضرات کا سلسلہ بھی رہا،

تربیتی کیمپ بھی لگایا گیا، جس میں دینی وعصری علوم کے ماہرین نے اپنے خطبات، مقالات اور محاضرات کے ذریعہ شرکاء کو فیض پہنچایا۔ اکابر ومشائخ (بطور خاص حضرت باندویؒ، حضرت مفکر اسلامؒ، حضرت فدائے ملتؒ وغیرہم) کی بار بار تشریف آوری سے طلبہ واساتذہ کو استفادہ کے زریں مواقع ملتے رہے۔

حضرت والد صاحب کے منصوبوں میں میڈیکل کالج کا قیام، ٹیکنیکل اسکول کا قیام، خدمت خلق کے لئے ایک معیاری ہاسپٹل کا قیام، شہر مرادآباد میں رام پور روڈ پر لڑکیوں کے ایک اعلیٰ دینی معیاری تعلیمی ادارے کا قیام، مسلم بچوں اور بچیوں کے لئے ایسے انگلش میڈیم اسکول کا قیام، جہاں بچوں کے دینی عقائد کا تحفظ ہو سکے، وغیرہ تھے۔ اللہ جلد از جلد ان منصوبوں کو مکمل کرادے۔

حضرت والد صاحبؒ کی زندگی کا بہت بڑا حصہ جامعہ عربیہ امدادیہ اور دارالعلوم الاسلامیہ کی ترقی کے لئے اندرون وبیرونِ ملک کے اسفار میں گذرا، بطور خاص سعودیہ عربیہ، قطر، کویت، بحرین، امارات، برطانیہ، ساؤتھ افریقہ وغیرہ کے اسفار ہوئے، سفر ہو یا حضر، دن ہو یا رات، خلوت ہو یا جلوت، اہل خانہ میں ہوں یا واردین وصادرین میں، صحت ہو یا مرض، ہر جگہ، ہر وقت، ہر موقعے پر جو فکر اُن کی رفیق وہم دم تھی وہ مدرسہ کی فکر تھی، مدرسہ کے استحکام اور ترقی کا خیال ان کے دل ودماغ اور اعصاب وحواس پر مکمل طور پر مسلط رہا کرتا تھا۔ انہوں نے اپنا سب کچھ (اپنی طاقت، توانائی، جذبات، اوقات، آرزوئیں، ضروریات) انہیں دینی اداروں کے لئے وقف ونثار کر دیا تھا، اور اس احساس کے ساتھ کہ:

حاصل عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

انہیں دنیوی اور معاشی ترقیوں کے بار بار مواقع ملے تھے، درس وتدریس کے ساتھ پرائیویٹ طریقے سے انہوں نے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات اعلیٰ نمبروں سے پاس

کئے تھے، اُن کے قدیم رفیق محترم جناب پرنسپل مقبول احمد صاحب مرحوم نے ''خیر انٹر کالج'' بستی میں ۱۹۷۲ء میں بحیثیت ٹیچر ان کا تقرر بھی کیا تھا؛ لیکن انہوں نے اپنے کو خدمت دین، خدمت علم، خدمت مدارس کے لئے یکسو کر لیا تھا، دنیا سے وہ صرف دور نہیں؛ بلکہ گریزاں اور نفور تھے، خدمت دین و علم ان کا روشن شعار تھا، اس راہ میں ان کی بلند حوصلگی، ریاضت ومجاہدے کی عادت اور بے لوثی قابل صد رشک تھی، حالات کے تمام مخالف جھکڑ بھی کبھی ان کی بلند پروازی کے آڑے نہ آپاتے تھے، ان کے حوصلے کا طائر بلند پرواز کبھی کسی ایک آشیانے پر قانع نہیں ہوتا تھا، ان کی زندگی ہر دم رواں، ہر لمحہ جواں تھی، اُن کی زبان حال گویا یہ کہتی تھی: ؎

میں کہاں رکتا ہوں عرش وفرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حدِ پرواز سے

دارالعلوم الاسلامیہ حضرت والد صاحب کے خوابوں کی حسین تعبیر ہے، ان کی زندگی کی بے پناہ کاوشوں اور محنت کا سرمایہ ہے، ان کے عمر بھر کے تمام دنوں کی تپش اور راتوں کے سوز کا حاصل ہے، ان کی قربانیوں، جفا کوشیوں، جگر کاویوں اور عزیمتوں کی اصل جلوہ گاہ ہے، ان کی پوری عمر کی بے قراریوں، بے تابیوں اور مجاہدوں کا مظہر ہے، یہی وہ علمی قلعہ ہے جس کے وہ بانی بھی تھے، مؤسس بھی، صدر بھی، روح رواں بھی، علم کے اس چمستان اور دین کے اس گلستاں کے وہی نگہبان بھی تھے اور مالی بھی۔ ۱۹۸۰ء میں لگایا ہوا یہ پودا آج تناور درخت اور ہرے بھرے باغ کی جس شکل میں نظر آرہا ہے، از اول تا آخر سب انہیں کی محنتوں کا صدقہ اور انہیں کی کوششوں کا فیض ہے، اللہ اسے ہمیشہ آباد وشاداب رکھے اور حضرت مرحوم پر اپنی رحمتوں کا مینہ برسادے، آمین۔

دیگر تعلیمی خدمات

جامعہ امدادیہ اور دارالعلوم الاسلامیہ کے علاوہ دسیوں مدارس دینیہ کی حضرت والد صاحبؒ نے سرپرستی فرمائی، نگرانی کی، اپنی ذاتی کوششوں سے وہاں تعلیم وتربیت کا معقول نظم

فرمایا۔ لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لئے سنت کبیر نگر (سابق بستی) کے ایک بڑے مسلم گاؤں ''کرہی'' میں ''مدرسہ عائشۃ للبنات'' اپنے مخلص احباب ورفقاء کے تعاون سے قائم فرمایا، اپنے وطن ''مدار پور'' میں ''المعہد الاسلامی'' کے نام سے پرائمری اور مکتب کی سطح کا ٹھوس تعلیمی نظام اپنی راست نگرانی میں قائم کیا۔ دارالعلوم گورکھ پور کا قیام بھی حضرت والد صاحبؒ کی آرزو کی تکمیل کے طور پر ہوا، اس کی سرپرستی، مالی تعاون اور اس کی تعمیر وترقی کی مساعی میں حضرت کا حصہ بہت نمایاں رہا، مدرسہ عربیہ اصلاح المسلمین جمداشاہی کی طرف بھی حضرت کی خاص توجہ رہی، مدرسہ اسلامیہ مدینۃ العلوم کرمڈیہہ بگی روڈ گونڈہ کی تعمیر وترقی میں وہاں کے بانی ومہتمم محترم جناب حافظ محمد خلیل صاحب مدظلہم سے دیرینہ قدیم تعلق کی بنیاد پر حضرت والد صاحبؒ کا نمایاں کردار اور خاص توجہ شامل رہی ہے۔

حضرت والد صاحب جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کی شوریٰ وعاملہ کے رکن بھی تھے، اور حضرت باندویؒ سے عقیدت مندانہ تعلق کی بنیاد پر وہاں نیازمندانہ حاضر ہوتے تھے، اور وہاں کی تعمیر وترقی کے لئے خاص طور پر کوشاں اور فکرمند رہتے تھے، اسی طرح مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے بھی رکن شوریٰ رہے، اور ہر اہم موقع پر وہاں کے تعلیمی وانتظامی استحکام کے لئے فکر وکوشش فرماتے رہے۔ نیز حضرت مولانا عبدالہادی صاحب پرتاب گڈھی مدظلہ اور ان کے ادارے مدرسہ نور العلوم ہرہرپور پرتاب گڈھ سے بھی تعلق خاطر تھا، گاہے گاہے وہاں تشریف لے جاتے اور ہر ممکن تعاون فرماتے۔

ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے متعدد ایسے مکاتب، مدارس اور ادارے ہیں جن کے ساتھ حضرت کا خاص تعلق، ذاتی دلچسپی اور معقول تعاون رہا ہے، یہ سب حضرت کے حسنات میں شامل ہے۔

مساجد کی تعمیر

حضرت والد صاحب کی ایک عظیم نیکی مساجد کی تعمیر کا وہ عظیم کارنامہ ہے جو بتوفیق الٰہی

انہوں نے انجام دیا، بلا مبالغہ پچاسوں مساجد کی تعمیر، اصلاح اور خدمت ان کے ذریعہ انجام پائی، بہت سی مسجدوں کا انہوں نے سنگ بنیاد رکھا، بہت سی مساجد میں جزوی امداد کی، دسیوں مساجد وہ ہیں جن کی مکمل تعمیر آپ ہی کی سرپرستی اور نگرانی میں عمل میں آئی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے خاص توفیق تھی جو آپ کو حاصل ہوئی۔

دینی تعلیمی کونسل

حضرت والد صاحب انجمن تعلیماتِ دین (دینی تعلیمی کونسل) کی مبارک، مؤثر اور انقلابی تحریک کے فعال رکن رہے، وہ اس تحریک کو وقت کا اولین تقاضا سمجھتے تھے، اور اپنی مذہبی ذمہ داری سمجھ کر اس میں سرگرم طور پر شریک تھے، اس تحریک کے بانی قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم سے خاص تعلق رکھتے تھے، ان کی خدمات کی تہہ دل سے قدر کرتے تھے، تحریک کے سابق صدر حضرت مفکر اسلامؒ، موجودہ صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم، سابق جنرل سکریٹری ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی مرحوم، موجودہ جنرل سکریٹری محترم جناب ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی زیدمجدہم سے بہت مضبوط اور گہرا تعلق تھا، کونسل کی تقریباً تمام کانفرنسوں اور اجلاسات میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، دینی تعلیمی کونسل کی ایک عظیم علاقائی کانفرنس حضرت والد صاحب نے دارالعلوم کے احاطے میں منعقد کی، جس میں حاضرین کا جم غفیر شریک تھا، حضرت مفکر اسلام کی صدارت میں یہ کانفرنس انتہائی تاریخ ساز ثابت ہوئی۔

جمعیۃ علماء ہند

حضرت والد صاحبؒ کے دل میں حضرت مدنی سے شاگردی کا شرف حاصل ہونے کے نتیجے میں جمعیۃ علماء سے عشق ومحبت کا تعلق تھا، وہ جمعیۃ کو معاصر حالات میں سرمایۂ ملت کا نگہبان سمجھتے تھے۔ ضلعی، صوبائی اور ملکی ہر سطح پر جمعیۃ کے پروگراموں میں حسبِ موقع شرکت کرتے تھے۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ سے بھی تعلق خاطر تھا، حضرت فدائے ملتؒ بار بار جامعہ امدادیہ اور دارالعلوم بستی تشریف لایا کرتے تھے۔ جمعیۃ علماء کی ''تحفظ

سنت کانفرنس'' میں حضرت والد صاحب نے بطور خاص شرکت کی تھی؛ بلکہ اس وقت جمعیۃ کے زیر اہتمام شائع ہونے والے رسائل میں ایک رسالہ اپنے مصارف پر طبع بھی کرایا تھا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تحریک حضرت والد صاحبؒ کے دل کی آواز تھی، وہ بورڈ کو امت کے اتحاد، اجتماعیت اور اشتراک کے لئے بہت مفید سمجھتے تھے، ان کے مزاج کی افتاد بھی یہی تھی، بورڈ کے قائدین سے حضرت والد صاحب کا خاص اور گہرا تعلق تھا، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کی ذاتی توجہ سے حضرت والد صاحب کو بورڈ کا رکن بنایا گیا، جب تک صحت سازگار رہی، بورڈ کے تمام اہم پروگراموں اور اجلاسوں میں شرکت فرماتے رہے۔

اصلاحی تعلق

حضرت والد صاحبؒ کو اکابر واساتذہ میں سب سے زیادہ عقیدت حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے تھی، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ہی حضرت سے بیعت ہوگئے تھے، حضرت کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ سے اصلاحی تعلق رہا، استفادے اور کسبِ فیض واصلاح کے لئے عقیدت مندانہ طور پر عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ، حضرت محی السنہ ہردوئیؒ، حضرت مفکر اسلامؒ، حضرت اقدس باندویؒ، وغیرہ اکابر کی خدمت میں حاضری دیتے رہتے تھے۔ ۶ رسال قبل دل کے شدید تقاضے کے تحت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم گلشن اقبال کراچی سے ملاقات کے لئے احقر کے ساتھ پاکستان کے سفر پر تشریف لے گئے، حضرت سے بیعت ہوئے، کئی دن یکسو ہوکر مجالس میں شرکت فرمائی، اُسی سفر میں حضرت نے والد صاحب کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا، پھر یہ تعلق دن بہ دن مستحکم ہوتا گیا۔ اپنے وقت کے تمام مشائخ، اکابر، اعیان وعلماء سے حضرت والد صاحبؒ کا خاص تعلق رہا۔

چند نمایاں امتیازات وخصوصیات

ذوقِ عبادت

اساتذہ واکابر کی تربیت وصحبت کے فیض سے حضرت والد صاحبؒ کوشروع ہی سے عبادت کا خاص ذوق تھا،نماز باجماعت کا اہتمام بےنظیر تھا، ہرنماز جماعت کے ساتھ،تکبیراولیٰ کے ساتھ، پہلی صف میں؛ بلکہ امام کے پیچھے ادا کرنے کا خاص التزام فرماتے تھے،اس حوالے سے ان کا موقف بہت قطعی،سخت اور بے لچک ہوتا تھا، بڑے سے بڑا جرم نظرانداز کرسکتے تھے؛ لیکن ترکِ جماعت گوارانہیں کرپاتے تھے،ایسے موقعوں پرانہیں سخت جلال آجاتا تھا۔

تہجد کا شروع سے معمول تھا،سحرخیزی کے عادی تھے، رات کتنی ہی دیر سے کیوں نہ سوئیں،تہجد میں وقت پر بیدار ہوجاتے تھے، دیرتک نماز میں انتہائی خشوع وخضوع،حضورقلب اورلذت مناجات کے ساتھ مصروف رہا کرتے تھے۔

قرآنِ کریم سے انتہائی گہرا اور مثالی تعلق تھا،تلاوت قرآن کے معمول سے کسی حال میں بھی تخلف نہیں ہوتا تھا،قرآن کے حافظ نہیں تھے؛لیکن صحت مخارج،ادائے حروف اورحسنِ صوت ولہجہ میں کسی کہنہ مشق حافظ وقاری سے کسی طرح بھی کم نہیں تھے، فجر سے پہلے تفاسیر بالخصوص ترجمہ شیخ الہنداورتفسیرعثمانی کا مطالعہ کرتے تھے،ہم بچوں کواس وقت بالالتزام جگاتے تھے،قرآن کی تلاوت میں لگادیتے تھے، بسااوقات قرآن سنتے تھے،تفسیری نکتوں کی طرف متوجہ کرتے تھے۔سورۂ یوسف اور دیگر قرآنی سورتیں سنتے تھے،انبیاء کے قصوں کی آیات سنتے اوران کی تشریح کرتے تھے، یہ ان کی تربیت کا ایک انداز ہوتا تھا،اورادواذکارکا بھی بطورخاص اہتمام فرماتے تھے،صبح فجر سے پہلے کی تفریح ورنہ فجر کے بعدطویل تفریح کا معمول تھا،کئی کئی کلومیٹر تیزی سے پیدل چلتے تھے، بالعموم سات آٹھ منٹ میں ایک کلومیٹر کی دوری طے کرلیتے تھے،اس تفریح میں کسی سے بات کرنا پسندنہیں کرتے تھے،تفریح میں اپنا ذکر کا پورا معمول مکمل

فرمایا کرتے تھے، سال میں کئی بار سعودیہ عربیہ کا سفر ہوتا تھا، ہر سفر میں بڑے ذوق وشوق سے حرمین شریفین میں حاضر ہوتے تھے، اپنی زندگی میں بیس سے زائد حج کئے، اور عمرے تو بے شمار ہیں۔

زبان کی خاص حفاظت

حضرت والد صاحب کا یہ خاص رنگ تھا کہ کسی کی غیبت نہ کرتے تھے، نہ سن پاتے تھے، بیجا تبصروں سے ہمیشہ اپنے کو دور رکھا، ان کی زبان سے کبھی کسی کی برائی اور غیبت نہیں سنی گئی، زبان کی حفاظت کا جو اہتمام ان کے ہاں تھا، دور دور تک اس کی مثال نہیں ملتی، کسی کی دل آزاری نہ ہونے پائے، اس کی فکر ہمہ وقت رکھتے تھے۔

وسعتِ قلبی

اللہ نے اُن کو قلبی اور فکری وسعت کی اس دولت سے مالا مال کیا تھا، جو فی زمانہ جوہر نایاب ہے، مشرب ومسلک، فکر ونظر، منہاج وطریق کے تمام تر اختلافات وفروق کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے علماء، مشائخ، اعیان وقائدین کا حسب مرتبت شایانِ شان استقبال، خیر مقدم اور لحاظ کیا کرتے تھے۔

جامعہ امدادیہ اور دارالعلوم الاسلامیہ بستی دونوں اداروں کا یہی متوسعانہ مزاج انہوں نے تشکیل دیا، اکابر دیوبند کے طریق پر استقامت اور تصلب کے ساتھ ہر قسم کی مداہنت سے بچتے ہوئے قلب ونظر کے توسع کا جو اظہار انہوں نے اپنے سلوک اور رویے سے فرمایا، وہ اس دور میں تمام خادمانِ دین وملت کے لئے خضرِ طریق اور مشعلِ راہ نمونہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اکابر دیوبند، اکابر مظاہر، اکابر تبلیغ، اکابر ندوہ کے علاوہ جماعت اسلامی اور جماعت اہل حدیث کے اعیان کی بھی گاہے گاہے جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد اور دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں آمد ہوتی تھی، اور وہ حضرت والد صاحبؒ کے اس جذبے اور مزاجِ توسع سے بے انتہاء متأثر اور گہرا نقش لے کر جاتے تھے۔

حاصل یہ ہے کہ اپنے اداروں کے لئے حضرت والد صاحبؒ نے توسع قلب ونظر کا جو خط اور نمونہ فراہم کیا، اور پیش کر کے دکھایا، وہ ہم نائبین اور وارثین کے لئے یہ پیغام ہے کہ ہم اسی کو حرزِ جاں بنائیں، اور اسی روِش پر گامزن رہیں۔

سخاوت اور مہمان نوازی

حضرت والد صاحبؒ سخاوت، کریم النفسی اور مہمان نوازی کے اوصاف میں اپنے دور کے یگانہ اور منفرد افراد میں سے تھے، عسر ویسر، تنگی اور آسانی کے ہر حالات میں سخاوت وضیافت کا یہی رنگ قائم رہتا تھا، مرادآباد زمانۂ قیام میں جب بھی وطن تشریف لاتے تھے، علاقہ کے تمام علماء، رفقاء کو بطور خاص بار بار مدعو کرتے تھے، بسا اوقات گھر میں دن بھر چولہا جلتا رہتا تھا، مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے چولہا بجھنے کی نوبت نہیں آتی تھی، یہی رنگ مرادآباد اور بستی میں تھا، ہر وقت دسترخوان پر واردین وصادرین کا ہجوم ہوتا تھا، ہم سب خوردوں کو اور گھر کی عورتوں کو ضیافت اور اکرامِ ضیف کی خاص تلقین کرتے تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوان کی وسعت کا بار بار بطور تربیت ذکر فرماتے تھے، ان کی زندگی بجا طور پر عرب شاعر کے اس شعر کی تصویر تھی:

وَاِنِّــیْ لَـعَبْـدُ الـضَّيْفِ مَـا دَامَ نَـازِلًا

وَمَـا شِيْـمَةٌ لِـیْ غَيْـرُهَـا تُشْبِهُ الْعَبْدَا

تواضع اور خاکساری

حضرت والد صاحب کے امتیازات میں ایک امتیاز ان کی تواضع اور خاکساری کی ادا تھی، حدیث نبوی: من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ. (جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلند کر دیتا ہے) کے مطابق اللہ نے ان کی تواضع کی بنا پر ان کو بڑی عظمت، عزت، رفعت اور بلندی عطا فرمادی تھی، عوام خواص، ہر طبقہ میں ان کا یکساں احترام اور اکرام تھا، انہوں نے کبھی اپنے کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی، ہمیشہ اپنے آپ کو پیچھے رکھتے تھے، ان کے دل

ودماغ میں کبھی نخوت، تکبر اور ترفع کے جذبات پیدا نہیں ہوئے، اللہ نے ان کو موثر خطیبانہ صلاحیت عطا فرمائی تھی، عنفوانِ شباب میں بڑے بڑے اجلاسات اور اجتماعات میں ولولہ انگیز خطاب بھی کر چکے تھے، لیکن تواضع، کسر نفسی اور خاکساری، اور اپنے کو پیچھے رکھنے کا مزاج ان کی سرشت میں تھا، اس لئے یہ سلسلۂ خطاب اس تسلسل کے ساتھ بعد میں باقی نہیں رہا، البتہ اپنے خوردوں کو اور بطور خاص اس حقیر راقم کو بڑے اصرار کے ساتھ سلسلۂ خطابات جاری رکھنے کی تلقین کرتے تھے، جس کی تفصیل الگ موضوع ہے۔

علمی رسوخ

زمانۂ طالب علمی کی انتھک محنتوں اور کوششوں، اساتذہ کی توجہات اور مشفق والدہ کی دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ نے حضرت والد صاحب کو بے انتہاء علمی رسوخ اور گہرائی سے نوازا تھا، ان کے تلامذہ جو بلا مبالغہ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں، متفقہ طور پر ان کے علمی اور اعلیٰ تدریسی ذوق واستعداد کا ذکر کرتے ہیں۔ علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ میں بطور خاص درک تھا، نحو وصرف، قواعد وتراکیب میں بے انتہاء مہارت اور یدطولیٰ حاصل تھا، احقر کو یاد ہے کہ جب میں عربی اول میں نحو میر اور شرح مائۃ عامل پڑھا کرتا تھا، عربی کی کوئی آسان کتاب لے کر بعد عشاء مجھے لے کر بیٹھ جاتے تھے، پورا اجراء کراتے تھے، اور کسی بھی قسم کی کوتاہی اور غفلت گوارا نہیں کرتے تھے۔ قواعد نحویہ وصرفیہ کے اجراء کے لئے حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی مرحوم کی کتاب ''تیسیر القرآن'' کو بے حد مفید سمجھتے تھے، اسے دارالعلوم بستی کے نصاب میں داخل کیا، اور باضابطہ اسے شائع کیا۔ طلبہ میں عربی زبان وبیان کی استعداد پختہ کرنے کے لئے ندوۃ العلماء کے تیار کردہ سلسلہ ''قصص النبیین والقراءۃ الراشدہ ومختارات ومعلم الانشاء وتمرین الصرف والنحو'' کو بے حد نافع سمجھ کر ماہر فن اساتذہ کے مشورہ سے داخل نصاب کیا، فارسی سے لے کر دورۂ حدیث میں صحیح مسلم تک بیشتر کتابیں ان کے زیر درس رہیں۔

راقم نے درجہ ہفتم عربی میں تقریباً ڈیڑھ ماہ تک حضرت والد صاحب سے اپنے رفقاء

سمیت ''مشکوٰۃ جلد ثانی'' کتاب النکاح کے دسیوں ابواب اور ہدایہ جلد رابع میں چند ابواب اور بیضاوی شریف کے کئی صفحات پڑھنے کی سعادت حاصل کی، ان کا اندازِ درس بے حد انوکھا ہوتا تھا، وہ طلبہ کو اسباق میں مکمل حصار میں لے کر بیدار مغز اور متوجہ رکھتے تھے، صحت عبارت پر بے حد زور تھا، کیا مجال کہ کوئی طالب علم غلط عبارت پڑھ کر نکل جائے؟ فوراً ٹوکتے تھے، اصلاح کرائے بغیر آگے نہیں بڑھنے دیتے تھے، اسی لئے ان کے سامنے عبارت خوانی طلبہ کے لئے بہت مشکل کام ہوتا تھا۔ ذہین طالب علم بھی بڑی تیاری کے بعد ہی ان کے سامنے عبارت پڑھنے کی ہمت کر پاتا تھا۔ جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد میں مستقل قیام کے دور میں ان کا صحیح مسلم کا درس بے حد قبول عام حاصل کر چکا تھا، متعدد اساتذہ بھی اپنے اسباق کی تیاری کے لئے ان سے رجوع کرتے تھے۔ آیات و احادیث کے سلسلہ میں ان کا ذہن بہت مستحضر رہا کرتا تھا، اکابر اساتذہ بالخصوص حضرت مدنیؒ کے دروسِ حدیث کے علمی نکات و معارف انہیں مکمل محفوظ تھے۔

خوردنوازی

حضرت والد صاحب خوردوں کی تشجیع اور حوصلہ افزائی میں بہت آگے تھے، خوردنوازی ان کی حیات و سیرت کا روشن باب رہا ہے، نہ جانے کتنے گم نام افراد ان کی تشجیع و تحریک سے نیک نام و معروف ہوئے، بہت سے دورِ افتادہ علاقوں میں پڑے ہوئے لوگ (جن کی صلاحیتوں کو زنگ لگ رہا تھا) ان کی توجہ اور دلچسپی سے قابل ذکر و لائق خدمت مقامات میں آ کر افادہ و تعلیم کی خدمت میں لگ گئے، چھوٹوں کو آگے کرنا، ان کی ستائش، حوصلہ افزائی اور ہمت بڑھانا حضرت والد صاحب کی خاص ادا تھی۔ اپنے ہوں یا غیر ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق میدانِ خدمت فراہم کر دینا، اور اسے خوب سے خوب تر راہ پر لگا دینا، ان کا خاص مشغلہ تھا۔ ان کا خاص معمول تھا کہ با استعداد طلبہ کی بے حد تشجیع کرتے تھے، ان کو ذہنی فراغت فراہم کرنے کے لئے ان کے تمام تعلیمی مصارف برداشت کرتے تھے۔ فراغت کے بعد ان کو بہتر اداروں میں خدمت علم میں لگاتے تھے۔

خدمت خلق اور صلہ رحمی

قرابت داروں اور اہل تعلق کا خاص پاس ولحاظ رکھنا، ان کی ہر ضرورت کی تکمیل، ہر آزمائش میں ان کا تعاون اور ان کا ہر ممکن خیال حضرت والد صاحبؒ کا خصوصی امتیاز رہا ہے، اپنے بڑے بھائیوں اور بڑی بہن کا بے حد اکرام کرتے تھے، ان کی ہر خواہش پوری کرتے تھے، بسا اوقات اپنی ضروریات پر ان کی فرمائشوں کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

اپنی تمام اولاد اور اولاد کی اولاد کے ساتھ تاحیات ان کا یہی معاملہ رہا، اور اپنے اس معمول میں کبھی کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ خدمت خلق کے حوالہ سے ان کا مقام بہت بلند رہا ہے، نہ جانے کتنے بے روزگاروں کو ان کے ذریعہ روزگار ملا، کتنے بے سہاروں کو سہارا اور بے آسروں کو آسرا ملا، ان کی وساطت اور سفارش اور کوشش سے پچاسوں خاندان معاشی اعتبار سے خوش حال ہوگئے۔ خود میرے علم میں متعدد ایسے واقعات ہیں کہ بہت سے پریشان حالوں کی مالی مدد کی، قرض کے طالبین کو قرض دیا اور کبھی پلٹ کر واپس نہیں مانگا، قدرتی حادثات وآفات کے موقع پر بے چین ہوجاتے تھے، اور مصیبت زدگان کی دل کھول کر مدد کئے بغیر انہیں چین نہیں آتا تھا۔ بہت سے مقدمات، تنازعات کا حل اور تصفیہ ان کے ذریعہ ہوا، نہ جانے کتنے دلوں کی کدورتیں اور خلیجیں ان کے توسط سے ختم ہوئیں۔ خدمت خلق اور صلہ رحمی کے باب میں ان کی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے، جو یہاں سمیٹا نہیں جاسکتا۔

امانت، دیانت اور غایت احتیاط

ان کی زندگی کا ایک روشن پہلو ان کی امانت، دیانت اور مالی معاملات میں غایت درجہ احتیاط اور پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی خاص عادت تھی، ان کی پوری زندگی مدارس کے سایہ میں گذری۔ ۱۹۶۹ء سے لے کر تا وفات ۴۰؍سال سے زائد کا عرصہ اہتمام وانصرام میں گذرا، ہمہ وقت مالی معاملات سے سابقہ رہا؛ لیکن پائی پائی اور رتی رتی کا حساب ان کے پاس رہتا تھا،

امانت و دیانت کے اصول ہر ہر جز وکل میں ملحوظ رکھتے تھے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ پیدل چلنا گوارا کرتے تھے، پبلک بسوں میں سفر کرلیا کرتے تھے، لیکن مدرسہ پر زیادہ بار ڈالنا گوارا نہیں ہوتا تھا، پچاسوں بار ہم خوردوں نے یہ منظر دیکھا ہے۔

زہد وقناعت اور سادگی

ان کی زندگی اس حدیث کا مکمل عکس تھی: **قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافًا، وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اَعْطَاهُ.**

ترجمہ :- جو اسلام لایا، اسے بقدر کفاف رزق عطا ہوا، اور اللہ نے اپنے عطا کردہ رزق پر اسے قانع بنادیا، وہی اصل میں کامیاب ہے۔

اللہ نے ان کو دل کا غنی، قناعت اور زہد کا بلند مقام بخش دیا تھا، حصول دولت زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں ان کا مطمح نظر اور مرکز توجہ نہیں بن سکا، وہ ہمیشہ "**اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى**" (دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے) کے مصداق دینے والے رہے، اپنی ذات کے لئے کبھی انہوں نے صراحتًا یا اشارۃً کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا؛ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا خیال وگمان بھی ان کو نہیں ہوا۔

۱۹۸۰ء سے تاوفات دارالعلوم بستی میں اصل قیام رہا، وہی بانی اور صدر بھی تھے، اور روح رواں اور میر کارواں بھی۔ دارالعلوم سے اپنی ذات کے لئے کوئی رقم اور تنخواہ نہیں لی، سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک سادہ اور موجودہ پرتکلف سامانِ آسائش سے بالکل دور ایک کمرہ میں کولر اور اے سی کے بغیر ایک پنکھے کے نیچے پوری زندگی گذاردی۔ سادہ کمرہ، معمولی رہائش، سادہ بستر، موٹا جھوٹا لباس، سادہ کھانا، ہر قسم کے تعیش، تصنع، تکلف اور بناوٹ سے دور زندگی۔ وہ چاہتے تو حلال طریقہ سے ہر طرح کا سامانِ آسائش اکٹھا کرسکتے تھے، لیکن ان کی طبیعت کی افتاد، مجاہدہ کا مزاج، اکابر کی صحبت کا رنگ یہ سب ان کو اس سے باز رکھتا تھا، انہوں نے اپنی سادہ زندگی اور زاہدانہ کردار سے حدیث نبوی: **كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ** (دنیا میں

پردیسی یا مسافر کی طرح رہو) پرعمل کر کے دکھایا، اور اپنے خلف کو یہ نمونہ فراہم کیا، اللہ نے اپنے خاص فضل سے ان کے دل کو دنیا کی رونقوں سے گریزاں اور آخرت کی فکر سے آباد کر دیا تھا، یہ سعادت من جانب اللہ انہیں عطا ہوئی تھی:

این سعادت بزورِ باز نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حلم وصبر

حلم وصبر دراصل اوصافِ نبوت میں سے ہیں، صبر کو خدا کی طرف سے انسان کے لئے سب سے بہتر عطیہ قرار دیا گیا ہے، حضرت والد صاحب کی حیات وسیرت میں حلم وصبر کا جوہر ہر دوسرے وصف کی بہ نسبت کہیں زیادہ نمایاں تھا، بردباری اور صبر وتحمل کی خصوصیات انہیں مبدأ فیاض سے بہت وافر مقدار میں حاصل ہوئی تھیں، ان کی ہمہ دم رواں دواں زندگی اور اجتماعی سرگرمیوں میں ہر موڑ پر صبر آزما اور ضبط طلب مراحل آیا کرتے تھے، ایسے موقعے بھی آئے کہ انسان بے قابو ہو جائے، طیش میں آ جائے، اور جوابی اقدام کر بیٹھے؛ لیکن ہر گام پر والد صاحب نے صبر کی باگ تھامے رکھی، اور ہر موقع پر حلم وتحمل کا مثالی مظاہرہ فرمایا۔ اداروں کے لئے مالی فراہمی کا محاذ بہت ہی دشوار گذار گھاٹی عبور کرنے کے مرادف ہوتا ہے، اس میدان میں ہر قدم پر دل دکھانے اور طیش دلانے والی باتیں اور شکلیں سامنے آتی ہیں۔ حضرت والد صاحب نے حلم، ضبط، صبر اور تحمل کی کس ادائے دل نواز سے یہ مرحلے سر کئے اور یہ وادی طے کی، آج اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ غیروں کے ستم کے ساتھ اپنوں کی ریشہ دوانیوں ہفوات اور تبصرہ بازیوں کے جواب میں ہمیشہ ان کا ردعمل مثبت رہا، اللہ نے ان کے دل کو منفی اور تخریبی نفسیات سے بالکل پاک کر رکھا تھا، ان کی پوری زندگی اس پر شاہد ہے۔ سخت سے سخت حالات اور ناگوار سے ناگوار صورتِ حال میں بھی ان کی شانِ حلیمی میں سرمو بھی فرق نہیں آتا تھا، یہ اللہ کی طرف سے خاص انعام تھا جو ان کو عطا ہوا تھا۔

نہی عن المنکر

اپنی تمام تر حلیمانہ صفات کے باوجود حضرت والد صاحبؒ منکرات پر خاموشی اختیار کئے رہنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، منکر کو برداشت کر جانا ان کے بس میں نہیں تھا، ہمارے وطن موضع ''مدار پور'' میں کچھ شر پسند گمراہ مسلمان محرم کے مہینہ میں تعزیہ بنایا کرتے تھے، والد صاحب کو یہ منکر برداشت نہیں تھا، آپ نے مشورہ کیا اور اس منکر کا خاتمہ طے کر لیا، تعزیہ بنانے والوں کو بلایا گیا، ان کو اس گناہ سے روکا گیا، تعزیہ سازی پر جو مصارف آئے تھے، مصلحۃً وہ بھی دئے گئے، پھر بھی شر پسندوں نے تھانے تک یہ معاملہ پہنچایا، کسی طرح معاملہ رفع دفع ہوا، البتہ تعزیہ کا منکر اس کے بعد سے گاؤں سے ختم ہو گیا۔

مدرسہ کے ماحول میں حضرت والد صاحبؒ بطور خاص اِسبالِ ازار (تہبند اور پائجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانے) اور ترکِ جماعت (نمازِ باجماعت چھوڑنے) اور داڑھی کاٹنے کے جرم کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے، فوراً ٹوک دیا کرتے تھے، بسا اوقات جلال آجاتا تھا، اور غصہ سے سرخ ہو جاتے تھے، دینی غیرت وحمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اکابر کے طریق سے انحراف کو بہت برا سمجھتے تھے۔

حسن اخلاق ومعاملات

حضرت والد صاحبؒ اپنی خوش اخلاقی میں بے نظیر شخصیت کے مالک تھے، اپنوں اور غیروں سب میں آپ کی خوش اخلاقی کے چرچے تھے، آپ کا حسن اخلاق ہر دور میں زبان زد خاص وعام رہا، ۴۰ رسال سے زائد عرصہ انتظامی ذمہ داریوں میں گذرا، آپ کے ماتحت اور زیر سرپرستی واہتمام کام کرنے والی پوری ٹیم رہی، عام طور پر منتظم سب کو نہ مطمئن کر پاتا ہے نہ خوش رکھ پاتا ہے؛ لیکن آپ کا یہ کمال اور خاص امتیاز تھا کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ سب کو مطمئن اور خوش رکھا؛ بلکہ اپنا گرویدہ اور عقیدت مند بنا کر رکھا، یہ آپ کا حسن اخلاق اور مکارم اخلاق کی

تاثیر تھی۔ ہر کسی سے خندہ پیشانی اور مسکراتے لبوں سے ملنا، پرتپاک استقبال، خدمت کے لئے بچھ جانا، ہر ضرورت کی تکمیل کے لئے فکر مندی، دوسروں کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھ کر انہیں حل کرنے کی کوشش آپ کے اخلاقِ کریمانہ کے وہ گوشے ہیں جن کے ذریعہ اللہ نے آپ کو عجیب مقبولیت اور محبوبیت سے بہرہ ور فرمایا تھا۔

زندگی کا آخری دور: علالت اور مرض

پچھلے بارہ سالوں سے حضرت والد صاحب کو شوگر کا موذی مرض لاحق ہو گیا تھا، اس کا علاج بھی ہوا تھا، زیادہ تر پرہیز اور پابندی سے سیر و تفریح کے ذریعہ وہ اس مرض پر قابو کئے ہوئے تھے، اور بالعموم شوگر نارمل رہا کرتی تھی۔ ۵/سال قبل سے ان کو نسیان (بھولنے) کا مرض شروع ہوا، یہ مرض بتدریج بڑھتا رہا، علاج بھی ہوا، ایلو پیتھک، یونانی، آیورویدک، ہومیو پیتھک، ہر طریقہ علاج اپنایا گیا؛ لیکن مرض بڑھتا گیا، بالآخر شعور بالکل ختم سا ہو گیا، ہمہ وقت ذہول رہنے لگا، یہ حضرت والد صاحب کے لئے بڑی آزمائش کے دن تھے، تمام میڈیکل رپورٹس کے مطابق یہ ''الزائمر ڈ منشیا'' (دماغ کی رگ سوکھ جانے) کا خطرناک مرض تھا، جو لاعلاج ہے، اس مرض نے انہیں بالکل معطل کر دیا تھا؛ لیکن اس عالم میں بھی قرآن کی سورتوں کی تلاوت، دعائیں، سلام وجواب کا وہی انداز باقی تھا، ان کی اس دور کی بے ربط گفتگو کے سیاق وسباق سے صرف اور صرف ان کے لگائے ہوئے علم ودین کے باغوں کی آبیاری کی فکر ہویدا ہوتی تھی، مدرسہ کی فکر ان کی صحت اور مرض ہر حال میں ان کے ساتھ چمٹی رہی، اپنے اداروں سے ان کو والہانہ عشق تھا۔

سفرِ آخرت، وفات، تجہیز وتکفین وتدفین

مرض جوں کا توں تھا؛ لیکن کوئی خطرناک تشویش کی حالت نہیں تھی، ۲۱/اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب جب کہ جمعہ کی شب شروع ہو چکی تھی، گھر میں شام کا کھانا تناول

فرما رہے تھے، چار لقمے کھا چکے تھے، پانچواں لقمہ منہ میں ڈالا تو زور سے ہچکی آئی، لقمہ حلق میں پھنس گیا، لقمہ نکالا گیا تو کیفیت دگرگوں تھی، ڈاکٹروں کے مطابق سیریس ہارٹ اٹیک (خطرناک قلبی دورہ) ہوا تھا، زمزم پلایا جاتا رہا، ڈاکٹر حضرات انجکشن لگانے کی تیاری ہی کر رہے تھے؛ لیکن وقت موعود آچکا تھا، اللہ کے دین کا یہ خادم منزلِ آخرت پر پہنچنے کے مرحلہ میں آچکا تھا، اچانک نبض تھم گئی، سانسوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا، ناسوتی زندگی سے رشتہ ختم ہوگیا، اور:

ع: عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ واقعہ ۱۶؍جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۱؍اپریل ۲۰۱۱ء شب جمعہ بوقت آٹھ بجے پیش آیا۔ حادثے کی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی، جامعہ امدادیہ مرادآباد اور دارالعلوم بستی میں سناٹے کا عالم تھا، ہر دل غمگین تھا، ہر آنکھ اشک بار تھی، شہر واطراف سے آنے والوں کا ہجوم تھا، سب کی حالت غیر تھی۔ تمام مخلصین اساتذہ وذمہ داران کے مشورہ سے نماز جنازہ کا وقت اگلے دن بعد نماز جمعہ طے ہو چکا تھا۔

آخری دیدار اور تعزیت کرنے والوں کا تانتا رات ہی سے لگا رہا، جمعہ سے کافی دیر قبل ہجوم بے پناہ ہوجانے کی وجہ سے یہ سلسلہ موقوف کرنا پڑا، دن میں تقریباً پونے بارہ بجے غسل کا عمل شروع ہوا۔

دارالعلوم الاسلامیہ بستی کا احاطہ اپنی وسعت کے باوجود کثرتِ ازدحام کی وجہ سے تنگی کا شکوہ کر رہا تھا، اذانِ جمعہ سے قبل ہی دارالعلوم کی وسیع مسجد اوپر نیچے بھر چکی تھی، دس ہزار سے زائد مجمع تھا۔ سنتوں کے بعد مسجد کے باہر وسیع احاطہ میں جنازہ لایا گیا، صف بندی کی گئی۔

تمام ورثہ کی رائے سے برادرِ محترم حضرت مولانا محمد اسعد قاسمی صاحب زید مجدہم ناظم دارالعلوم بستی نے نماز جنازہ پڑھائی، مجمع بے قابو ہو رہا تھا، جنازہ کی چارپائی میں کاندھا دینے والوں کی کثرت کے پیش نظر لمبے پائپ لگادئے گئے تھے، دین وعلم کے اس عاشق کا جنازہ دھوم

سے اُٹھایا گیا، قبر کے کنارے جنازہ رکھا گیا۔ احقر، برادر محترم حضرت مولانا محمد اسعد قاسمی صاحب، محترم جناب مولانا مفتی محمد عزیز اختر صاحب اُستاذ جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد اور اہل شہر میں سے ایک دو مخلص حضرات قبر میں اترے، ادب واحترام، عقیدت ومحبت، اذیت وصدمہ کی ملی جلی کیفیات کے ساتھ حضرت والد صاحب کو سپردِ خاک کیا گیا، تمام حاضرین نے باچشم نم مٹی ڈالی، اور علم وفضل کا یہ گنج گراں مایہ قبر کی آغوش میں محوِ آرام ہوگیا۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

خراجِ عقیدت

حضرت والد صاحب کی وفات پر ملک وبیرونِ ملک کے بے شمار اہل علم، مفکرین، ذمہ داران، ملی وسیاسی قائدین، متعلقین اور بہی خواہوں نے بالمشافہ، ٹیلی فون اور تحریری طور پر تعزیت مسنونہ پیش کی، ان کی فہرست بہت طویل ہے، ملک کے بے شمار مدارس میں اجلاسِ تعزیت اور ایصالِ ثواب کا خاص اہتمام کیا گیا، ہم پسماندگان ان حضرات کی خدمت میں اس تعلق خاطر پر ہدیۂ تشکر ہی پیش کرسکتے ہیں، اور درخواست گذار ہیں کہ حضرت مرحوم کے لئے خاص دعاؤں کا اہتمام کیا جائے، اور زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب کی فکر کی جائے، اور ہم سب ان کے اخلاق وکردار کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں اور ان کے سچے جانشین ہوکر ان کے کاموں کو انہیں کے نہج پر آگے بڑھانے کے لئے سرگرم اور یکجا ہوجائیں، یہی ہمارا ان کے لئے سچا خراجِ عقیدت ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاجْعَلِ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُ الْاَخِيْرَ، وَسَكِّنْ رُوْحَهٗ وَبَرِّدْ مَضْجَعَهٗ وَنَوِّرْ قَبْرَهٗ، وَارْضَ عَنْهُ وَعَنَّا يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ، بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

سوانحی خاکہ

□ **ولدیت**: جناب محمد اسماعیل صاحب مرحوم ● **وطن**: موضع مدار پور ضلع سنت کبیر نگر (بستی) یوپی ● **ولادت**: ۱۹۳۶ء □ **ابتدائی تعلیم**: مکتب دریاباد و مدرسہ دینیہ مونڈا ڈیہہ بیگ (سنت کبیر نگر) ● **عربی تعلیم**: مدرسہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور ● جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ ● **متوسطات تا دورۂ حدیث**: دار العلوم دیوبند □ **فراغت**: ۱۹۵۶ء □ **خاص اساتذہ**: ● شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ ● حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادی رحمہ اللہ ● علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ ● شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ، وغیرہم۔ □ **تدریس**: ● مدرسہ خادم العلوم باغوں والی ضلع مظفر نگر (ایک سال) ● مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ (تین سال) ● جامعہ رحمانیہ خانقاہِ رحمانی مونگیر (ایک سال) ● جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد (از ۱۹۶۲ء تا وفات) ● دار العلوم الاسلامیہ بستی (از ۱۹۸۰ء تا وفات) □ **اہتمام وانصرام**: ● جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد (از: ۱۹۶۹ء تا وفات) ● دار العلوم الاسلامیہ بستی (از: ۱۹۸۰ء تا وفات) □ **نمایاں خدمات**: ● متعدد مدارس ومکاتب کا قیام وتاسیس ● متعدد مدارس کی سرپرستی ● پچاسوں مساجد کی تعمیر واصلاح ● خدمتِ خلق اور رفاہِ عام کے متنوع کام □ **اہم مناصب اور ذمہ داریاں**: ● مہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد ● بانی وصدر دار العلوم الاسلامیہ بستی ● رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ● رکن دینی تعلیمی کونسل۔ □ **وفات**: ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۱/ اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات بعد مغرب بوقت ۸/ بجے شب جمعہ۔

(ندائے شاہی جون/ جولائی ۲۰۱۱ء)

حضرت مولانا مختار احمد صاحب قاسمیؒ (بنگلور)

مدرسہ سراج العلوم میسور روڈ بنگلور کے ناظم اور صوبہ کرناٹک بالخصوص شہر بنگلور اور اس کے اطراف میں قرآنِ کریم کی معیاری تعلیم عام کرنے میں اہم کردار ادا کرنے والے بزرگ عالم دین حضرت مولانا مختار احمد صاحب قاسمیؒ گذشتہ ۴؍ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ مطابق ۸؍ اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعہ بعمر ۷۴ سال اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کو قرآنِ کریم کی نشر واشاعت سے گہرا شغف تھا، آپ نے بنگلور اور اس کے اطراف میں دینی تعلیمی مکاتب کا جال بچھایا اور صحت لفظی اور حسن اداء کے ساتھ بچوں کو قرآنِ کریم سکھانے پر بے مثال محنتیں فرمائیں۔ موصوف کا تیار کردہ ''جدید نورانی قاعدہ'' اس علاقہ کے مکاتب میں بہت مقبول اور متداول ہے، اسی طرح ۶۳؍ اہم دعاؤں پر مشتمل ایک نصابی کتاب بھی اکثر مکاتب میں زیرِ درس ہے، آپ کا حضراتِ اکابر بالخصوص مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ، اور محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ سے گہرا تعلق اور ربط وضبط تھا، اصول وضوابط اور شریعت پر سختی سے کاربند تھے۔

موصوف کے کئی صاحب زادے ہیں جن میں محبّ مکرم حضرت مولانا مفتی افتخار احمد صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ تعلیم القرآن بسم اللہ نگر بنگلور وصدر جمعیۃ علماء صوبہ کرناٹک دینی وملی خدمات میں سرگرم اور ممتاز ملی ورہنما ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی مئی ۲۰۱۱ء)

خادم القرآن

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ (کراچی)

کراچی (پاکستان) کے صاحب نسبت بزرگ، اکابر کے صحبت یافتہ اور قرآنِ کریم کے سچے عاشق، حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ خطیب مسجد سٹی اسٹیشن وناظم جامعہ تعلیم القرآن شریفیہ کراچی گذشتہ ۲۱ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۷مارچ ۲۰۱۱ء بروز اتوار کو کراچی میں تقریباً سو سال کی عمر میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کا اصل وطن کیرانہ ضلع مظفرنگر تھا، آپ نے حفظ کی تعلیم حافظ رحمت اللہ کیرانویؒ سے حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی، دارالعلوم دیوبند، اور مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں ابتدائی اور متوسط تعلیم حاصل کی، پھر جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات) تشریف لے گئے، اور وہاں ۱۹۳۹ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کے خاص اساتذہ میں شامل ہیں، آزادی سے قبل دہلی میں حوض والی مسجد نئی سڑک میں مدرسہ تعلیم القرآن قائم کرکے دینی خدمات انجام دیں اور آزادی کے بعد پاکستان تشریف لے گئے اور کراچی شہر کی سٹی ریلوے اسٹیشن کی مسجد میں امامت وخطابت کے ساتھ ''جامعہ تعلیم القرآن شریفیہ'' کے ذریعہ قرآنِ کریم کی تعلیم کا سلسلہ جاری فرمایا، جس نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور سیکڑوں بچوں نے اس ادارے میں داخلہ لے کر حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔

موصوف کا اصلاحی تعلق اولاً حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ سے تھا، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالمالک نقشبندیؒ سے تعلق قائم فرمایا، بعدازاں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے حلقہ ارادت سے وابستہ ہوئے اور حضرت کی وفات کے بعد آپ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب سے اجازت بیعت وخلافت سے نوازے گئے۔

موصوف اکابر دیوبند کے شیدائی تھے اور ان کے علوم کی اشاعت کے لئے ہمہ وقت فکر مند رہتے تھے، آپ نے نہ صرف خود مختلف موضوعات پر مفید تالیفات مرتب کرنے کا سلسلہ جاری رکھا؛ بلکہ اپنی سرپرستی میں ''مجلس یادگار شیخ الاسلام'' قائم کی، اور جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری کے ذریعہ تاریخی اور سوانحی کتابیں مرتب کرا کے شائع کرائیں، جن میں برصغیر کی تاریخ کے متعلق نادر ونایاب مواد موجود ہے، اور ان میں سب سے ضخیم کتاب ''شیخ الاسلام کی سیاسی ڈائری'' کے نام سے کئی جلدوں میں چھپ چکی ہے، فالحمدللہ۔

موصوف کو حج وعمرہ سے بھی بڑا شغف تھا، جب تک صحت نے ساتھ دیا حرمین شریفین کے اسفار مسلسل فرماتے رہے، واقعۃً حضرت قاری شریف احمد صاحبؒ اکابر کی یادگار تھے، اور طول عمر کے ساتھ حسن عمل کی سعادت سے متصف تھے۔ الحمدللہ آپ نے اپنے پیچھے ایک بھراپرا خاندان چھوڑا جو آپ کی فکر کا امین اور آپ کے مشن کو زندہ رکھنے میں سرگرم ہے، بالخصوص آپ کے نبیرۂ محترم جناب مولانا تنویر احمد شریفی صاحب سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ ادارہ ندائے شاہی سبھی پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں، اور آپ کی خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین۔ قارئین سے بھی ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۱ء)

حضرت مولانا سید نصیر احمد فیض آبادیؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تربیت یافتہ خصوصی خادم اور قریبی عزیز حضرت مولانا سید نصیر احمد صاحب فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲؍مارچ ۲۰۱۱ء بروز منگل کو طویل علالت کے بعد خالق حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے وضع دار عالم دین تھے، وقار ومتانت چہرے بشرے سے عیاں اور عبادت واطاعت کا نور پیشانی سے ہویدا تھا۔ اصل وطن ٹانڈہ ضلع فیض آباد تھا۔ بچپن شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت میں گذارا۔ ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی کے رفیق درس تھے۔ پورے خانوادۂ مدنی بالخصوص جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ سے نہایت گہرا تعلق تھا۔ آپ کو شیخ الاسلام کی طرف سے عملیات کی اجازت تھی جس کی روشنی میں آپ ضرورت مندوں کا علاج بھی کرتے تھے۔ زندگی کا زیادہ وقت دہلی کی ایک مسجد (چاندنی چوک) میں گذرا۔ دہلی ہی میں وفات ہوئی۔ جنازہ دیوبند لایا گیا۔ احاطۂ مولسری دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مزار قاسمی میں مدفون ہوئے رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔ آپ ندائے شاہی کے بڑے قدرداں تھے۔ ہر ماہ رسالہ کا انتظار کرتے تھے اور نہ ملنے پر تقاضا فرماتے تھے۔

آپ کے چار صاحب زادے ہیں، سید محمد خالد صاحب، سید محمد حمزہ صاحب، سید محمد طلحہ صاحب اور سید محمد اسامہ صاحب، سبھی ماشاء اللہ دینی مزاج رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں۔ (ندائے شاہی مئی ۲۰۱۱ء)

❍❖❍

حضرت مولانا سید نصیر احمد صاحب فیض آبادیؒ

جوارِ رحمت میں

(پیدائش: ۱۳۴۴ھ - وفات: ۱۴۳۲ھ)

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

درج ذیل مضمون میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے بعض نادر مکاتیب شامل اشاعت کئے جا رہے ہیں، جو غالباً اب تک منظر عام پر نہیں آئے تھے، صاحب تذکرہ کے نام بعض خطوط میں عوام الناس کے لئے اور خصوصاً علمی مشغلہ میں منہمک حضرات کے لئے نہایت قیمتی نصیحتیں ہیں، جن پر عمل ان کے ذوقِ مطالعہ اور علمی پرواز کی بلندی میں اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے، ہم مولانا نصیر احمد صاحب مرحوم کے علم دوست، صالح فرزند ارجمند جناب حاجی سید محمد حمزہ صاحب کے ممنون ومشکور ہیں کہ انہوں نے اپنے والد مرحوم کے قیمتی سرمایہ کو اشاعت کی منزل تک پہنچا کر عام لوگوں کے لئے فیض رسانی کا ذریعہ بنانے میں ہمارا تعاون کیا۔ (محمد عفان)

گذشتہ ۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲؍ مارچ ۲۰۱۱ء بروز منگل حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے خصوصی تربیت یافتہ، دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل حضرت مولانا سید نصیر احمد صاحب فیض آبادی علیہ الرحمہ ایک کامیاب زندگی گزار کر خالق دو جہاں سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور اس مقام پر پہنچ گئے جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آیا، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو وہاں کی راحتیں اور آسانیاں مہیا فرمائے، آمین۔

مولانا نصیر احمد صاحبؒ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی اعزاء میں سے تھے، آپ کے دادا حضرت مدنیؒ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، خاندان کے لوگ بتاتے ہیں کہ مولانا کے والد منشی سید خلیل احمد صاحب مرحوم نے ٹانڈہ سے روانگی کے وقت اپنے بیٹے کا ہاتھ حضرت مدنی

علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں دیا اور درخواست کی کہ اسے اپنے ساتھ لے جایئے، یہ آپ کی نگرانی میں رہ کر تعلیم وتربیت کے مراحل طے کرے گا، حضرت اپنے ساتھ لے آئے، کم عمری ہی میں گھر کے ایک فرد کی طرح دیوبند میں رہنے لگے اور تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہوگیا، حضرت مدنی علیہ الرحمہ جس طرح حضرت فدائے ملتؒ کی تعلیم کے سلسلہ میں فکرمند رہتے تھے، اسی طرح گھر میں رہنے والے ان کے رفقاء اور ہم درس ساتھیوں پر بھی پوری توجہ فرماتے تھے، جس کا اندازہ آپ کی اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے، جو آپ نے مؤرخہ ۵؍صفر ۱۳۶۳ھ نینی جیل الٰہ آباد سے جناب قاری اصغر علی صاحبؒ کے نام رقم فرمائی ہے: ''اسعد سلمہ کی کامیابی اور نمبرات سے بہت خوشی ہوئی؛ لیکن آپ نے فرید کا حال نہیں لکھا اور نہ نصیر کا، ان تینوں میں سے جس کا بھی جس کتاب میں پچاس نمبر آیا ہو، ایک ایک روپیہ انعام کا ہر کتاب میں دیجئے''۔

حوصلہ افزائی کا یہ وہ انداز تھا جس نے بچوں کے لئے مہمیز کا کام کیا اور خوب محنت وجدوجہد کے ساتھ حصول تعلیم میں مسابقہ کا جذبہ پیدا کردیا۔

مولانا مرحوم خانوادۂ مدنی کے ہر ہر فرد سے نہایت محبت کرتے تھے، خصوصاً جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم سے تو انہیں والہانہ تعلق اور قلبی عقیدت تھی، کئی دفعہ حضرت مولانا کے ہمراہ دہلی میں ان کے دولت خانہ پر حاضری کا اتفاق ہوا، تو ان کی خوشی ومسرت قابل دید ہوا کرتی تھی، کئی سال سے شوگر اور گردے کی خرابی کی وجہ سے مستقل بیمار تھے؛ لیکن عزائم وارادے جوان تھے، کثرت کے ساتھ دیوبند تشریف آوری ہوتی اور پہلے ہی سے معلوم کرالیا کرتے تھے کہ حضرت مولانا ارشد صاحب دیوبند میں ہیں یا نہیں؟ دیوبند آنے کے بعد اگر حضرت مولانا سے ملاقات نہ ہو پاتی تو سفر کو ادھورا سمجھتے تھے، حضرت مولانا ارشد صاحب کو بھی مرحوم کے اس تعلق خاطر کا احساس تھا، اور باحسن وجوہ اس کو نبھاتے بھی تھے، وفات سے چند روز قبل جب آخری مرتبہ مرحوم دیوبند تشریف لائے، تو طبیعت کی خرابی اور کمزوری کے باعث مولانا ارشد صاحب کے دولت خانہ پر حاضری کی ہمت نہ کرسکے،

مولانا کوعلم ہوا تو خود حمزہ بھائی کے گھر تشریف لائے، عیادت اور مزاج پرسی کی اور دیر تک خاندان کے پرانے حالات موضوع گفتگو رہے۔

مولانا مرحوم ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کے قدیم قاری اوراس کے مضامین ومشمولات سے غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کرنے والوں میں سے تھے، وہ ہر ماہ ''ندائے شاہی'' کے شدت سے منتظر رہتے، ہر ملاقات میں ماہنامہ کا ذکر خیر ضرور کرتے اور بارہا اس کے وقت پر نہ ملنے کی شکایت بھی کرتے، اس اعتبار سے مرحوم کی رحلت ادارہ ''ندائے شاہی'' کے لئے مزید دکھ کا باعث ہے کہ وہ اپنے ایک پرانے اور سچے قاری سے محروم ہوگیا۔

مختصر سوانحی خاکہ

مولانا مرحوم نے ابتدائی تعلیم مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ میں حاصل کی پھر ذوالحجہ ۱۳۶۰ھ میں بعمر سولہ سال دارالعلوم دیوبند میں درجہ نحومیر میں داخل ہوئے، اس کے بعد تعلیم کچھ موقوف رہی اور پھر ذوالقعدہ ۱۳۶۲ھ میں دوبارہ از ہر ہند میں تحصیل علوم دینیہ کے پیش نظر داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۸ھ میں حضرت فدائے ملتؒ کے ساتھ سند فراغت حاصل کی، دارالعلوم کے رجسٹر میں داخلہ کے وقت آپ کے حلیہ کی منظر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے: ''محمد نصیر ولد محمد خلیل: متوسط قامت، رنگ سانولا، چہرہ کتابی، فراخ پیشانی، پیوستہ ابرو، چشم کلاں، بلا ریش، متوسط اندام ودر رخسار راست یک نشان''۔

تحصیل علوم کے بعد مولانا مرحوم نے مدرسہ وصالیہ موضع دھندھیرہ بلاس پور (مظفرنگر) اوراس کے بعد حسین آباد، کھتولی (مظفرنگر) میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعد ازاں ہمدرد میں دواؤں کے سیکشن میں سپروائزر ہوگئے اور پھر دہلی ہی کے ہوکر رہ گئے، اور تاحیات اعمالِ قرآنی اور مجرباتِ مشائخ کے ذریعہ لوگوں کا علاج کرتے رہے۔ گذشتہ ۱۶؍ربیع الثانی کو انتقال ہوا، جنازہ دہلی سے دیوبند لایا گیا اور حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا مرحوم نے حضرت مدنی علیہ الرحمہ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کی درخواست کی، حضرت نے بڑی اپنائیت کے ساتھ نصیحت سے لبریز مکتوب ارسال فرمایا اور بیعت کی درخواست کو منظوری دے دی۔ خط کا مضمون درج ذیل ہے:

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ　　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط پہنچا، احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی، قرض دار ہوجانے کا صدمہ اور افسوس ہوا، تم کو چاہئے کہ مصارف کا دائرہ تنگ کرو، یار احباب کی آمد ورفت اور جلسہ جلسوس بالکل بند کرو، اس سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور مال بھی۔ تم نے رشید کو کیوں بلایا؟ اس سے پہلے سعید کو کیوں بلایا؟ اور اسی طرح مولوی محمد میاں صاحب اور دوسرے احباب کی آمد ورفت کیوں رہتی ہے؟ اس گرانی کے زمانہ میں ایک روٹی بھی کس قدر قیمتی ہوتی ہے، سوچنا اور سمجھنا چاہئے، تم کو لازم ہے کہ میاں بیوی اپنے کھانے پینے میں آسائش سے رہ کر کچھ پس انداز کر کے والد کی بھی امداد کرو اور قرضہ سابقہ کو بھی ادا کرو، ہرگز ہرگز دوست واحباب کے تقاضوں میں آکر بے وقوفی مت کرو، تعلیم کے مشاغل میں کسی قسم کی کوتاہی عمل میں نہ لاؤ، بیعت کے لئے اگر انشراح خاطر ہے تو جمعہ کو دن میں یہاں آجانا، اپنے گھر میں سلام کہہ دو اور اس سے حسن اخلاق کے ساتھ معاملہ کرو، اس کی دل جوئی کا خیال رکھو۔ والسلام میں دعا کرتا ہوں۔

ننگ اسلاف　حسین احمد غفرلہ از مظفر نگر

نصیحت سے بھرپور اس خط کا ہر ہر لفظ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ اپنی بے پناہ مشغولیات کے باوجود اپنے ماتحت رہنے والے لوگوں سے ایک گونہ بھی غافل نہ ہوتے تھے؛ بلکہ ان کی تمام سرگرمیوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے، اور قابل گرفت باتوں پر مواخذہ اور تنبیہ فرماتے ہوئے اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے نوازتے جن پر عمل دنیا وعقبیٰ میں کامیابی کا ضامن ہے۔

حضرت مدنی علیہ الرحمہ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کے بعد برابر احوال سے باخبر کرتے رہے، اور دعائیں لیتے رہے۔ بیعت ہونے کے بعد جو پہلی تحریر آپ نے مدرسہ وصالیہ دھندھیرہ بلاس پور ضلع مظفر نگر قیام کے دوران اپنے شیخ کے نام ارسال فرمائی ہے، اُس سے آپ کے سوز دروں، خلوصِ قلب اور عقیدت ومحبت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

حضرت مرشدی ومولائی زیدت معالیکم ودامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، آخری تمنا بحمد اللہ جمعہ کے دن پوری ہوگئی تھی کچھ عرض کرنا چاہتا تھا، مگر حضور والا کے رعب کا غلبہ تھا، جس کی بنا پر ہمت نہ پڑی کہ عرض کروں، پھر دیوبند میں اِرادہ ہوا مگر وہاں جناب کی عدیم الفرصتی نے اِجازت نہ دی، اَب بہرحال ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں پیش ہے۔ آنحضرت کے اخلاقِ کریمانہ سے قوی اُمید ہے کہ جناب والا میری اِس درخواست کو منظور فرما کر اِس حقیر گنہگار غلام کو مطمئن فرمائیں گے، حضور والا سے درخواست ہے کہ میں حق العباد سے بہت خائف ہوں، بس اللہ ہی کا بھروسہ ہے یا آپ کی توجہ اگر اِس حقیر پر ہوگئی تو بیڑا پار ہوجائے گا، حضور والا یہ غلام تقریباً دس سال تک قدموں میں پڑا رہا اور بالکل اپنے گھر کی طرح رہا، بہت سی چیزیں آپ کی بغیر اجازت کے استعمال کی اور لی ہیں، بہرحال یہ سمجھ کر کہ اپنا گھر ہے، میں اُس کی ہاتھ جوڑ کر دستہ بستہ معافی چاہتا ہوں، اُمید کہ جناب والا معاف فرمائیں گے۔ نیز حضرت قاری صاحب سے میں نے تعویذ کی کاپی نقل کی تھی، حضرت ممدوح نے اجازت تو دے دی تھی، مگر مزید اِجازت آنجناب کی چاہتا ہوں، اُمید کہ جناب والا اجازت مرحمت فرمادیں گے، آنجناب کے گھٹنے کی اَب کیا حالت ہے، آپ کی خادمہ سلام عرض کرتی ہے، اور دعا کی خواستگار ہے، دعا کا خواستگار یہ غلام بھی ہے، دوحرف اگر حضور والا اِس کی پشت پر تحریر فرمادیں تو یہ غلام مطمئن ہوجائے گا۔

فقط والسلام

کفش بردار آستانہ

احقر نصیر احمد غفرلہ فیض آبادی

۵؍ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ یوم یکشنبہ

وصول یابی خط کے بعد شیخ محترم نے جو شفقت نامہ مولانا مرحوم کے نام تحریر فرمایا ہے، وہ اُن کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ

بعد اَز سلام مسنون آنکہ میں نے ان سب کو معاف کردیا، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے، اور جملہ وہ اَعمال ونقوش جن کی مجھ کو اجازت ہے اور جن کو آپ نے میری بیاض سے نقل کیا

ہے اُس کی میں اجازت دیتا ہوں، گھٹنے میں اِفاقہ تو ہے مگر تقریباً چوتھائی یا اُس کے قریب۔ والسلام، اپنے گھر میں سلام مسنون کہہ دو۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
۵ر ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ

کسی موقع پر مولانا نصیر صاحب مرحوم نے شیخ سے حفظ اسباق کے سلسلہ میں اپنی پریشانی یا دیگر مسائل کا ذکر کیا ہوگا، تو حضرت نے درج ذیل خط کے ذریعہ تشفی بخش جواب مرحمت فرمایا:

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے یہاں پہنچنے کے اگلے دن تار دیا تھا؛ کیوں کہ پہنچنا شام کو ہوا تھا، پھر وقت باقی نہ تھا، اُس کے بعد ایک خط عزیزم فضل الرحمٰن کو لکھا تھا، تعجب ہے کہ وہ نہیں پہنچا، ہم سب خیریت سے ہیں، تم محنت کرتے رہو اور ہمیشہ بعد از نماز فرض ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ﴾ سات مرتبہ پڑھ کر سینہ پر دم کرلیا کرو، اِن شاء اللہ کامیاب ہوگے، اپنے والد اور دوسرے اعزہ سے سلام مسنون کہہ دو، ہم سب بخیریت ہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
۱۹ر رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ

حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی ایک صاحب زادی تھیں جن کا نام ''حسانہ'' تھا، محض چار سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوگیا تھا، مولانا نصیر احمد صاحب دہلی میں قیام پذیر تھے، حضرت مدنیؒ نے بغرضِ علاج ''حسانہ مرحومہ'' کو دہلی بھیجا تھا، جس کی ذمہ داری مولانا نصیر احمد صاحب پر تھی، اِس موقع پر ایک مکتوب آپ نے مولانا مرحوم کے نام ارسال فرمایا تھا، جو درج ذیل ہے:

عزیزم مولوی نصیر احمد سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارے خطوط آئے، معلوم نہیں کہ حسانہ کے متعلق جو خطوط تمہارے آئے ہیں واقعی ہیں یا مثل خطوط سابقہ محض تسلی اور تسکین کے لئے ہو رہے ہیں، اگر جراح صاحب دَوا دیں اور یہاں استعمال کی جائے تو تم حسانہ کو لیتے آؤ، یہاں دوا استعمال کی جاتی رہے گی، دو چار دن کے بعد اُس کو ملاحظہ کے لئے لے جانا، ماموں کلو صاحب تو فرماتے تھے کہ تین دن میں اِن شاء اللہ اچھی ہوجائے گی، اب ایک ہفتہ گذر گیا، وہ اُن کا قول کیا ہوا، یہی میری مرضی

یہاں ہورہی ہے، شبراتن (ایک معمر خادمہ) سے بعد سلام مسنون کہہ دو کہ یہاں راجو پور سے آدمی برابر آرہے ہیں، وہاں ہر طرح خیر وعافیت ہے، اس کو گھبرانا نہ چاہئے، فقط حسانہ کی وجہ سے اُس کو وہاں بھیجا گیا ہے، خدا کرے جلد اُس کو شفا ہوجائے، تو جلد یہاں آجائے گی، خرچ کی جس قدر ضرورت ہو لکھو؛ بھیجا جائے گا۔ والسلام یہاں سے سب سلام کہتے ہیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

اِسی سلسلہ کا ایک اور مکتوب حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی زوجہ اور مولانا سید ارشد مدنی صاحب کی والدہ محترمہ نے بھی مولانا مرحوم کے نام لکھا تھا، جو پیش خدمت ہے:

عزیزم نصیر سلمہ خوش رہو دعا

تمہارا خط آیا، حالت معلوم کر کے اطمینان ہوا، حسانہ کی صحت کی خبر سے کسی قدر اطمینان ہوا، خدا کرے اُس کو جلدی آرام ہوجائے، آمین۔ میرا دل ہر وقت حسانہ میں لگا رہتا ہے، شبراتن سے کہنا کہ بالکل نہ گھبرائے، اطمینان سے رہے، میرے پاس اگر کوئی ہوتا تو میں خود آتی؛ کیوں کہ میری وجہ سے کسی کا دل نہ گھبراتا، بھائی دل بہت پریشان ہے کیا لکھوں؟ حسانہ کو میری طرف سے گود میں لے کر خوب پیار کرنا، ریحانہ سلام کہتی ہے، بڑی بی بھی سلام ودعا کہتی ہیں، شبراتن، مولوی صاحب اُن کی اہلیہ نذیر سلمہ کو سلام ودعا۔ فقط والسلام

تمہاری آپا

ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ اور ان کے اہل خانہ کس درجہ مولانا مرحوم پر اعتماد کرتے تھے اور مولانا پوری احساسِ ذمہ داری محنت، لگن اور دلچسپی کے ساتھ سعادت سمجھتے ہوئے بڑوں کے حکم کو بجالانے اور ان کی مرضی ومنشا کے مطابق کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کے تعلق کا اپنے شایانِ شان بدلہ مرحمت فرمائے، اور ان کے اس جذبہ تعلق کو جو محض رضاء الٰہی کی خاطر تھا، ان کے صاحب زادگان اور نسلوں میں منتقل فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۱ء)

ڈاکٹر محمد زاہد خاں صاحبؒ (امروہہ)

شہر امروہہ کے نام ور، نرم دل، صاحب ورع وتقویٰ بزرگ جناب ڈاکٹر محمد زاہد خاں صاحبؒ گذشتہ ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۹/ اپریل ۲۰۱۱ء بروز منگل کو طویل علالت کے بعد امروہہ میں وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کے اجل خلفاء میں تھے، آپ کا اصل پیشہ ڈاکٹری تھا؛ لیکن اس راہ سے آپ نے خدمت خلق اور اصلاحِ امت کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ آپ نہایت غریب پرور، شفیق اور خیر خواہ ڈاکٹر تھے، آپ کے مطب میں ہمیشہ مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی جو زیادہ تر شہر اور اطراف کے غریب اور متوسط طبقہ کے افراد پر مشتمل ہوتی تھی۔ ڈاکٹری کے ساتھ ساتھ آپ کو علم دین کی تحصیل واشاعت کا بے حد شوق تھا، آپ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ مشہور بزرگ حضرت مولانا مفتی مشرف حسین صاحبؒ استاذ دارالعلوم چلہ امروہہ اور حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی استاذ دارالعلوم دیوبند سے ان کے امروہہ کے زمانۂ قیام میں اپنے گھر پر درس نظامی کی کتابوں کی تعلیم حاصل کی، اور آپ کی اہلیہ سے شہر کی بہت سی بچیوں نے ضروری دینی علم سیکھا اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے شیخ ومرشد سے اجازت ملنے کے بعد بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور بہت سی خواتین وحضرات نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے اپنی اصلاح کی۔

علاوہ ازیں آپ کی علماء نوازی اور دستر خوان کی وسعت بھی مشہور تھی، جب تک صحت رہی موقع بموقع شہر کے علماء کو دعوت دیتے اور ان کی پرتکلف ضیافت کر کے بے حد خوشی کا اظہار

کرتے تھے۔ ہم لوگوں کا بچپن ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء تک امروہہ میں گذرا، اس دوران حضرت ڈاکٹر صاحب اور اُن کے گھرانے سے گھریلو مراسم رہے، اور موصوف نے ہر موڑ پر مخلصانہ تعلق کا حق ادا کردیا، فجز اہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

موصوف پورے خانوادۂ مدنی بالخصوص حضرت والد صاحب اور والدہ صاحبہ سے انتہائی تعلق رکھتے تھے، جب بھی احقر حاضر ہوتا تو فرماتے کہ کوئی دن گھر میں آپ لوگوں کے تذکرہ سے خالی نہیں جاتا۔ حسن اتفاق کہ انتقال کے بعد حضرت والد صاحب ہی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور محلّہ نیازیان تکیہ والی مسجد میں مشہور بزرگ اور عارف باللہ حضرت مولانا سراج احمد خاں صاحبؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں، اور پسماندگان کو اجر جزیل سے نوزیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۱ء)

نمونۂ اسلاف

حضرت ڈاکٹر محمد زاہد خاں امروہویؒ

مفتی عبدالرحمٰن قاسمی ناظم مدرسہ انصار العلوم نئی بستی نوگانواں سادات ضلع امروہہ

پیدائش:- شیخ طریقت حضرت ڈاکٹر محمد زاہد خاں صاحب ابن جناب حاجی عبدالواحد خاں صاحب کی پیدائش ۹؍جولائی ۱۹۲۰ء میں آبائی وطن شہر امروہہ کے محلّہ نیازیان میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:- آپ نے قرآنِ پاک اپنی دادی حکیمۃ النساء صاحبہ سے پڑھا اور قرآنِ پاک کی مزید اصلاح حضرت قاری مرغوب صاحب امروہوی سے کرائی، آپ نے درجۂ اولیٰ سے درجۂ پنجم تک کی تعلیم ایم-بی جونیئر ہائی اسکول امروہہ میں حاصل کی، پھر درجۂ ششم سے ہائی اسکول تک کی تعلیم ہندو ڈگری کالج امروہہ میں حاصل کی، اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں داخلہ لیا اور وہیں سے انٹر پاس کیا۔ پھر حضرت سید حکیم عظیم اللہ صاحب جودھپوری کے مشورہ سے آپ نے بی-یو-ایم-ایس ڈاکٹری کا کورس کرنے کے لئے ۱۹۵۵ء میں جامعہ ہمدرد دہلی میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۰ء میں فراغت حاصل کی۔

اس کے بعد ۱۹۶۰ء میں ہی آپ نے امروہہ میں مطب شروع کیا، چوں کہ آپ کا ذہن دادی صاحبہ کی تربیت کی وجہ سے بچپن سے ہی دینی تھا، اور دینی علوم حاصل کرنے کا موقع کچھ موانع اور عوارض کی وجہ سے میسر نہ آسکا تھا، اس لئے آپ نے مناسب سمجھا کہ دورانِ مطب ہی کچھ وقت نکال کر علم دین بھی حاصل کیا جائے۔ چناں چہ آپ نے ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت اس کے لئے فارغ کیا، حضرت مولانا مفتی مشرف صاحب سنبھلی استاذ جامعہ حسینیہ

دار العلوم چلہ امروہہ اور حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی استاذ دار العلوم دیوبند، سابق استاذ جامعہ حسینیہ دار العلوم چلہ امروہہ سے آپ نے اور آپ کی اہلیہ محترمہ نے درسِ نظامی کی سالِ اول سے سالِ ہفتم تک کی ضروری ضروری کتابیں پڑھیں۔

آپ حضرت مفتی صاحب کے پاس بیٹھ جاتے اور اہلیہ محترمہ پردہ کے پیچھے بیٹھ جاتیں اور دونوں مفتی صاحب سے پڑھتے رہتے۔ حدیث پاک کی کتابوں میں آپ نے صرف مشکوٰۃ شریف پڑھی تھی، اور بخاری شریف ودیگر دورۂ حدیث کی کتب پڑھنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔

مختصر احوال واوصافِ حمیدہ:- ڈاکٹر صاحب غایت درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے، نام ونمود اور شہرت سے بہت متنفر رہتے، شریعت کے بہت پابند اور نہایت متبع سنت تھے۔ راقم الحروف کا ڈاکٹر صاحب سے پچیس سال سے زائد مدت تک برابر تعلق رہا، ہمیشہ موصوف کو پابند شرع اور متبع سنت پایا۔ آپ احیاءِ سنت کا بہت فکر رکھنے والے تھے، آپ کی ترغیب اور تربیت کی برکت سے بڑی تعداد میں عورتیں اور مرد متبع سنت اور پابند شریعت ہوگئے۔ آپ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے، آپ صغائر سے بھی اسی طرح پرہیز کرتے تھے جس طرح کبائر سے پرہیز کرتے تھے۔ آپ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے قصداً زندگی میں کبھی کوئی گناہ کیا ہے۔ آپ علماء اور طلبہ سے بہت محبت کرتے تھے، ان کی مہمان نوازی اور خاطر ومدارات کرنے کو اپنی بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ صحت کے زمانہ میں مشائخ، علماء اور صلحاء کو آپ کثرت کے ساتھ اپنے دولت خانہ پر مدعو کرتے اور ان کی مہمان نوازی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ تشریف لائے، ناظم جامعہ حضرت قاری فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ اور ان کے رفقاء آپ کے دولت خانہ پر کھانا کھائیں گے؛ لہٰذا آپ پچیس حضرات کا کھانا تیار کرا لیجئے، چناں چہ ڈاکٹر صاحب نے پچیس افراد کے حساب سے کھانا تیار کرا لیا؛ لیکن جب کھانے کا وقت ہوا تو مہمانوں کی تعداد تین گنی ہوگئی، ڈاکٹر صاحب کو اس کی وجہ سے بڑی تشویش اور پریشانی ہوئی؛ لیکن جب

انہوں نے اپنی تشویش کا اظہار اہلیہ محترمہ سے کیا تو انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ بالکل پریشان نہ ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں رسوا نہیں کرے گا، آپ اللہ کے بھروسہ پر مہمانوں کو کھانا کھلائیے۔ چناں چہ آپ نے مہمانوں کو کھانا کھلانا شروع کیا، سب مہمانوں نے کھانا کھالیا پھر بھی خاصی مقدار میں کھانا بچ گیا، اس کے بعد آپ نے خاندان والوں کو بلا کر کھانا کھلایا۔ اللہ کے فضل سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ پچیس افراد کا کھانا سو افراد سے زائد کو کافی ہوگیا۔ آپ غریبوں اور ضرورت مندوں کی بہت امداد کیا کرتے تھے، آپ کے مطب سے کثیر تعداد میں غریبوں اور ضرورت مندوں کو مفت دوا دی جاتی تھی۔

ایک مرتبہ انکم ٹیکس کے آفیسران انکوائری کے لئے اچانک آپ کے مطب میں آگئے اور مریضوں کے نام کی پرچیوں کی گڈی اٹھالی، حسن اتفاق ان کے ہاتھ میں وہی گڈی آگئی جو غریبوں کے نام کی تھی اور اس میں دوائیوں کے روپے لکھے ہوئے نہیں تھے، وہ آفیسران تعجب اور حیرت سے کہنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب آپ تو بہت غریبوں کو مفت دوا دیتے ہو، یہ کہہ کر وہ بغیر انکوائری کے ہی واپس چلے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ جب خدا مہربان تو گدھا پہلوان۔ آپ نے جب ۱۹۷۲ء میں حج بیت اللہ کیا تو اپنے ساتھ کثیر مقدار میں دوائیاں بھی لے گئے تھے، مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کے دوران وہ دوائیاں مریضوں کو مفت دیتے رہتے تھے۔ آپ کے علاج سے مریضوں کو حیرت انگیز فائدہ ہوتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شافیِ مطلق کی تائید غیبی ہمہ وقت آپ کے ساتھ رہتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مریض نے دوا کا استعمال غلط کرلیا، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اسے فائدہ پہنچادیا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک مریض آپ کے پاس آیا جس کے کان میں تکلیف تھی، آپ نے اسے دو دوائیاں دیں، ایک پینے کے لئے اور دوسری کان میں ڈالنے کے لئے، اس مریض نے دوا کا استعمال غلط کیا، پینے والی دوا کان میں ڈالتا رہا اور کان میں ڈالنے والی دوا پیتا رہا، جب دوائیاں ختم ہوگئیں تو ڈاکٹر صاحب کے پاس آکر کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کی دوا سے بہت فائدہ ہوا، وہی دوا اور دیدیجئے۔ ڈاکٹر صاحب اس کی اس بات کو سن کر حیرت میں

پڑ گئے، اور زبانِ حال سے فرمانے لگے کہ واقعۃً اللہ ہی نفع اور نقصان پہنچانے والا ہے، اور دوا بغیر اللہ کے حکم کے نہ نفع پہنچاسکتی ہے اور نہ نقصان، اگر دوا اپنی ذات کے اعتبار سے نفع اور نقصان پہنچانے والی ہوتی تو اس مریض کو اس طرح دوا غلط استعمال کرنے کی وجہ سے فائدہ کے بجائے سخت نقصان ہوتا۔

آپ کے پاس اگر چہ ڈاکٹری کی کوئی بڑی ڈگری تو نہیں تھی؛ لیکن ربِ کریم نے آپ کو بہت سے بڑے ڈاکٹروں پر بھی فوقیت عطا فرمائی تھی، آپ کی طرف مریضوں کا کثرت کے ساتھ رجوع رہتا تھا، آپ روزمرہ تقریباً تین سو مریض دیکھتے تھے، آپ کے علاج سے بہت سے اپنے مریضوں کو فائدہ ہوا جنہیں ڈاکٹروں نے لاعلاج کر دیا تھا۔

ایک غیر مسلم جو کینسر کا مریض تھا، آپ کے پاس علاج کے لئے آیا، آپ نے اسے دیکھ کر فرمادیا کہ اپنا علاج کسی دوسرے ڈاکٹر سے کرالو، اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے علاقہ میں فلاں بزرگ کا مزار ہے، وہ میرے سپنے میں آئے تھے، اور فرمارہے تھے کہ: ''جا امروہہ میں ڈاکٹر زاہد ہیں ان کا علاج کر تجھے فائدہ ہوجائے گا''۔ میں ان کا بھیجا ہوا آیا ہوں، ڈاکٹر صاحب نے اس کی بات سن کر ایک مرہم دے دیا اور فرمادیا کہ اسے اپنے زخم پر لگاتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مریض کو آپ کی برکت سے اس سے ہی شفایاب کر دیا۔

امروہہ میں ایک بڑے دولت مند غیر مسلم تھے، ان کی لڑکی سخت بیمار ہوئی، انہوں نے اس کا دہلی میں بڑے بڑے ہسپتالوں میں علاج کرایا؛ لیکن فائدہ نہیں ہوا، وہ مجبور ہو کر اسے گھر واپس لے آئے، اس کے بعد انہوں نے ڈاکٹر زاہد صاحب سے اس لڑکی کا علاج کرایا، وہ لڑکی آپ کے علاج کی برکت سے چند دن میں ہی صحت یاب ہوگئی۔ آپ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ: 'اللہ کے فضل سے میرے مطب میں کبھی کسی مریض کا انتقال نہیں ہوا، اور نہ میری دوا سے کبھی کسی کو کوئی نقصان ہوا''۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ**

بیعت وخلافت:- ڈاکٹر صاحب کے والد ماجد حاجی عبدالواحد خاں صاحب کا شہر ممبئی میں تاج نام کا ایک مشہور ہوٹل تھا، ڈاکٹر صاحب والد صاحب کے حکم سے اس ہوٹل کی نگرانی

کے لئے ۱۹۴۲ء میں ممبئی تشریف لے گئے اور اس ہوٹل کی نگرانی کے فرائض انجام دینے لگے۔

چوں کہ آپ بچپن سے ہی بڑے ذاکر وشاغل تھے، اس لئے ہوٹل پر بیٹھے ہوئے کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھتے رہتے تھے۔ آپ کے ہوٹل پر کھانا کھانے کے لئے ایک بزرگ حضرت سید حکیم عظیم اللہ صاحب جودھپوری تشریف لاتے تھے، وہ آپ کو اکثر ذکر کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ ایک دن وہ آپ سے کہنے لگے، بیٹا تم کیا پڑھتے ہو، آپ نے کہا کہ حضرت میں درود شریف پڑھتا رہتا ہوں، حکیم صاحب نے کہا کہ بیٹا تم ہمارے پاس مطب میں آیا کرو، چناں چہ آپ حکیم صاحب کی خدمت میں جانے لگے۔ حکیم صاحب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے مریدین میں سے تھے، حکیم صاحب اگر چہ حضرت مدنیؒ کے خلیفہ ومجاز تو نہیں تھے؛ لیکن بہت نیک کشف وکرامات والے اور صاحب تصرف بزرگ تھے۔

ڈاکٹر صاحب کو ان سے دینی فائدہ اور باطنی فیض بہت پہنچا، گویا کہ ابتدائی روحانی وباطنی مربی آپ کے حضرت حکیم صاحب ہی ہیں۔ حکیم صاحب نے ایک دن آپ سے فرمایا کہ میاں زاہد خاں! جاؤ بیعت ہو کر آؤ۔ چناں چہ آپ ممبئی سے امروہہ آئے اور پھر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی کے واسطہ سے آپ حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ سے ۱۹۵۵ء میں بیعت ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام نے آپ کو مرادآباد میں بغیہ والی مسجد میں بیعت کیا، آپ بیعت ہونے کے بعد اپنے پیر ومرشد کے حکم کے مطابق ذکر وغیرہ کرتے رہے، نیز راہِ سلوک میں تیز رفتاری کے ساتھ گامزن ہوتے رہے؛ لیکن سوءِ اتفاق کہ ابھی آپ کی منزلِ مقصود تک رسائی نہ ہو سکی تھی کہ پیر کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ ۱۹۵۹ء میں وصال فرما گئے۔

اس کے بعد آپ نے فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور ۱۹۶۵ء میں حضرت فدائے ملت نے آپ کو خلافت واجازتِ بیعت کے شرف سے مشرف فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کو سلسلہ تھانوی کے ایک بزرگ حضرت مولانا سراج

احمد خاں صاحب امروہوی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی خلافت عطا کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ حضرت مولانا سراج احمد خاں صاحب امروہوی بڑے عالی مرتبت گوشہ نشین بزرگ تھے، وہ ایک مرتبہ میرے پاس تشریف لائے، اور فرمانے لگے کہ ڈاکٹر صاحب آپ کیا عمل کرتے ہو، مجھے میرے پیرومرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے خواب میں اشارہ کیا ہے کہ میں تمہارا خیال رکھوں، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں حضرت تھانویؒ کی کتابوں کا بہت مطالعہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت مولانا سراج احمد خاں صاحب ڈاکٹر صاحب کے پاس برابر تشریف لاتے رہے، ایک دن ڈاکٹر صاحب کو تنہائی میں بلا کر فرمانے لگے: ''میاں ڈاکٹر زاہد خاں صاحب میرے دل میں دو ماہ سے برابر یہ القا ہو رہا ہے کہ میں تمہیں اجازتِ بیعت اور خلافت دے دوں؛ لہٰذا میں آج تمہیں اجازتِ بیعت دیتا ہوں''۔

حضرت مولانا سراج احمد خاں صاحب کے وصال کے بعد ان کے خلفاء نے آپ کو ہی حضرت کا جانشین منتخب کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری خلیفہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے بھی اجازتِ بیعت مرحمت فرمائی تھی۔

بزرگوں سے اجازتِ بیعت ہو جانے کے بعد آپ نے طالبانِ حق اور سالکین راہِ سلوک کی رہنمائی کے فرائض بحسن وخوبی انجام دینے شروع کئے، کثرت کے ساتھ طالبین آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہونے شروع ہوئے، اور تھوڑی ہی مدت میں مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوگئی، اور مریدین آپ کے فیوضِ روحانیہ سے خوب مستفیض اور افاداتِ باطنیہ سے خوب مستفید ہوتے رہے۔

خلفاء ومجازین:- آپ نے مندرجہ ذیل تین حضرات کو اپنی طرف سے اجازتِ بیعت سے بھی سرفراز فرمایا ہے: (۱) حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب ساکن امروہہ (۲) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی استاذ جامعہ حسینہ دار العلوم چلہ امروہہ (۳) حضرت حاجی سید احمد صاحب صدیقی ساکن امروہہ ضلع جے پی نگر۔

انتقال پر ملال:- ڈاکٹر صاحب مدتِ دراز سے روز بروز کمزور ہوتے جارہے تھے، اور بظاہر کوئی خاص بیماری محسوس نہیں ہورہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے راقم الحروف سے متعدد بار فرمایا کہ کمزوری بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، اور نہ موت کے ہی نمایاں آثار محسوس ہورہے ہیں اور نہ صحت کے۔ آخری ایام میں آپ لیٹ کر اشارہ سے نماز ادا کرتے رہتے تھے۔ مؤرخہ ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۹/ اپریل ۲۰۱۱ء سہ شنبہ میں آپ نے فجر کی نماز پانچ بجے کے قریب اشارہ سے ادا کی اور تھوڑی دیر کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں آپ کو اعلیٰ مقام پر فائز کرے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

آپ کی نماز جنازہ ظہر کی نماز بعد تین بجے کے قریب امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی، اور محلّہ نیازیان کے تکیہ نامی قبرستان میں آپ مدفون ہوئے۔

پسماندگان:- آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ مسرورہ بیگم، دو صاحبزادے: ڈاکٹر محمد علی خاں، لیاقت علی خاں، دو صاحبزادیاں: الماس بیگم، زینب، تین پوتے: عدنان، محمد سعد، محمد زید اور دو پوتیاں: نیلما اور ندا ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب کو دونوں جہاں میں اپنی رضا وخوشنودی، عافیت وسلامتی اور عزت عطا کرے۔ آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۱ء)

حضرت الاستاذ

مولانا مفتی عزت اللہ صاحب صدیقی امروہویؒ

مؤرخہ ۱۹؍ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۸؍اکتوبر ۲۰۱۱ء بروز سہ شنبہ کی شب میں ہمارے مشفق ومربی بزرگ استاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا عزت اللہ صاحب امروہوی نور اللہ مرقدہٗ استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ نے ۹۲؍سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا موصوف نہایت متواضع، سادہ مزاج، قناعت پسند، پرہیزگار، خوردنواز، صاف دل، خوددار اور جفاکش شخص تھے، آپ کی ذات اکابر واسلاف کی چلتی پھرتی تصویر تھی، مزاج میں ظرافت اور بےفکری نمایاں تھی، گفتگو بہت میٹھی اور مؤثر ہوتی تھی، معاملات کی صفائی قابل رشک تھی، آپ کی ہر نقل وحرکت سے عاجزی اور مسکنت کا اظہار ہوتا تھا، زندگی میں کبھی نہ بڑائی کا اظہار کیا اور نہ آگے بڑھنے کی خواہش کی، حتیٰ کہ مدرسہ کے قدیم ترین اور باصلاحیت استاذ ہونے کے باوجود جب تک پڑھانے کی سکت رہی، ابتدائی درجہ کی فارسی وغیرہ کی کتابیں ہی پڑھاتے رہے، گلزار دبستاں، مالابدمنہ، کریما، میزان ومنشعب، بس انہی کتابوں کو پڑھاتے ہوئے پوری عمر گذاردی۔ اور پڑھانے کا انداز بھی بڑا پیارا تھا، چٹکیوں اور لطیفوں میں سبق سمجھا دیتے تھے، طبعیت میں غصہ کا نام ونشان نہ تھا، ہر چھوٹے بڑے کا اکرام ہر ایک سے آپ جناب سے گفتگو، حاضرانہ وغائبانہ میں دوسروں کی خوبیوں کے تذکرے، یہی آپ کی پہچان تھی۔ سالوں تک جامع مسجد میں پنج وقتہ نمازوں کی امامت اس شان سے کی کہ بلاعذر شدید کبھی

ناغہ نہ کیا، حالاں کہ آپ کا دولت کدہ محلّہ قریشیان میں جامع مسجد سے کافی دور واقع تھا؛ لیکن پانچوں نمازوں میں بروقت پیدل تشریف لایا کرتے تھے، جب ضعف ہوگیا تو اہل مدرسہ نے رکشہ کا انتظام کردیا تھا، قراءت بالکل سادہ فرماتے، آواز بلند تھی، اور حسن اداء اور قواعد تجوید کی خاص رعایت رکھتے تھے۔

اپنا سودا سلف خود خریدنے اور لے جانے میں کبھی عار نہ تھی؛ بلکہ مدرسہ کی ملازمت کے ساتھ چھوٹی موٹی تجارت بھی جاری رکھتے، اور لطف یہ کہ عموماً جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد کے خارجی صحن میں خود ہی رومال بچھا کر سرمہ اور عطر وغیرہ بیچنے کے لئے تشریف فرما ہوجاتے، اور بے تکلف کسب حلال کا فریضہ ادا کرتے، جس سے آپ کی بے نفسی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

امروہہ کے اصلاحی جلسوں اور وعظ کی مجلسوں میں حضرت مولانا کا سادہ وعظ بڑی بڑی تقریروں پر بھاری ہوتا تھا، امروہہ کی ٹکسالی زبان میں معاشرتی موضوعات بالخصوص عورتوں میں رائج منکرات ورسومات پر بڑے دل چسپ انداز میں نکیر فرماتے اور درمیان میں ایسی تعبیرات اور استعارات استعمال فرماتے کہ پوری مجلس زعفران زار بن جاتی۔

حضرت مولانا موصوف ۱۹۵۰ء میں جامع مسجد امروہہ سے فارغ ہوئے، حضرت مولانا عبدالقدوس صاحبؒ اور حضرت حافظ عبدالرحمٰن محدث امروہویؒ اور حضرت مولانا سراج احمد خاں صاحب امروہویؒ سے اکتسابِ فیض کیا اور مؤخر الذکر سے اجازت بیعت بھی حاصل کی، فراغت کے بعد جامع مسجد ہی میں تدریسی خدمت پر مامور ہوگئے، اور تاحیات متواتر ساٹھ سال خدمت فرماتے رہے۔

عرصۂ دراز تک مدرسہ میں تحریری فتاویٰ بھی حضرت کے دستخط سے جاری ہوتے، بہشتی زیور کے مسائل اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تالیفات پر خاص نظر تھی، کافی عرصہ تک مدرسہ کے کتب خانہ کے بھی ناظم رہے، اور بڑی پاکیزہ زندگی گذاری، اور الحمدللہ پاکیزہ ہی وفات ہوئی۔ موصوف کے اکلوتے صاحب زادے برادرم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب زید علمہ

استاذ حدیث مدرسہ حسینیہ دارالعلوم چلہ امروہہ نے بتایا کہ حضرت موصوفؒ نے عشاء کی نماز کھڑے ہوکر ادا فرمائی، طبعیت بظاہر معمول پر تھی، اور عشاء کے بعد جلد ہی آرام فرما ہوگئے، کیوں کہ عام دنوں میں جلد سونے اور پھر شب میں جلد اٹھنے کا معمول زندگی بھر کا تھا، اسی عادت کے موافق آرام فرمانے لگے، رات میں تقریباً سوا بجے آپ کے کمرے سے زور زور سے غیر معمولی انداز سے اللہ اللہ کی آواز آنے لگی، یہ سن کر جب صاحب زادہ محترم حضرت کے کمرے میں پہنچے تو روح پرواز کرچکی تھی، نہ کوئی خدمت لی اور نہ گھر والوں پر بوجھ بنے، آسانی کے ساتھ اپنے رب حقیقی سے جا ملے، گویا: ''عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا''۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جامع مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی، کئی ہزار افراد نماز میں شریک تھے، اور پھر محلّہ افغانان میں واقع آبائی قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کردیا گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سبھی قارئین سے درخواست ہے کہ حضرت الاستاذ کے لئے ضرور ایصالِ ثواب کریں، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۱ء)

عظیم محسن کی وفات

(والد مرحوم جناب شفیع احمد صاحب کی یاد)

مولانا مظاہر حسین قاسمی استاذ مدرسہ شاہی مراد آباد

انسان زندگی میں بہت سے محسنوں کے زیر سایہ زندگی گذارتا ہے، ان میں سے اس کے لئے محسنِ عظیم اس کا باپ ہوتا ہے جو شفقت ومحبت کا پیکر، غم گسار آنکھیں، اور دردمند دل سینہ میں رکھتا ہے، خلوص واخلاص کا منبع، پیار ومحبت کا مرجع ہوتا ہے، خاص کر جب کہ وہ صاحب ایمان ہونے کے ساتھ عمل صالح سے آراستہ پیراستہ ہو، کچھ ایسے ہی اوصاف کمالیہ سے متصف میرے والد مرحوم شفیع احمد صاحب تھے جو بروز چہار شنبہ ۲۲؍شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲؍ستمبر ۲۰۱۱ء کو بوقت تقریباً ایک بجے مدرسہ دار القرآن والسنہ بلاسپور، رامپور میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. مرحوم ہمارے عظیم محسن اور ہمہ وقت دعا گو رہتے تھے، جن کی دعاؤں کی دولت سے ان کا کنبہ اب محروم ہوگیا، آپ ہم سب کے مشفق ہونے کے ساتھ عظیم مربی اور زبردست منتظم بھی تھے جن کی انتظامی صلاحیتوں کے سبب ہم سب بے فکری سے حقوق اللہ وحقوق العباد کی انجام دہی میں مشغول رہتے تھے، اللہ پاک ان کو جزائے خیر ونعم البدل نصیب فرمائیں، آمین ثم آمین۔ قرآن کی تلاوت ونعت پاک کی سماعت، پوتوں، پوتیوں کی دلجوئی کے شغل کے ساتھ آسان موت کی صورت میں ۸۵؍سال پورے کرکے دار فانی سے دار باقی کی طرف رخصت ہوئے ان کے الوداعی پیغام پر بہت سے اصحاب واحباب نے پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعائیں وتسلی کے کلمات ارشاد فرمائے اور مرحوم کے لئے دعاؤں وایصال ثواب کا اہتمام فرمایا، اللہ سب کو اپنے فضل سے قبول فرمائیں، آمین ثم آمین۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۱ء)

متفرقات:

سید طاہر میاں صاحبؒ

رامپور کی تحصیل بلاسپور کے حسن اخلاق سے مالامال سید طاہر میاں جمعہ و ہفتہ ۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ مطابق ۷؍ مئی ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ کی شب کے دوران اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدائے پاک ان کی قبر کو نور سے بھر دے، آمین۔ مرحوم میں بڑی خوبیاں تھیں، منکرات سے سخت بیزار رہنے والے اور بلا جھجک نکیر کرنے والے انسان تھے۔ احقر کے ساتھ مربیانہ و مشفقانہ خدمات و برتاؤ کی نسبت رہتی تھی۔ جب مدرسہ دارالقرآن والسنہ بلاسپور کے قیام میں احقر فکرمند تھا تو میری اجنبیت کو دور کرنے اور قدم قدم پر حوصلہ دینے والے میاں مرحوم ہی تھے بہت سے اہل خیر کے پاس مدرسہ کی ضرورت کے لئے اپنے صرفہ پر احقر کو لے کر جانا پھر اس فکر کے لئے اہل خیر کو متوجہ کرنا یہ ان کے دین سے خاص تعلق کی واضح راہیں ہیں، بہت سے واقعات میری زندگی کے ساتھ ایسے جڑے ہوئے ہیں کہ اگر تحریر کیا جائے تو ایک دستاویز تیار ہو جائے، میرے حوصلہ کی بلندی میں مدرسہ کی نسبت سے میاں مرحوم خشت اول تھے، نیز میاں مرحوم دینی معاملات میں بہت حساس و بہت متحرک انسان تھے۔ ان کو اخلاق کاملہ کا وافر حصہ ملا تھا اللہ پاک ان کو غریق رحمت فرمائے، آمین ثم آمین۔ (مولانا مظاہر حسین صاحب اُستاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد)

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۱ء)

حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ کو صدمہ

مؤرخہ ۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۳؍ مئی ۲۰۱۱ء بروز پیر بعد نماز فجر دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی اہلیہ مکرمہ وفات پا گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُسی دن بعد نماز ظہر احاطۂ مولسری

دارالعلوم دیوبند میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، اور مزارِ قاسمی میں مدفون ہوئیں۔

موصوفہ نہایت دین دار، صابرہ اور شاکرہ خاتون تھیں۔ خود حضرت مفتی صاحب سے حفظِ قرآن کی سعادت حاصل کی، پھر کثیر العیالی کے باوجود بچوں، بچیوں حتی کہ بہوؤں کو بھی بذاتِ خود قرآنِ کریم کی تعلیم دی، گھریلو اُمور کی انجام دہی اور اہل خانہ کی دینی و تعلیمی تربیت کر کے موصوفہ نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی خالص علمی زندگی میں بھرپور تعاون کا حق اَدا کیا اور آخرت میں صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ عظیم کی مستحق قرار پائیں۔

جامعہ میں موصوفہ کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، اور جامعہ کے متعدد اَساتذہ نے دیوبند پہنچ کر نماز جنازہ میں شرکت کی اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کی۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۱ء)

حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی بجنوری مدظلہ کو صدمہ

مؤرخہ ۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۳؍ مئی ۲۰۱۱ء بروز پیر دارالعلوم دیوبند کے قدیم اور موقر اُستاذِ حدیث حضرت مولانا ریاست علی بجنوری مدظلہ العالی کی اہلیہ محترمہ غریقِ رحمت ہوگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوفہ کی نمازِ جنازہ بعد نمازِ مغرب اَدا کی گئی اور مزارِ قاسمی میں مدفون ہوئیں۔

مرحومہ نہایت ملنسار، بااخلاق، ہمدرد و غمگسار خاتون تھیں، ذکر و اَوراد کی پابندی اپنے والد ماجد حضرت مولانا سلطان الحق صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ سے ورثہ میں ملی تھی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خانوادہ سے گہرا ربط و تعلق تھا، پوری زندگی نہایت صبر و شکر سے گذاری، طویل عرصہ سے بیمار تھیں، کئی اعضاء جواب دے چکے تھے؛ لیکن آخر وقت تک زبان پر شکر کے ہی کلمات جاری رہے۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کو آخرت کی راحتوں سے نوازیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔ مرحومہ کی نماز جنازہ میں بھی جامعہ کے متعدد اساتذہ نے شرکت فرمائی، اور حضرت الاستاذ اور اہل خانہ کو تعزیت مسنونہ پیش کی۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۱ء)

حضرت اقدس مولانا مفتی انعام اللہ صاحب کو صدمہ

معروف عالم ربانی حضرت اقدس مولانا مفتی انعام اللہ صاحب شاہجہاںپوری دامت برکاتہم مفتی واستاذ حدیث مدرسہ عربیہ امدادیہ مرادآباد کی اہلیہ محترمہ وسط رمضان میں چند روز علالت کے بعد وفات پاگئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوفہ نہایت دین دار، سخاوت شعار، غمگسار خاتون تھیں، موصوفہ کے ذریعہ بچیوں کی قرآنی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، جس سے محلّہ کی بے شمار بچیوں نے فائدہ اُٹھایا۔

قارئین سے موصوفہ کے لئے ایصال ثواب کی درخواست ہے اور ادارہ ندائے شاہی کی طرف سے حضرت مفتی صاحب اور ان کے اہل خانہ بالخصوص مفتی محمد طاہر صاحب اُستاذ مدرسہ عربیہ امدادیہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۱ء)

مولانا جہانگیر عالم صاحب مظاہری کے جواں سال صاحب زادے کی وفات

جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کے اُستاذ حدیث مولانا محمد جہانگیر عالم مظاہری کے صاحب زادے عزیزم حافظ محمد شمویل جو مدرسہ شاہی میں داخلہ کے لئے آئے ہوئے تھے، اور دارالطلبہ لالباغ میں مقیم تھے، وہ ۱۸؍شوال ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۸؍ستمبر ۲۰۱۱ء بروز اتوار کو معمولی علالت کے بعد اچانک انتقال کرگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُن کے انتقال کی خبر سے پورے مدرسہ میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی، حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور ظہر کے بعد دارالطلبہ سے ملحق قبرستان میں موصوف کی تدفین عمل میں آئی۔ موصوف کے والد محترم مولانا جہانگیر عالم صاحب بھی اعظم گڑھ سے پہنچ گئے تھے اور کمالِ صبر کے ساتھ تجہیز وتکفین اور تدفین میں شریک ہوئے، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۱ء)

رفتـــــگاں

۲۰۱۲ء

- حضرت مولانا خورشید عالم صاحب عثمانیؒ
- حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوریؒ
- جناب حافظ محمد صدیق صاحبؒ
- عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ
- حضرت مولانا صفی اللہ خاں صاحبؒ
- حضرت مولانا عثمان خان صاحبؒ
- حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالاؒ زامبیا

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب ٹانڈہ بادلیؒ

تحریر: مولانا مظاہر حسین صاحب قاسمی استاذ جامعہ

۷؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ مطابق ۳؍دسمبر ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ بانی مدرسہ ''عبداللہ بن مسعودؓ'' ٹانڈہ بادلی رام پور اور میرے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالماجد صاحبؒ اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وہ اپنے وقت کے مردم شناس، دور بیں اور تعلیم وتعلم کا ذوق رکھنے والے شخص تھے، انہوں نے مدرسہ روضۃ العلوم کو اپنی ۳۲؍سالہ خدمات کے ذریعہ ابتدائی درجات سے انتہائی درجات تک پہنچا کر اس کو ایک معیاری ادارہ کا درجہ دلایا تھا۔ پھر ناگفتہ بہ حالات کے تحت روضۃ العلوم سے الگ ہوکر مدرسہ عبداللہ بن مسعودؓ کی بنیاد رکھی، اور ناظرہ قرآن مجید وفارسی سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک درجات قائم کئے، اور عوام میں یہ احساس پیدا کیا کہ اگر عزم مصمم ہوتو بفضلہٖ تعالیٰ ناممکن کو بھی ممکن بنایا جاسکتا ہے، انہوں نے اپنی ان تھک محنت سے چراغ سے چراغ جلنے کا سامان فراہم کیا، رجال سازی پر ہمیشہ نگاہ رکھی۔ اخیر عمر میں حفظ قرآن کا سلسلہ شروع کیا تو قرآن کے دس اجزاء بھی محفوظ کرلئے، موصوف دارالعلوم دیوبند کے فرزند اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب کے شاگرد رشید تھے، نیز دورہ کے سال میں حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے بھی ابتدائی اسباق پڑھنے کی سعادت حاصل تھی۔ اللہ پاک تمام پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا خورشید عالم صاحب عثمانیؒ

شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند

دارالعلوم وقف دیوبند کے شیخ الحدیث اور ملک کے ممتاز عالم دین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خورشید عالم صاحب عثمانی دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ کا گذشتہ ۱۴ر ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۷ر فروری ۲۰۱۲ء بروز منگل کو دیوبند میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف نہایت باوقار عالم، کامیاب اور مقبول استاذ، اور یکسوئی پسند بزرگ تھے، درس وتدریس آپ کا محبوب مشغلہ تھا، ساتھ میں انتظامی صلاحیت بھی مثالی تھی۔ ۱۳۵۳ھ میں دیوبند میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے، آپ نے حفظ وناظرہ کے بعد فارسی سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک ساری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، اور ۱۳۷۶ھ میں دارالعلوم سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد آپ نے ہندوپاک کے متعدد مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ۱۳۸۳ھ سے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے، اور ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم وقف کے معماروں میں شامل ہوگئے۔ آپ نے مسلم شریف اور بخاری شریف سمیت درسِ

نظامی کی تقریباً سبھی کتابوں کا درس دیا، اور بے شمار طلبہ نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔ دارالعلوم دیوبند کے متعدد اساتذہ آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں، دارالعلوم وقف میں آپ عرصۂ دراز تک نائب مہتمم کے عہدے پر فائز رہے، اور اپنے خونِ جگر سے اس نوخیز ادارے کو پروان چڑھایا۔ یہ بات قابل اطمینان ہے کہ مولانا موصوف کے دونوں صاحب زادے آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں، بڑے صاحب زادے مولانا مفتی محمد عارف قاسمی دارالعلوم وقف دیوبند میں عربی کے استاذ ہیں، جب کہ دوسرے صاحب زادے مولانا محمد واصف قاسمی اسی ادارہ میں استاذ تجوید وقرأت کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں، اور ملک وبیرونِ ملک اپنی دل آویز قرأت اور لہجے سے جانے جاتے ہیں۔ اللّٰہم زدفزد۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کو غریق رحمت فرمائیں اور ان کی خدمات کا بہتر صلہ عطا فرمائیں، آمین۔ قارئین سے بھی ایصالِ ثواب کی گذارش ہے۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ

شیخ الحدیث دار العلوم وقف دیوبند

از: مولانا خلیل الرحمٰن قاسمی برنی استاذ حدیث جامعہ ندوۃ الابرار بنگلور

اسلاف عظام، اکابر دیوبند، علماء ربانیین اور نفوس قدسیہ کی نسبتوں، ان کے اوصاف وکمالات اور ان کی عظمتوں کے امین، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب عثانی ۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۷؍فروری ۲۰۱۲ء بروز منگل کی شب تقریباً ایک بجے داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ آپ کی وفات حسرت آیات سے ملت اسلامیہ کو اور خصوصاً وابستگان دیوبند کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ علماء کے لئے آپ کی ہر دل عزیز شخصیت کی ضرورت پہلے سے زیادہ تھی؛ لیکن دست قدرت کا لکھا ٹل نہیں سکتا۔

رفتم واز رفتنم یک عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

اللہ کا اصول ہے: ”کل نفس ذائقة الموت“۔ اس کے تحت ہر انسان کو ایک نہ دن اس جہان رنگ و بو اور دنیائے آب وگل سے رخصت ہونا ہے، یہاں کسی کے لئے ثبات نہیں، کسی کے لئے دوام نہیں۔

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَدُوْمُ لِوَاحِدٍ ❖ لَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْهَا مُخَلَّدًا

یعنی اگر دنیا میں کوئی بھی ایک ہمیشہ رہنے والا ہوتا تو بالیقین وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہوتی۔ دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے آج تک کوئی نہیں آیا، مگر بے شمار ایسے بھی

نفوس آتے رہے ہیں جو اپنے عظیم اور لاثانی کارناموں اور قومی وملی خدمات نیز اخلاق وکردار کی بلندی و پاکیزگی کی بنیاد پر جانے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ وہ اپنے پیچھے ایسے تابندہ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جن کو اپنا لینے سے کئی لوگوں کو صحیح راستہ مل جاتا ہے، اور وہ زندگی کو اصول و آداب کی روشنی میں گذارنے کے خوگر ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی عظیم اور بلند انسانوں میں سے تھے حضرت مولانا خورشید عالم صاحب (قدس سرہ)۔

آپ دیوبند کے عثمانی شیوخ میں سے ہیں۔ جو دیوبند کا ایک قدیم علمی خاندان ہے، علم عمل سنجیدگی، اور وقار اس خاندان کے خصوصی امتیازات میں سے ہیں۔ کئی بڑے علماء وفضلاء جو بین الاقوامی شہرت کے حامل بنے دیوبند کے اسی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد محترم حضرت مولانا ظہور صاحب دالعلوم دیوبند کے قدیم اور اولوالعزم مدرسین میں سے تھے۔ مولانا خورشید صاحب کے دادا محترم کا نام حضرت مولانا محمد منظور الحسن صاحب دیوبندی تھا، جو حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحب کے حقیقی بھائی تھے۔ اس اعتبار سے پاکستان کے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم آپ کے بہت قریبی عزیزوں میں سے ہیں۔

مولانا خورشید عالم صاحبؒ ۱۹۳۶ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم والد محترم کی نگرانی میں ہوئی۔ آپ کی مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ وقت کے اساطین علم اور موقر علماء کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ جن میں سرفہرست شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، امام المعقول والمنقول حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا ظہور احمد صاحب قدس اللہ اسرارہم ہیں۔

زمانۂ طالب علمی میں آپ کا شمار محنتی اور سنجیدہ طلباء میں ہوتا تھا اساتذہ کی نگاہ میں آپ

معتمد تھے اس لئے آپ کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی خدمت تدریس کے لئے آپ کے اساتذہ عظام کے مشورہ سے منتخب کرلیا گیا۔ایک طویل عرصہ تک آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں کم وبیش ۲۰ سال تک دارالعلوم میں آپ کی زریں خدمات کا سلسلہ جاری رہا پھر جب دارالعلوم وقف وجود میں آیا تو اس ادارہ کی تقویت ،تاسیس اور ترقی میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔دارالعلوم دیوبند میں تدریس سے پہلے کئی سال تک آپ نے دارالعلوم کراچی میں بھی تدریسی خدمات انجام دی تھیں۔

اللہ نے آپ کو اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا،جس کی بنیاد پر آپ کو دارالعلوم کے انتظامی امور بھی سپرد ہوئے۔چنانچہ دارالعلوم میں پہلے آپ نائب ناظم تعلیمات رہے پھر ایک عرصہ تک امور تعلیمات کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔اس عرصہ میں آپ نے تعلیمی اور انتظامی شعبوں میں بہت سی مفید اور کارآمد اصلاحات کیں،جن سے دارالعلوم کے نظام تعلیم وتربیت کو زیادہ نتیجہ خیز اور کارگر بنانے میں مدد ملی۔

آپ کی خداداد انتظامی صلاحیتوں سے دارالعلوم وقف کو بھی بہت فائدہ پہنچا۔آپ دارالعلوم وقف میں بھی پہلے نائب ناظم تعلیمات رہے اور پھر امور تعلیمات کے ناظم اعلیٰ بھی ،اور آخر میں نیابت اہتمام کی ذمہ داری بھی آپ کے حصہ میں آئی۔

آپ کا اصل کمال تدریس تھا،جس میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔تمام مضامین جو درسی کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں آپ کی مکمل گرفت میں تھے۔سبق میں عبارت کا کوئی گوشہ آپ تشنہ نہ چھوڑتے تھے۔آپ کو ہمیشہ باکمال اور کامیاب مدرسین کی فہرست میں شمار کیا گیا۔طلبہ ان کے سبق میں ذوق وشوق سے حاضر ہوتے تھے۔آپ کی درسی تقریریں عام فہم ،سہل اور مربوط ہوتی تھیں۔آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔جن میں بہت سے وقت کے جبل علم اور عالمی شہرت یافتہ علماء بھی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی صاحب بھی آپ کے تلامذہ میں

سے ہیں۔ دیگر نامور تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے، چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:
حضرت مولانا فضیل احمد صاحب قاسمیؒ، حضرت مولانا شکیل احمد صاحب سیتاپوری، مناظر اسلام حضرت مولانا طاہر حسین صاحب گیاوی، حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا نورعالم صاحب خلیل امینی مدیر ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب قاسمی رکن شوری دارالعلوم دیوبند و رکن پارلیمنٹ، حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی شیخ القراء دارالعلوم دیوبند، وغیرہم۔

آپ نے درس نظامی کی تقریباً تمام ہی کتب کا درس دیا۔ شروع میں فنون کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھاتے رہے۔ پھر ترقی کرتے کرتے امہات کتب کا درس آپ سے متعلق ہوا۔ اور اخیر میں حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند کے انتقال کے بعد اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کا درس آپ کے ذمہ رہا۔

حضرت مولانا خورشید صاحب اخلاق و کردار کے اعتبار سے بھی بہت عظیم انسان تھے، خوش اخلاقی، خوش طبعی، خوش کلامی، بے نیازی، ملنساری، مہمان نوازی، حلم، شفقت، حسن معاشرت، حسن معاملگی، مزاج میں یکسوئی، بات میں صداقت، احساس میں لطافت، کردار کی پاکیزگی، نگاہ کی بلندی، تبحر علمی آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔

یوں تو آپ تمام اوصاف و اخلاق میں اسلاف کے سچے پیروکار اور قدم بقدم تھے مگر ایک خصوصی وصف اور عمدہ خصلت جس میں آپ بہت ممتاز تھے یہ تھا کہ آپ اپنے تمام کام بنفس نفیس خود انجام دیتے، دوسروں سے خدمت لینے سے بہت گریز کرتے، آپ کو دیکھنے والے سب جانتے ہیں کہ آپ اپنے گھر کے لئے سودا سلف ہمیشہ خود لاتے تھے۔ کئی مرتبہ بازار میں جب آپ کے ہاتھ میں آپ سے محبت کرنے والے یا آپ کے تلامذہ سبزیوں اور دیگر سامان کا بڑا سا تھیلا دیکھتے تو لینے کی کوشش کرتے، مگر آپ اصرار کے ساتھ منع فرما دیتے۔ صلہ رحمی اور دادو

دہش میں بھی آپ کافی کشادہ دست واقع ہوئے تھے۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اوراحسان کا معاملہ اخیر تک رکھا۔اس سلسلہ میں آپ اتنے وسیع الظرف تھے کہ خاندان اور پڑوس کی ایک سے زیادہ بیوہ اورضرورت مندعورتوں کی خاموشی کےساتھ امدادواعانت آپ کامعمول رہا۔مولانا مرحوم فطرتاً خاموش مزاج تھے۔عزم،متانت،سنجیدگی اوروقار کے آثار آپ کے چہرہ بشرہ سے خوب مترشح ہوتے تھے۔

مولانا موصوف نے اپنااصل مشغلہ تو تعلیم وتدریس ہی کو رکھا،مگر جب بعض احباب نے کچھ لکھنے کی فرمائش کی تو کئی عمدہ تحریری کاوشیں آپ کے رشحات قلم سے صادر ہوئیں،جن میں فتاویٰ عبدالحی کا ترجمہ اور ابوداوٴدشریف کا ترجمہ وتشریح خصوصیت سے قابل ذکر ہیں،اول الذکر کتاب دیوبند سے شائع ہوئیں،اور دوسری کتاب پاکستان کے ایک اشاعتی ادارہ سے اب تک برابر شائع ہورہی ہے،جس سے اہل علم کا ایک بڑا طبقہ مستفید ہورہا ہے۔

آپ کے پسماندگان میں دوصاحبزادے مولانا محمد عارف صاحب اور مولانا قاری واصف صاحب دارالعلوم وقف دیوبند کے مقبول اساتذہ میں سے ہیں،ان کے علاوہ اہلیہ محترمہ، چھ بیٹیاں اور آپ کے تمام تلامذہ پسماندگان میں سے ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے پسماندگان اورتمام تلامذہ ومحبان کوصبرجمیل عطافرمائے اورآپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۲ء)

ترجمانِ سنت

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوریؒ

ملک کے مشہور صاحب قلم، داعئ حق، نقیب قرآن وسنت حضرت مولانا محمد ابوبکر غازی پوری قاسمی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۹ رفروری ۲۰۱۲ء بروز جمعرات کو ایک سفر سے واپسی میں مسافرت کی حالت میں دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں قیام کے دوران بعارضۂ قلب وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ابوبکر غازی پوریؒ دارالعلوم دیوبند کے ان قابل فخر سپوتوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا مشن فرقِ باطلہ کی تردید اور سلف صالحین اور اکابر ائمہ کے موقف ومسلک کے تحفظ کو بنالیا تھا، ان موضوعات پر ان کا اشہب قلم عربی اور اردو میں بے تکان چلتا تھا، اور چلتا ہی چلا جاتا تھا، پچھلے چند سالوں میں غیر مقلدین کا فتنہ جب گلی گلی رونما ہونا شروع ہوا اور نہ صرف برصغیر؛ بلکہ حرمین شریفین میں اس فتنہ نے سر اٹھانا شروع کیا اور گستاخ ذہن طالب الرحمٰن نامی شخص نے ''الدیوبندیۃ'' کے نام سے علماء دیوبند کے خلاف افتراء اور بہتان طرازی کا مجموعہ شائع کیا، تو مولانا ابوبکر غازی پوری کا قلم جوش میں آیا اور اس کے جواب میں عربی کتاب ''وقفۃ مع اللا مذہبیۃ'' کے نام سے لکھ کر پورے طبقہ کی طرف سے کفایہ ادا کردیا، اور تمام بہتان تراشیوں کی حقیقت واضح کردی، اس کے علاوہ آپ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرکے اپنی تحریرات میں ثابت کیا کہ برصغیر کے غیر مقلدین کا نظریہ علامہ ابن تیمیہ کی

تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔ ردغیر مقلدین پر آپ کی مدلل اور مسکت کتابیں قابل مطالعہ ہیں، جن میں ''صور تنطق'' (صورتیں بولتی ہیں) مسائل غیر مقلدین، غیر مقلدین کی ڈائری، آئینہ غیر مقلدیت، ارمغانِ حق (تین جلدیں) غیر مقلدین کے لئے لمحۂ فکریہ قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح آپ نے بریلویت کے خلاف بھی بعض رسائل لکھے ہیں۔

آپ کی پیدائش ۱۹۴۵ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ دینیہ غازی پور احیاء العلوم مبارک پور مفتاح العلوم مئو میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۶۶ء میں فارغ ہوئے، مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے خاص تربیت یافتہ شاگردوں میں تھے، اور آپ کو عربی اور اردو دونوں زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ بیت العلوم مالی گاؤں، مدرسہ دینیہ غازی پور جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، مدرسہ مظہر العلوم بنارس، دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد، اور جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد اپنے ہی وطن غازی پور میں مقیم رہ کر دوماہی رسالہ ''زمزم'' اور عربی جریدہ ''صوت الاسلام'' نکالنا شروع کیا۔

موصوف بھوپال میں ایک پروگرام میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے، وہاں سے واپسی میں دہلی میں مقیم تھے، وہیں صبح کے وقت تکلیف ہوئی، فوراً اسپتال لے جائے گئے؛ لیکن اسپتال پہنچنے سے قبل ہی آپ نے کلمہ پڑھتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردی، آپ کی نعش بذریعہ ایمبولنس وطن مالوف غازی پور لے جائی گئی، وہیں اگلے دن تدفین عمل میں آئی، **رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً.**

اللہ تعالیٰ موصوف کی علمی و دینی خدمات کو قبول فرمائیں، اور آخرت میں اعلیٰ درجات سے نوازیں اور پسماندگا کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا سید وقار علی بجنوریؒ

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (وقف) کے قدیم استاذ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید وقار علی صاحب بجنوریؒ گذشتہ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۰ رفروری ۲۰۱۲ء بروز جمعہ کو طویل علالت کے بعد وفات پاگئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا موصوف پرانی وضع کے عالم دین تھے، سادگی و بے تکلفی چہرے بشرے سے نمایاں تھی، علم میں گیرائی اور عمل میں پختگی مثالی تھی، طبعی طور پر گوشہ نشینی اور گم نامی کی زندگی آپ کو پسند تھی، آپ کا وطن ضلع بجنور کا قصبہ دھام پور تھا، وہیں ۱۳۵۴ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی، اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب تھے پوریؒ کے پاس مدرسہ حسینیہ دھام پور میں ابتدائی اور متوسط تعلیم حاصل کی۔ شوال ۱۳۷۱ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور ۱۳۷۵ھ میں فراغت حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب، حضرت مولانا منظور احمد صاحب، حضرت مولانا امیر احمد صاحب، اور حضرت مولانا مفتی سعید صاحب اجراڑویؒ قابل ذکر ہیں۔ ۱۳۷۷ھ میں آپ کا مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں بحیثیت استاذ تقرر ہوا، اور تادم وفات مسلسل ۶۶ رسال اسی ادارہ سے وابستہ رہے، اس دوران درسِ نظامی کی اکثر کتابیں زیرِ درس رہیں، اور بے شمار تشنگانِ علوم کو آپ نے سیراب کیا، آپ کے اہم تلامذہ میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم جدید سہارنپور جیسے علماء اعیان شامل ہیں۔

فنون میں بالخصوص میبذی اور سراجی کا درس آپ کا بہت مشہور تھا، سراجی کے درسی افادات کو آپ کے ایک لائق تلمیذ مولانا مفتی علی حسین نہٹوری نے دو جلدوں میں شائع بھی کر دیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو اپنی رحمت میں جگہ عطا فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۲ء)

❍❖❍

ایک مخلص خادمِ قوم وملت کی وفات

[جناب حافظ محمد صدیق صاحبؒ جوارِ رحمت میں]

دارالعلوم دیوبند اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے رکن شوریٰ وعاملہ، جمعیۃ علماء ہند کے سرگرم رکن، دسیوں تعلیمی ورفاہی اداروں کے روح رواں، معروف سماجی وسیاسی رہنما جناب حافظ محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ معمولی علالت کے بعد تقریباً ۷۴ر سال کی عمر میں مؤرخہ ۱۹ر ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۳ر مارچ ۲۰۱۲ء بروز منگل وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب حافظ محمد صدیق صاحب قوم وملت کی خدمت سے سرشار اور بے نفس شخصیت کے مالک تھے، جفاکشی اور سادگی طبعیت میں رچی اور بسی ہوئی تھی، ضرورت مندوں کی خدمت اور خبرگیری کا بے مثال جذبہ دل میں موج زن تھا، نرم مزاجی کے ساتھ ساتھ رائے کی پختگی بھی مثالی تھی، نرم وگرم ہر طرح کے حالات میں آپ اپنے سیاسی نظریہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، اور ہواؤں کے رخ کے ساتھ اپنے کو تبدیل نہیں ہونے دیا، سیاسی گلیاروں سے وابستگی کے باوجود آپ نے اپنی دیانت وامانت پر آنچ نہ آنے دی، اور سیاسی مصروفیات کبھی آپ کے مذہبی اور دینی معمولات میں خلل نہ ڈال سکیں، آج کے سیاسی ماحول کو دیکھتے ہوئے حافظ صاحب کا یہ کردار بجائے خود ایک بہترین مثال ہے۔

جناب حافظ محمد صدیق صاحب مدرسہ شاہی اور ندائے شاہی کے مشاورتی بورڈ کے رکن رکین تھے، اور مدرسہ کے معاملات میں خاص دلچسپی لیتے تھے، اور اپنے مفید مشوروں سے نوازتے تھے، اس کے علاوہ جمعیۃ علماء کی خدمت کو آپ نے گویا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، ملک کے

طول وعرض میں فسادات کے جائزہ اور ریلیف کی نگرانی کے لئے عموماً جمعیۃ کی طرف سے حافظ صاحب کو بھیجا جاتا تھا، اور آپ بےخوف وخطر اپنی ذمہ داریاں نبھایا کرتے تھے، بھاگل پور اور گجرات کے فسادات میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

شہر مرادآباد کے لئے آپ کی ذات ایک بڑا آسرا تھی، جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا تو حافظ صاحب کی طرف نظریں اٹھتی تھیں، اور حافظ صاحب حسب عادت قومی وملی خدمت میں کوئی دریغ نہ فرماتے تھے، ۱۹۸۰ء کے ہوش ربا فسادات میں بھی حافظ صاحب کا کردار لوگوں کے دلوں پر نقش ہے۔

جامع مسجد کمیٹی کے سکریٹری ہونے کی حیثیت سے بھی آپ کی خدمات تادیر یاد رکھی جائیں گی، آپ نے جامع مسجد کے نظم وانتظام کو بہتر بنانے، اس کی آمدنی بڑھانے اور مسجد کی جائیدادوں کو ناجائز قبضوں سے چھڑا کر معقول آمدنی کا ذریعہ بنانے میں ہر ممکن جدوجہد کی، اور جامع مسجد کی ایک افتادہ زمین پر ایک عالی شان شادی ہال تعمیر کرایا، جو آپ کی جدوجہد کی اہم یادگار کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

اسی طرح عیدگاہ کو سجانے سنوارنے میں بھی آپ کی ان تھک محنت یاد رکھی جائے گی، اس کے علاوہ عصری تعلیمی شعبے میں آپ کی سکریٹری شپ کے دور میں مرادآباد کے قدیم ''مسلم ہیوٹ انٹر کالج'' نے کافی ترقی کے منازل طے کئے، اور ساتھ میں آپ نے ''مولانا آزاد گرلس انٹر کالج'' کی بنیاد ڈالی جو اس وقت بچیوں کی تعلیم کے ایک اہم ادارے کے طور پر جانا جاتا ہے۔

حافظ صاحب مرحوم طبعی طور پر دین دار اور علماء سے محبت رکھنے والے شخص تھے، قرآنِ کریم سے خاص شغف تھا، تمام تر سیاسی وسماجی مصروفیات کے باوجود رمضان المبارک میں تراویح میں قرآنِ کریم سنانے کا اہتمام کرتے رہے، اور اپنے محلّہ کی حوض والی مسجد میں قرآنی تعلیم کی اشاعت کے لئے ''مدرسہ روضۃ القرآن'' قائم کیا، جو پندرہ سال سے معیاری خدمات انجام دے رہا ہے۔ اِن شاءاللہ یہ ادارہ حافظ صاحبؒ اور ان کے اہل خانہ کے لئے صدقہ جاریہ کے طور پر کام آئے گا۔

حافظ صاحب کی پیدائش ۱۹۳۸ء میں ہوئی آپ کے والد حافظ محمد ابراہیم صاحب شہر کے معروف سیاسی وسماجی شخصیت تھے، دادا حاجی محمد اسماعیل صاحب کی تربیت میں آپ پروان چڑھے، جو تبلیغی جماعت کے اہم رکن تھے، آپ نے فلاح دارین اسکول میں تعلیم حاصل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد سیاسی وسماجی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے، انڈین نیشنل کانگریس سے تازندگی وابستگی رہی، ۱۹۸۰ر سے ۱۹۸۴ء تک کانگریس کے ٹکٹ پر شہر مرادآباد کے ایم ایل اے بنے اور وزیر بنائے گئے، اس کے بعد ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۰ء تک پارلیمنٹ کے ممبر رہے، ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۸ء سے تاحیات مدرسہ شاہی کی شوریٰ کے سرگرم رکن رہے۔

۱۳ر مارچ کی صبح آپ کو معمولی نزلہ کی شکایت پر سائیں اسپتال میں داخل کیا گیا، بظاہر کوئی تشویش کی بات نہ تھی؛ لیکن شام کو تین بجے دل میں تکلیف شروع ہوئی، اور ڈاکٹروں کی ہر ممکن کوشش کے باوجود تقریباً ۴ر بجے آپ نے جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ وفات کی خبر جیسے ہی شہر میں پھیلی ہر شخص دم بخود رہ گیا، بڑی تعداد میں لوگ آپ کے دولت خانہ کا رخ کرنے لگے، مشورے سے اگلے دن صبح ۹ر بجے نماز جنازہ کا اعلان کیا گیا (کیوں کہ کچھ قریبی اعزاء ممبئی سے آنے والے تھے) ۱۴ر مارچ کو ساڑھے نو بجے جگر گوشہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے ہزاروں کے مجمع کے ساتھ آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور نماز جنازہ سے قبل مختصر طور پر حافظ صاحب مرحوم کی سماجی اور اجتماعی خدمات ذکر کرکے انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا، بعد ازاں حوض والی مسجد لال باغ کے قریب آبائی قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

ادارہ ندائے شاہی قارئین سے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتے ہوئے حافظ صاحبؒ کے سبھی اہل خانہ بالخصوص صاحبزادگان وبرادران کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۲ء)

❍❖❍

بے نفسی کا مجسم پیکر

(حافظ محمد صدیق صاحبؒ)

مولانا مفتی عمران اللہ صاحب قاسمی اُستاذ دارالعلوم دیوبند

مال و دولت کی فراوانی، اقتدار کے گلیاروں تک رسائی، منصب و جاہ کی حصول یابی، حسب ونسب کی برتری، متعلقین و وابستگان کی مودت والفت، افرادِ خاندان کی کثرت، اصحابِ اقتدار سے شناسائی اور بے تکلفانہ مراسم اور اسی طرح کے دیگر اسباب جب کسی کو میسر ہوں، تو اس میں برتری اور بڑائی کا احساس پیدا ہو ہی جاتا ہے، پھر وہ آدمی خود کو خوش نصیب، ہنرمند، صاحب عقل ودانش، شریف و باعزت باور کرنے لگتا ہے، اس کے افعال وکردار، رفتار و گفتار، احوال واطوار سے اس کی مزعومہ برتری جھلکنے لگتی ہے، بسا اوقات اپنی برتری کا سکہ جمانے، اپنے اثر رسوخ کا بے جا استعمال کر کے کمزوروں پر دست درازیاں بھی کرنے کو روا سمجھنے لگتا ہے؛ لیکن اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کو مذکورہ اسباب ومواقع سہولت کے ساتھ فراہم ہوتے ہیں، مگر وہ کبر و بڑائی سے کوسوں دور، تواضع وسادگی کو ہی اپناتے ہیں، بے نفسی اور بے نامی ہی کو اختیار کرتے ہیں، مظلوموں کی مدد اور بے کسوں کی فریادرسی ہی ان کا مشغلہ ہوتی ہے، ایسے ہی مقبول انسانوں میں ہمارے محترم جناب حافظ محمد صدیق صاحب تھے جو ۱۹/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۳/مارچ ۲۰۱۲ء بروز منگل اذانِ عصر سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل اپنی زندگی کی ۷۴/ بہاریں دیکھنے کے بعد مالک حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ولادت و تعلیم

ہند و بیرونِ ہند میں اپنے مخصوص برتنوں کی وجہ سے معروف صنعتی شہر مرادآباد میں جناب حافظ محمد ابراہیم صاحبؒ کے گھر میں ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے، یہ آزادی کی تحریک کا دور تھا، آپ کے والد حافظ محمد ابراہیم صاحب مرادآباد کے معروف تاجر اور سیاسی وسماجی مصروفیت رکھنے والے انسان تھے، آپ کے دادا حاجی محمد اسماعیل صاحب جماعت تبلیغ سے گہری وابستگی رکھتے تھے، اور جماعت کے اہم اراکین میں سے تھے، جس کی وجہ سے گھرانہ کا ماحول دینی تھا، آپ نے دادا صاحب کی زیرِ تربیت تعلیم کی شروعات کی، اور مرادآباد کے معروف ادارے ''فلاحِ دارین اسکول''، جس میں شعبہ حفظ کا ایک درجہ بھی ہوتا تھا، جس کے استاذ حافظ عبدالغفور صاحبؒ شمسی تھے، انہیں کے پاس آپ نے قرآنِ کریم حفظ کیا، اس کے بعد عصری تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، چناں چہ ''مسلم ہیوٹ انٹر کالج'' مرادآباد سے ہائی اسکول پاس کیا، اور پھر تعلیم کا سلسلہ منقطع کرکے اپنی گھریلو مصروفیات میں لگ گئے، بعد کے زمانہ میں مدرسہ شاہی مرادآباد کے تحفیظ القرآن کے استاذ حافظ سلامت جان صاحبؒ سے متعدد مرتبہ قرآنِ کریم کا دور بھی کرتے رہے۔

میدانِ عمل

آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے تھے، اس لئے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد گھر اور باہر کے تمام امور میں دلچسپی لینے لگے، غریبوں کمزوروں کا تعاون اور سیاسی وسماجی امور میں شرکت کرنے لگے۔ حسبِ ضرورت باہر آنا جانا، لوگوں سے ملنا جلنا آپ کی ذمہ داری میں شامل ہوگیا، چناں چہ آپ نے مختلف میدانوں میں خدمات انجام دیں۔

سیاسی زندگی

حافظ صاحب کے والد محترم حافظ محمد ابراہیم صاحبؒ مرادآباد نگر پالیکا کے چیئرمین رہ چکے تھے، اور ایک مرتبہ آپ کے چچا حاجی محمد اسحٰق صاحب بھی کارگزار چیئرمین بنائے گئے تھے،

اس طرح اس گھرانے کا سیاست سے ربط پیدا ہو چکا تھا، حافظ صاحب نے بھی اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، سیاست میں قدم رکھا، اور ۱۹۶۴ء میں پہلی مرتبہ سی بی گپتا کی پارٹی سے اسمبلی کا الیکشن لڑا اور ہار گئے، اس کے بعد کانگریس میں شامل ہوگئے اور ۱۹۸۰ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر مرادآباد سے ممبر اسمبلی منتخب ہوئے اور وزیر بنائے گئے۔ پھر ۱۹۸۴ء میں مرادآباد سے لوک سبھا کے ممبر منتخب ہوئے، ۱۹۸۹ء تک وہ ممبر پارلیمنٹ رہے، اس کے بعد وہ متعدد مرتبہ الیکشن لڑے؛ لیکن ہار گئے، متعدد مرحلوں میں وہ مرادآباد کانگریس کے صدر بھی بنائے گئے، انہیں اپنے سیاسی سفر میں اندرا گاندھی، راجیو گاندھی، گیان ذیل سنگھ اور دوسرے قدآور لیڈروں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا، انہوں نے اپنے سے متعلق ہر ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھایا، کمزور غریب لوگوں کے آپ بہت کام آتے تھے، تاعمر کانگریس کے وفادار رہے، یہاں تک کہ جن دنوں پورے ملک میں کانگریس مخالف فضا بنی ہوئی تھی، متعدد پارٹیوں کی طرف سے اہم پیش کشیں ہوئیں، پھر بھی آپ ثابت قدم رہے، ان کی ایمان داری، سچائی، دیانت داری کے بڑے بڑے سیاسی لوگ بھی قائل تھے، اور اس حوالہ سے ان کا احترام بھی کرتے تھے۔

مرادآباد کے ایک قدیم سیاسی رکن کا کہنا ہے کہ جب ۱۹۸۴ء میں آپ ممبر پارلیمنٹ بن چکے تھے، ان دنوں مرادآباد کے قریب میناٹھیر تھانہ میں تعینات ایک انسپکٹر کو لے کر لوگوں میں غصہ کا ماحول تھا، لوگ اس کو ہٹانے کی مانگ کر رہے تھے، اور احتجاج وغیرہ بھی کر رہے تھے، یکایک SSP مرادآباد نے انسپکٹر کو لائن حاضر کر دیا، میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ آپ لوگوں میں اعلان کیجئے کہ میں نے اس کو ہٹوایا ہے؛ تاکہ لوگوں میں آپ کی اہمیت بڑھے، یہ سن کر حافظ صاحب کہنے لگے کہ: ''یہ مجھ سے نہ ہوگا اور میں جھوٹ نہیں بول سکتا ہوں''۔ موجودہ زمانہ میں سیاست سے وابستہ افراد کی چال بازیاں، موقع پرستی اور عہدہ کو اپنی ذات کے لئے استعمال کرنا نیز جھوٹی شہرت اور رعب کا ماحول قائم کرنا ایک عام سی بات ہوگئی ہے؛ لیکن حافظ صاحب اس سے کوسوں دور تھے، جس وقت وہ منسٹر تھے اور بعد میں جب وہ ممبر پالیمنٹ بنے، تو

ان کے ساتھ سیکورٹی گارڈ رہا کرتے تھے، اکثر مرتبہ ان کو اپنے سے دور کر دیتے اور کہتے کہ مجھ کو اپنے لوگوں سے ملنے دو۔

ایک مرتبہ جب کہ وہ ایم پی تھے، شمالی ہند کے معروف مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ ضلع غازی آباد کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے، احقر نے دیکھا کہ سیکورٹی گارڈوں کو کافی فاصلہ پر روک کر ایک عام آدمی کی طرح اسٹیج پر رونق افروز ہوئے، اس کے علاوہ اور بھی متعدد واقعات ہیں، جن سے ان کی سادگی و بے نفسی اجاگر ہوتی ہے، جن لوگوں کو حافظ صاحب کے ساتھ سفر یا حضر میں کچھ وقت گذارنے کا موقع ملا ہے، وہ اس بات کی کھلی شہادت دیں گے کہ حافظ صاحب شہرت و ناموری اور رعب و دبدبہ کا ماحول بنانے سے خود کو دور رکھتے تھے، انہوں نے اپنی سیاست سے وابستگی کو خدمت خلق کا ذریعہ بنالیا تھا۔

فسادات میں آپ کی خدمات

آزادی کے بعد سے فسادات ہندوستانی مسلمانوں کا مقدر ہیں، فساد کہیں بھی ہو اور کسی بھی نوعیت کا ہو، جانی و مالی نقصان صرف مسلمانوں کا ہوتا ہے، املاک انہیں کی تباہ ہوتی ہیں، فسادات کی روک تھام کے لئے دباؤ بنانے اور فساد زدہ لوگوں کو ریلیف پہنچانے میں جمعیۃ علماء ہند کی روزِ اول سے نمایاں خدمات رہی ہیں، حافظ صاحب جمعیۃ علماء ہند کے اہم اراکین میں سے تھے، اور حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے گہری وابستگی رکھتے تھے، اسی لئے فسادات کے موقع پر خود کو فارغ کر لیتے اور حضرت فدائے ملتؒ کے ہمراہ فساد زدہ علاقوں کا دورہ کرتے۔ مظلوموں، بے کسوں کی دست گیری فرماتے، حضرت فدائے ملتؒ کی وفات کے بعد بھی آپ اس عمل کو انجام دیتے رہے، گجرات فساد کے موقع پر آپ وہاں مقیم رہے، اور خطرات کے گھیرے میں رہتے ہوئے مظلوموں تک پہنچتے، متعدد مرتبہ بلوائیوں کے گھیرے میں آئے، مگر اللہ کے فضل سے سلامت رہے، آپ کے اس وقت کے شریک کار بتلاتے ہیں کہ کتنی ہی مرتبہ حافظ صاحب نے کہا کہ اس مرتبہ آخری نماز پڑھ لو، اور دورہ کرنے نکلتے؛ کیوں کہ

حالات کی شدت اور نزاکت سے ایسا ہی محسوس ہوتا تھا، آپ مظلوموں کی مدد کے لئے راتوں رات جاگتے، مرادآباد میں ۱۹۸۸ء میں ہولی کے موقع پر جب فساد ہوا، اور تقریباً ۹۰ رلوگ گرفتار ہوگئے، آپ رات بھر افسران سے ملتے رہے، اور صبح تک ان کو رہا کرایا۔ مرادآباد میں جب بھی حالات کشیدہ ہوتے اور کرفیو لگتا تو حافظ صاحب لوگوں کو سہولیات پہنچانے اور ان کی پریشانیاں دور کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔

۲۰۰۲ء میں فرقہ پرست تنظیم ہندو یواواہنی کے سربراہ یوگی کی آتش بیانی کی وجہ سے گورکھپور اور اس کے اطراف کا ماحول کافی کشیدہ تھا، مسلمانوں کے مال اور ان کے مکانات چن چن کر لوٹے اور جلائے جارہے تھے، اس وقت حافظ صاحب متعدد مرتبہ گورکھپور گئے اور حکام سے ملاقات کرکے حالات پر قابو پانے اور ضروری اقدامات کی طرف توجہ دلائی۔ اسی طرح بہار، بھاگلپور اور ۱۹۸۴ء میں مئو میں فساد کے دوران آپ کی خدمات سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔

دیگر خدمات

دورانِ فساد مظلوموں کی فریادرسی اور خبرگیری، اور بے کسوں کے کام آنے کے علاوہ انفرادی سطح پر بھی حافظ صاحب کی خدمات بے شمار ہیں، متعدد مدارس ومساجد کا تعاون آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا، آپ شہر مرادآباد کی جامع مسجد کمیٹی کے صدر تھے، آپ کی ذمہ داری کے زمانے میں بہت سے ضروری کام ہوئے، اور جامع مسجد کو بااختیار بنانے اور اس کی آمدنی میں اضافے کے لئے آپ نے اس کے قریب کی ایک جگہ میں ہمسفر ہال کی تعمیر کرائی، جو پروگراموں اور اجلاس وغیرہ کے لئے ایک مناسب ترین مقام ہے۔ اسی طرح آپ ''ہیوٹ مسلم انٹر کالج'' کمیٹی کے بھی صدر تھے، اور دن رات اس کی ترقی کے لئے کوشاں رہتے تھے، آپ کے زمانے میں اس ادارے نے ترقی کے منازل طے کئے، اور مسلم بچیوں کی عصری تعلیم کے لئے ''مولانا آزاد گرلس کالج'' کے قیام میں بھی آپ کا بھرپور تعاون رہا، نیز آپ کی رہائش گاہ کے قریب

حوض والی مسجد میں بچوں کے لئے حفظ وناظرہ کی تعلیم کے لئے ''مدرسہ روضۃ القرآن'' بھی آپ کی توجہ اور تعاون سے فیض یاب رہا ہے، اسی طرح مدرسہ شاہی کی تعمیر وترقی اور اس کے سبھی امور میں آپ کی دلچسپی بھر پور ہوتی تھی۔

محلّہ لالباغ میں دارالطلبہ کے قیام میں آپ کے دادا کا اہم تعاون رہا، اسی طرح جب تک دارالطلبہ میں مدنی مسجد کی تعمیر نہ ہوئی تھی اور تمام طلبہ حوض والی مسجد میں (جو محلّہ کی مسجد ہے) میں تکرار ومطالعہ کرتے تھے، تو ان کے لئے لائٹ وغیرہ کا نظم اور طلبہ کی وجہ سے محلّہ والوں کو ہونے والی شکایتوں کا دفعیہ کرنا حافظ صاحب کا ہمیشہ کا معمول رہا، جو بذاتِ خود ایک بڑا تعاون ہے، پھر جب دارالطلبہ میں ۱۴۰۹ھ مدنی مسجد کی تعمیر ہوگئی تو طلبہ کا تکرار ومطالعہ مدنی مسجد میں ہونے لگا، اس کے بعد بھی حسب ضرورت آپ کی خدمات جاری رہیں۔ رسالہ ''ندائے شاہی'' کے آپ طابع وناشر اور مشاورتی بورڈ کے ممبر بھی تھے، اس کی میٹنگوں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے، مفید مشوروں سے نوازتے تھے، اور باریکی سے ہر معاملہ پر نگاہ رکھتے تھے، ان کے علاوہ اور بھی متعدد ایسی خدمات میں جن سے صرف آپ کی ذات ہی واقف تھے۔

مرادآباد میں آپ کی ذات مرجع خلائق تھی، جب بھی کسی کو تھانہ کچہری اور کوئی اور مسئلہ درپیش ہوتا تو لوگ آپ سے رابطہ کرتے تھے، اور آپ اس میں بھر پور تعاون فرماتے تھے، اگر کوئی فساد اور نااتفاقی کا معاملہ پیش آتا تو آپ جائے واقعہ پر پہنچ کر صلح وتصفیہ کرتے اور متأثرین ہمدردی وغم گساری کرتے تھے۔

حافظ صاحب کی ذات میں کچھ ایسی خوبیاں تھیں جنہوں نے ان کو دوسروں کی نظر میں محبوب ومکرم بنادیا تھا، اور انہیں کی بدولت ان کی زندگی مفید اور ثمر آور بنی، ان میں سب سے نمایاں خوبی ان کا قرآنِ کریم سے گہرا ربط ہے۔

قرآن کریم سے تعلق

حافظ صاحب کو قرآنِ کریم سے بھی بے پناہ ربط وتعلق تھا، وہ تلاوت کثرت سے کرتے

تھے، موقع بموقع قرآنِ کریم کا دور کرتے رہتے تھے، بے پناہ سیاسی مصروفیات کے زمانہ میں دور کے معمول کو ترک نہ کرتے، رمضان المبارک میں قرآنِ کریم سنانے کا معمول اخیر عمر تک رہا۔ وفات سے تقریباً ایک سال قبل احقر نے دریافت کیا کہ کیا اب بھی رمضان میں پڑھنے کا معمول ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دو سال سے کمزوری کے باعث ہمت نہیں ہوتی، ورنہ کبھی اس کو ترک نہ کیا، وہ اپنے ساتھی حافظ نبیہ حسن صاحب کے ساتھ دور کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ احقر دہلی اسٹیشن پر ٹرین سے اتر کر بس میں سوار ہوا، حافظ صاحب بھی کسی ضرورت سے دہلی گئے ہوئے تھے، آپ اور آپ کے ساتھی حافظ نبیہ حسن صاحب بھی بس پر سوار ہوئے، دونوں ساتھی ایک سیٹ پر بیٹھے اور قرآنِ کریم کا دور شروع کر دیا، جب کہ دہلی کی بلیو لائن بسوں میں بھیڑ کا منظر بہت بھیانک ہوتا تھا، احقر اس منظر سے بہت متأثر ہوا۔

علماء کا اکرام واحترام

آپ کو علماء کرام سے بے پناہ تعلق تھا، ان کی بڑی قدر فرماتے؛ چوں کہ آپ دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباد اور جمعیۃ علماء ہند کے قدیم رکن تھے، جس کی وجہ سے آپ کو بڑے بڑے علماء سے رفاقت کا موقع ملا تھا، ان کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے لمحات ان کو میسر آئے تھے، خصوصاً فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بہت ربط تھا، آپ ان کا بہت احترام کرتے تھے، اور خود کو ان کا ممنون گردانتے تھے، ان کی آواز پر فوراً اٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے خانوادہ سے بھی حسبِ سابق ربط رہا، وہ اپنے چھوٹے بہت سے علماء کرام کا بھی بہت احترام کرتے تھے، جس کا احقر نے بچشم خود متعدد بار مشاہدہ کیا۔

سادگی و بے نفسی

آپ کی زندگی میں سادگی اور بے نفسی کا عنصر غالب رہا، آپ نے پوری زندگی سادگی کو اپنائے رکھا، لباس، وضع قطع کے لحاظ سے کبھی وہ امتیازی شان کے قائل نہ تھے، غیر متعارف آدمی جب ان کو دیکھتا تو ہرگز ان کو وہ حیثیت نہ دیتا جس کے وہ حامل تھے، جس وقت وہ وزیر اور

ممبر پارلیمنٹ تھے اس وقت بھی ان کی وہی کیفیت اور وضع تھی جس کو لوگوں نے بعد کے زمانہ میں دیکھا، سفر میں بار ہا ایسا اتفاق ہوتا کہ ٹی ٹی ان کو ٹوکتا اور جب ان کا پاس دیکھتا اور متعارف ہوتا تو معذرت کرتا۔ ایک مرتبہ وہ لکھنؤ سے کسی پروگرام سے شرکت کر کے واپس ہو رہے تھے، وہ ٹرین میں اے سی کلاس میں سوار ہو گئے، دیگر مرادآباد کے ساتھی بھی موجود تھے، ٹی ٹی نے اُن کی سادہ لوحی کو دیکھ کر اُن سے ٹکٹ کا مطالبہ کیا، جب وہ اُن کا پاس دیکھ کر متعارف ہوا، تو آپ کے پیر چھو کر معذرت کرنے لگا، لوگوں نے اُس سے سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ آپ میرے لئے مہان ہیں؛ کیوں کہ میری ملازمت آپ کی رہینِ منت ہے، آپ وزیر تھے، تو میرے فلاں رشتہ دار نے آپ سے سفارش کرائی تھی، جس کی وجہ سے مجھے ملازمت حاصل ہوئی تھی، اِس طرح کے اور بھی متعدد واقعات ہیں جن سے آپ کی بے نفسی اور سادگی کا پتہ چلتا ہے۔

حافظ صاحب مرحوم کی پوری زندگی خدمتِ خلق، تلاوتِ قرآن، تواضع وسادگی سے عبارت تھی، نیز وہ اپنی کسی کارکردگی اور عمل کا تذکرہ بھی نہ کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ان کی وفات کی خبر پاتے ہی ایک اژدحام ان کے گھر کی طرف دوڑ پڑا، اور اپنے پرائے مسلم وغیر مسلم سبھی لوگ نمناک آنکھوں سے غم واندوہ میں ڈوب گئے۔ شاید متنبّی نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا:

وَمَنْ سَرَّ أَهْلَ الْأَرْضِ ثُمَّ بَكٰى أَسًى
بَكٰى بِعُيُوْنٍ سَرَّهَا وَقُلُوْبٖ

ترجمہ:- جس شخص نے اہل زمین کو خوشی پہنچائی پھر وہ کسی پریشانی اور غم کی وجہ سے رویا تو وہ ان آنکھوں اور دلوں کے ساتھ روتا ہے جن کو اس نے خوش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ موصوف مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۲ء)

وہ یاد آئیں گے بہت

خادم قوم وملت جناب حافظ محمد صدیق صاحبؒ کے سانحۂ وفات پر مدرسہ شاہی میں تعزیتی جلسہ کا انعقاد

مدرسہ شاہی مرادآباد کے رکن شوریٰ وعاملہ جناب حافظ محمد صدیق صاحبؒ کی اچانک وفات پر مدنی مسجد دارالطلبہ لالباغ میں مؤرخہ ۱۴؍ مارچ ۲۰۱۲ء بروز بدھ بعد نماز مغرب ایک تعزیتی اجلاس کا انعقاد کیا گیا، تلاوت ونعت کے بعد سب سے پہلے مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب نے اپنے تأثرات پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ حافظ محمد صدیق صاحب میں چار خوبیاں خاص تھیں:

(۱) قرآن سے بے انتہا شغف: جب تک طاقت وقوت رہی ہمیشہ رمضان میں تراویح میں قرآن سنایا کرتے تھے۔

(۲) جذبۂ خدمت: اسی وصف نے ان کو جمعیۃ علماء ہند اور دیگر سماجی تنظیموں سے مربوط ہونے پر مجبور کردیا تھا۔

(۳) سادگی: رہن سہن، کھانا پینا بالکل سادہ، اور مزاج دین داری کا تھا۔

(۴) انتہا درجہ متواضع: آپ میں تکبر وبڑائی کا نام ونشاں نہ تھا، اگر ایک چھوٹا آدمی بھی حکم کرتا تو اس کی تعمیل سے گریز نہ تھا، ہمیں بھی ان خوبیوں کو اختیار کرنا چاہئے۔

امام شہر جناب حکیم سید معصوم علی آزاد صاحب نے فرمایا کہ: حافظ محمد صدیق صاحب مرحوم بہت سے کمالات اور محاسن کے جامع شخص تھے، ہماری ذمہ داری ہے کہ ان کے لئے دعاء

مغفرت اور ایصال ثواب کرتے رہیں۔

جناب مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ نے فرمایا کہ حافظ صاحب میں خورد نوازی اور تواضع کا وصف بھرپور تھا، وہ مرادآباد کے تمام ہی مدارس سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت مولانا محمد اعلم صاحب مہتمم جامع الہدیٰ نے فرمایا کہ میرا تعلق ان سے بہت پرانا ہے، آپ واقعی خادم ملت تھے، آپ نے عہدوں کو خدمت خلق کے لئے استعمال کیا نہ کہ اپنی ذات کے لئے۔

مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری نے فرمایا کہ حافظ صاحب مرحوم کو مدرسہ شاہی سے بے انتہا تعلق تھا۔ رسالہ ''ندائے شاہی'' کے مشاورتی بورڈ کے نہ صرف ممبر تھے؛ بلکہ اس کے پبلشر بھی تھے، حوض والی مسجد میں ''مدرسہ روضۃ القرآن'' کی تاسیس اور اس کے نظم وانتظام میں حافظ صاحب اور ان کے بھائی حاجی محمد عمر شبومیاںؒ کا اہم و بنیادی کردار رہا، وہ اپنے گھریلو معاملات میں بھی ہم لوگوں سے مشورے لیتے تھے، چنانچہ وفات سے ایک شب پہلے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب کو گھر بلا کر اپنی جائیداد وغیرہ کے بارے میں مشورہ کیا تھا۔

نیز مفتی الطاف الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث مدرسہ حیات العلوم، جناب اسلم پنچایتی صاحب، مولانا عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی، مولانا محفوظ احمد صاحب اساتذۂ مدرسہ امدادیہ، حافظ برکت اللہ، حاجی مطیع الرحمٰن شمسی نے بھی حافظ صاحبؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

بعد ازاں حافظ صاحب کے چھوٹے بھائی حاجی محمد عثمان عرف شبن نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: ''حافظ صاحب میرے بڑے بھائی تھے، بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، جیسے آپ حضرات ان کو گھر سے باہر دیکھتے، ویسے ہی ہمیشہ انہوں نے دیانت داری وایمانداری اور انصاف سے گھر والوں کے ساتھ برتاؤ کیا، کسی کو بھی شکایت پیدا نہ ہونے دی، ہم یقین دلاتے ہیں کہ جیسے مدرسہ سے ان کا تعلق تھا ہم بھی ایسے ہی رکھیں گے۔

حافظ صاحب کے صاحب زادے جناب ڈاکٹر محمد صادق صاحب نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ میرے والدا تنے خوبیوں اوراخلاق والے تھے، اور یہ سب اکابر علماء سے تعلق کی بدولت تھا، میرے دادا پردادا کا جو مدرسہ سے تعلق تھااور ان میں جوبھی خوبیاں تھیں وہ آپ اہل علم کی خدمت اور تعلق کی وجہ سے تھیں، ہم لوگ بھی آپ سے ویسا ہی تعلق رکھیں گے؛ تاکہ ہمارے اندر بھی ہمارے اسلاف والی خوبیاں آجائیں۔

سب سے اخیر میں مدرسہ شاہی کے صدر المدرسین حضرت مولانا عبد السلام صاحب نے فرمایا کہ آج سب لوگ حافظ صاحب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، یہ ان کے عند اللہ مقبول ہونے کی علامت ہے۔ زبان خلق کونقارۂ خدا سمجھو۔

بعدازاں مفتی محمد سلمان صاحب کی دعاء پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ اجلاس میں شہر کی معروف سیاسی وسماجی شخصیات اساتذہ وطلبہ جامعہ نے شرکت فرمائی، علاوہ ازیں مولانا محمد یحییٰ، مولانا مظاہر حسین، مولانا محمد سلمان مدرسہ امدادیہ، زاہد منصوری، حاجی عبدالحفیظ خاں صاحب، حاجی محمد مستقیم وغیرہ نے بھی شرکت کی۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا عبدالناصر صاحب نائب مہتمم جامعہ نے انجام دئے۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۲ء)

......وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

عارف باللہ حضرت اَقدس مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ جوارِ رحمت میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفۂ اجل، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے منظورِ نظر، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے تلمیذ رشید، محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ کے دیرینہ رفیق اور معتمد خاص، سلف صالحین کی سچی یادگار، عارف باللہ، جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ یکم ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۴؍فروری ۲۰۱۲ء بروز جمعہ عین تہجد کے وقت ممبئی میں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ ان بزرگوں میں تھے جنہیں دیکھ کر بے اختیار اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہوتی تھی، اور آپ کی صحبت کی تاثیر کھلی آنکھوں نظر آتی تھی، آپ کے اندر تواضع وفنائیت اور بے نفسی کی ایسی شان تھی جس کی مثال اس دور میں بہت کم یاب ہے، چہرے بشرے سے ذکر کے آثار نمایاں تھے، زہد وتقویٰ مثالی تھا، دنیا میں آپ نے پوری زندگی ایک مسافر کی طرح گذاری، واقعۃً آپ کی زندگی بھی پاکیزہ تھی اور وفات بھی بہت قابل رشک ہوئی، دانتوں کے علاج کے لئے آپ کا ممبئی کا سفر ہوا تھا، طبعیت بظاہر معمول پر تھی، چناں چہ حسب عادت اخیر شب میں تہجد کے لئے بیدار ہوئے، ضروریات سے فارغ ہوکر تشریف لائے

تو اپنے خادم اور نبیرۂ محترم مولانا قطب الدین صاحب سے فرمایا کہ سینے میں کچھ جلن ہو رہی ہے پانی لاؤ، پانی پیش کیا گیا، پھر فرمایا لٹادو، لیٹنے کے بعد فرمایا: ''میں توبہ کرتا ہوں کفر سے، شرک سے، بدعت سے، اور سب گناہوں سے''۔ پھر ''یا سلام'' کا ورد شروع فرمایا اور یہی ورد کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس پیارے بندے نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، آپ کے جنازہ میں شرکت کرنے والے بعض احباب نے احقر سے بیان کیا کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ وفات کے بعد ایسا روشن اور تروتازہ تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ **رحمه اللّٰه تعالیٰ رحمةً واسعةً۔**

بلاشبہ یہ ایسی موت ہے جس پر ہزاروں زندگیاں قربان ہیں، اگلے دن جمعہ کی نماز کے بعد علماء وصلحاء کے بڑے مجمع نے نماز جنازہ ادا کی، اور ممبئی ہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

حضرت قاری صاحبؒ کا وطن اصلی بہار کا شہر ''سیوان'' ہے، ۱۹۲۶ء میں پیدائش ہوئی، والد صاحب کا نام مظفر حسین تھا، ابتدائی تعلیم وطن ہی میں حاصل کی، پھر عربی تعلیم کے لئے مدرسہ کرامتیہ جون پور میں داخلہ لیا، درجہ سوم عربی تک پڑھنے کے بعد ۱۳۵۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا رخ کیا، یہاں مسلسل سات سال تعلیم حاصل کر کے ۱۳۶۳ھ میں فراغت حاصل کی، زمانۂ طالب علمی میں بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم آپ کے مشفق اساتذہ میں تھے، فراغت کے بعد ۱۳۶۳ھ میں حضرت فقیہ الامت کے مشورہ پر مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں تقرر ہوا، اور تا زندگی مسلسل ۷۰ر سال اسی ادارے سے وابستہ رہ کر دینی، اصلاحی اور تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اتنے طویل عرصہ تک ایک ہی ادارے سے وابستگی آپکے طبعی استقلال واستقامت کی کھلی دلیل ہے۔

آپ اولاً حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت تھے، حضرت کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ سے رجوع فرمایا، اور حضرت ہی کی طرف سے

۱۳۸۵ھ میں خلافت واجازت بیعت سے نوازے گئے، آپ کا شمار حضرت شیخ الحدیثؒ کے اجل خلفاء میں ہوتا تھا؛ لیکن اپنی تواضع کی بنا پر کبھی اپنے کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی، تاہم ہزاروں بندگانِ خدا نے باصرار آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے راہِ سلوک کو طے کیا، گذشتہ ۱۵؍سالوں سے آپ میل وشارم (تمل ناڈو) کی مسجد خضر میں رمضان المبارک میں قیام فرماتے تھے اور ملک وبیرنِ ملک سے آپ کے متعلقین ان ایام میں آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے، آپ کے مبارک قیام کی وجہ سے بالخصوص جنوبی ہند کے اس خطہ میں بڑا دینی فیض پہنچا، آپ نے ۲۴؍خوش نصیب حضرات کو اجازت بیعت سے سرفراز کیا، جن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب وشارمی زید مجدہم، جناب پروفیسر نادرعلی صاحب مرکز نظام الدین، جناب مولانا سید احسان الدین صاحب دارالعلوم نلگنڈہ جیسے اکابر شامل ہیں، جب کہ ۲۵؍حضرات آپ کی طرف سے مجازین صحبت قرار پائے۔ (ان سب حضرات کی مکمل فہرست مدرسہ اشرف المدارس ہروئی کے استاذ حضرت مولانا احمد علی صاحب مجاز بیعت حضرت قاری صاحب سے حاصل کی جاسکتی ہے) **فجزاه الله تعالیٰ خیر الجزاء.**

آپ کے مواعظ نہایت سادہ اور آسان زبان میں ہوتے تھے، لیکن علم وحکمت اور تمثیلات سے بھرپور اور بڑے پراثر ہوتے تھے، اسی طرح مجالس کی تاثیر بھی عجیب تھی، اس ضعیف العمری میں بھی نماز باجماعت اور نوافل کا اہتمام قابل رشک تھا، اور حج کی عبادت سے تو آپ کو خصوصی شغف تھا، گذشتہ ۴۰؍سال سے متواتر ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے تھے، اور اس سے پہلے جو حج کئے ان کا ریکارڈ دستیاب نہیں ہے، اندازہ یہ ہے کہ ۵۰؍سے زیادہ حج آپ نے کئے ہیں، اور سفر حج میں حرمین شریفین کی برکات کے حصول میں آپ کا ذوق وشوق قابل دید ہوتا تھا، جو ہم جیسے کم ہمتوں کے لئے یقیناً عبرت خیز تھا۔

خوردنوازی آپ کی طبعیت میں راسخ تھی، بالخصوص دینی مشاغل میں لگے ہوئے لوگوں کی بڑی قدر فرماتے تھے، راقم الحروف کو جب بھی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوتا تو

انتہائی بشاشت ومسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے، اور غائبانہ میں بھی دعا فرماتے تھے، بلاشبہ آپ کی وفات سے دنیا ایک عارف باللہ سے محروم ہوگئی، اور ایسا خلا پیدا ہوا جس کا پر ہونا بظاہر مشکل ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ کی شخصیت ایسی تھی کہ گویا سلف صالحین کا قافلہ چلا آرہا ہو اور اس کا کوئی رکن جماعت سے پیچھے رہ گیا ہو، اس لئے آپ کو بقیۃ السلف کہنا بالکل بجا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک وبیرونِ ملک کے دینی حلقوں میں حضرت قاری صاحبؒ کی وفات کی کسک بہت زیادہ محسوس کی گئی اور عرصہ تک محسوس کی جاتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا صفی اللہ خاں صاحبؒ

(عرف بھائی جان)

مغربی یوپی کی قدیم علمی وروحانی درس گاہ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے عالی وقار مہتمم، اور مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی نور اللہ مرقدہٗ کے سچے جانشین، اور ہندوستان میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے روحانی سلسلہ کے عظیم پیشوا حضرت مولانا صفی اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ گذشتہ ۸/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۲/مارچ ۲۰۱۲ء بروز جمعہ طویل علالت کے بعد ۷۲/سال کی عمر میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا صفی اللہ صاحب اپنے بزرگوں کی روایات کے امین، صاحب ارشاد عالم دین اور بزرگ تھے، آپ کے متوسلین کی تعداد ہزاروں میں تھی، جو ملک وبیرون ملک پھیلے ہوئے تھے، آپ نے اپنے والد محترم مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب کی جانشینی کا حق مکمل طور پر ادا کیا، اور حضرت کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، کئی سالوں سے آپ بعض عوارض کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور تھے، لیکن اس حالت میں بھی اپنے فرائض بحسن وخوبی بجالاتے تھے، اور حاضرین آپ کی بافیض مجالس سے فیض یاب ہوتے تھے۔ وفات سے ایک ہفتہ قبل شوگر کی زیادتی کی وجہ سے غشی کی کیفیت طاری ہوئی، دہلی کے ''اپولو اسپتال'' میں داخل کیا گیا، لیکن وقت موعود آچکا تھا، جمعہ کے روز صبح ۹/بجے کے قریب آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی وفات کی خبر سے آپ کے متعلقین میں غم واندوہ

کی لہر دوڑ گئی، اور اسی دن بعد نماز مغرب ہزاروں علماء وصلحاء اورعوام نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور آپ کو آخری آرام گاہ تک پہنچایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ۔

حضرت مولانا صفی اللہ خان صاحب علاقہ میں ''بھائی جان'' کے نام سے معروف تھے، آپ کی پیدائش ۱۹۴۰ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سے حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم میں داخل ہوئے اور وہیں سے ۱۳۷۸ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ ۱۳۹۷ھ میں حضرت والد صاحب کے حکم پر مدرسہ کے مہتمم بنائے گئے، آپ کا بیعت کا تعلق بھی اپنے والد صاحبؒ ہی سے تھا، حضرت ہی کی نگرانی میں راہِ سلوک کو طے کیا اور ۱۴۱۲ھ میں اجازت بیعت سے نوازے گئے، اور آپ نے ۱۲؍حضرات کو اجازت بیعت سے نوازا ہے۔

آپ کو تدریس کا بھی بہترین ملکہ حاصل تھا، سالوں تک آپ مدرسہ مفتاح العلوم میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھاتے رہے، فقہ وفتاویٰ سے بھی اچھی مناسبت تھی، اصابت رائے اور حسن انتظام میں بھی ممتاز تھے، آپ کے زمانہ میں مدرسہ مفتاح العلوم نے تعلیمی اور تعمیری اعتبار سے کافی ترقی کی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، اور آپ کی چھوڑی ہوئی امانتوں کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا قمرالحسن صاحب بھاگلپوریؒ

قاری نجیب الرحمٰن بھاگل پوری اُستاذ مدرسہ عربیہ فیض الاسلام بروالان مرادآباد

بہار ضلع بھاگل پور کے مشہور معروف عالم دین وبزرگ حضرت الحاج مولانا قمرالحسن صاحب مہتمم مدرسہ محمدیہ عربیہ شاہ جنگی اپنی عمر کی ۸۰؍ بہاریں دیکھنے کے بعد ۳۰؍ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۳؍ فروری ۲۰۱۲ء بروز جمعرات کو مدرسہ میں ہی وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مرحوم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ممتاز شاگردوں میں تھے، جس کی وجہ سے ان کو حضرت شیخ الاسلامؒ سے والہانہ عشق تھا۔ موصوف نہایت شریف النفس باوقار اور بارعب قوم وملت کی خدمت کے جذبات سے سرشار اور حسن انتظام کی دولت سے مالا مال اور بااخلاق اور مہمان نواز انسان تھے۔ جمعیۃ علماء ہند سے بہت گہرا تعلق تھا، اخیر تک صوبائی جمعیۃ کی ذمہ داری آپ کے ہاتھ میں رہی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد بیعت وسلوک کا تعلق فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے قائم کرلیا تھا، اور تاحیات اس پر قائم رہے، وظائف ومعمولات کے اخیر تک مستقل پابند رہے، ایک مرتبہ اہل بھاگلپور کی معیت میں ۱۹۶۴ء میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام متوسلین ورفقاء کے ہمراہ مرحوم کے مدرسہ جامعہ محمدیہ عربیہ شاہ جنگی کی مسجد میں اعتکاف فرمایا اور نماز تراویح میں حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے قرآن سنایا، نماز تراویح اور اعتکاف میں فدائے ملتؒ کے ہمراہ اکابرین کی ایک بڑی جماعت تھی۔ اہل بھاگل پور اور اطراف بھاگل

پور کے لوگ حضرت کی مجلس سے خوب مستفیض ہوئے، اور آج بھی الحمد للہ اس کے اثرات وبرکات نمایاں طور پر محسوس کئے جارہے ہیں۔ حضرت مولانا موصوف اپنی قسمت پر ناز کرتے تھے کہ ہمیں حضرت فدائے ملت جیسا مشفق ومربی شیخ نصیب ہوا، اور بڑے فخر کے ساتھ حضرت کی توجہات وعنایات کا تذکرہ فرماتے اور کہتے کہ ہمیں جو کچھ ملا وہ حضرت فدائے ملت کی جوتیاں سیدھی کرنے کا صلہ ہے، ورنہ ہم کسی بھی لائق نہ تھے، حضرت کے ادارہ کا علاقہ کے نمایاں ترین اداروں میں شمار ہوتا ہے اور یہ ادارہ مرحوم کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ حضرت مولانا کا دوسرا کارنامہ بھاگلپور میں ۳ رمنزلہ مدنی مسافر خانے کا قیام ہے، جس کی تعمیر میں مرحوم کا عظیم کردار رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بڑی مقبولیت عطاء فرمائی تھی، جس کا اندازہ جنازہ کی نماز میں شامل ایک جم غفیر کو دیکھ کر ہوا۔ جنازہ کی نماز حضرت مولانا مطیع الرحمٰن صاحب نے پڑھائی اور حضرت مولانا حکیم فدا حسین صاحب مرحوم کے پہلو میں مدفون ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پسماندگان میں دو صاحب زادیاں اور اہلیہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۲ء)

میرے مشفق استاذ محترم

از: قاری اخلاق حسین قاسمی استاذ تجوید مدرسہ شاہی مرادآباد

۳۰؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۳؍فروری ۲۰۱۲ء بروز جمعرات کو استاذ محترم حضرت مولانا قمر الحسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ مہتمم مدرسہ عربیہ شاہ جنگی بھاگلپور اس دار فانی سے کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا کی پیدائش ۸؍نومبر ۱۹۳۵ء مطابق ۱۵؍رجب المرجب ۱۳۵۶ھ میں سمریا نامی گاؤں میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ محمودیہ سمریا بھاگلپور میں حاصل کی، تعلیم کی تکمیل کے لئے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور بحمد اللہ ۱۹۵۹ھ میں فراغت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، آپ پختہ عالم دین اور عوام کے اعتماد یافتہ تھے، فراغت کے بعد ایک سال جامعہ قاسمیہ گیا میں درس وتدریس کا کام انجام دیا، اس کے بعد مدرسہ عربیہ شاہ جنگی بھاگلپور میں درس وتدریس کی گراں قدر خدمت انجام دینے میں مصروف ہوگئے، کچھ دنوں کے بعد اربابِ مدرسہ نے مدرسہ کے نظم وانتظام کی باگ ڈور آپ کے سپرد کردی اور تادم حیات اس ذمہ داری پر فائز رہے۔

راقم الحروف حضرت مرحوم کے اخلاق وعادات سے اچھی طرح واقف ہے، حضرت کو دو چیزوں میں بہت زیادہ مستعد پایا:

(۱) آپ کا عمومی مزاج یہ تھا کہ مدرسہ کا تعلیمی معیار بلند سے بلند تر ہو، اس کے لئے حضرت اساتذہ وطلبہ پر نگہداشت رکھتے تھے۔

(۲) طلبہ کرام کی وضع قطع پر کڑی نظر رکھتے، باشرع طلبہ کو ہی داخلہ کی اجازت دیتے،

پورے سال از خود اس کی نگرانی کرتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ علاقہ میں اس بات کی اتنی شہرت ہوگئی کہ ہر شخص یہی مشورہ دیتا تھا کہ اگر تعلیم وتربیت سے اپنے بچوں کو آراستہ کرنا ہو تو مدرسہ عربیہ شاہ جنگی بھاگلپور میں داخلہ کرادو۔ حضرت مرحوم کے اندار قائدانہ صلاحیت بھرپور انداز میں پائی جاتی تھی، مدرسہ اور جمعیۃ علماء کے لئے تو حضرت نے اپنے آپ کو بالکل وقف کردیا تھا، رشتہ داروں اعزاء واقارب سے ملاقات کے لئے بھی بمشکل وقت نکال پاتے تھے۔

حضرت مرحوم کی وفات سے علاقہ میں بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، انسانوں کی اس گھنی آبادی میں ان جیسا اب کوئی دور دور تک بھی نظر نہیں آتا۔ دعا ہے کہ پروردگارِ عالم حضرت کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب بھاگل پوریؒ

مولانا موصوف ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۰راپریل ۲۰۱۲ء بروز منگل دو بجے رات کو دہلی میں ڈاکٹر خلیل اللہ کے اسپتال میں ۶۸ رسال کی عمر میں وصال فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ایک سال سے عارضۂ قلب میں مبتلا تھے، مولانا موصوف نہایت شریف النفس باوقار، بارعب، قوم وملت کی خدمت کے جذبہ سے سرشار اور بااخلاق مہمان نواز انسان تھے، اور صوبہ بہار کے معروف عالم دین اور خطیب تھے۔ موصوف کی فراغت ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے ہوئی۔ حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب سے بخاری شریف پڑھی، مولانا مرحوم کے ساتھیوں میں خاص طور پر حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا سید ولی رحمانی صاحب مونگیری قابلِ ذکر ہیں۔

بیعت وسلوک کے بارے میں مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ ہمارے دورہ کے اکثر ساتھیوں کی دلی خواہش تھی کہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ سے بیعت ہوجائیں، تو حضرت نے طالب علمی میں تو بیعت نہیں فرمایا؛ لیکن فراغت کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی سفارش پر بیعت سے نوازا۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۲ء)

میرے والد محترمؒ

از: حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب استاذ تفسیر و حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

جامعہ کے قدیم استاذ حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب کے والد محترم حافظ مقصود علی صاحب طویل عمر پانے کے بعد ۲۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰؍مئی ۲۰۱۲ء بروز اتوار اپنے ربِ حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف صوم وصلاۃ کے پابند اور قرآنِ کریم سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے، مدرسہ شاہی اور اس کے اکابر سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا، جب تک طاقت اور ہمت رہی جمعہ کی نماز ہمیشہ شاہی مسجد میں ادا فرماتے تھے، اور جمعہ سے کئی گھنٹے پہلے مسجد میں تشریف لے آتے تھے، ذکرِ خداوندی کا نور چہرہ سے جھلکتا تھا، عجیب ایمانی صفات کے حامل تھے، اور لمبی عمر کے ساتھ حسن عمل سے مالا مال تھے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، آمین۔

موصوف کے بارے میں آپ کے خلف صادق حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحبؒ نے تفصیلی مضمون تحریر فرمایا ہے، جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ (مرتب)

احقر کے والد محترم جناب حافظ مقصود علی خاں صاحب ۲۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰؍مئی ۲۰۱۲ء بروز یکشنبہ اپنی عمر کی سو سے زائد بہاریں دیکھ کر دنیا سے رخصت ہو گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

والد مرحوم کے آباء واجداد میں نہ کوئی عالم تھا اور نہ کوئی حافظ، خود والد صاحب بھی عالم نہ تھے، بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے، ان کی دیکھ ریکھ اور تربیت کا کوئی نظم نہ تھا، مربی حقیقی صرف اللہ کی ذات تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِىْ﴾ آپ کی والدہ محترمہ اور دو بہنیں تھیں جن کی کفالت کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اس وجہ سے والد صاحبؒ نے ایک دوکان پر ملازمت اختیار کی۔

اسی ملازمت کے زمانہ میں اللہ نے آپ کے دل میں قرآنِ کریم پڑھنے کا جذبہ پیدا کیا، تعلیم کے لئے کوئی فارغ وقت نہ تھا، دوکان پر شام تک سارا کام انجام دینے کے بعد عشاء کے وقت چھٹی ملتی تھی، اور بعد نماز عشاء حضرت مولانا عجب نور صاحبؒ استاذ مدرسہ شاہی کی خدمت میں حاضر ہوکر سبق لیتے، رات کو تقریباً ۱۰ ربجے گھر پہنچتے، ناظرہ پورا ہونے پر فخر المحد ثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی نے دعا کرائی، شرکاء میں سے کسی نے کہا کہ حضرت ایسی دعا کر دیجئے کہ یہ بچہ حافظ ہوجائے، حضرت نے فرمایا اچھا، پھر حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کی دعا کے اثرات ظاہر ہوئے اور اس کے بعد اسی ملازمت کے زمانہ میں قرآنِ پاک کا حفظ قاری انوار الحق صاحبؒ جو حضرت قاری عبد اللہ صاحبؒ کے خصوصی شاگرد تھے، ان کے سامنے شروع کر دیا اور اللہ کے فضل سے حفظ قرآن پاک کی تکمیل کی، حفظ کی تکمیل کے بعد برابر تراویح میں قرآن سنانے کا معمول رہا، جب حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ مرادآباد و مدرسہ شاہی میں بحیثیت مہتمم تشریف لائے اور شاہی مسجد میں آپ کی تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع ہوا، تو حضرت مدنی کی آخر حیات تک ان کی مجلس میں قرآنِ کریم کے ترجمہ اور تفسیر سے استفادہ بڑی پابندی کے ساتھ کیا، حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنیؒ سے بڑی عقیدت و محبت تھی، کبھی جمعہ کے دن حضرت کے مکان پر پان لے کر حاضر ہوتے اور اگر حضرت کوئی خدمت سپرد فرماتے تو اس کو اپنی سعادت سمجھ کر انجام دیتے، حضراتِ اکابر اور بزرگوں کا فیض برابر بڑھتا رہا، تو اصلاح و تزکیہ نفس کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت و سلوک کا تعلق قائم کیا، آپ کے بتائے ہوئے اَوراد و وظائف کی پوری پابندی کی، حضرت شیخ الاسلامؒ سے ایسی محبت و عقیدت تھی کہ حضرت جب کبھی مرادآباد تشریف لاتے تو فجر کی نماز آپ کی اقتداء میں محلّہ بغیہ گولر والی مسجد میں ادا کرنے کی کوشش کرتے۔ نیز حضرت مدنیؒ سے ایسا والہانہ تعلق تھا کہ حضرت کے خلاف ایک جملہ بھی سننا گوارا نہ تھا، حضرت سے تعلق اور حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنیؒ کی تفسیر مدرسہ شاہی سے الفت و محبت کا ذریعہ بنی، حتی کہ نماز جمعہ بڑی پابندی سے شاہی مسجد میں ادا فرماتے۔

مدرسہ شاہی کے لئے والد صاحب کی خدمات

وہ مدرسہ شاہی کے بڑے فدائی تھے ان کی جوانی کے زمانہ میں ایک مرتبہ مدرسہ شاہی کے مالی حالات کمزور تھے، وہ اس کے لئے باقاعدہ چندہ کیا کرتے، شعبان کے مہینے میں مدرسہ کے بہی خواہ اور اہل تعلق کے پاس لکڑی کی گولک تقسیم ہو جاتی، اور والد صاحب اس کو اپنے ساتھ عیدگاہ لے جاتے اور نمازیوں کے درمیان اس کو گھماتے۔

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مدرسہ شاہی میں بحیثیت مہتمم تشریف لائے اس وقت بھی مدرسہ مالی حالات کے اعتبار سے کمزور تھا، ان کے ابتدائی دور میں جب شعبان کا مہینہ آیا تو مدرسہ میں حضراتِ مدرسین کی تنخواہ ادا کرنے کے لئے بجٹ نہ تھا، تو والد صاحب نے ایک خطیر رقم مدرسہ کو بطور قرض دی، بہرحال والد صاحب کو اپنے اکابر اور بزرگوں کی صحبت سے ایسا رنگ چڑھا جس کو قرآن میں ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ، وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے،، اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے ان کے دل میں نیکی وطاعت کا جذبہ پیدا کیا، جس کی وجہ سے انہوں نے ہمیشہ بزرگوں کی صحبت، اکابر سے محبت، علماء سے عقیدت رکھی، اور اللہ تعالیٰ نے اخیر دم تک اس پر قائم رکھا۔ اسی لئے انہوں نے اپنی اولاد کے لئے علم دین کے علاوہ کسی علم کو پسند نہ کیا، اور عصری تعلیم کو کبھی بنظر استحسان نہیں دیکھا، بعد میں حالات بدل گئے، ضروریات اور تقاضے بدل گئے؛ لیکن والد صاحب کی سوچ وفکر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، وہ بہت نیک انسان تھے، اور اُن کی نیکی کے اثرات اُن کی زندگی پر نمایاں تھے۔ قرآنِ کریم کی آیتِ کریمہ: ﴿وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نیکی کے اثرات نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی حدیث میں اچھی اور بری صحبت کی مثال بیان فرمائی ہے۔ فارسی کا مشہور مقولہ بھی ہے، ''صحبتِ صالح ترا صالح کند''۔ مذکورہ باتوں کا تجربہ ومشاہدہ مجھے اپنے والد محترم جناب حافظ حاجی مقصود خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی

میں ہوا۔ اُنہوں نے اپنے بڑے صاحب زادے جناب عبداللہ صاحب کو حافظ وقاری بنایا، پھر فارسی کی تعلیم بھی مدرسہ شاہی سے دلائی، پھر میری تعلیم از اول تا آخر مدرسہ شاہی میں مکمل ہوئی، اُس کے بعد والد صاحب نے مجھے دارالعلوم ندوۃ العلماء بھیجا، وہاں سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد مجھے والد صاحبؒ مدرسہ شاہی کے اُس وقت کے ذمہ دار جناب منشی عبدالقیوم صاحب مرحوم کے پاس لے گئے اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ میرا یہ لڑکا مدرسہ میں بغیر کسی تنخواہ کے پڑھائے؛ لہٰذا بفضلہٖ تعالیٰ ۱۹۷۶ء سے آج تک والد صاحب کی خواہش کے مطابق احقر مدرسہ کی خدمت کررہا ہے، اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ.

اس کے بعد بڑے بھائی صاحب جناب قاری عبداللہ صاحب نے اپنے دو صاحبزادوں کو حافظ قرآن اور عالم بنایا، عزیزم مولوی حفظ الرحمٰن سلمہ جو دارالعلوم جامع الہدیٰ گلشہید مرادآباد میں ایک گھنٹہ تدریسی خدمت بلامعاوضہ انجام دیتے ہیں۔ دوسرے صاحب زادے عزیزم مولوی فضل الرحمٰن سلمہ جو مدرسہ شاہی میں ۳؍گھنٹے تدریسی خدمت حسبۃ للہ انجام دے رہے ہیں۔ احقر نے بھی اپنے دو بچوں (عزیزم محمد نعمان اور عزیزم محمد سلمان سلمہما) کو حافظ قرآن اور عالم بنایا جو مدرسہ شاہی سے فارغ ہوئے، یہ دونوں بھی ایک ایک گھنٹہ دارالعلوم جامع الہدیٰ میں تدریسی خدمت بلامعاوضہ انجام دے رہے ہیں۔ اَب تک ماشاء اللہ والد محترم کی نسل میں ۵؍عالم اور ۵؍حافظ قرآن موجود ہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ یہ سب اپنے اکابر اور بزرگوں کی صحبت کا فیض اور والد محترم کی نیکی کے اثرات ہیں، والد صاحبؒ کے پس ماندگان میں تین بیٹے ہیں، حافظ عبداللہ صاحب، عبدالرحمٰن اور احقر محمد عثمان۔ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے، اوران کی بال بال مغفرت فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا عباد الرحمٰن صاحب

اُستاذ حدیث مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ

موصوف ۱۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۵؍مئی ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ صبح سویرے مختصر علالت کے بعد اچانک انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف مشہور عالم دین اور کامیاب اُستاذ تھے، مغربی یوپی کے مشہور اور قدیم اِدارے جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں بخاری شریف جلد ثانی اور ترمذی شریف جلد اول جیسی بڑی کتابیں آپ کے زیر درس تھیں، مولانا مرحوم ۱۹۴۷ء میں قصبہ فریدنگر ضلع غازی آباد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم فریدنگر، خورجہ اور ہاپوڑ میں حاصل کی، پھر ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ بعد ازاں دو سال مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں درس دیا، پھر مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ سے وابستہ ہوئے، اور تادم حیات اس ادارہ میں رہ کر علومِ نبوت کی اشاعت کی خدمت انجام دیتے رہے۔

ادارہ ندائے شاہی موصوف کی وفات پر پسماندگان اور مدرسہ خادم الاسلام کے مہتمم حضرت مولانا ریاض احمد صاحب کی خدمت میں تعزیتِ مسنونہ پیش کرتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ درجات سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا عبدالباری صاحب اعظمیؒ

مشہور عالم دین جامعہ عربیہ قاسم العلوم کچہری والی مسجد مرادآباد کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ کے صاحب زادۂ گرامی قدر حضرت مولانا عبدالباری صاحب اعظمی گذشتہ ۲۷؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۸؍جون ۲۰۱۲ء بروز پیر کو حرکت قلب بند ہونے سے انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف ایک فکرمند عالم، صاحب طرز خطیب اور خوش اخلاق عالم باعمل تھے، موصوف کا فیض علاقہ اور وطن کے علاوہ گجرات اور افریقہ تک پھیلا ہوا تھا، اور گذشتہ ۱۰؍سال سے اپنے والد محترم کے قائم کردہ ادارے ''جامعہ قاسم العلوم الاسلامیہ کچہری والی مسجد مرادآباد'' کی نظامت واہتمام کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی، جسے آپ بحسن وخوبی انجام دے رہے تھے، آپ کے دور میں مدرسہ نے تعمیری طور پر کافی ترقی کی، آپ کچہری والی مسجد کے خطیب بھی تھے، اور ہر جمعہ آپ کے بیانات سے عوام وخواص مستفید ہوتے تھے۔

آپ کی پیدائش ۴؍جنوری ۱۹۴۵ء اپنے وطن پورہ معروف مئو میں ہوئی، ابتدائی تعلیم وطن ہی میں حاصل کی، اس کے بعد مظاہرعلوم تشریف لئے گئے، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے بخاری شریف پڑھی، فراغت کے بعد کچھ دن کوئریا پار ضلع اعظم گڑھ میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد کئی سال افریقہ میں مقیم رہے، بعدازاں گجرات کے کئی مدارس میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، اور بعد میں مدرسہ ''امدادالعلوم'' کوپا گنج میں ۱۵؍سال تک ناظم رہے، بعدازاں مرادآباد تشریف لے آئے اور یہیں وفات پائی، اسی دن عشاء کے بعد بہت بڑے مجمع نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی، اور قریبی قبرستان میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن کئے گئے، رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ۔ موصوف کے پسماندگان میں ۴؍لڑکے اور ۵؍لڑکیاں باحیات ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

محترمہ آپا صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ

جوارِ رحمت میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی اہلیہ محترمہ اور حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی کی والدہ ماجدہ اور خانوادۂ مدنی کی بزرگ ترین خاتون محترمہ ومکرمہ وکیل النساء (عرف آپا صاحبہ) رحمۃ اللہ علیہا تقریباً سو سال کی عمر میں ۱۳-۱۴ر شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق ۴-۵ر جولائی ۲۰۱۲ء بروز جمعرات کی درمیانی شب میں وفات پا گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محترمہ آپا صاحبہ اس دور کی ایک مثالی خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ نے بے شمار امتیازی خوبیوں سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا، حسنِ اخلاق، سخاوت ومہمان نوازی، ہم دردی، وفا شعاری، اور ساتھ میں ذوقِ عبادت اور معمولات کی پابندی اور ذکر واذکار کی کثرت میں آپ دیگر خواتین کے لئے بہترین نمونہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔

آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تائے زاد بھائی سید بشیر الدین صاحبؒ کی صاحبزادی تھیں، پہلے شوہر عین جوانی میں وفات پا چکے تھے، ۱۳۵۵ھ میں ۲۳ر سال کی عمر میں آپ کا دوسرا عقد حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ ہوا، ۲۲ر سال حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ اِزدواجی زندگی گذری، اور ۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے وصال کے بعد سے ۱۴۳۳ھ تک پورے پچپن سال بیوگی کی حالت میں گذرے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی رفاقت بھی کیسی صبر آزما تھی، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا؛ اس لئے کہ تحریکاتِ آزادی کا دور تھا، حضرتؒ

پورے ہندوستان کے دورے فرماتے تھے، اور کبھی جیل میں جا کر سالوں کے لئے انگریز کے سرکاری مہمان ہو جاتے تھے، آپ کی غیر موجودگی میں گھر کے اندر کی تمام ذمہ داریاں محترمہ آپا صاحبہؒ سنبھالتی تھیں، جب کہ باہر کی ذمہ داری حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحبؒ کے سپرد رہتی تھی، ایسے عظیم شوہر کا ہنسی خوشی ساتھ دینا اور اُن کی خوشنودی پر اپنی ہر خواہش کو قربان کر دینا یقیناً آپا صاحبہؒ کے لئے درجات کی بلندی کا سبب بنے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے گھر میں مہمان نوازی کا حال یہ رہا کہ صبح جو چولہا جلتا تو شام تک آگ بجھانے کی نوبت نہیں آتی تھی، وقت بے وقت مہمانوں کی آمد کا سلسلہ لگا رہتا تھا، اُن تمام مہمانوں کی خاطر تواضع کی ذمہ داری محترمہ آپا صاحبہ بحسن وخوبی بجالاتی تھیں۔ اور پہلے سب مہمانوں کو کھلا کر اخیر میں خود نوش فرماتی تھیں، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ سب کھانا ختم ہو جاتا تھا، تو روٹی اور مرچ کی چٹنی کھا کر صبر وشکر کے ساتھ گذارا کرتی تھیں۔

بچوں کی تربیت میں بھی آپا صاحبہ کا کردار مثالی رہا، آپ بچوں کی ہر چھوٹی بڑی بات پر گہری نظر رکھتی تھیں، اور غلط بات پر سخت تنبیہ فرماتی تھیں۔ احقر کی والدہ ماجدہ مدظلہا فرماتی ہیں کہ ''ہمیں بچپن میں ابا جی (حضرت شیخ الاسلامؒ) سے ڈر نہیں لگتا تھا؛ لیکن آپا صاحبہ کا رعب دل میں جاگزیں تھا؛ کیوں کہ وہ روک ٹوک فرماتی رہتی تھیں''۔

محترمہ آپا صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے حسن انتظام کی دولت سے بھی نوازا تھا، جب تک بھی طاقت رہی، گھر کے سودا سلف سے لے کر اوڑھنے بچھونے تک سارے انتظامات آپا صاحبہ خود اپنی نگرانی میں انجام دیتی تھیں۔

چھوٹے بچوں پوتوں پوتیوں، نواسوں نواسیوں کے لئے آپا صاحبہ کی شفقت کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا، آپ ہمیشہ اپنی اوپر کی جیب میں روپئے اور سکے تڑوا کر رکھتی تھیں اور صبح سے شام تک بچے آپ کی بابرکت جیب سے پیسے لے کر چٹ خوریاں کیا کرتے تھے، جو کچھ آپ کے پاس پیسے آتے تھے وہ انہی بچوں پر خرچ ہو جاتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے وصال کے وقت آپ کے اکثر بچے کم عمر تھے، صرف بڑی خالہ ریحانہ صاحبہ مرحومہ کی شادی ہوئی تھی، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم ایک محراب سنا چکے تھے، جناب مولانا سید اسجد صاحب مدنی مدظلہ کی عمر کل ڈیڑھ سال کی تھی، ان سب بچوں کی پرورش اور تربیت آپ کا بڑا کارنامہ اور بڑا صدقۂ جاریہ ہے۔ اور عجیب سعادت یہ ہے کہ آپ کی اَولاد اور اَولاد کی اَولادوں اور دامادوں میں قرآنِ کریم کے حفاظ اور علماء کی الحمد للہ بڑی تعداد موجود ہے، ایک اندازے کے مطابق اس وقت خاندان میں ۴۷؍ کے قریب حفاظ اور ۲۵؍ کے قریب علماء موجود ہیں، اس کی نظیر کسی ایک خاندان میں مشکل سے ملے گی۔

آپا صاحبہ میں خودداری بھی بہت زیادہ تھی، اپنی ضروریات کے لئے کسی کے سامنے اظہار کرنا ہرگز پسند نہ تھا، اور فرمایا کرتی تھیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت شیخ الاسلامؒ) نے وصیت کی تھی کہ: ’’خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے کوئی اُمید نہ رکھنا؛ کیوں کہ اگر مخلوق سے اُمید رکھو گی تو تکلیف ہوگی‘‘۔ آپا صاحبہ نے اس وصیت کو تادمِ آخر سینہ سے لگائے رکھا، اور یہی جذبہ اپنی اولاد میں بھی پیدا کیا۔

آپا صاحبہؒ نے یوں تو سبھی بچوں کی پرورش کی؛ لیکن خاص طور پر خاندان کے تین ایسے افراد جو عقل کے اعتبار سے کچھ کمزور تھے، اُن کی پرورش میں آپا صاحبہؒ نے بے مثال کردار ادا کیا، اُن معذورین کی زندگی کا پورا مدار آپا صاحبہ ہی پر رہا، جن میں سے ایک آپ کی چھوٹی صاحب زادی سیدہ فرحانہ ہیں، جو ابھی باحیات ہیں، اور آپ کی ایک نواسی غفرانہ خاتون بنت سیدہ ریحانہ صاحبہ مرحومہ، اور ایک نواسہ ’’اجود مرحوم‘‘ بن سیدہ ریحانہ صاحبہ، اِن دونوں کی تازندگی خدمت آپا صاحبہؒ نے کی۔ یقیناً یہ خدمت آپ کے لئے رفعِ درجات اور کفارۂ سیئات کا سبب بنے گی، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

آپا صاحبہؒ کا تازندگی سحر خیزی کا معمول رہا، تہجد کے وقت بیدار ہوجاتیں اور ضروریات سے فارغ ہوکر نوافل پڑھتیں، اس کے بعد فجر تک تسبیحات میں مشغول رہتیں، اور فجر کے بعد

قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے کا معمول تھا۔ بڑے حروف کا قرآنِ پاک لے کر صحن میں تشریف فرما ہوتیں، اور معمول کے مطابق تلاوت کرنے کے بعد ہی ناشتہ کی تیاری فرماتی تھیں۔ ظہر بعد شجرہ پڑھنے کا معمول تھا، اور ویسے بھی خالی اوقات میں تسبیح ہاتھ میں رہا کرتی تھی۔

آپا صاحبہؒ کی طبعیت عام طور پر اچھی رہی؛ البتہ ۹؍سال قبل بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے ''برین ہمریج'' کا ہلکا سا حملہ ہوا تھا؛ لیکن جلد ہی اس میں سدھار ہوگیا، اور طبعیت بڑی حد تک معمول پر آ گئی؛ البتہ عمر کے اعتبار سے ضعف بڑھتا گیا۔ دو سال قبل دوبارہ فالج کا حملہ ہوا، جس کے بعد سے صحت گرتی ہی چلی گئی؛ تا آں کہ وقت موعود آ پہنچا اور ۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ کی شب میں ساڑھے بارہ بجے داعی اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن ساڑھے گیارہ بجے احاطہ مولسری دارالعلوم دیوبند میں سیکڑوں علماء اور طلبہ کے مجمع نے آپ کے سعادت مند صاحب زادے حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم و مدظلہم کی امامت میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد آپ کو قبرستانِ قاسمی میں حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پائیتی دفن کیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

آپا صاحبہؒ کی وفات پورے خانوادے کے لئے سخت صدمہ کا باعث ہے، آپ ایک سائے دار درخت کے مانند تھیں، جس کی گھنی چھاؤں میں زندگی گزر رہی تھی، آپ کے ایام علالت میں یوں تو جس کو موقع ملا اُس نے آپ کی خدمت کو سعادت سمجھا؛ لیکن حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے جس انداز میں آپ کی خدمت اور فرماں برداری کی مثال پیش کی ہے، وہ ہم سب کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ آنموصوف کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، اور صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ قائین سے بھی ایصالِ ثواب کی گذارش ہے۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۲ء)

گوشۂ مولانا محمد عثمان خان صاحبؒ

اُستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(پیدائش: ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۴ء، وفات: ۱۴۳۴ھ ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحبؒ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے مایۂ ناز استاذ حدیث وتفسیر حضرت مولانا محمد عثمان خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۲ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۶ ردسمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار صبح پانچ بجے حرکتِ قلب بند ہونے سے اچانک وصال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف نہایت باوقار، خوش اطوار، خوش اخلاق، سنجیدہ اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے، عوام وخواص اور طلبہ واساتذہ سب کی نظر میں ہر دل عزیز تھے، اجتماعی زندگی میں ایسی صاف ستھری زندگی کی مثالیں کم ملتی ہیں، مولانا کا مشغلہ تجارت کا تھا؛ لیکن اس کے باوجود آپ نے اخیر عمر تک علمی اشتغال برقرار رکھا۔ مولانا کی پیدائش ۱۹۵۴ء میں ہوئی، آپ کے والد ماجد

جناب حافظ مقصود صاحبؒ (جن کی ابھی سات ماہ قبل مئی کے مہینہ ہی میں وفات ہوئی تھی) نہایت نیک اور بزرگ شخص تھے، مدرسہ شاہی اور اکابر دیوبند سے گہری عقیدت رکھتے تھے، حافظ صاحب مرحوم کی خواہش تھی کہ ان کی اولاد میں علم دین کا سلسلہ قائم ہو، چناں چہ حضرت مولانا محمد عثمان صاحب کو اس مقصد کے لئے مدرسہ شاہی میں داخل کرایا، مولانا موصوف نے ابتداء سے انتہاء تک پوری تعلیم مدرسہ شاہی سے حاصل کی، اور ۱۳۹۳ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے، اس کے بعد دو سال دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تکمیل ادب کے سلسلہ میں قیام رہا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے گہرا تعلق تھا، حتی کہ حضرت موصوف آپ کے نکاح میں شرکت کے لئے بطور خاص لکھنؤ سے مرادآباد تشریف لائے تھے، اور یہ فرمایا تھا کہ: ''میں نے آج تک صرف نکاح کے لئے اس کے علاوہ کوئی سفر نہیں کیا''۔ مولانا محمد عثمان صاحبؒ نے ۱۳۹۶ھ سے مدرسہ شاہی میں روزانہ دو گھنٹے حسبۃً للہ تدریس کا آغاز فرمایا، عموماً صبح کے دو گھنٹے آپ مدرسہ میں پڑھاتے اس کے بعد اپنی دوکان (واقع کٹرہ بازار) پر تشریف لے جاتے، معمولات کی پختگی اور سبق کی پابندی مثالی تھی، کاروباری مصروفیت کے باوجود ۳۸ر سال مسلسل آپ نے تدریسی خدمات مدرسہ شاہی میں انجام دیں۔ وفات سے قبل رات میں مغرب کے بعد دیر تک ''ابن ماجہ شریف'' کا درس دیا اور عشاء کی نماز شاہی مسجد میں پڑھ کر گھر تشریف لائے۔

موصوف مدرسہ شاہی میں تدریس کے علاوہ محلّہ کی مسجد ''حاجی نیب نواب پورہ'' میں فجر کے بعد بیان بھی فرماتے تھے، اس میں دو مرتبہ پورے قرآنِ کریم کی تفسیر کا دور ختم کیا، اور اس کے بعد سے علامہ منذری کی کتاب ''الترغیب والترہیب'' کا درس شروع کر رکھا تھا۔ وفات والی رات میں ۱۱ر بجے تک اس کی تیاری کے لئے مطالعہ بھی فرمایا، صبح ۵ر بجے حسبِ معمول بیدار ہوئے اور بستر سے اٹھتے ہی ایک طرف گر گئے، اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی اچانک وفات کو جس نے بھی سنا وہ ششدر رہ گیا؛ لیکن اللہ کے فیصلے کو کون ٹال سکتا ہے، مولانا چلے گئے؛ لیکن ان کی یادیں باقی ہیں اور باقی رہیں گی۔ ظہر کے بعد علماء، طلبہ اور عوام وخواص کے بہت بڑے مجمع نے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور پھر قریبی قبرستان میں نم آنکھوں سے آپ کو سپردِ خاک کیا، **رحمه اللّٰه تعالیٰ رحمةً واسعةً.**

حضرت مولانا کے ۵؍صاحب زادے ہیں: (۱) مولوی محمد نعمان (۲) مولوی محمد سلمان، یہ دونوں مدرسہ شاہی سے فارغ ہیں اور کاروبار کے ساتھ مدرسہ جامع الہدیٰ میں درس دیتے ہیں (۳) ڈاکٹر محمد عفان، یہ فیزوتھروپی کے ڈاکٹر ہیں (۴) محمد صفوان، یہ کالج میں انجینئرنگ کا کورس کررہے ہیں (۵) محمد حسان، یہ ۱۱؍ویں درجہ کے طالب علم ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے دو بھتیجے: مولانا فضل الرحمٰن صاحب ومولانا حفظ الرحمٰن صاحب بھی شاہی کے فارغ ہیں، اول الذکر مدرسہ شاہی میں حسبةً للہ مدرس ہیں، جب کہ ثانی الذکر مدرسہ جامع الہدیٰ میں حسبةً للہ درس دیتے ہیں۔

ادارہ ندائے شاہی حضرت مولانا مرحوم کے پسماندگان سے تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہوئے قارئین سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب فرمائیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۳ء)

ایک اندوہ ناک حادثہ

(حضرت مولانا محمد عثمان خان صاحب اُستاذِ حدیث مدرسہ شاہی جوارِ رحمت میں)

حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

میں ۲ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار ایک پروگرام کے سلسلہ میں لکھنؤ، بارہ بنکی وغیرہ جارہا تھا، صبح پونے پانچ بجے کے قریب جب کہ ہماری ٹرین لکھنؤ اسٹیشن کے آس پاس تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی، میں نے لپک کر فون اٹھایا، تو دوسری طرف سے مدرسہ شاہی کے استاذ مولانا فضل الرحمٰن صاحب بول رہے تھے، موصوف نے سلام ودعا کے بعد یہ اندوہ ناک خبر سنائی کہ ابھی چند منٹ پہلے چچا میاں یعنی حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب کا حرکتِ قلب بند ہوجانے سے اچانک انتقال ہوگیا، اچانک کی اس خبر سے دل کو جھٹکا لگا، ذہن ودماغ کسی طرح اس تکلیف دہ بات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا، چناں چہ میں نے فون پر مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ردوقدح کی، مزید تحقیق تفتیش کے بعد بالآخر یہ حقیقت سامنے آہی گئی کہ مولانا محمد عثمان خاں صاحب مرحوم اپنے خالق حقیقی سے جاملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میرے ذہن ودماغ میں مولانا مرحوم کا سراپا گھوم گیا، چھریرا بدن، ساوَلا رنگ، نکلتا ہوا قد، کشادہ پیشانی، روشن اور بڑی بڑی آنکھیں، مسکراتا ہوا چہرہ، صاف ستھرا لباس، جو موسم کے لحاظ سے بدلتا رہتا تھا، نہایت باوقار شخصیت، ملنے والوں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا اور اپنے ہم عصروں کے ساتھ بے تکلفی کا انداز اپنانا مولانا مرحوم کا خاصہ تھا۔

مولانا محمد عثمان خاں صاحبؒ شہر مرادآباد کے ایک تاجر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے،

اسلامی ماحول میں مولانا موصوف نے آنکھیں کھولیں، ہوش سنبھالتے ہی دینی تعلیم کا آغاز ہوگیا، جس کا سلسلہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سے فراغت تک جاری رہا، پھر مزید استفادہ کے لئے آپ کچھ عرصہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی زیرِ تعلیم رہے، وہاں سے واپسی پر اپنے مادرِ علمی مدرسہ شاہی میں (حسبۃً للہ) دو گھنٹے پڑھانے شروع کردئے، جس کا سلسلہ زندگی کے آخری سانس تک جاری رہا۔ مولانا کی یہ خوبی طالبانِ علوم نبوت اور خادمانِ دین متین کے لئے قابل تقلید ہے کہ موصوف نے تمام تر تجارتی مصروفیات کے باوجود اپنے تعلیمی اور تدریسی مشغلہ کو پوری مضبوطی، استقامت اور پابندی کے ساتھ جاری رکھا، اور ہرگز اس میں کسی طرح کا تخلف نہیں ہونے دیا، پابندی سے اپنے اسباق کو پڑھاتے اور امورِ مفوضہ کو انجام دیتے، ان کی وفات جہاں ان کے اہل خانہ کے لئے تکلیف اور دکھ کا باعث ہے وہیں مدرسہ شاہی کے بام ودر، طلبہ اور اساتذہ بھی ان کی کمی کو شدت سے محسوس کررہے ہیں، اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت موصوف کی بال بال مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، حسنات کو قبول فرمائے، اور سیئات سے صرفِ نظر فرمائے، نیز موصوف کے بچوں کی نگہبانی فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل سے مالا مال فرمائے، آمین۔

تمام قارئین ندائے شاہی اور متعلقین مدرسہ شاہی سے مولانا مرحوم کے حق میں ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۳ء)

مشفق اُستاذ، مہربان چچا

مولانا فضل الرحمٰن صاحب قاسمی اُستاذ مدرسہ شاہی مراد آباد

۲ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۶ ردسمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار صبح ۴ بج کر ۵۰ منٹ پر بڑے بھائی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے پاس چچا جان حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے نعمان سلمہ کا فون آیا کہ والد صاحب کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے بھائی صاحب بلا تاخیر حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے مکان کی طرف چلے، راستہ ہی سے اپنے خسر ڈاکٹر سید عارف علی صاحب کو (جو قریب ہی رہتے ہیں) فون کرکے حضرت مولانا کی طبیعت کے بارے میں بتلایا اور مکان پر پہنچنے کی درخواست کی، ہمارا مکان مولاناؒ کے مکان سے چند منٹ کے فاصلے پر ہے، پہنچنے پر جب بھائی صاحب نے دروازے پر ہی نعمان سلمہ سے خیریت دریافت کی تو اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت دیکھی اور اسی کشمکش میں مولانا کی آرام گاہ تک پہنچ گئے ڈاکٹر صاحب بھی پہنچ چکے تھے ڈاکٹر صاحب نے مولانا کی نبض دیکھی اور سینہ کو طاقت سے دبا کر منہ سے سانس دلانے کی ناکام کوشش کی لیکن اس وقت تک روح قفص عنصری سے پرواز کر چکی تھی، بالآخر ڈاکٹر صاحب نے انتقال کی تصدیق کردی۔ یہ خبر سن کر ہم سب پر سناٹا چھا گیا، گرچہ ساری حقیقت سامنے تھی مگر دل ماننے کو تیار نہ تھا، جن عزیز واقارب کو بھی مولانا کے انتقال کی خبر دی گئی ان کو بھی یقین نہ آتا تھا وہ مزید اطمینان کے لئے دوسروں سے تصدیق کرتے تھے۔

اسی وقت میں نے حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ

قاسمیہ مدرسہ شاہی- جو کسی ضرورت کی وجہ سے اس وقت ٹرین سے لکھنؤ پہنچنے والے تھے، میں نے ان کو اطلاع دی تو حضرت مہتمم صاحب کو یقین نہیں ہورہا تھا وہ بار بار مجھ سے تحقیقی انداز میں دریافت کررہے تھے، بالآخر وہ دم بخود رہ گئے اور آگے بات نہ کرسکے، انھوں نے فون اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا اخلد صاحب دامت برکاتہم کو دے دیا، میں نے ان کو پوری بات سے آگاہ کیا، دونوں ہی حضرات کافی رنجیدہ ہوئے؛ کیونکہ دونوں حضرات سے حضرت مولانا کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ دارالطلبہ لالباغ اور مدرسہ شاہی منڈی چوک میں اطلاع دی گئی، وہاں پر بھی جو سنتا تو حیرت زدہ رہ جاتا؛ اس لئے کہ مولانا صحیح سالم تھے کوئی عارضہ نہ تھا۔

ابھی کل گذشتہ کی ہی تو بات تھی کہ حضرتؒ روز کی طرح خوش وخرم صبح کو مدرسہ تشریف لے گئے، وہاں اسباق پڑھانے کے بعد گھر تشریف لائے اور پھر دکان پر تشریف لے گئے، اور پھر بعد نماز مغرب مولاناؒ نے شاہی مسجد منڈی چوک میں ''ابن ماجہ شریف'' کا درس دیا تھا اور عشاء کی نماز شاہی میں ہی اَدا کی اور گھر آکر چند احباب کے ساتھ کھانا کھایا، احقر بھی حاضر تھا، مہمانوں سے اجازت لے کر حسبِ معمول مطالعہ میں مشغول ہوگئے، درسی کتابوں کے مطالعہ کے بعد علامہ منذری کی کتاب ''الترغیب والترہیب'' کا مطالعہ کیا، جس کا بعد نماز فجر ''مسجد حاجی نیب'' میں بیان فرماتے تھے، پھر اپنے وظائف سے فارغ ہوکر سوگئے، چونکہ تہجد میں اٹھنے کا معمول تھا، اس لئے گھڑی میں الارم لگا دیا کرتے تھے، اس دن الارم کی آواز پر ہی بیدار ہوئے تھے، یکایک بستر پر ہی ایک طرف گر گئے اور رب حقیقی سے جاملے، اور اس طرح ایک باوقار عالم، استاذ الاساتذہ، خوش اخلاق، سنجیدہ مزاج کے مالک، مشفق استاذ، مہربان چچا سے ہم لوگ محروم ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا ۶؍جولائی ۱۹۵۴ء کو شہر مرادآباد میں پیدا ہوئے تھے، میرے دادا جان حافظ مقصود صاحب مرحوم کا مختصر کاروبار تھا، میرے والد محترم جناب حافظ وقاری عبداللہ صاحب دادا جان کے کاروبار میں معاون تھے، دادا جان اور والد محترم اکابر دیوبند اور مدرسہ شاہی سے بڑا

گہرا تعلق رکھتے تھے، دادا جان شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت بھی تھے، جس کی وجہ سے گھر کے ماحول میں دینی اثرات غالب تھے۔ چنانچہ دادا جانؒ نے حضرت مولانا مرحوم کو عالم بنانے کا خواب آنکھوں میں سجایا، اللہ نے اس کو حقیقت بخشی اور چچا جان ۱۳۹۳ھ میں مدرسہ شاہی سے فارغ ہوئے، اس کے بعد دو سال ''دارالعلوم ندوۃ العلماء'' میں ''عربی ادب'' میں زیر تعلیم رہے۔

فراغت کے بعد مدرسہ شاہی میں درس تدریس کا آغاز کیا اور تقریباً ۳۸ رسال مدرسہ شاہی میں حسبۃ للہ (بلاعوض) تدریسی خدمت انجام دی، اسباق کی پابندی کا حال یہ تھا کہ بنا شدید عذر کے کبھی غیر حاضری نہ کرتے، گرمی سردی، بارش ان کے لئے کوئی عذر نہ تھی، مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ ان کی اس پابندی کو آج بھی فخریہ بیان کرتے ہیں، قرآن کریم سے بڑا لگاؤ تھا، تقریباً ۲۲ رسال مدرسہ میں قرآن کریم کا ترجمہ اور اسی کے ساتھ ۱۴ رسال جلالین شریف کا درس دیا۔

احقر کو بھی چچا جان سے ''ترجمہ قرآن کریم نصف اول، شرح وقایہ'' دو کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، اسی کے ساتھ محلّہ کی مسجد میں دو مرتبہ قرآن کریم کی تفسیر مکمل کی، اور ایک مرتبہ مخصوص سورتوں کی تفسیر کی، اب تقریباً تین سال سے ''الترغیب والترہیب'' سے احادیث بیان فرماتے تھے، نیز رمضان المبارک میں بھی فجر کے بعد محلّہ کی مسجد میں رمضان کے فضائل، قرآن کریم کی تلاوت کے فوائد اور دیگر عبادات کے مسائل بیان فرماتے اور بار بار یہ الفاظ دوہراتے ''کہ اللہ نے ہمیں رمضان کا بابرکت مہینہ عطا فرمایا ہے اس کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔ رمضان کا کوئی حصہ بھی ضائع نہ ہونے پائے معلوم نہیں کہ آئندہ رمضان ہم کو نصیب ہو پائے گا یا نہیں، کچھ کہا نہیں جا سکتا'' کسی کو کیا معلوم تھا کہ مولانا خود ہی اس مضمون کے مصداق بن جائیں گے، اور آئندہ رمضان میں ان کی نصائح سے مستفید ہونے کا موقع بھی نہ مل سکے گا، جب بھی کوئی انذار وتبشیر کا مضمون بیان فرماتے تو آواز میں اضمحلال آجاتا اور آنکھیں چھلک جاتیں۔

اپنے اوقات کی خوب حفاظت کرتے بعد نماز فجر مسجد میں بیان پھر مدرسہ کی حاضری، مدرسہ سے واپسی کے بعد خانگی امور میں تعاون وغیرہ؛ کیونکہ مولانا کے ۵؍صاحب زادے ہیں، کوئی صاحب زادی نہیں ہے، گھریلو امور اکیلے چچی جان کو انجام دینے پڑتے ہیں، اس لئے مولانا اُن کا بڑا خیال رکھتے تھے، دوپہر کھانے سے فارغ ہوکر دوکان جایا کرتے، کبھی عصر سے قبل اور کبھی عصر کے بعد واپس آجاتے، عصر تا مغرب وظائف میں مصروف رہتے، مغرب کے بعد چند ماہ ابن ماجہ شریف کا درس دیتے، بقیہ ایام مطالعہ میں مشغول رہتے، مطالعہ کا سلسلہ عشاء کے بعد بھی جاری رہتا، سونے سے پہلے اپنے اوراد وظائف پورے کرکے آرام کرتے، پھر تہجد سے اگلے دن کی شروعات ہوجاتی یہی اُن کا ہمیشہ کا معمول تھا۔

چچا جان بزرگوں سے بہت عقیدت رکھتے تھے، خصوصاً حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ سے بڑی عقیدت تھی اور حضرت ندویؒ بھی چچا جان کو بڑا عزیز رکھتے تھے، بیعت کی سعادت سے نوازا تھا، چچا جان کے نکاح پڑھانے کے لئے حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے خصوصی طور پر لکھنؤ سے مرادآباد کا سفر کیا، ہمارے غریب خانہ پر قیام فرمایا، نکاح کا انتظام محلّہ گلشہید برف خانہ کے ایک بڑے ہال میں تھا، محفل نکاح میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے خطاب کیا، جس میں عوام وخواص اور اخباری نمائندوں کی بڑی تعداد شریک تھی، جب تک حضرت مولانا علی میاں ندویؒ حیات رہے تو چچا جان رمضان کا ایک عشرہ حضرت کے دولت خانہ رائے بریلی میں گزارتے تھے، اور جب کبھی حضرت مولانا علی میاں ندویؒ مرادآباد تشریف لاتے تو چچا جان کی یہ کوشش ہوتی کہ حضرت اپنے پروگرام میں ہمارے غریب خانہ پر تشریف لانے کو شامل کرلیں، چنانچہ حضرتؒ کئی مرتبہ ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائے، اس سے ان کے باہمی تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

چچا جانؒ بچوں کی تربیت کا بڑا خیال کرتے تھے، احقر اور بڑے بھائی مولوی حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا کے صاحب زادے مولوی نعمان سلمہ ومولوی سلمان سلمہ کی تعلیم انہیں کی زیر

نگرانی مکمل ہوئی، قرآنِ کریم حفظ کرنے کے زمانے میں ہمیں ساتھ لے کر جانا، موقع بموقع ہمارے استاذ صاحب کے پاس آ کر ہمارے متعلق دریافت کرنا، قرآن کریم سننا اور یاد کرانا، اساتذۂ کرام سے ہماری طرف خصوصی توجہ کرنے کی درخواست کرنا اور مطالعہ کے لئے ایک بڑی لائبریری کا انتظام کرنا یہ ساری چیزیں اُن کی شفقت کو بتاتی ہیں۔

عزیز واقارب اور محلّہ میں کبھی کسی کی کوئی خلاف شرع بات دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرماتے، اس وجہ سے سبھی حضرات اُن کی بہت عزت کرتے تھے، کوئی اُن کے سامنے لب کشائی نہ کرتا تھا، حالاں کہ مولاناؒ تینوں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، سب سے بڑے میرے والد محترم حافظ قاری عبداللہ صاحب، پھر منجھلے چچا جناب عبدالرحمٰن صاحب اللہ اُن کی عمروں میں برکت عطاء فرمائے اور حضرت مولاناؒ اپنے خاندانی بھائی بہنوں میں بھی سب سے چھوٹے تھے، مگر اُن کو خاندان میں مرکزی حیثیت اور بڑا رتبہ حاصل تھا۔

حضرت مولاناؒ کے انتقال سے جو خلا ہمارے خاندان میں ہوا ہے اس کو پر نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام عزیز واقارب کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ قارئین سے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۳ء)

آہ! مولانا محمد عثمان خان صاحب

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

کتنی مشکل ہے زندگی اور کتنی آسان ہے موت، یہ وہ حقیقت ہے جس کے نمونے دنیا میں بار بار دیکھنے کو ملتے ہیں، انسان کتنی جفاکشی، محنت، جدوجہد، لگن، دلچسپی اور ناگوارِ خاطر امور کو برداشت کرتے ہوئے اپنی دنیا بناتا ہے، زندگی کی عمارت کو دیرپا اور مضبوط ستونوں پر تعمیر کرتا ہے، امورِ مفوضہ کی انجام دہی اور مصروفیت کی اس بھیڑ میں مستقبل کے سلسلہ میں اپنے ذہن ودماغ میں سجائے ہوئے خوابوں کی تعبیر بھی تلاش کرتا رہتا ہے کہ اچانک زندگی کا یہ سفر تمام ہوجاتا ہے اور وہ یقینی اور حتمی شئ پیش آجاتی ہے، جس کی توقع کچھ دیر پہلے تک جانے والے کو بھی نہیں ہوتی، اہل خانہ، احباب اور متعلقین تک جب یہ اندوہ ناک خبر پہنچتی ہے کہ ہمارا ...... ہمارے درمیان سے رخصت ہوکر ایسے عالم کی سیر کو روانہ ہوگیا جہاں جانے والا کبھی واپس نہیں آتا، تو دل یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتا، جانے والے کا سراپا آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، چند گھنٹے یا کچھ دیر پہلے کے حالات ذہن ودماغ میں گردش کرنے لگتے ہیں کہ رات ہی تو وہ مسند درس کو پورے وقار کے ساتھ بلاتعب اور احساس مرض کے زینت بخش رہے تھے، محفل طعام میں خوش کلامی کے جوہر بکھیرتے ہوئے اہل دسترخوان کا دل لگا رہے تھے اور اپنی دکان پر بیٹھے ہوئے گاہکوں سے لین دین کررہے تھے، وغیرہ وغیرہ۔

کچھ اسی طرح کی صورتِ حال تھی جس کا سامنا ہمیں حضرت مولانا محمد عثمان خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ استاذ تفسیر وحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے اچانک سانحۂ ارتحال کی

خبر سن کر کرنا پڑا۔ جامع مسجد امروہہ میں نماز فجر سے فراغت کے معمول کے مطابق تمام طلبۂ عزیز اور چند اساتذہ کے ہمراہ تلاوتِ قرآنِ کریم میں مشغول تھا کہ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی، عام طور پر اس وقت فون آتا بھی نہیں اور اگر آ بھی جاتا ہے تو بات کا موقع نہیں ہوتا، اس لئے کہ بآواز بلند مسجد میں تلاوت ہوتی رہتی ہے، موبائل اٹھایا تو دیکھا کہ مفتی عمران اللہ صاحب قاسمی اُستاذ مدرسہ شاہی مرادآباد کا نمبر ہے، ایک مرتبہ سوچا کہ بجنے دو بعد میں بات کرلیں گے، پھر خیال آیا کہ مفتی صاحب کو تو علم ہے کہ نماز فجر کے بعد مدرسہ میں تلاوت کا معمول ہے اور اساتذہ وطلبہ اس میں شریک رہتے ہیں، پھر اس وقت فون کیوں کر رہے ہیں؟ شاید کوئی ضروری بات ہو، یہ سوچ کر فون رسیو کرلیا، مفتی صاحب نے سلام کے بعد یہ افسوس ناک خبر دی کہ حضرت مولانا محمد عثمان خان صاحب کا انتقال ہوگیا، ایصالِ ثواب کرادیں، یقین جانئے میرا ذہن اس طرف منتقل ہی نہ ہوا، میں نے پوچھا کون مولانا عثمان صاحب؟ کہنے لگے: ''ارے ہمارے مولانا عثمان خان صاحب اُستاذ مدرسہ شاہی''، میں نے کہا کہ کیا بات کر رہے ہیں؟ کہنے لگے بالکل سچی خبر ہے، میں نے کہا کہ کیا بیمار تھے؟ کہنے لگے نہیں، رات عشاء سے قبل ''ابن ماجہ شریف'' کا سبق بھی پڑھایا، تفصیل معلوم نہیں کیا ہوا؟ میں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہوئے فون بند کردیا اور کچھ دیر کے لئے بالکل دم بخود ہوگیا، مولانا کا سراپا، آواز، گفتگو کا انداز، علمی وخاندانی شرافت ووقار اور ان سے متعلق بہت سی یادیں قلب ودماغ کے پردوں پر گھومتی ہوئی آنکھوں کو نمناک بناتی چلی گئیں، ذہن اس خبر پر یقین کرنے کو تیار ہی نہیں ہو پارہا تھا، پھر تلاوت شروع کردی، کچھ دیر کے بعد ارادہ کیا کہ مجمع میں مولانا کے سانحۂ وفات کی خبر دی جائے اور پھر ایصالِ ثواب کیا جائے؛ لیکن عجیب بات کہ اعلان کرنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی، میں نے پھر مولانا فضل الرحمٰن صاحب اُستاذ مدرسہ شاہی (جو بھتیجے ہیں مرحوم مولانا عثمان خان صاحب کے) کو فون کیا، ان سے تصدیق کی، تب جاکر اعلان کیا گیا اور ایصالِ ثواب ہوا، مولانا کو جاننے والا ہر شخص اس خبر کو سن کر ہکا بکا رہ گیا اور اپنے اپنے ذرائع سے تصدیق کرنے لگا۔

مولانا عثمان خان صاحب ایک باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے، شناسائی تو مولانا سے بہت پرانی تھی؛ لیکن قریب سے دیکھنے، سمجھنے، برتنے اور محبت وشفقت بھرے رویے سے لطف اندوز ہونے کا موقع مدرسہ شاہی مرادآباد میں ۴؍سالہ قیام کے دوران ملا، مولانا بڑوں میں تو بڑے تھے ہی، ہم چھوٹوں میں بھی بہت بڑے ہونے کے باوجود کمال یہ تھا کہ اپنی بڑائی کا احساس نہ ہونے دیتے، پوری عالمانہ شان اور روایتی وضع کے ساتھ بے تکلف گفتگو فرماتے، بات چیت بڑی سنجیدہ اور الفاظ نہایت جچے تلے ہوا کرتے تھے، اکثر وبیشتر درس سے فارغ ہوکر کمرے پر تشریف لے آتے، موقع ہوتا تو چائے نوش فرماتے یا کچھ اور چیز تناول فرما لیتے، پھر بڑے اہتمام سے کاغذ میں لپٹے ہوئے پان نکالتے اور آدھا پتہ مع لوازمات کے بڑی محبت سے عنایت فرماتے، ابتداء پان کا شوق نہ ہونے کے باوجود مولانا کی پیش کش کو رد نہ کرپاتا، کبھی لینے میں تذبذب کرتا، تو فرماتے کہ: ''دن میں ایک مرتبہ تو کھا ہی لینا چاہئے بہت مفید ہوتا ہے''۔ شروع میں چند مرتبہ کہنے کے بعد پھر تو ایسی عادت بن گئی کہ پان کی طلب ہونے لگی، مولانا کے معمول میں بھی کوئی تخلف نہ ہوتا، روزانہ ملاقات کے وقت پان ضرور پیش فرماتے، ہم رغبت کے ساتھ پان کھا لیتے، جس پر مولانا اظہارِ خوشی فرماتے اور کبھی جاتے جاتے جیب میں موجود سارے پتے حوالے کرجاتے کہ احباب کو کھلا دیجئے گا یا بعد میں کھا لیجئے گا۔

گاہ بہ گاہ اپنے دولت خانے میں کھانے پر مدعو فرماتے، موسم سرما میں پائے کی دعوت تو ضروری سی تھی، احباب جمع ہوتے اور بڑی سلیقہ مندی کے ساتھ حق ضیافت ادا فرماتے۔ امروہہ چلے آنے کے بعد بھی اس دعوت میں مولانا ضرور یاد فرماتے اور باصرار آنے کا حکم دیتے، مولانا کے غایت درجہ تعلق کی بات تھی کہ شاید ہی کوئی مہینہ ایسا گزرتا ہوگا (امروہہ آنے کے بعد) کہ جس میں مولانا خیر خیریت دریافت کرنے کے لئے فون نہ کرتے ہوں، کبھی مرادآباد جانا ہوتا اور مولانا سے ملاقات نہ ہوپاتی، علم ہوجاتا تو ازراہِ تعلق شکایت ضرور فرماتے، میں ہر مرتبہ یہ سوچتا کہ اب مولانا کا فون آنے سے پہلے میں خود فون کروں گا؛ لیکن میں سوچتا ہی رہ جاتا اور مولانا کا

فون پھر آجاتا تو شرمندگی ہوتی۔ وفات سے قبل بھی مولانا سے بات ہوچکی تھی اور میں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ جلد ہی بات کروں گا؛ لیکن اس سے پہلے ہی بڑی خاموشی کے ساتھ مولانا داغِ مفارقت دے گئے۔

مولانا محمد عثمان خان صاحب اپنے بعد والوں کے لئے ایک کامیاب مرتب اور منظّم زندگی کا نمونہ چھوڑ گئے ہیں، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنی دن بھر کی مصروفیات کے لئے ایک خاکہ اور نظام العمل بنا رکھا تھا، مدرسہ سے متعلق تدریسی ذمہ داریاں ہوں یا کاروباری مشغولیت، اصلاح قوم ومعاشرہ کے جذبہ کے تحت روزانہ مسجد میں درسِ قرآن وحدیث ہو یا بعض امورِ خانہ کی انجام دہی، شاید ہی کبھی ان معمولات میں تخلف ہوتا ہو۔

مولانا مدرسہ شاہی کے قدیم ترین اساتذہ میں سے تھے، کم وبیش ۴۰ر سال خدمت دین کے جذبے سے سرشار ہوکر محض حسبۃً للہ اور بلا تنخواہ بے نظیر تدریسی خدمات انجام دیں، مدرسہ میں ان کی حاضری قابل رشک اور ضرب المثل تھی، کڑاکے کی سردی ہو یا جھلسا دینے والی گرمی، لو کے تھپیڑے ہوں یا برسات کی موسلا دھار بارش، مولانا وقت مقررہ پر اپنی درس گاہ میں موجود دکھائی دیتے، پورے سال یکسانیت کے ساتھ متعلقہ کتابوں کا درس دیتے اور بآسانی نصاب کی تکمیل کراتے، تفسیر قرآنِ کریم ان کا پسندیدہ موضوع تھا اور تقریباً ۲۲ر سال تک یہی موضوع آپ کے زیر درس بھی رہا، سبق کا انداز بھی خوب تھا، ٹھہر ٹھہر کر ادبی چاشنی لئے ہوئے جملوں کو استعمال کرتے اور بغیر رُکے روانی کے ساتھ بولتے چلے جاتے، شروع سے اخیر تک ان کے سبق میں دلچسپی برقرار رہتی، افسوس کہ ان کا یہ منفرد انداز، لب ولہجہ اور طرز گفتگو انہی کے ساتھ رخصت ہوگیا۔

سبق کی اسی پابندی، لگی بندھی مصروفیات اور مرتب نظام العمل کی بنا پر مولانا کا خارجِ مرادآباد جانا بھی بہت کم ہوتا تھا، البتہ اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کی حیاتِ طیبہ تک رمضان المبارک کا آخری عشرہ ان کے ہمراہ تکیہ (رائے بریلی) میں

گزارتے تھے، مولانا اگرچہ حافظ قرآن نہیں تھے؛ لیکن خوب پڑھتے تھے اور اچھی تلاوت سننے کے شوقین بھی تھے، حافظ نہ ہونے کے باوجود کثرتِ مزاولت کی وجہ سے استحضار ایسا تھا کہ بعض دفعہ تراویح میں حافظ صاحب کو ٹوک بھی دیا کرتے تھے، کسی امام کی تلاوت میں اگر سقم ہوتا، حروف کی ادائیگی یا وقوف میں معانی کا لحاظ نہ رکھا جاتا تو اظہار تکدر فرماتے تھے۔ ایک دفعہ دورانِ گفتگو احقر سے کہنے لگے: ''عالم اور سمجھ دار ہونے کے باوجود بھی بعض ائمہ ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ (الغاشية) پر سانس توڑ دیتے ہیں اور پھر اسے دوہرا کر بھی نہیں پڑھتے''۔ یہ مولانا کی قرآنِ کریم کے تئیں غایت درجہ دلچسپی، ذوقِ سلیم اور فہم صحیح کی علامت ہے۔

دو مرتبہ اپنی مسجد میں قرآنِ پاک کی تفسیر مکمل کی اور اب ''الترغیب والترہیب للمنذری'' کا درس چل رہا تھا کہ وقت موعود آپہنچا اور اس شان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے کہ نماز عشاء باجماعت ادا کی، سونے سے پہلے کے معمولات پورے کئے، صبح کے درس کی تیاری کی، عادت کے مطابق تہجد کے وقت بیدار ہوئے، اٹھتے ہی پھر بستر پر دراز ہوگئے اور لمحوں میں مالک حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اہل خانہ دیکھتے ہی رہ گئے کہ آناً فاناً یہ کیا ہوگیا؟ جس وقت روزانہ باری تعالیٰ سے راز و نیاز میں مشغول رہتے تھے، اسی وقت اللہ رب العزت نے ہمیشہ کے لئے اپنے جوار میں بلا لیا، نہ کوئی نماز قضاء ہوئی اور نہ کسی سے کوئی مدد لی، قرآنِ مقدس سے حد درجہ شغف یقیناً مولانا کے لئے سرمایۂ آخرت ہوگا، قبر میں باعث نور ہوگا اور آخرت میں رفع درجات، عزت و سربلندی کا ذریعہ ہوگا۔

دعا ہے کہ باری تعالیٰ مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی دینی خدمات کا اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، اہل خانہ و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۳ء)

مدرسہ شاہی کے قدیم فرزند و مخلص خادم

(حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحبؒ)

مولانا مفتی عمران اللہ قاسمی اُستاذ دارالعلوم دیوبند

دین کی خدمت اور علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت علماء کرام کا مشغلہ رہا ہے، سادہ لوح و غافل انسانوں میں دینی جذبہ بیدار کرنے، نسلِ نو کو دینی عقائد و احکام سے روشناس کرنے، ان میں ایمانی پختگی و دینی فکر کو پروان چڑھانے کے سلسلہ میں علماء کرام کی قربانیاں ناقابل فراموش ہیں۔ سماج سے ناخواندگی دور کرکے تعلیمی ماحول قائم کرنے، معاشرے سے بداخلاقی، نفرت وفحاشی اور رذائل کا صفایا کرکے خوش اخلاقی، عمدہ خصائل، نیکی و امن ومحبت کی فضا ہموار کرنے، اللہ کے بندوں کا اللہ سے رشتہ جوڑنے کی خاطر علماء نے ہر ممکن طریقے کو اپنایا ہے، بعض نے دعوت وتبلیغ کا راستہ اختیار کیا، بعض نے تقریر وتحریر کا سہارا لیا، جب کہ بعض نے تدریس کے حوالہ سے قابل رشک خدمات انجام دیں، ایسے ہی مخلص بندوں میں مدرسہ شاہی کے قدیم ترین استاذ حضرت مولانا محمد عثمان خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو ۲ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۶ ردسمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار صبح تقریباً پونے پانچ بجے بدوں کسی بیماری وحادثے کے اچانک دارِ آخرت کی طرف کوچ کر گئے، بعد نماز فجر جیسے ہی ان کے انتقال کی خبر ملی اولاً تو یقین نہ آیا، بالآخر یقین کرنا ہی پڑا، کہ مدرسہ شاہی کے قدیم فرزند اور مخلص خادم بہت سی تاریخی یادیں چھوڑ کر ہم سب سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ولادت وتربیت

۱۰ رجولائی ۱۹۵۴ء مطابق ۱۳۷۴ھ کو مرادآباد کے محلّہ نواب پورہ میں حافظ مقصود خاں

کے گھر میں مولانا موصوف کی ولادت ہوئی۔ (اور اسی سال مدرسہ شاہی کے بلا معاوضہ خدمت انجام دینے والے مخلص مہتمم حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی قدس سرہ - جو ۱۳۵۱ھ سے ۱۳۷۴ھ تک ۲۷ رسال مدرسہ شاہی کے مسند اہتمام کو زینت بخشتے رہے - کی وفات ہوئی اور حضرت مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیثؒ مدرسہ شاہی کو مہتمم نامزد کیا گیا) (تاریخ شاہی ۳۶۳)

چوں کہ مولانا محمد عثمان صاحب اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے، اس لئے سبھی کی محبت وشفقت کا مرکز تھے۔

مولانا کے والد ماجد جناب حافظ مقصود صاحبؒ علماء سے خصوصی ربط رکھتے تھے، وہ حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی، حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ مہتمم مدرسہ شاہی، حضرت مولانا عجب نور صاحبؒ استاذ مدرسہ شاہی جیسی عظیم المرتبت شخصیات کی مجلسوں کا فیض اٹھائے ہوئے تھے۔ نیز شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی مرادآباد آمد پر اُن کی مجلسوں میں بھی حاضری کا اہتمام رکھتے تھے، جس کی وجہ سے ان کی زندگی میں دینی رجحان غالب تھا، انھوں نے اپنی ملازمت کے زمانے میں محض اپنے شوق سے قرآن کریم حفظ کیا تھا، اسی وجہ سے انھوں نے اپنی اولاد کے لئے بھی دینی تعلیم کو ترجیح دی۔

تحصیل علوم

مولاناؒ کے گھر کا ماحول دینی تھا، والدہ محترمہ ہی ناظرہ قرآن کریم کی ابتدا کراتی تھیں، بڑے بھائی جناب حافظ عبداللہ صاحب اور جناب عبدالرحمٰن صاحب کو بھی قرآن کریم کے ابتدائی چند پارے والدہ نے ہی پڑھائے تھے، اسی طرح آپ کے ناظرہ کی ابتداء بھی والدہ محترمہ کے ذریعہ سے ہوئی، پھر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے شعبہ پرائمری میں داخل کر دیا گیا، وہیں پر ناظرہ کی تکمیل اور پرائمری تعلیم حاصل کی (پرائمری کے اساتذہ میں ماسٹر طیب حسن زیدی قابل ذکر ہیں، جو ۱۹۵۱ء سے ۲۰۰۳ء تک ۵۲ رسال مدرسہ شاہی سے وابستہ رہے)

اس کے بعد مولانا موصوف ۱۰ ر جولائی ۱۹۶۴ء مطابق ۲۹ صفر ۱۳۸۴ھ کو مدرسہ شاہی

کے شعبہ فارسی میں داخل ہوئے (اسی سال ۱۸/ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ کو مدرسہ شاہی میں ایک روحانی تقریب منعقد ہوئی تھی، جس میں دارالطلبہ لالباغ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اور اسی سال ۲۵/رجب المرجب ۱۳۸۴ھ کو مسجد شاہی میں مدرسہ کا اجلاس دستار بندی منعقد ہوا، جس میں کبار علماء کے ساتھ رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی قدس سرہ نے بھی مفصل وعظ فرمایا تھا۔ (تاریخ شاہی ۱۶۰)

مولانا محمد عثمان خان صاحب نے داخل مدرسہ ہوکر پہلے فارسی کی تعلیم حاصل کی، اس زمانے میں آج کی طرح مدرسہ شاہی میں درجہ بندی نہ تھی؛ بلکہ کتابوں کے اعتبار سے ترتیب ہوتی تھی، آپ نے شعبہ فارسی میں حمد باری، فارسی کی پہلی، تیسیر المبتدی، کریما، فارسی کی دوسری، گلزار دبستاں، گلستاں، بوستاں، وغیرہ کتابیں پڑھیں اور ۱۳۸۳ھ سے ۱۳۸۸ھ تک کے پانچ سالہ عرصہ میں فارسی وعربی کی کتابیں پڑھنے کے ساتھ محض اپنے شوق سے جناب قاری محمد کامل علیہ الرحمہ سے پابندی کے ساتھ تجوید وقرأت کی مشق بھی کرتے رہے۔ اسی مدت میں فوائد مکیہ، جزری، ضیاء القراءت پڑھی، اور اجراء حفص بھی مکمل کیا، جب مولانا موصوف متوسطات کی کتابیں پڑھنے لگے، تو تجوید وقرأت میں مزید جلا پیدا کرنے کے لئے جناب قاری محمد کامل صاحب سے ہی درّہ، عقیلہ، طیبۃ النشر، شاطبیہ وغیرہ کتابیں پڑھیں اور سبعہ کا اجراء بھی مکمل کرلیا، آپ محنت اور توجہ کے ساتھ پڑھتے تھے، امتحان میں اچھے نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے، سبعہ کے سالانہ امتحان میں آپ نے امتیازی نمبرات حاصل کئے جو اس طرح ہیں:

شاطبیہ: ۴۵	طیبۃ النشر: ۴۴	اجراء: ۴۵	سبعہ: ۴۵	عقیلہ: ۴۵	درہ: ۴۵

متوسطات سے فارغ ہوکر ۱۳۹۲ھ اور ۱۳۹۳ھ میں دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل کی، اس سال بھی سالانہ امتحان میں اول پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ نمبرات اِس طرح ہیں:

بخاری: ۴۵	مسلم: ۴۶	ترمذی: ۴۶	ابوداؤد: ۴۸	طحاوی: ۵۲
موطین: ۴۵	نسائی: ۵۰	ابن ماجہ: ۴۶	شمائل ترمذی: ۵۱	

درجہ فارسی سے دورۂ حدیث تک کے نتائج امتحان کا ریکارڈ بتلاتا ہے کہ آپ نے فارسی، عربی اور تجوید کی اکثر کتابوں میں اعلیٰ نمبرات حاصل کئے، بہت کم کتابوں میں متوسط نمبر ملے، کسی کتاب میں ادنی نمبرات نہیں پائے (واضح ہو کہ مدرسہ شاہی میں کل نمبر ۵۰؍ ہوتے تھے) آپ کا تعلیمی دور بہت اچھا رہا، ریکارڈ سے اکثر کتابوں کے اساتذہ کی صراحت نہیں ہو پاتی، صرف درجہ فارسی، تجوید وقرأت اور دورۂ حدیث شریف کے اساتذہ کا ہی علم ہو پاتا ہے۔

چنانچہ درجہ فارسی اور فن صرف کی تمام کتابیں حضرت مولانا مستحسن الدینؒ مرادآبادی سے پڑھیں (جو مدرسہ شاہی کے فاضل اور قدیم ترین اساتذہ میں تھے ایک عرصہ تک شعبہ پرائمری کے استاذ رہے پھر شعبہ فارسی کے استاذ مقرر ہوئے انھوں نے ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء سے ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء تک تقریباً ۵۷ سال جامعہ کی خدمت انجام دی)

درجہ تجوید کی تمام کتابوں کا درس جناب قاری محمد کامل افضل گڑھی علیہ الرحمہ سے لیا (موصوف مدرسہ شاہی کے نہایت محنتی ومخلص استاذ تھے، جنھوں نے ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء سے ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء تک تقریبا چالیس سال مدرسہ شاہی کے تجوید وقرات کے شعبہ کو زینت بخشی) نیز اس وقت کے مشہور صاحب فن قاری جناب قاری امیر علی نگینوی امام جامع مسجد مرادآباد سے بھی خارج میں قرأت کی مشق کی۔

بخاری شریف:- حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ سے پڑھی (حضرت مولانا فخر الدین صاحب شیخ الحدیث جب مدرسہ شاہی میں ۴۷؍ سال گذار کر ۱۳۷۷ھ میں حضرت مدنی کے وصال کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، تو آپ کو ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء کو شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے منصب پر فائز کر کے لایا گیا، موصوف ۱۴۰۹ھ تک تقریبا تیس سال مسند حدیث کو زینت بخشتے رہے) (اسی سال نومبر ۱۹۸۸ء سے رسالہ ندائے شاہی کا اجراء ہوا)۔ (تاریخ شاہی: ۱۶۴)

مسلم شریف:- حضرت مولانا انصار الحق صاحب امروہویؒ سے پڑھی (حضرت

موصوف ۱۳۶۰ھ سے ۱۳۷۷ھ تک مدرس رہے، پھر ۱۳۸۹ھ سے ۱۳۹۲ھ تک منصب اہتمام پر فائز رہے اور درسِ حدیث بھی دیتے تھے، آپ ۳۳؍سال مدرسہ شاہی سے وابستہ رہے)

ترمذی شریف:- حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ بچھرایونی مفتی مدرسہ شاہی سے پڑھی (موصوف نہایت نیک صالح، عبادت گذار تھے، ۱۳۸۸ھ سے ۱۴۰۳ھ تک مسند افتاء اور مسند حدیث کو تقریباً ۱۴؍سال تک زینت بخشتے رہے)

ابوداؤد شریف:- حضرت مولانا اختر الاسلام صاحبؒ خلف الرشید حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی (مولانا موصوف ۱۳۵۶ھ سے ۱۳۹۸ھ تک تقریبا ۴۲؍سال مدرسہ شاہی کی خدمت انجام دیتے رہے)

طحاوی شریف اور نسائی شریف:- حضرت مولانا مفتی واحد رضا صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی (موصوف مدرسہ شاہی سے فارغ ہوکر ۱۳۴۷ھ میں مدرسہ شاہی میں ہی معین مدرس منتخب ہوئے، پھر ۱۳۵۱ھ سے ۱۴۰۲ھ تک تقریبا ۵۵؍سال تک مسند حدیث و مسند افتاء کو زینت بخشتے رہے)

ابن ماجہ:- حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی سے پڑھی (موصوف جگر گوشۂ شیخ الاسلام ہیں، اور ۱۳۸۹ھ سے ۱۴۰۳ھ تک تقریباً ۱۴؍سال مدرسہ شاہی کی خدمت کر کے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، تاحال وہیں پر تدریس حدیث کی خدمت پر مامور ہیں)

موطا اِمام محمد و موطا اِمام مالک:- حضرت مولانا منظور الحق صاحب سہسپوری رحمۃ اللہ علیہ نائب مہتمم جامعہ سے پڑھیں (آپ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۸۳ء تک تقریبا ۲۷؍سال نیابت اہتمام اور تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے)

مولانا محمد عثمان کے مدرسہ شاہی کے دورِ طالبِ علمی کے رفقاء میں حضرت مولانا قاری احمد اللہ صاحب صدر شعبۂ تجوید جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات، مولانا محمد ممتاز صاحب سابق اُستاذ مدرسہ شاہی مقیم حال ریاض سعودی عرب، مولانا شمس الضحیٰ صاحب سابق استاذ مدرسہ

شاہی، مولانا انوار الرحمٰن صاحب بجنوری رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد داؤد صاحب مظفرنگری چچا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری، مولانا محمد اسعد صاحب دیوریاوی اُستاذ مدرسہ شاہی قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد عثمان صاحبؒ دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد علم میں مزید جلا پیدا کرنے کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں دوسال عربی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی قدس سرہٗ سے بھی خصوصی طور پر تفسیر کے چند اسباق پڑھے، لکھنؤ میں دوسال گذار کر آپ واپس مرادآباد تشریف لے آئے۔

خدمت تدریس

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب بتلایا کرتے تھے کہ محلّہ اصالت پورہ کے جناب منشی عبدالقیوم صاحب قریشی شوریٰ کے قدیم رکن اور مدرسہ شاہی کے نہایت مخلص وہمدرد تھے، وہ تقریباً چالیس سال مدرسہ شاہی کے رکن رہے تھے، ارباب انتظام کے یہاں اُن کو کافی اعتماد حاصل تھا، میرے والد مجھے ان کے پاس لے کر گئے، اور اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ لڑکا بغیر کسی تنخواہ کے مدرسہ شاہی میں پڑھائے، حضرت منشی عبدالقیوم صاحب کی کوشش سے آپ ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء میں مدرسہ شاہی کے مدرس منتخب ہوگئے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ سن ۱۳۹۶ھ مدرسہ شاہی کے لئے نہایت اہم اور تاریخی سال ثابت ہوا؛ کیوں کہ اسی سال مدرسہ شاہی نے اپنی عمر کے سوسال مکمل کئے، اور اسی سال اس وقت کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ العالی کی کوشش اور تجویز سے شوریٰ نے درجہ بندی کے نظام کو منظوری دی، اور درجہ بندی کی موجودہ صورت کا اجراء ہوا، اور اسی سال حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت مہتمم تشریف فرما ہوئے، چوں کہ جب ۱۳۹۵ھ ۶؍شوال ۱۹۷۵ء کو حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ (جو جامعہ کے مدرس، مفتی، رکن شوریٰ اور صدر مہتمم رہتے ہوئے جامعہ سے ۴۷؍سال وابستہ رہے تھے) کا وصال

ہوگیا اور اراکین شوریٰ مدرسہ شاہی نے اہتمام کی ذمہ داری کے لئے حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہاں پوریؒ سے گذارش کی، حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہاں پوریؒ نے اپنی بیماری اور کمزوری کے سبب معذرت فرمائی، پھر شوریٰ منعقدہ شعبان ۱۳۹۶ھ میں حضرت مولانا رشید الدین حمیدی قدس سرہ کو مہتمم بنانے کی تجویز منظور ہوئی اور حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء سے مدرسہ شاہی کے اہتمام کے فرائض انجام دینے لگے، مولانا محمد عثمان صاحب ابتداء سے ہی اعزازی طور پر دو گھنٹے پابندی کے ساتھ پڑھاتے رہے، آپ نے منطق، فن صرف، عربی ادب، فقہ، تفسیر، حدیث شریف پر مشتمل متعدد کتابوں کا درس دیا، چناں چہ آپ سے مختلف سالوں میں تیسیر المنطق، میزان، علم الصیغہ، نفحۃ العرب، القراۃ الواضحہ سوم، تمرین عربی، قدوری، شرح وقایہ، کنز الدقائق، ہدایہ ثانی، ترجمہ ثالث، ترجمہ ثانی، ترجمہ اول، جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف، ابن ماجہ مذکورہ کتابیں متعلق رہیں، اس دوران سیکڑوں طالبان علوم نبوت آپ سے فیضیاب ہوئے۔

معروف تلامذہ میں حضرت مولانا اخلد رشیدی مدظلہ اور حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم مدرسہ شاہی، حضرت مولانا جمیل احمد مظفرنگری مہتمم مدرسہ شمس العلوم ٹنڈ ہیڑہ وایم ایل اے، حضرت مولانا مفتی محمد عادل استاذ دارالعلوم دیوبند وغیرہ شامل ہیں۔

مدرسہ شاہی میں تدریس کے ساتھ آپ محلّہ کی مسجد میں بھی بعد نماز فجر درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھتے اور پابندی کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھاتے تھے، چنانچہ دو مرتبہ قرآنِ کریم کے تفسیری سلسلہ کے تکمیل کے بعد ایک مرتبہ آپ نے منتخب سورتوں کی تفسیر کا سلسلہ شروع کیا، اس کی تکمیل کے بعد کافی عرصہ سے حدیث شریف کی معروف کتاب ''الترغیب والترہیب'' کا درس جاری تھا، اس کے کافی حصہ کا درس ہو چکا تھا، آپ کبھی محلّہ کی مسجد میں اور کبھی بیرون مسجد اصلاح معاشرہ کا جلسہ بھی منعقد کراتے اس میں خود بھی حاضر رہتے اور دیگر علماء کرام کو بھی مدعو کرتے رہتے تھے۔

سراپا و عادات و اخلاق

ہلکا سانولا رنگ، میانہ قد، نمایاں چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، بھری ہوئی داڑھی جو مہدی سے مزین ہوتی، گرمی کے موسم میں سفید سوتی کپڑے کا کلی دار کرتا اور علی گڑھی پاجامہ جن پر بکثرت کلف لگا ہوتا، سر پر دو پلی لکھنوی ٹوپی، سردی میں گرم رنگین کپڑے کا کرتا پاجامہ، اسی سے میل کھاتی ہوئی صدری سر پر بالوں دار ٹوپی، اس کے اوپر کبھی کبھی اونی رومال، کبھی دونوں کاندھوں پر تہہ کی ہوئی گرم چادر جس کی تہیں کم ہی کھلتیں، جیب میں پان کی تھیلی، دیکھنے میں بارعب لیکن نرم خو، متواضع، اپنی مخصوص وضع، باوقار رفتار کے ساتھ مدرسہ تشریف لاتے، ملاقات پر پان سے ضیافت کرتے، گفتگو کا مخصوص لہجہ جس میں تبدیلی نہ ہوتی، چھوٹوں کے ساتھ شفقت، بڑوں کے ساتھ احترام کا معاملہ، نظافت و پاکیزگی، نظم وسلیقہ کو بہت پسند کرتے، خوش طبع، ربط و تعلق کو نباہنے کا مزاج رکھتے تھے، بسا اوقات ہنسی مذاق کی مجلس میں ایسی نوبت آجاتی کہ ان سے کم عمر رکھنے والے ان سے کچھ زائد بات کہہ جاتے، معاصرین و ہم عمر بھی کبھی کبھی گفتگو میں اعتدال نہ رکھ پاتے، مگر مولانا اعتدال سے نہ گذرتے، نہ ایسا جملہ کہتے جس سے کسی کو پشیمانی یا تکلیف پہنچے، ان کی یہ خوبی احقر کو بہت بھاتی کہ وہ کسی سے نہ بہت گہرا تعلق رکھتے اور نہ بہت دوری اپناتے، احقر نے ان کو کسی بھی موقع پر بے پناہ غصہ ہوتے یا بہت زیادہ ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، موقع بموقع مفید، مناسب مشوروں سے بھی نوازتے، وہ اخبار پڑھ کر مدرسہ تشریف لاتے اگر کوئی اہم خبر یا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو اس پر تبادلۂ خیال کرتے، مولانا موصوف چونکہ مدرسہ میں دو گھنٹہ پڑھانے کے بعد مرادآباد کے مشہور ''کٹرہ بازار'' میں واقع اپنی دوکان پر تشریف لے جاتے اور کاروبار میں لگ جاتے، اس لئے دوسرا گھنٹہ پڑھانے کے بعد کم ہی رکتے، مگر منگل کے دن چونکہ مرادآباد کا بازار بند رہتا ہے، اس لئے اس دن خالی ہوتے تو ضرور ملاقات ہوتی، اگر کسی وجہ سے عدم ملاقات کا وقفہ طویل ہو جاتا تو مشفقانہ لہجہ میں شکایت کرتے، کبھی کبھی گھریلو حالات اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالہ سے بھی گفتگو کرتے تھے۔

مولانا سفر کرنا بہت کم پسند کرتے تھے؛ لیکن اگر سفر کی نوبت آجاتی، تو اس انداز سے ترتیب بناتے کہ نماز کے اوقات سفر میں کم سے کم آئیں، اس سے ان کی نماز باجماعت کے اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔

اصلاح وسلوک

ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم کے دوران حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے مربوط ہوگئے تھے، بعد میں انھیں سے اصلاحی تعلق قائم کرلیا، مولانا علی میاں ندویؒ بھی مولانا موصوف سے بہت محبت کرتے تھے، چنانچہ وہ مولانا محمد عثمان صاحب کا صرف نکاح پڑھانے کے لئے مرادآباد حاضر ہوئے اور دوروز مولانا کے مکان پر قیام فرمایا، جب بھی مولانا علی میاں ندویؒ مرادآباد تشریف لاتے تو مولانا ان کو اپنے مکان پر لے جاتے، اور جب بھی مولانا علی میاں ندویؒ سفر کرتے ہوئے مرادآباد اسٹیشن سے گذرتے تو اسٹیشن پر پہنچ کر مولانا موصوف ان سے ملاقات کرتے، موقع بموقع مراسلت کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا، جس کے نمونے مولانا محمد عثمان صاحب کے پاس محفوظ تھے، مولانا موصوف اپنے شیخ کے بتلائے ہوئے وظائف کی پابندی کرتے، اور رمضان المبارک کا اخیر عشرہ اعتکاف میں حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحبؒ کے ساتھ تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہی گذارتے تھے، اس کے علاوہ وہ دیگر اکابر علماء کا بھی بہت احترام کرتے تھے اور موقع بموقع ملاقات بھی کرتے تھے۔

قابلِ قدر امتیازی اوصاف

مدرسہ شاہی میں اپنی مختصر تدریسی مدت میں راقم نے مولانا موصوف کو بہت قریب سے دیکھا، برتا اور پرکھا، اُن کی کچھ باتیں قابلِ تقلید ہیں:

(۱) وہ بلا معاوضہ خدمت انجام دیتے تھے، پھر بھی بہت پابندی کرتے، جس کا سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے، ان کے بھتیجے مولانا فضل الرحمٰن صاحب استاذ مدرسہ شاہی فرماتے ہیں

کہ حضرت کی درس گاہ میری درس گاہ کے بعد تھی، احقر پہلے گھنٹہ میں عموماً مولانا سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتا؛ کیوں کہ وہ میری درس گاہ کے سامنے سے مجھ کو دیکھتے ہوئے گذرتے، اور اگر کسی روز مجھے موجود نہ پاتے تو فون کرتے اور ٹوکتے، وہ باہر سفر پر کم ہی جاتے تھے، اس لئے سردی گرمی برسات پابندی سے حاضر ہوتے۔

(۲) بلا معاوضہ خدمت پر اپنی گفتگو اور انداز سے نہ فخر کرتے، اور نہ ہی اس کو دوسروں سے بیان کرتے، اگر کوئی تذکرہ کرتا تو اس پر ثابت قدم رہنے کے لئے دعا کی درخواست کرتے۔

(۳) احقر ان کے گھریلو حالات اور اُن کے آمد و خرچ سے بخوبی واقف تھا، وہ بہت مال و دولت والے اور صاحب ثروت نہ تھے، پھر بھی وہ عزیمت پر ہی عامل رہے۔

مدرسہ شاہی سے اُن کے مخلصانہ ربط و تعلق کی بنا پر ایک مرتبہ سابق مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ نے اُن سے نیابت اہتمام کی ذمہ داری قبول کرنے کو کہا تھا، مگر کاروباری مصروفیت کی بنا پر موصوف نے معذرت کر لی، اور اخیر وقت تک بلا معاوضہ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

اس طرح قابل رشک طریقہ پر انھوں نے ۱۳۹۶ھ سے ۱۴۳۴ھ تک تقریباً ۳۸/سال مدرسہ شاہی کی خدمت انجام دی، وہ بالکل صحیح سالم تھے، ہفتہ کے روز انھوں نے مدرسہ میں تمام اسباق پڑھائے، اور بعد نماز مغرب ابن ماجہ شریف کا درس بھی دیا، گھر آکر اگلے دن کے لئے اسباق کا مطالعہ کیا، وظائف پورے کئے اور معمول کے مطابق سو گئے، صبح گھڑی کے الارم سے بیدار ہوئے کہ فوراً ایک رخ پر گر گئے، اور اس طرح اپنے مادرِ علمی اور میدانِ علمی کے قیام کے ۱۳۸/سال مکمل ہونے سے صرف ۱۶/دن قبل اس سے پچاس سالہ طویل وابستگی مکمل کر کے اچانک رخصت ہوئے اور یہ نصیحت کر گئے کہ: موت کی آمد کی کسی کو خبر نہیں؛ اس کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہئے، رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۳ء)

ایک مخلص رفیق کی وفات

حضرت مولانا مظاہر حسین صاحب، استاذ مدرسہ شاہی مراد آباد

مدرسہ شاہی مرادآباد کے ۳۸؍سالہ استاذ تفسیر وحدیث حضرت مولانا محمد عثمان خاں صاحب مرحوم ایک ایسے انسان تھے جن کا دنیوی استحکام آخرت کے لئے تھا بڑے ہی شوق وذوق سے پڑھانے والے استاذ تھے وقت کے تسلسل کے ساتھ پابند کارتھے، آپ نے شریعت کو اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، اپنے برادرزادوں کو عالم فاضل بنایا تعلیمی سلسلہ سے جوڑا، اپنے بھی دوصاحبزادوں کو عالم وحافظ بنایا اور گھر کے ماحول کے ساتھ محلّہ کے ماحول کو قرآن وحدیث سے جوڑنے کی جدو جہد جاری رکھی، محلّہ کی مسجد میں سولہ سال میں تفسیر قرآن مکمل کر کے حدیث شریف کا درس جاری فرمایا، اپنے محلّہ کی مسجد کے مکتب پر پوری دلچسپی رکھی جس کے سبب محلّہ کے متعدد طلبہ مدرسہ شاہی میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے۔ مدرسہ شاہی مرادآباد، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ سے گہرے تعلق کے ساتھ تمام مدارس سے والہانہ تعلق تھا۔ علم ودین کی بات بہت غور سے سنتے، محلّہ کی دنیوی حالت کو دینی حالت بنانے کیلئے کبھی کبھار اصلاح معاشرہ کے عنوان سے اجلاس بھی منعقد کرواتے، اس دینی مشغلہ کے ساتھ اپنے اہل وعیال کے حقوق کے تحفظ میں اپنے کاروبار پر بھر پور توجہ فرماتے، اگر یہ کہا جائے کہ مولانا مرحوم اچھے عالم باعمل ہونے کے ساتھ اچھے تاجر بھی تھے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا، طلبہ کے بیان کے مطابق سورۂ بقرہ میں آپ آیت تدائن کو بہت دلچسپی اور توجہ سے پڑھاتے تھے، اسی سے مولانا کے علم تجارت کا علم دین کی روشنی میں بحسن وخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور تاجرانہ فکر کی عالمانہ فکر سے ہم آہنگی کو بھی جانا جاسکتا ہے۔

ظاہر و باطن کا توافق

آپ دل کے اتنے صاف تھے کہ جو دل میں ہوتا بلا تکلف زبان پر آجاتا، مدرسہ شاہی میں بہت زیادہ توافق و مناسبت احقر سے تھی، چناں چہ اگر مرحوم کو کوئی ضرورت یا پیچ دار مسئلہ دینی یا دنیوی پیش آتا تو احقر سے ضرور تذکرہ فرماتے اور احوال ضروریہ میں مسرت کے واقعات میں سے کوئی فکر کی بات ہوتی تو اس کا تذکرہ بھی ضرور فرماتے، دل کی صفائی کا عالم یہ تھا کہ احقر سے کسی وقت سفر زندگی کے دوران مولانا سے کوئی بات تکدر کی ہوئی ہوتی اور احقر معذرت کرتا تب پوری بشاشت سے معاملہ صاف فرماتے اور مع ہذا دوکان پر آنے کی دعوت بھی دیتے اور اگر مولانا کو محسوس ہوجاتا کہ احقر کی طبیعت مکدر ہوگئی ہے تو عمر و مقام میں بڑے ہونے کے باوجود اولین فرصت میں توجہ فرماتے اور ماشاءاللہ مولانا کا سینہ بے کینہ تھا، غرض یہ کہ مرحوم نے دینی دنیوی زندگی بہت صاف وستھری گذار کر داعی اجل کو لبیک کہا ہے اور عمر کے آخری ایام میں احقر کے ساتھ بعد نماز مغرب بحمد للہ چائے نوشی سے ہم مزاجی کی دلالت بھی خوب رہی ہے۔ واقعی مرحوم بلند اخلاق بلند عزائم بلند حوصلہ اور صالح انسان تھے، خدائے پاک ان کی پاکیزگی کو قبول فرمائے اور مابعد الموت کی ہر اعتبار سے پاکیزگی نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۳ء)

❍❖❍

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالاؒ زامبیا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے لاڈلے اور منظورِ نظر شاگرد، خادم، کاتب اور خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا ناظم و بانی معہد الرشید الاسلامی چپاٹا زامبیا (افریقہ) گذشتہ ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۹؍دسمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار فجر کے وقت معمولی علالت کے بعد انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا موصوف بڑے بافیض بزرگ تھے، زامبیا جیسے دور افتادہ ملک میں آپ نے دین کے چراغ روشن کئے، اور خالص افریقی باشندوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے عظیم تر خدمات انجام دیں، آپ کا اصلاحی سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، ہندو پاک، افریقہ اور برطانیہ کے ہزاروں لوگ آپ کے سلسلہ سے وابستہ تھے، اور راہِ سلوک میں آپ سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

مولانا موصوف ۱۳۸۴ھ میں جامعہ حسینیہ راندیر سے فارغ ہوئے، اس کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں سہارنپور جاکر مقیم ہوگئے اور اپنی خداداد استعداد کی بنا پر بہت جلد حضرت شیخ کی خصوصی توجہات وعنایات کا مرکز بن گئے، حضرت شیخ کو آپ سے اور آپ کے برادرِ صغیر حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم بانی دارالعلوم ہولکمب بری انگلینڈ سے ایسا گہرا تعلق تھا جو پورے طبقہ کے لئے قابل رشک ہے، جس کا کچھ اندازہ حضرت شیخ کے ان دونوں بھائیوں کے نام خطوط سے ہوتا ہے، جن کو ''محبت نامے'' کے نام سے تین جلدوں میں شائع کردیا گیا ہے۔ حضرت شیخ نے اپنی کتابوں ''اوجز المسالک'' اور ''بذل المجہود'' کی عربی ٹائپ میں اشاعت کے لئے مولانا موصوف کو قاہرہ بھیجا، جہاں آپ حضرت مولانا تقی الدین صاحب

ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ کافی عرصہ مقیم رہے، نیز آپ نے حضرت شیخؒ کے درسِ بخاری سے متعلق اشارات کی شرح خود درس میں حاضر ہوکر نوٹ فرمائی تھی، جس کی اب ''سراج القاری'' کے نام سے اشاعت ہورہی ہے، اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی سابق استاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی نگرانی میں اس کی تہذیب وتحقیق کا کام ہورہا ہے، ماشاء اللہ اب تک اس کی پانچ جلدیں تیار ہوچکی ہیں اور آگے کام جاری ہے۔ یہ اہل علم کے لئے ایک عظیم تحفہ اور حضرت مولانا مرحوم کے لئے بہترین صدقہ جاریہ ہے۔

حضرت مولانا نے حضرت شیخؒ کی ایما پر ۱۴۰۱ء میں زامبیا کے شہر چپاٹا میں ''معہد الرشید'' کے نام سے عظیم دینی ادارہ قائم فرمایا، اور وفات سے قبل خود حضرت شیخؒ اس ادارہ کے افتتاح کے لئے تشریف لے گئے، اور تین روز تک قیام فرمایا، اور دعاؤں سے نوازا، ماشاء اللہ حضرت شیخؒ کا لگایا ہوا یہ پودا اب تناور درخت بن چکا ہے۔ جہاں اس وقت دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم ہوتی ہے، حضرت مولانا ہی وہاں کے شیخ الحدیث تھے۔

وفات کی صبح جلدی بیدار ہوئے، طبعیت میں کچھ گرانی تھی، خدام سے فرمایا کہ فجر کی نماز اول وقت پڑھادیں، پھر نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ وہیل چیئر لاؤ، میں مدرسہ کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں، چناں چہ وہیل چیئر پر بیٹھ کر مدرسہ کا معائنہ کیا، اسی دوران وقت موعود آپہنچا اور اپنے ہاتھ سے سینچے ہوئے دینی باغ کو دیکھتے دیکھتے واصل بحق ہوگئے۔ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمةً واسعةً.

ادارہ ندائے شاہی حضرت کے سبھی متعلقین بالخصوص حضرت اقدس مولانا محمد یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں اور آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا افضال الحق جوہر قاسمیؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ممتاز شاگرد اور مشہور عالم دین حضرت مولانا افضال الحق جوہر قاسمی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۵؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰؍نومبر ۲۰۱۲ء بروز جمعہ اپنے وطن میں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں تھے، اور اس وقت تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے صدر تھے، استعداد ٹھوس تھی، ذہن منصوبہ ساز تھا، نثر و نظم دونوں پر قدرت تھی، ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی، بعد میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ، دارالعلوم چلہ امروہہ، دارالعلوم گورکھپور وغیرہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، عرصہ تک جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی ذمہ داروں میں شامل رہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۳ء)

متفرقات:

حضرت مولانا محمد حنیف صاحبؒ باغوں والی

مدرسہ ''خادم العلوم'' باغوں والی ضلع مظفرنگر کے مہتمم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب معمولی علالت کے بعد گذشتہ ۲۲؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۷؍جنوری ۲۰۱۲ء کو وفات پاگئے، موصوف کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر سے نوازا تھا، آپ ۵۶؍برسوں سے جامعہ کی خدمت انجام دے رہے تھے، جامعہ کی تعمیر وترقی اور استحکام میں آپ کا نمایاں رول رہا، اللہ تعالیٰ مغفرت کے فیصلے فرمائے، قارئین سے بھی ایصالِ ثواب کی گذارش ہے۔ (ندائے شاہی فروری ۲۰۱۲ء)

مولانا وکیل احمد صاحبؒ کانپور

مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور کانپور کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا وکیل احمد صاحب طویل علالت کے بعد انتقال فرماگئے، موصوف نہایت ملنسار، بااخلاق انسان تھے، جامعہ میں کافی عرصہ سے خدمات پر مامور تھے۔ (ندائے شاہی فروری ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب میواتیؒ

میوات کے مشہور عالم دین، مدرسہ عربیہ میل کھیڑلا کے مہتمم اور متعدد مکاتب ومدارس کے نگراں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حرکت قلب بند ہونے سے اچانک انتقال فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف علاقہ کے بافیض اور بااثر علماء میں سے تھے۔ بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کے رفیق خاص میانجی محمد موسیٰ کے پوتے تھے، موصوف کے ذریعہ سے علاقہ میوات میں مدارس ومکاتب کی سطح پر کافی کام ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا محمد حنیف گنگوہیؒ

مشہور عالم دین، درسِ نظامی کی اکثر کتابوں کے شارح حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹؍رجب ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۰؍جون ۲۰۱۲ء بروز اتوار کو ۸۰؍برس کی عمر میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تلامذہ میں سے تھے، فراغت کے بعد متعدد اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ تصنیف وتالیف ان کا محبوب مشغلہ تھا، جس کے نتیجہ میں بہت سی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کے فیصلے فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۲ء)

اہلیہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

موصوفہ نے ۹۵؍سال کی عمر میں مؤرخہ ۱۹؍شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۰؍جولائی ۲۰۱۲ء بروز منگل کو وفات پائی، نہایت سادہ اور پرہیزگار خاتون تھیں، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے کثیر مجمع کے ساتھ بعد نماز عشاء موصوفہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ندائے شاہی موصوف صاحبزادے جناب مولانا انوار الرحمٰن صاحب رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند ودیگر اہل خانہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔ نیز قارئین سے مرحومہ کے لئے ایصالِ ثواب کی اپیل ہے۔ (ندائے شاہی اگست ۲۰۱۲ء)

اہلیہ حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی ممبر پارلیمنٹ

موصوفہ ۱۸؍شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق ۹؍جولائی ۲۰۱۲ء بروز پیر کو انتقال فرماگئیں، بلاشبہ یہ حضرت مولانا موصوف کے لئے بڑا صدمہ ہے۔ ادارہ ندائے شاہی مولانا موصوف اور متعلقین کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی اگست ۲۰۱۲ء)

مولانا مفتی عبدالجلیل خاں صاحب کو صدمہ

مؤرخہ ۲۷؍رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۶؍اگست ۲۰۱۲ء بروز جمعرات رات پونے تین بجے جناب مولانا عبدالجلیل صاحب ناظم اوقاف مدرسہ شاہی کے والدمحترم جناب حاجی محمد حنیف خاں صاحب اس دارِفانی سے کوچ فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین رسالہ ندائے شاہی سے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔ (ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا سعید احمد صاحب رائے پوریؒ

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا سعید احمد صاحب کا اپنے موجودہ وطن پاکستان میں ۸؍ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۶؍ستمبر ۲۰۱۲ء بروز بدھ انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اکابر سے والہانہ ربط رکھتے تھے، اصلاح وارشاد اور مدارس ومکاتب کے سلسلہ سے ان کی بہت خدمات ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کی بال بال مغفرت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۲ء)

مجاہد آزادی جناب حافظ عبدالقیوم صاحبؒ

جناب بھائی محمد رضوان صاحب قریشی بڑی مسجد اصالت پورہ مرادآباد کے والد محترم مجاہد آزادی جناب حافظ عبدالقیوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۳؍نومبر ۲۰۱۲ء بروز منگل کو وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نہایت دین دار، خوش عقیدہ اور پختہ رائے رکھنے والے شخص تھے، مدرسہ شاہی اور جمعیۃ علماء ہند سے پوری زندگی وابستہ رہے، اکابر کے صحبت یافتہ تھے، باوقار زندگی گذاری، اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں اور درجات بلند فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۲ء)

رفتـــــــگاں

۲۰۱۳ء

- حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل بھڑکودریؒ
- حضرت مولانا عبداللہ حسنیؒ
- عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ
- حضرت مولانا مفتی عبدالحئ صاحب پرتاپگڈھیؒ
- حضرت مولانا میاں خلیل صاحب دیوبندیؒ
- حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
- ڈاکٹر شمس تبریز خاں صاحب قاسمیؒ
- حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلویؒ

حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل بھڑکودرویؒ

صوبۂ گجرات کے ممتاز فقیہ ومحدث، صاحب ورع وتقویٰ، بافیض عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب بھڑکودری نور اللہ مرقدہ مفتی دارالعلوم کنتھاریہ وشیخ الحدیث جامعہ علوم القرآن جمبوسر گذشتہ ۱۶؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۹؍جنوری ۲۰۱۳ء بروز منگل مغرب کے وقت وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب بڑے بابصیرت، نکتہ رس اور دقیق النظر عالم تھے، بردباری اور متانت آپ کے چہرے بشرے سے عیاں اور تواضع اور بےنفسی آپ کی ہر ادا سے ظاہر تھی، خورد نوازی، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور طلبہ سے شفقت مثالی تھی، اسی لئے آپ اپنے شاگردوں میں محبوبیت کے مقام پر فائز تھے، آپ تازندگی فقہ وافتاء کے منصب پر فائز رہے۔ عموماً آپ گجراتی زبان میں فتاویٰ کے جواب لکھتے تھے، اور گجراتی زبان سے واقفیت رکھنے والے لوگ ملک وبیرونِ ملک سے آپ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے تھے، اب ان فتاویٰ کو شائع بھی کردیا گیا ہے۔ اسی طرح اردو فتاویٰ کا انتخاب ''زبدۃ الفتاویٰ'' کے نام سے ایک جلد میں شائع ہوا ہے، اور آگے کام جاری ہے۔ ان فتاویٰ کے مطالعہ سے آپ کی علمی گیرائی اور زیرگی کا صاف پتہ چلتا ہے، آپ صوبہ گجرات کے علماء ومفتیان کے مجلس تحقیقات فقہیہ کے رکن اعظم تھے، اور نئے پیش آمدہ مسائل کا حل آپس میں بحث ومباحثہ کے ذریعہ نکالنے کی کوشش فرماتے تھے۔ احقر مرتب نے بھی متعدد مسائل میں موصوف سے استفادہ کیا تو آپ کی فقہی بصیرت کا اندازہ ہوا، ایک سفر کے دوران احقر نے اپنی مرتب کردہ ''کتاب المسائل'' کی دوسری جلد کا مسودہ برائے ملاحظہ پیش کیا تو حضرت نے از راہِ شفقت اسے پورا ملاحظہ فرمایا اور گراں قدر مشورے

دئے، **فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء۔**

آپ بیک وقت صوبہ گجرات کے دو مرکزی داروں ''دارالعلوم کنتھاریہ'' بھڑوچ اور ''جامعہ علوم القرآن'' جمبوسر سے وابستہ تھے، اور دونوں جگہ حدیث وفقہ کی اعلیٰ کتابیں پڑھاتے تھے، ایک ہفتہ ایک ادارہ میں قیام فرماتے اور دوسرا ہفتہ دوسرے مدرسہ میں۔ گویا آپ کا چشمۂ فیض دونوں جگہ جاری تھا، آپ کی وفات سے جو علمی خلا واقع ہوا ہے اس کی کسک دیر تک محسوس کی جائے گی۔

حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل صاحب کی پیدائش ۱۳۶۸ھ = ۱۹۴۹ء میں ہوئی، آپ نے اولاً دارالعلوم آنند سے درسِ نظامی کی تکمیل کی، اس کے بعد ۱۳۹۲ھ ۱۳۹۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف میں اعلیٰ درجہ سے کامیابی حاصل کی، بخاری شریف فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ سے پڑھی، اس کے بعد ایک سال مزید دارالعلوم میں رہ کر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے افتاء کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد چھ سال دارالعلوم آنند میں مدرس رہے، اس کے بعد دارالعلوم کنتھاریہ تشریف لے آئے اور تازندگی اس ادارہ سے وابستہ رہے، اسی کے ساتھ ساتھ گذشتہ ۱۴؍سال سے جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے شیخ الحدیث بھی رہے۔

عرصہ سے شوگر کا موذی مرض آپ کو لاحق تھا، اسی وجہ سے گردے سخت متأثر ہوگئے تھے اور ہر ہفتہ ڈائلاسیس (گردوں کی دھلائی) کا عمل کرانا پڑتا تھا، جس کی وجہ سے ضعف بہت ہوگیا تھا، بالآخر یہی مرض آپ کی وفات کا سبب بن گیا، آپ نے مؤرخہ ۱۶؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ کو دن میں دارالعلوم کنتھاریہ میں اسباق پڑھائے، اور عصر کی نماز بھی مسجد میں ادا فرمائی، اور مغرب کی نماز کے لئے وضو کی تیاری میں تھے کہ وقت موعود آپہنچا، اور آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

آپ کی کوئی نسبی اولاد نہ تھی، اہلیہ محترمہ کا بھی گذشتہ رمضان میں وصال ہوگیا تھا؛ لیکن

علماء اور روحانی اولادیں بے شمار ہیں، جو آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بنیں گی۔ کنتھاریہ میں آپ کے زیرِ نگرانی چار سو کے قریب طلبہ نے تکمیل افتاء کی سعادت حاصل کی، اور بے شمار طلبہ نے آپ سے علم حدیث کی سند حاصل کی، یہ علمی فیضان یقیناً آپ کے لئے رفع درجات کا سبب بنے گا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں، اور امت کو آپ کا نعم البدل سے سے نوازیں۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۳ء)

حضرت مفتی محمد اسماعیل صاحب بھڑکودرویؒ

(۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ = ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء)

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل امینی چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی و استاذ ادبِ عربی دارالعلوم دیوبند

سہ شنبہ ۱۶؍ ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ = ۲۹؍ جنوری ۲۰۱۳ء کو فجر کے فوراً بعد جامعہ علوم قرآن ''جمبوسر'' کے ایک استاذ نے موبائل سے مولانا مفتی اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گذشتہ شب میں اچانک وفات پا جانے کی خبر دی، تو دل دھک سے رہ گیا۔

جنوبی گجرات کے دو تین مدرسوں کے ذمے دارانِ اعلیٰ کی دعوت پر، گجرات کے اُس ہُما نصیب خطے میں، دارالعلوم دیوبند کی تیس اکتیس سالہ تدریسی و تحریری خدمتوں کے دوران، بار بار جانے کا اتفاق ہوا۔ ان اسفار سے جہاں وہاں کی تعلیمی و تربیتی اور دینی و دعوتی سرگرمیوں اور اُن سے جڑے ہوئے علما و فضلا کا علم ہوا، وہیں وہاں کے پختہ علم و پختہ دینی مزاج عُلما سے مل کر نہ صرف خوشی ہوئی؛ بل کہ بے پناہ سعادت اور فرحت کا اِحساس ہوا۔ اُن علما و فضلا میں، جنھیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے ایک ممتاز نام مولانا مفتی اِسماعیل بن اِبراہیم بن حسن بھڑکودروی قاسمیؒ کا تھا، جنھیں اب ''رحمۃ اللہ علیہ'' کے لاحقے کے ساتھ یاد کرتے ہوئے دل بہت دکھی ہو رہا ہے۔ چھریرا بدن، کشیدہ قامت، سانولا رنگ، فراخ آنکھیں، کشادہ جبیں، متبسم ہونٹ، گھنیری بھویں، کھڑی ناک، باوقار شخصیت، سنجیدہ طبیعت، عالمانہ گفتگو، فاضلانہ تبادلۂ خیال، علم و عمل کا مجسمہ، بے ضرورت گفتگو سے مکمل اِحتراز، چہرے بُشرے سے پرہیزگاری و شب بیداری کا ترشُّح، آواز صاف اور کراری، گفتگو ہر طرح کے اِبہام اور پیچیدگی سے پاک۔ یہ تھے مولانا مفتی اسماعیل بن اِبراہیم بن حسن بھرکودری قاسمی جو بہ یک وقت اُس علاقے کے دو اِنتہائی باوقار و با اعتبار بڑے

مدرسوں کے استاذ و مفتی تھے، جس سے جہاں مطلوبہ صلاحیت کے علماے راسخین کی قلت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں اُن کی علمی عَظَمَتُ اور غیر معمولی تدریسی لیاقت کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

وہ دارالعلوم کنتھاریہ بھروچ کے صدر مفتی تھے اور جامعۃ علوم القرآن ''جمبوسر'' ضلع ''بھروچ'' کے شیخ الحدیث اور دونوں مدرسوں میں انتہائی مقبول ومحبوب اور فیض رساں استاذ تھے۔ دونوں مدرسوں کے جاہاے وقوع کے درمیان پچاس کلومیٹر کا فاصلہ ہے، روزانہ دونوں جگہوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ کام کرنا مشکل تھا؛ اِس لئے وہ شروع شروع میں سال ہا سال تک تین دن ایک جگہ اور تین دن دوسری جگہ قیام کرتے تھے؛ لیکن بعد میں جب وہ امراض کا شکار ہو گئے، تو ایک ہفتہ ایک مدرسے میں اور دوسرا ہفتہ دوسرے مدرسے میں گزارنے لگے، اِس طرح دونوں بڑے مدرسوں کو ایک عمیق العلم اور دقیق النظر استاذ و مفتی عرصے تک مُیَسَّرْ رہا، دونوں کو کبھی کسی خلا کا احساس نہ ہوا، تا آں کہ اللہ کی طرف سے مُقَرَّرْ کردہ اُن کا وقتِ آخر آ گیا اور وہ اپنے رب سے جا ملے، اب نہ صرف دونوں مدرسوں میں؛ بل کہ گجرات کے اُس پورے خِطّے میں اہلِ نَظَرْ کی آنکھیں اُنھیں ڈھونڈ رہی ہیں اور اُن کی روح ہر ایک سے کہہ رہی ہے:

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

مفتی اسماعیل صاحب پورے گجرات کے علماء میں اپنی ٹھوس علمی صلاحیت، فقہ وفتاویٰ میں دِقَّتِ نَظَری اور پیش آمدہ مسائل کے جوابات کی تحریر میں تدقیق وتمحیص اور مشائخ واکابرِ دیوبند کی طرح سارے اِمکانی گوشوں پر گہری نظر ڈالنے، نیز دین کے ثوابت پر جمنے؛ لیکن حالات زمانہ سے وَاقِفِیَّت کے حوالے سے ممتاز تھے؛ اِسی لئے اُنھیں سارے علماے گجرات وعلما ومشائخ دیوبند کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ اُنھوں نے کسی مسئلے میں جمہور علماے احناف واکابرِ دیوبند کے مسلک سے غلطی سے بھی سرِ مو انحراف نہیں کیا؛ کیوں کہ وہ ہر اہم مسئلے میں کبار فقہا ومفتیان کرام سے نہ صرف رجوع کرتے تھے؛ بل کہ فقہ وفتاویٰ کے سارے متعلقہ ذخیرے کو کھنگال ڈالنے کے عادی تھے، عدمِ اطمینان اور علمی مراجع سے مکمل اِستناد کے بغیر وہ کوئی فتویٰ کبھی صادر نہ کرتے تھے۔ نہ صرف اُن کی علمی لیاقت، فقہی درایت اور استنباطی بصیرت اِس سے

اُنھیں روکتی تھی؛ بل کہ اُن کا زہد و اِتّقا اور زندگی کے سارے مسائل میں اِحتیاطی مزاج بھی اُن کے لئے اِس سے مانع ہوتا تھا۔

اُن کے اُٹھ جانے سے اِس حوالے سے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، ورنہ صرف رجالِ اِفتا کی ہمارے ہاں کوئی کمی نہیں۔ ہر بڑے مدرسے میں تکمیلِ افتا و تدریبِ افتاء کا درجہ قائم ہے، جہاں سے ملک کے طول و عرض میں ہر سال کئی سو مفتی پیدا ہوتے ہیں؛ لیکن بالغ نظر اور راسخ العلم مفتیوں کی قلت بڑھتی جارہی ہے۔

فقہ و فتاویٰ اور حدیث کی کتابوں کی تدریس میں بھی اُن کی مہارت مسلم تھی۔ وہ ایک مثالی مدرس اور لائقِ تقلید مربی بھی تھے۔ طلبہ کو اُن سے بہت فائدہ ہوتا تھا؛ اِس لئے اُن کے تلامذہ اُن سے بہت محبت کرتے تھے؛ کیوں کہ فیض رساں مدرس سے طلبہ کو بالعموم بڑی محبت ہوتی ہے، بالخصوص اگر وہ دین دار، صوم و صلوٰۃ کا پابند اور مُعامَلات کا صاف ستھرا ہو جیسا کہ مولانا مفتی اِسماعیل صاحب تھے۔ وہ سابقہ مطالعہ کے بغیر کبھی کوئی سبق نہیں پڑھاتے تھے اور طلبہ کو اُتنا ہی دیتے تھے جتنا اُن کا ظرف مُتَحَمِّل ہوتا تھا، ناتجربہ کار اور کچے مدرسوں کی طرح اپنے مُطالَعے کے سارے نتائج بے کم و کاست طلبہ کے سامنے نہیں انڈیل دیتے تھے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ تدریسی صَلاحِیَّت بھی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، یہ ہر کس و ناکس کو نہیں ملا کرتی۔ مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھی اُن خوش نصیبوں میں تھے، جنھیں اللہ نے اِس نعمتِ عظمیٰ سے خوب خوب نوازا تھا۔

مولانا مفتی اِسماعیل نے محنت سے علم حاصل کیا اور اُسی محنت سے اپنے علمی اکتسابات کو طلبہ و مستفیدین میں بانٹا۔ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی؛ اِس لئے طلبہ و مستفیدین ہی اُن کی اولاد تھے، جنھیں اُنھوں نے اپنی اولاد کا سا پیار دیا۔ اولاد کی تعلیم و تربیت و پرورش پر جو توجہ دے سکتے تھے، اُنھوں نے اُس سے سوا معنوی اولادوں پر صرف کیا۔ اُن کا خاندان صرف اُن پر اور اُن کی اہلیہ پر مشتمل رہا (جو گذشتہ سال شنبہ - یک شنبہ ۲۲-۲۳ رمضان ۱۴۳۳ھ = ۱۱-۱۲ اگست ۲۰۱۲ء کی درمیانی شب میں اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں) اِس لئے عائلی مسائل کے مشاغل سے فارغ ہو کر صرف علم و مطالعہ کے مشاغل میں ہمہ تن مصروف رہنے کا اللہ نے موقع عنایت کیا اور ۶۶ سالہ

زندگی میں کم از کم ۵۰ سالہ دورانیے کو صرف علم و مطالعہ، نوشت و خواند اور تدریس و اِفادہ کے لئے مخصوص رکھا۔ اُن کی یہ ساری علمی تگ و تاز، اُن کے لئے صدقۂ جاریہ رہے گی اور اِن شاء اللہ تا قیامت اِس کا ثواب اُن کے دفترِ اعمال کے اثاثے میں غیر معمولی اِضافے کا سبب بنتا رہے گا۔

مولانا نے دارالعلوم کنتھاریہ میں شعبان ۱۳۹۹ھ/ جولائی ۱۹۷۹ء سے دوشنبہ ۱۵ر ربیع الاول = ۲۸ر جنوری ۲۰۱۳ء تک کم و بیش ۳۴ سال فقہ و فتاویٰ کی اہم کتابوں کی تدریس اور طلبہ کو استخراجِ مسائل اور تحریرِ جواباتِ اِستفتا کے ساتھ ساتھ شعبان ۱۴۱۸ھ تک حدیث شریف کی اُمّہاتُ الکتب: بخاری شریف جلد دوم، صحیح مسلم اور جامع ترمذی کا درس دیا، سیکڑوں طلبہ و فضلا نے آپ سے یہ کتابیں پڑھیں اور وہ فارغ ہوکر دنیا کے مختلف ملکوں میں زندگی کے مختلف میدانوں میں مصروفِ عمل ہیں۔

شوال ۱۴۱۹ھ/ سے ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ تک کم و بیش ۱۴ سال جامعہ علوم القرآن ''جمبوسر''، ضلع ''بھروچ'' کے شیخ الحدیث رہے اور یہاں اُنھوں نے بخاری شریف جلدِ اوّل کا درس دیا۔ اِس سے قبل وہ دارالعلوم کنتھاریہ میں شعبۂ اِفتا کی ذمے داریوں کے ساتھ ساتھ حدیث پاک کی مذکورہ کتابوں کی تدریس کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ جامعہ علوم القرآن جمبوسر کی مجلس شوریٰ کی درخواست پر مذکورہ تاریخ سے، دارالعلوم کنتھاریہ میں صرف دارالافتا کی ذمے داری باقی رکھ کر، حدیث کی کتابوں کی تدریس سے اپنے کو فارغ کرلیا؛ کیوں کہ یہ خدمت آپ نے جمبوسر کی جامعہ میں قبول کرلی تھی۔

ان دونوں مدرسوں کی تدریسی ذمے داریوں سے قبل فراغت کے بعد سے چھ سال، اُنھوں نے دارالعلوم ''آنند'' میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی، یہاں مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ اِس دوران اُنھوں نے طلبہ میں علمی انہماک، مطالعہ کا شَغَف اور علم کوشی کا جذبہ پیدا کیا اور اِس حوالے سے اُنھوں نے اُس پورے خِطّے میں خاصی شہرت حاصل کی۔ اُس زمانے کے اُن کے تلامذہ اُس مدرسے کے اُن دِنوں کو لذّت کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اُن کے وہاں کے پڑھائے ہوئے مُتَعَدّد طلبہ بعد میں اچھے ذی استعداد عالم و داعی کی شہرت کے حامل ہوئے۔

مولانا اسماعیل نے مکتب اور اسکول کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن ''بھرکودرہ''، ضلع ''بھروچ'' میں حاصل کی، درسِ نظامی کی ساری تعلیم از اوّل تا آخر ''آنند'' کے مذکورہ دارالعلوم میں پائی، وہیں سے ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء میں فراغت حاصل کی، یہاں مشہور عالم ومحدث مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ سے بخاری شریف پڑھی۔ وہاں کے دگر اساتذہ میں مولانا اسماعیل مجادری، مولانا محمد اکرام بخاری، مولانا احمد جو جارا گودھروی، مولانا ابراہیم اندوری، مولانا مفتی محی الدین بڑودوی وغیرہ لائقِ ذکر ہیں۔

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد؛ شوقِ طلب اُنھیں مادرِ مدارس دارالعلوم دیوبند لے گیا، یہاں اُنھوں نے مسلسل تین سال صرف کیے، موقوف علیہ یعنی درجہ ہفتم عربی میں داخل ہوے، دورۂ حدیث شریف کے بعد، تکمیل اِفتا کا نصاب پڑھا۔ سال تعلیمی ۱۳۹۲-۱۳۹۳ھ میں دورۂ حدیث شریف میں فرسٹ ڈویژن سے کام یابی حاصل کی، ۱۳۹۳-۱۳۹۴ھ میں تکمیل اِفتا میں اُنھوں نے صدر مفتی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ (۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء-۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء) سے اِفتا کے اسباق پڑھے اور مشقِ فتوی نویسی کی۔

دارالعلوم دیوبند میں انھوں نے مندرجہ ذیل مشائخ سے پڑھا: فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ (۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء= ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ (۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء = ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء) حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ (۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء= ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء) حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ (۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء= ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء) حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ (۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء= ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء) حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ (۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء= ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء) حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ (۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء) اور حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ (۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء= ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء)

مولانا اسماعیل، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء= ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء) کے دست گرفتہ تھے، پھر وہ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوے جو شیخ الحدیث ہی کے خلیفہ ومجاز تھے، اُنھی سے آپ نے

تزکیہ و احسان کی مکمل تربیت پائی، اُن کی وفات کے بعد بھی صلحا و اتقیا سے استفادے کا سلسلہ جاری رہا، چناں چہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا ابراہیم پاندور افریقی اور حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ (۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳=۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ اِلٰہ آبادی (۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵=۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷) کے داماد وخلیفہ مولانا قمر الزماں اِلٰہ آبادی کی مجالس میں شرکت فرماتے رہے، جو اکثر گجرات کے مختلف علاقوں میں ہوا کرتی ہیں، بالخصوص دار العلوم کنتھاریہ میں جہاں سال ہا سال سے مولانا اِلٰہ آبادی کے اعتکاف کا معمول ہے۔

مولانا مرحوم شکر کے موذی مرض میں مبتلا تھے، جس کی وجہ سے اُن کے گردے خراب ہو گئے تھے؛ اِس لئے زندگی کے آخری دو سال اُنھوں نے اِس طرح گزارے کہ ہفتے میں ایک بار اُنھیں ڈایالیسس (Dialysis) کرانا پڑتا تھا، اِس عمل میں چوں کہ بدن کا خون آہستہ آہستہ کم ہو جاتا ہے، اِس لئے بار بار خون چڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے، مولانا کو بھی اِس کی کئی بار شدید ضرورت محسوس ہوئی؛ لیکن شدّتِ احتیاط کی وجہ سے وہ بہ مشکل اِس کے لئے تیار ہوتے تھے، اُن کی وفات بھی خون کی قلت کی وجہ سے بیہوشی کی وجہ سے واقع ہوئی۔ دوشنبہ ۱۵؍ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ = ۲۸؍جنوری ۲۰۱۳ء کے روز اُنھوں نے ظہر بعد بھی طلبۂ اِفتا کو دار العلوم کنتھاریہ میں درس دیا، دن گزار کر مغرب کی نماز کے لئے وہ وضو کے لئے آستین سمیٹ رہے تھے کہ وہ بیہوش ہو گئے، لوگ اُنھیں اٹھا کر اُن کے کمرے لے گئے جہاں اُن کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، گویا اُن کی وفات دوشنبہ-سہ شنبہ: ۱۵-۱۶؍ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ = ۲۸-۲۹؍جنوری ۲۰۱۳ء کی شب میں سرِ شام واقع ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

''یعنی رات بہت جاگے تھے، صبح ہوئی آرام کیا''

اللہ اُنھیں غریقِ رحمت کرے، کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور دنیا کی ساری محرومیوں اور لذّت ناآشنائیوں کا بے پناہ بدلہ، جنت الفردوس کی ناقابلِ تصور و ناقابلِ شمار نعمتوں کے ذریعے عطا فرمائے اور پس ماندگان، معتارفین و محبین کو صبرِ جمیل و اجرِ جزیل سے نوازے۔

سہ شنبہ کو اُن کی نماز جنازہ ۱۰-۱۱ر بجے صبح کو اُن کے وطن ''بھرکودرہ'' میں ادا کی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ نہ صرف دارالعلوم ''کنتھاریہ'' اور جامعہ ''جمبوسر'' کے سیکڑوں طلبہ وعلما نے جنازہ وتدفین میں شرکت کی؛ بل کہ گجرات کے دور دراز علاقوں کے مدرسوں کے بہت سے چیدہ علما وصلحا وطلبۂ دین بھی اس میں بڑی محبت، خلوص اور دلی جذبے کے داعیے سے شریک ہوے، جو مرحوم کے عنداللہ مقبول اور عندالناس محبوب ہونے کی علامت ہے۔

مولانا مرحوم علاقۂ گجرات کے خاموش طبع، کم گو، وپُرعمل صالح عالم ومفتی اور دینی، تعلیمی وملی سرگرمیوں میں ہندوستان گیر سطح پر پیش پیش رہنے والے، بانی جامعۃ علوم القرآن، قصبہ ''جمبوسر''، ضلع بھروچ، مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی دامت برکاتہ خلیفۂ مجاز فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسنؒ، کے برادر نسبتی تھے جو خود دقیق النظر اور دور رس عالم ہونے کے باوجود، مولانا مفتی اسماعیل مرحوم کی علمی صلاحیتوں اور فقہی بصیرتوں کے زبردست قائل اور قدر داں تھے۔ اُنھوں نے پوری زندگی اُن کے ساتھ اُسی طرح گزاری جیسے ایک واقعی خلوص کیش حقیقی بھائی اپنے محبت پیشہ بھائی کے ساتھ۔ اللہ پاک مفقود اور موجود دونوں بھائیوں کو زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں اپنی شان کے مطابق نوازے۔

مولانا مرحوم دوشنبہ: ۱۷ر ربیع الاول ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۷ر جنوری ۱۹۴۹ء کو اپنے وطن ''بھرکودرہ''، ضلع ''بھروچ'' میں متولد ہوے، اس اعتبار سے اُنھوں نے ۶۶ سال عمر پائی۔ اُنھوں نے خدا کی توفیق سے پوری زندگی صلاح وتقویٰ کے ساتھ گزاری۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ وروضۂ اقدس حضور...... کی سعادتِ عظمیٰ بھی حاصل کی، ایک بار ۱۹۸۵ء میں دوسری بار ۲۰۰۲ء میں۔

جانے والے نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۳ء)

❍❖❍

حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مقبول معتبر استاذ حدیث، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے خلیفہ اوران کے افکار کے امین، داعی الی اللہ حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ۵۵؍سال کی عمر میں مؤرخہ ۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰؍جنوری ۲۰۱۳ء بروز بدھ کوداعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی بہت نرم خو، بردبار، باوقار اور سنجیدہ عالم دین تھے، آپ کی گفتگو بہت پر حکمت اور معلوماتی ہوتی تھی، تکلفات سے دور اور سادگی پسند بزرگ تھے، آپ کا دل امت کے لئے خیر خواہی کے ساتھ دھڑکتا تھا، تدریس وتعلیم کے ساتھ آپ پیام انسانیت تحریک کے پلیٹ فارم سے غیر مسلموں تک اسلامی دعوت پہنچانے کا کام بہت خاموشی کے ساتھ اور بہت بہتر انداز میں انجام دے رہے تھے، آپ کا کام ملک کے طول وعرض میں پھیلا ہوا ہے، اور ہر جگہ آپ کے تیار کردہ افراد پورے خلوص ولگن کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے تھے، اوراسی عنوان سے پورے ملک میں آپ کے اسفار مسلسل جاری رہتے تھے۔

آپ کی پیدائش ۲۹؍جنوری ۱۹۵۷ء کو لکھنؤ میں ہوئی، آپ اپنے دادا حضرت ڈاکٹر سید عبد العلی صاحبؒ کے منظور نظر تھے، علمی ودینی گھرانے میں آپ پروان چڑھے، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ۱۹۷۶ء میں فراغت حاصل کی، اس کے بعد سے وہیں مدرس ہوگئے، اورابتدائی کتابوں سے لے کر مشکوٰۃ شریف اور ترمذی شریف اور بخاری شریف جیسی کتابیں زیر درس رہیں۔

آپ بچپن ہی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوگئے تھے، بعد ازاں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی آغوشِ تربیت میں رہ کر راہِ

سلوک کو طے کیا، تا آں کہ حضرت مولانا موصوف نے اپنی حیات کے آخری رمضان المبارک میں آپ کو اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔ آپ ۱۹۸۰ء سے رمضان المبارک میں تکیہ رائے بریلی کی مسجد میں درسِ حدیث ارشاد فرماتے تھے، جو بہت مؤثر اور مفید ہوتا تھا، وہ سب ریکارڈ میں موجود ہے، آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مؤقر استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ پندرہ روزہ عربی جریدہ ''الرائد'' کے مدیر بھی تھے، اور بعض کتابوں کے عربی ترجمہ کی خدمت بھی انجام دی تھی۔ الغرض آپ کی ذات امت کے لئے بہت بافیض تھی، احقر مرتب کا آپ سے تعارف اور ملاقات عرصہ سے تھی؛ لیکن گذشتہ سال حج کے موقع پر مدینہ منورہ میں ساتھ رہنے اور تفصیلی استفادہ کا موقع ملا، جس سے آپ کی قدر وعظمت میں مزید اضافہ ہوا۔

آپ کچھ عرصہ سے علیل تھے، اور اخیر میں امراضِ پیچیدہ ہوتے چلے گئے، وفات سے چند دن قبل مرادآباد میں جناب ڈاکٹر علاء الدین سیفی صاحب کے یہاں ایک رات قیام کیا تھا، احقر بھی عیادت کے لئے حاضر ہوا، طبعیت بہت ناساز تھی؛ لیکن اس حال میں بھی صبر وشکر کے علاوہ کوئی جملہ زبان پر نہ تھا، بہرحال وقت موعود آپہنچا اور لکھنؤ کے ایک اسپتال میں ۳۰ رجنوری ۲۰۱۳ء کو صبح ساڑھے دس بجے آپ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔

اسی دن بعد نماز مغرب ندوۃ العلماء کے احاطہ میں حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی، جب کہ دوسری نماز جنازہ آبائی وطن تکیہ رائے بریلی میں ساڑھے دس بجے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ العالی نے پڑھائی، اور پھر آپ کے جد امجد حضرت مولانا سید محمد ہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں آپ کو دفن کیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۳ء)

مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندویؒ

۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء-۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل امینی چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی و استاذ ادبِ عربی دارالعلوم دیوبند

عالمِ صالح داعی اِلی اللہ مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندوی کا طویل علالت کے بعد لکھنؤ کے ایک ہسپتال میں تقریباً سوا دس بجے صبح، چہار شنبہ: ۱۷ / ربیع الاول ۱۴۳۴ھ - ۳۰/ جنوری ۲۰۱۳ء کو سن عیسوی کے اعتبار سے ۵۶/ سال اور سنہ ہجری کے لحاظ سے ۵۸/ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ اُن کے عظیم خاندان کے سارے چھوٹوں اور بڑوں اور برصغیر نیز بیرونِ ملک کے اُن کے سارے محبین واہلِ تعلق نے اُن کے لئے دعا اور دوا میں کوئی کسر نہیں رہنے دی؛ لیکن خدائے علیم نے اُن کے لئے جو فرصتِ عمر مقدر کر رکھی تھی، وہ پوری ہو چکی تھی؛ اِس لئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی اور وہ نسبتاً خاصی کم عمری میں اپنے رب کے حضور جا پہنچے، جہاں ہر ایک کو اپنی باری پر کسی لمحے کی تاخیر کے بغیر پہنچنا ہے۔

اِس راقم کو اُن کی سخت علالت اور نازک حالت کا علم انتقال سے صرف چند روز پہلے ہوا، اُن کے بعض قریبی اعزا ہمارے ہاں آئے اور اپنی زبان سے تفصیل بتا کر دعا کی آرزو کی، تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بیماری کے شاید اُس اسٹیج پر پہنچ چکے ہیں، جہاں سے صحت اور زندگی کے لئے بازواپسی بہ ظاہر اور اسباب ومُسَبَّبَات کے منطقی نتیجے کے اعتبار سے بہت مشکل ہوتی ہے؛ لیکن آسمان وزمین کی تخلیق کرنے والے خدا کے لئے مُردوں کو زندہ کرنا بھی مشکل نہیں، اِس لئے دعا اور دوا کا ہمہ گیر اور بھرپور سلسلہ جاری رہا؛ مگر وہی ہوا جو خدا کو منظور تھا۔ کم عمری کے باوجود اپنے علم وحلم، دین ودعوت کے میدان میں اپنی ہنرمندی اور تھوڑے ہی وقت میں میدانِ عمل میں

نقوشِ جاوداں ثبت کر لینے کی وجہ سے اللہ نے اُنھیں بے پناہ محبوبیت سے نوازا تھا، اِسی لئے اُن کی وفات پر سیکڑوں دل اور آنکھیں حزن وملال سے نم اور پرغم رہیں۔ علم سے زیادہ عمل کی پاکیزگی اور کردار کی پختگی انسان کو اِنسان کا غلامِ بے دام بنالیتی ہے، اُس کا ایک نمایاں نمونہ مولانا سیّد عبداللہ محمد الحسنیؒ تھے۔

اُن کی پہلی نمازِ جنازہ بعد نماز مغرب (شب ۱۷-۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ= ۳۰-۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء) دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے وسیع وعریض میدان میں ہوئی جو اپنی وسعتوں کے باوجود ناکافی پڑ گیا؛ کیوں کہ طلبہ واساتذہ کے علاوہ اہلِ تعلّق اور اہلِ شہر کی بہت بڑی بھیڑ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے اُمڈ پڑی تھی۔ اِس پہلی نماز جنازہ کی اِمامت مرحوم کے استاذ اور اُن کے عظیم والد مولانا محمد الحسنیؒ (متوفی جون ۱۹۷۹ء شعبان ۱۳۹۹ھ) مؤسس ''البعث الاسلامی'' کے جگری دوست حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہٗ نے پڑھائی۔ پھر اُن کی لاش اُن کے آبائی وطن ''تکیہ کلاں'' رائے بریلی لے جائی گئی، جہاں دیر رات کو دوسری نمازِ جنازہ سرپرستِ خاندانِ حسنی، اُن کے خسر اور دارالعلوم ندوۃ العلما کے ناظم وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ نے پڑھائی، جس میں ضلع رائے بریلی اور بیرونِ ضلع و بیرونِ صوبہ کے بہت سے علما ومحبین شریک ہوے اور اُنھیں اپنے خاندان کے بزرگوں کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

مولانا عبداللہ حسنی مشہور عالم ومفکر وداعی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء-۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹) کے بڑے بھائی مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ (۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳-۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) کے پوتے تھے۔ مشہور مجاہد جنھوں نے برصغیر سے انگریزی سامراج کے خاتمے کے لئے باقاعدہ اُن سے جنگ کی اور راہِ خدا میں سرزمینِ بالاکوٹ میں شہید ہوے یعنی امام سیّد احمد بن عرفان شہیدؒ (۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶-۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱) اِسی خاندانِ والا شان کے سرخیل تھے، ''تکیہ کلاں'' ہی میں پیدا ہوے، یہیں پلے بڑھے اور یہیں سے آزادی کا صور پھونکا، جس سے

پورا برصغیر ایسا بیدار ہوا کہ اسی کے نتیجے میں بالآخر یہ ملک آزاد ہوکر انگریزی استعمار کے ناپاک قدموں کے اثرات سے ہمیشہ کے لئے پاک ہوگیا۔ مولانا عبداللہ حسنی کے پردادا مولانا حکیم سیّد عبدالحیؒ حسنیؒ (۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹- ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳) برصغیر کے چنیدۂ روزگار فضلاے نام دار میں تھے۔ وہ بہ یک وقت مولانا و حکیم اور عربی و اردو کے ادیب و مؤرخ تھے، اُنھوں نے برِّصغیر میں اسلام کی آمد کے وقت سے اپنی وفات کے وقت تک کے برصغیر کے علما و اہلِ کمال کا تذکرہ عربی زبان میں مُدَوَّن کیا جو آٹھ ضخیم جلدوں میں ''نزہۃ الخواطر'' کے نام سے مطبوعہ و متداول ہے اور علماے اسلام و فضلاے مشاہیر کے تذکرہ کے سلسلے میں عربی میں واحد مستند مرجع و ماخذ ہے۔ یہ صحیح النسب حسنی خاندان برصغیر میں علم و عمل کی جامعیت اور رات کی ''رہبانیت'' اور راہِ خدا میں دن کی ''شہہ سواری'' کے لئے مشہور و معروف رہا ہے۔ آج بھی اِس خاندان کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ فرد سے ملئے تو صاف معلوم ہوگا کہ واقعی یہ ''حسنی'' ہے؛ کیوں کہ اپنی ترکیب میں خاص امتیاز کا حامل ہے جو عام مسلمانوں میں تمام خوبیوں کے باوجود نہیں پایا جاتا۔

مولانا سیّد عبداللہ حسنی اِسی اَصل کی خوب صورت و خوب سیرت فرع تھے، اُنھیں علم و فضل، صلاح و تقویٰ اور جامع انسانی قدریں نسلاً بعد نسل وراثت میں ملی تھیں، جنھیں اُنھوں نے خدا کی توفیق سے بڑی خوب صورتی سے جذب کرکے اُن میں اپنی سعادت مندی کی قلم لگائی اور اپنے ٹھوس کردار سے نسلی موروثات کو سند عطا کی۔ جیسا کہ کہا گیا وہ مولانا سید محمد الحسنی بن سید عبدالعلی بن سید عبدالحی کے سب سے بڑے فرزند تھے، مولانا سید محمد الحسنی دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے عربی ترجمان رسالہ ''البعث الاسلامی'' کے بانی وایڈیٹر انچیف تھے۔ وہ عربی انشا پردازی کے حوالے سے برِّصغیر میں ربِ عظیم کا معجزہ تھے، اُن کے ایسی عربی اُن کی زندگی میں یا اُن کے بعد نہ صرف کوئی عجمی نژاد اہلِ قلم اور صحافی نہیں لکھ سکا؛ بل کہ عربوں میں بھی اُن کی زندگی میں یا اُن کے بعد اُن کی ٹکر کا جنم نہ لے سکا۔ یہ صرف میرا دعویٰ بلا دلیل نہیں؛ بل کہ عرب و عجم کے سارے معتبر اہلِ قلم کا اِس پر اب تک اِجماع ہے، جس کی مخالفت کرنے والا عربی زبان کی نزاکتوں سے ناآشنائے محض گردانا جائے گا۔

عالمِ اسلام کے عظیم دانش ور، ہند میں عربی زبان کے سب سے بڑے ادیب واہل قلم، اپنے علم اور اپنے عمل سے دین کی دعوت دینے والے اپنے عصر کے منفرد داعی اور اپنے اِخلاص اور دینی غیرت سے اپنے قارئین وسامعین کے دل ودماغ پر چھا جانے والے مصنف وخطیب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، مرحوم کے دادا مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی کے برادر خُرد تھے، جن کی علمی وعملی گود میں اُنھوں نے اور اُن سے قبل اُن کے والد ماجد مولانا سید محمد الحسنیؒ نے تعلیم وتربیت پائی۔

مولانا سید عبداللہ حسنی کو اچھا بننے کے لئے، الحمدللہ اچھے سے اچھا ماحول ملا، اُنھوں نے توفیقِ خداوندی سے اُس کی قدر کی اور واقعی عالم باعمل ڈھل کر نکلے۔ نیکی اور صالحیت اُن کی گھٹی میں پڑی تھی، اُنھیں اپنے آبا سے یہ خصلت ملی تھی کہ گناہ کرنے کی صلاحیت سے شاید پیدائشی طور پر بالکل عاری تھے، معصیت اور اَحکامِ اِلٰہی کی خلاف ورزی کی ''لذّت'' سے ناآشنا مخلوق ہوے تھے۔ یہ اُن کی اور اُن کے عظیم خاندان کی سب سے بڑی خصوصیت رہی ہے۔ وہ پرسکون، دھیمی طبیعت، خاموش مزاج، اور صرف کام کی بات کرنے کی فطرت کے ساتھ دنیا میں آئے تھے اور اِسی پر دنیا سے گئے۔ سادگی، خاک ساری، بے نفسی، غریبوں سے محبت، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، سارے مسلمانوں کی دین ودنیا کی بھلائی کے درد سے معمور دل کے مالک تھے۔ شہرت کی طلب، نیک نامی کی خواہش، اپنی ذات کی بات اور اُس کا ڈھول پیٹنے کے فن سے شاید ملائک کی طرح معصوم تھے۔ دنیا طلبی، زرکشی، یہاں کی زندگی کی آرایش اور یہاں کے ''گھروندے'' کی منفرد اور دعوتِ نظارہ دینے والی تعمیر وتزیین کہ جیسے ہمیشہ ہمیش یہیں رہنا ہے، جیسا کہ بہت سے اہلِ علم اور بعض نیکی اور دین داری کی شہرت رکھنے والے ''اہلِ کمال'' کا بھی شیوہ ہوا کرتا ہے؛ سے اُنھیں یا اُن کے خاندان اور بالخصوص اُن کے آباء کو کوئی نسبت تھی نہ اُنسیت نہ معرفت۔ اللہ نے اُن سعادت مندوں کو ہمیشہ اِس لایعنی ''تجربے'' سے بالکل محفوظ رکھا؛ تاکہ اُن کے آخرت کے ذخیرے میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔

وہ حسنِ اخلاق، نرم گوئی، شیریں سخنی، چھوٹے بڑے کے ساتھ نرم روی کی وجہ سے ہر ایک کے دل میں گھر کیے رہتے تھے۔ غیظ وغضب، اِحساسِ برتری اور کسی پر اپنی بڑائی جتانے کے فن سے بالکل واقف نہ تھے۔ ہاں اگر اللہ کی کسی حرام کردہ چیز کو پامال کرنے کی کوشش کی جاتی تو بے شک بہت ناراض ہوتے۔ اُنھوں نے اپنی زندگی کا تمام تر مشغلہ تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کو بنائے رکھا، بہت خاموشی سے، کسی شور شرابے کے بغیر نوجوانوں اور غیر مسلموں میں دعوتِ دین کا مؤثر اور نتیجہ خیز کام کیا۔ زندگی کے معرکے میں حسنِ اخلاق اور بے نفسی کے دونوں نہ کند ہونے والے کارگرترین ہتھیاروں سے ہمیشہ فتح پائی، یہ دونوں اُن کے لئے ''ماسٹر کی'' تھے جن سے اُنھوں نے لوگوں کے دلوں کے قفل کھولے۔ وہ ایک کام یاب مربی اور بہترین داعی تھے؛ کیوں کہ اُنھوں نے قول سے زیادہ اپنے فعل سے لوگوں کو مُتأثّر کیا۔

وہ تقریر اور گفتگو کی طرح اپنی تحریر میں بھی اپنی خوبیوں بھری شخصیت کا عکس تھے، اردو یا عربی میں جو کچھ لکھتے، اُس میں الفاظ، ترکیبیں، جملے، جملوں کی بندشیں ہلکی، نرم اور ہر سطح کے قاریوں کے لئے ''زود ہضم'' ہوتیں۔ سچ ہے کہ تحریر وتقریر میں بھی اِنسان کے اَخلاق وکردار کی پوری جھلک موجود ہوتی ہے، اِنسان وہی کچھ بولتا اور لکھتا ہے جو اُس کے اَخلاق اُس کو اِلہام کرتے ہیں۔

اُنھوں نے زائد از تیس برس دار العلوم ندوۃ العلما میں تفسیر وحدیث اور متعلقہ علوم کا درس دیا۔ اُن سے طلبہ کو بہت فیض پہنچا؛ کیوں کہ اُن کی نرم خوئی اور ہنس مکھے پن کی وجہ سے طلبہ اُن سے گھلے ملے رہتے اور بہت فائدہ اٹھاتے تھے۔ اُن کی ترسیلی صلاحیت کو اُن کے خلوص ومحبت اور گدازی نے بہت بار آور بنا دیا تھا۔

وہ پندرہ روزہ عربی جریدہ ''الرائد'' کے مدیر تھے، اُس میں اُن کے بہت سے مضامین شائع ہوتے رہے، جو علمی وادبی حلقوں میں بہت پڑھے جاتے رہے۔ اردو میں بھی مقالات ومضامین کے علاوہ کئی کتابیں اُنھوں نے یادگار چھوڑی ہیں۔ اُن کی تحریر میں روانی وسلاست کے ساتھ اِصلاحی اور دعوتی روح کی کارفرمائی ہوتی تھی؛ اِس لئے اُن کی تحریر قلب ونظر کے لئے

تریاق ہوتی تھی۔ اسلامی تہذیب کی عظمت، دینِ اسلام کی ہمہ وقت تازہ دمی، مغربی تہذیب کی بدتہذیبی، انسانی ترقی کے نام سے انسانوں کو ہمہ گیر طور پر تباہ کرنے کی مغرب کی بھیانک منصوبہ بندی کے موضوعات پر اُنھوں نے بہت خوب لکھا۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی ''تحریکِ پیامِ انسانیت'' کو نہ صرف زندہ رکھا؛ بل کہ اس پلیٹ فارم سے لائقِ تحسین وتبجیل کارنامے انجام دیے۔ بہت سے غیر مسلم پڑھے لکھے لوگوں کو نہ صرف تحریک سے جوڑا؛ بل کہ اسلام اور اسلامی تہذیب وثقافت سے خاصا قریب کیا، اُن میں سے بہت سے لوگوں کے لئے اسلامی تعلیمات سے نزدیکی واقفیت کی راہ ہموار کی، اِس طرح ہندوؤں کے ایک طبقے کو اسلام اور مسلمانوں سے رہنے والی وحشت کو دور کیا، جس سے اُس کو بہ خوبی اندازہ ہوگیا کہ دہشت گردی، انتہا پسندی اور کسی طرح کے تشدّد پر کوئی سچا مسلمان اِیمان رکھتا ہے نہ عمل کرتا ہے اور بالآخر اُنھیں یقین کرنا پڑا کہ مسلمانوں سے زیادہ اچھا شہری اور ملک کا وفادار کوئی اور نہیں ہوسکتا اور جو لوگ مسلمانوں کے متعلق غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں، وہ ملک کے دشمن ہیں، اُس کے دوست نہیں ہوسکتے۔

اِسی کے ساتھ وہ متعدد مدرسوں، مکاتب اور انجمنوں کے ذمے دار اور سرپرست تھے، اُنھوں نے ملک اور بیرون ملک کا بہت بار علمی ودعوتی سفر کیا۔ اندرونِ ملک تو بہت زیادہ اُن کی آمد ورفت اور چلت پھرت رہی؛ کیوں کہ تدریسی کام کے ساتھ اُن کے دعوتی کاموں کا دائرہ خاصا کشادہ تھا۔ وہ جہاں جاتے دینی اکتسابات اور دعوتی فتوحات کا بڑا ذخیرہ اُن کے دامن میں ہوتا۔ اُن کی سیرت اور بھولی بھالی صورت میں مقناطیس کی کشش تھی، لوگ اُن کی طرف اُسی طرح کھنچتے تھے جیسے مقناطیس کی طرف آہن پارے۔

مولانا سید عبداللہ حسنی، ۲۹؍جنوری ۱۹۵۷ (۲۷؍رجب ۱۳۷۶ھ) کو لکھنؤ کے مشہور ''امین آباد'' محلے میں متولد ہوے، جہاں برسوں سے اُن کے خاندان کے بہت سے اَفراد بالخصوص اُن کے والدین رہتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے خاندان میں حاصل کی، پھر دارالعلوم

ندوۃ العلما میں داخل ہوے، جہاں سارے تعلیمی مراحل اپنے چھوٹے دادا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سر پرستی میں طے کیے۔ شروع سے ہی والدین اور حضرت مولاناؒ کی بے پناہ شفقت اور خصوصی توجّہ اُن پر مرکوز رہی؛ کیوں کہ وہ حضرت مولاناؒ کے اِکلوتے بھتیجے کی پہلی نرینہ اولاد تھے۔ حضرت مولاناؒ لاولد تھے، اِس لئے اُنھوں نے اپنے بھائی بہن کی اولادوں کو ہی اپنی اولاد کی شفقت و محبت عنایت فرمائی۔ مولانا سید عبداللہ نے حضرت مولاناؒ ہی سے اپنے والد ہی کی طرح دین کا درد، دعوت وتبلیغ کا جذبہ، اِنسانیت کی چارہ گری اور بھٹکے ہوے آہو کو پھر سوئے حرم لے آنے کی تدبیر سازی کا ہنر اخذ کیا اور کچھ اُن کی طرف خاندانی طور پر بھی اُن سے منتقل ہوا۔ اُنھوں نے حضرت مولاناؒ سے ہی ذوقِ عبادت وشوقِ اِنابت بھی پایا، اُنھیں سے بیعت ہوے اور اُنھی سے اِجازت وخلافت ملی۔

حضرت مولاناؒ کے علاوہ، ندوہ میں اُنھوں نے حضرت مولاناؒ کے بعد اپنے خاندان کے سب سے بڑے بزرگ وسر پرست حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی سے، نیز حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی، حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی قاسمی اور حضرت مولانا ضیاء الحسن اعظمی قاسمیؒ (۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰-۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹) وغیرہ سے بھی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ نیز ندوہ میں وقتاً فوقتاً آنے والے اساتذۂ زائرین سے بھی اکتسابِ علم وفضل کیا، جن میں عالمِ اسلام کے عظیم محدث، عاشق رسول ......علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی شامیؒ (۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷-۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷) اور علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی مصری مقیم قطر، نیز شیخ نورالدین عتر وغیرہ سرفہرست ہیں۔

مولانا سید عبداللہ حسنی، نبوی اَخلاق کے حامل تھے، دین ودنیا میں کام دینے والی بات کے سوا، زبان سے کوئی لفظ ادا نہ کرتے، اُن کا دل ہر طرح کی کدورتوں سے آئینے کی طرح شَفّاف تھا، زبان اور ہاتھ سے کسی کو کوئی اذیت بھولے سے بھی نہیں پہنچنے دی۔ غیبت اور بدگوئی خود کرتے نہ کسی سے سنتے؛ بل کہ اگر کوئی اُن کی مجلس میں کسی پر حرفِ تنقید زبان پر لاتا تو فوراً

موضوعِ سخن تبدیل کر دیتے۔ حسد، کینہ، بغض، منفی تنافس، اور کسی کی بے آبروئی اور پردہ دری سے کبھی کوئی سابقہ نہ ہوا۔ نیز وہ ''حسنیؒ'' السیرت بھی تھے: کشادہ دل، سیر چشم، اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے عذر تلاش کرنے والے، لغزشوں سے درگزر کرنے والے، اختلافی مسائل میں باہمی گفتگو اور مذاکرے پر عمل کرنے والے انسان تھے، گرم گفتاری اور کرخت کرداری سے کوسوں دور رہتے۔ انسان کی صرف خوبیوں پر نظر رکھتے اور خرابیوں سے چشم پوشی کرتے۔ اُنھوں نے یہ اَخلاق اپنے آبا سے وراثت میں پایا تھا، جس سے نسب کی بلندی، حسب کی اَصلیت، اَصل وفرع کی پاکیزگی کا بہ خوبی اندازہ ہوتا تھا اور جس میں عملِ صالح پر کاربندی نے چار چاند لگا دیے تھے۔ یہی وہ صفت ہے جس سے کوئی بھی اِنسان اپنے رب کا محبوب، خلق خدا میں مرغوب اور شریعت کا مردِ مطلوب بن جاتا ہے۔

مرحوم کو یہ راقم اُن کے آغازِ جوانی سے جانتا تھا، اِس لئے کہ وہ جون ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم ندوۃ العلما میں عربی زبان کے اُستاذ کی حیثیت سے برسرِ عمل ہوا، اُس وقت مولانا سید عبداللہؒ دارالعلوم ندوۃ العلما میں تعلیمی مراحل کے وسط میں تھے۔ اُن کے عظیم والد مولانا سید محمد الحسنیؒ سے راقم کو قلبی تعلق تھا، کیوں کہ اِتنی پاکیزہ مٹی کا اِنسان اُس نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا، مولانا محمد الحسنی بھی اِس راقِم آثم پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ اُنھیں کوئی خاص تحریر لکھنی ہوتی بالخصوص ''البعث الاسلامی'' کا اداریہ تحریر کرنا ہوتا، تو وہ بہت اچھا لباس زیبِ تن کر کے اپنی رہایش گاہ ''امین آباد'' سے آتے اور دارالعلوم ندوۃ العلما پہنچ کر اچھی چائے کی خواہش کرتے، پہلے وہ اپنے دیرینہ دوست مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کو تلاش کرتے، اگر وہ کسی گھنٹے میں پڑھاتے ہوتے، تو وہ اِس راقم کے کمرے پہ تشریف لاتے اور فرماتے: ''بھئی! دماغ چلانے والی چائے پلاؤ'' یعنی لیپٹن گرین لیبل کی دم کی چائے، جو یہ راقم لیتا تھا، اُس کی طرف اِشارہ کرتے۔ چائے لیتے ہی جھومتے ہوئے اپنے دفتر میں چلے جاتے اور تنہائی میں بیٹھ کے مطلوبہ تحریر رقم فرماتے۔ مولانا محمد الحسنیؒ کی اِس غیر معمولی محبت کی وجہ سے اُن کے خاندان

کے بچے بالخصوص مولانا عبداللہ حسنی بھی راقم الحروف سے بہت مانوس ہو گئے تھے، اور اکثر وہ کسی نحوی یا صرفی مسئلے کی پیچیدگی کے حل کے لئے راقم الحروف سے ملتے رہتے۔ عربی کے کسی اچھے جملے کی تراش خراش کے لئے تبادلۂ خیال کرنے آتے رہتے اور جب اُن کا مقصود حاصل ہو جاتا، تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔

مجھے اُن کی اُس وقت کی شبیہ یاد ہے: سبزہ آغاز، پاک دل، پاک سیرت، موہنی صورت، معصومیت اور اَخلاقی پاکیزگی کی مورت نوجوان۔ آواز میں نرمی، اَخلاق میں شیرینی، برتاؤ میں جادوگری، ہونٹوں پہ مسکراہٹ، آنکھوں میں اِیمان کی چمک، پیشانی سے دین داری وعفّت مآبی کی روشنی ابلتی ہوئی، زبان سے سچائی کے پھول جھڑتے اور کردار سے دامنِ دل کو تھامنے والی سچّائیاں مخاطب پر اپنا جادو دکھاتیں۔ دن گزرنے کے ساتھ یہ راقم اُن کے فردِ خاندان کی طرح بن گیا، اکثر اُن کے آبائی وطن ''تکیہ کلاں'' رائے بریلی جانا آنا ہوتا، جہاں حضرت مولانا علی میاںؒ کا بہ استثنائے اسفار مستقل قیام رہتا تھا، بسا اوقات اُن کی طلب پر وہاں راقم کی حاضری ہوتی، مہینہ، پندرہ دن، ہفتہ عشرہ وہاں راقم کا قیام عام سی بات تھی، حضرتؒ کے حکم سے کوئی تحریر صاف کرتا، یا وہ کوئی تحریر یا تالیف کا راقم کو اِملا کراتے، یا کسی عبارت کا اُردو سے عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم فرماتے۔

اِس لئے راقم نے مولانا سید عبداللہ حسنی کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ دیدہ ہے شنیدہ نہیں۔ اُس نے مناسب سمجھا کہ اِس موقع سے اُس کے اپنے تاثرات قلم بند ہو کر آیندہ نسلوں کے لئے محفوظ ہو جائیں؛ تاکہ وہ اِس طرح کے سلالۂ نبویہ کے سادات واشراف کی علم وعمل میں اقتدا کر سکیں، جو عظیم خاندان کی عظمت کے معیار پر اپنے کردار اور عمل سے پورا اُترنے کی کوشش میں اپنی پوری زندگی گزار گئے۔

راقم جب لکھنؤ سے دارالعلوم دیوبند بہ حیثیت استاذ ومدیر ''الداعی'' آ گیا تو اُنھوں نے اُس کے ساتھ اپنے تعلق اور محبت میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔ وہ جب بھی مغربی یوپی کے کسی مدرسے میں آتے؛ وقت نکال کے راقم سے ضرور ملتے اور پرانی یادوں اور باتوں کو یاد کر کے بہت

خوش ہوتے۔ اپنے والد کی کوئی تحریر، رسالہ، یا مضامین کا مجموعہ چھاپتے، تو اہتمام سے اُس کا ایک نسخہ راقم کو ضرور بھیجتے۔

مرحوم نے اپنے پیچھے صرف اہلیہ اور ایک لڑکا چھوڑا ہے۔ اُن کے دونوں بھائی اُن سے چھوٹے ہیں مولانا عمّار اور مولانا بلال جو دارالعلوم ندوۃ العلما سے فارغ ہیں اور دین ودعوت اور تعلیم وتربیت کے میدان میں رواں دواں ہیں۔

مولانا سید عبداللہ حسنیؒ میں، اُن کے فضل وکمال کے بال وپر نکلنے کے بعد، اہلِ بصیرت وفراست کی نگاہ میں وہ خاص خاندانی ''جوہر'' آشکارا ہونے لگا تھا جس کے آخری سب سے بڑے محافظ؛ بل کہ اُس کے ثمرات واَثرات وبرکات سے اپنی زندگی میں ساری اُمّت؛ اور ملک وملّت کو نہال کر دینے والے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے؛ اِسی لئے اُنھیں بہت سے اہل دانش وبینش حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے بعد (اللہ اُن کی صحت وعافیت کے ساتھ عمر دراز کرے) ندوۃ العلما کی کشتی کے کھیون ہار کے روپ میں دیکھ رہے تھے؛ کیوں کہ مرحوم میں حضرت مولانا ندوی جیسی کشادہ نفسی، دریا دلی، مال وزر سے اِستغنا، زرکشی سے نفرت، دنیا میں ایک پردیسی اور مسافر کی طرح رہنے کی خصلت، اختلاف کے باوجود صاحبِ معاملہ کا احترام کرنے کی عادت، عیب جوئی وتنقیص وتنقید سے مکمل دوری، انسان کی کم زوریوں اور عیوب کی پردہ پوشی، حد درجہ تحمل وبردباری، ہر سنی ہوئی بات کی تصدیق سے مکمل احتراز، انتظام وانصرام کے باب میں مکمل تحقیق اور روایت ودرایت کے معقول معیار پر رکھے بغیر کسی شکایت کنندہ کی بات سے مُتأثِّر ہونے سے بچنے وغیرہ جیسی صفات پائی جاتی تھیں، اور یہی اور اِن جیسے دیگر عناصر کی صحیح ترکیب وامتزاج سے کوئی اِنسان بڑا اِنسان بن پاتا ہے۔

اللہ پاک کے فیصلے اور تقدیر میں یقیناً کوئی بڑی حکمت ومصلحت ہوگی، جو ہم اِنسانوں سے مکمل طور پر مخفی رکھی گئی ہے؛ ورنہ ہم انسانوں کی تو یہی خواہش تھی کہ مولانا سید عبداللہ حسنی ایسے لوگ تا دیر زندہ رہتے؛ تا کہ انسانی معاشرے کو اُن سے خوب خوب فیض یاب اور خود اُنھیں مزید سعادت مندیوں اور نیکیوں سے اپنے دامن کو بھرنے کا مزید موقع ملتا؛ لیکن رہے نام اللہ کا۔

مختصر سوانحی خاکہ

نام:- سید عبداللہ بن محمد بن عبدالعلی بن عبدالحی بن فخرالدین بن عبدالعلی۔ سلسلۂ نسب حضرتِ حسن بن علی بن ابی طالب، رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

تاریخ پیدائش:- سہ شنبہ: ۲۹/جنوری ۱۹۵۷ء مطابق ۲۶/رجب ۱۳۷۶ھ۔

جاے پیدائش:- امین آباد، لکھنؤ۔

تعلیم:- اُن کی ابتدائی تعلیم اپنے دینی وعلمی گھرانے میں ہوئی، اس کے بعد از ابتدا تا انتہا، ساری تعلیم اُنھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں حاصل کی، جہاں سے اُنھیں ۱۹۷۵ء مطابق ۱۳۹۵ھ میں ''عالمیت'' اور ۱۹۷۷ء، مطابق ۱۳۹۷ھ میں ''فضیلت'' کی سند ملی۔

عملی زندگی:- ۱۹۷۷ء، مطابق ۱۳۹۷ھ میں دارالعلوم ندوۃ العلما میں استاذ متعین ہوے اور تادم آخر اس فرض کو انجام دیتے رہے، اِسی کے ساتھ پندرہ روزہ عربی جریدہ ''الرائد'' کے مدیر کی حیثیت سے بھی ۱۹۷۵ء، مطابق ۱۳۹۹ھ سے تاحیات کام کیا، نیز متعدد کتابیں ومقالات لکھے اور حضرت مولانا ندویؒ کی کئی کتابیں عربی سے اردو میں ترجمہ کیں۔

تصوف واحسان:- وہ پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا بن یحییٰ کاندھلویؒ (۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء-۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء) سے بیعت ہوے؛ لیکن اُنھوں نے تزکیہ واحسان میں ساری تعلیم وتربیت اپنے چھوٹے دادا مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے حاصل کی اور اُنھی سے اِجازت وخلافت ملی۔

وفات:- چہارشنبہ: ۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰/جنوری ۲۰۱۳ء کو لکھنؤ میں۔

تدفین:- ''تکیہ کلاں'' رائے بریلی، شبِ ۱۷-۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ، مطابق ۳۰-۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۳ء)

محدثِ جلیل

حضرت مولانا زین العابدین اعظمی نور اللہ مرقدہٗ

دارالعلوم دیوبند کے نامور فاضل، برصغیر میں فن حدیث کے مستند اور معتبر محقق عالم دین، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے رئیس، نمونۂ سلف حضرت مولانا زین العابدین صاحب محدث اعظمی نور اللہ مرقدہٗ مؤرخہ ۱۶؍ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸؍ اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار کو وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم بہت سادہ مزاج بزرگ تھے، علمی گیرائی، دقتِ نظر اور قوتِ حافظہ مثالی تھا، اپنے اسلاف واکابر کے نظریات ومزاج سے پوری طرح ہم آہنگ تھے، عقائد راسخہ اور اعمالِ صالحہ پر استقامت کے ساتھ قائم تھے، حق نوازی طبعیت میں رچی اور بسی ہوئی تھی، احقاقِ حق کے معاملہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہ ہوتے، اور ادب کے دائرہ میں رہ کر اپنے موقف کے اظہار میں دریغ نہ فرماتے تھے، اپنے چھوٹوں اور شاگردوں کے ساتھ بھرپور اکرام کا معاملہ فرماتے، کسی بھی مجلس میں اپنے لئے کوئی خاص امتیاز پسند نہ فرماتے، اجتماعی پروگراموں میں تشریف لاتے، تو جہاں موقع ملتا وہیں لیٹ بیٹھ جاتے اور کوئی تکلف نہ فرماتے، عمامہ کی سنت پر پابندی کے ساتھ عمل تھا، نماز باجماعت اور صف اولی اور تکبیر اولیٰ کی پابندی قابل رشک تھی۔

حضرت مولانا مرحوم کی پیدائش ۱۳۵۱ھ میں مردم خیز قصبہ پورہ معروف میں ہوئی، ابتدائی تعلیم علاقائی مدارس میں حاصل کر کے ۱۳۶۸ھ میں ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور وہاں ۴؍ سال مقیم رہ کر اپنے وقت کے اساطین علم بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ،

حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ تعالیٰ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور ۱۳۷۲ھ میں امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی، حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ اور بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ محدث دار العلوم دیو بند آپ کے درسی رفقاء میں ہیں، آپ نے محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہٗ سے بھی استفادہ کیا۔

فراغت کے بعد آپ نے بہت سے مدرسوں میں حدیث کی کتابوں کا درس دیا اور اخیر میں ۱۴۱۵ھ سے جامعہ مظاہر علوم دار جدید سہارنپور میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے رئیس مقرر ہوئے؛ بلکہ آپ ہی کے ذریعہ اس شعبہ کا آغاز ہوا، اور تادمِ حیات اس سے وابستہ رہے۔

آپ اولاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت تھے، حضرت کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ سے وابستہ ہوئے اور اخیر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمیؒ کے ذریعہ اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔

مولانا موصوفؒ نے علمی موضوعات پر متعدد قیمتی کتب ورسائل تصنیف فرمائے، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الجبار صاحب اعظمیؒ کے امالی بخاری ''امداد الباری'' کا تکملہ بھی آپ نے تحریر فرمایا، نیز رسالہ ''مظاہر علوم'' میں بھی آپ کی قیمتی تحریریں شائع ہوتی رہتی تھیں۔

آپ متعدد عارضوں میں مبتلا تھے، جنہیں صبر وتحمل سے برداشت کرتے رہے، بالآخر ۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ کو صبح کے وقت داعئ اجل کو لبیک کہا، عشاء کے بعد آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، ہزاروں علماء اور عوام وخواص کا مجمع تھا، جو آپ کی مقبولیت ومحبوبیت کی شہادت دے رہا تھا، پورہ معروف کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

پسماندگان میں صاحبزادگان کے علاوہ آپ کے برادر زادے ملک کے معروف عالم حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب معروفی دار العلوم دیو بند کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے مؤقر استاذ ہیں، جن کی تعلیم وتربیت میں مولانا مرحوم کا بہت حصہ رہا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کے درجات بلند فرمائیں، اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی جون ۲۰۱۳ء) ❍❖❍

آہ! میرے مشفق اُستاذ

مولانا محمد صادق معروفی خادم حدیث وفقہ جامعۃ الکوثر الاسلامیہ جندل نگر غازی آباد

۱۶؍جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸؍اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار کا سورج اس حال میں طلوع ہوا کہ حدیث کی نصف صدی سے زائد تک خدمت انجام دینے والا ایک مخلص، جانثار خادم اور بے شمار فرزندانِ توحید کا عظیم استاذ دارِ فانی سے ابدی مفارقت کے لئے رخت سفر باندھنے کی تیاری کررہا تھا، حاضرین کی توجہات جانے والے کی نبضوں پر مرکوز تھیں، سانس کے ساتھ ساتھ منٹ اور سکنڈ گنے جارہے تھے، دن کے دو بجتے بجتے کوچ کی گھڑی آپہنچی، رحمت کے فرشتے پورہ معروف کی سرزمین پر منڈلانے لگے، ملک الموت ایک صاحب ایمان کی روح اعزاز کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے مقررہ جگہ پر تشریف لاکر اپنا کام سرانجام دے گئے، پھر کچھ ہی لمحات کے بعد پورہ معروف کے ہر چہار سو حسرت آمیز، غم واندوہ سے بھرپور اعلان سے گونجنے لگے کہ:

''استاذ الاساتذہ، محقق دوراں، محدثِ جلیل، شیخ طریقت، ولی کامل، حضرت محدث اعظم شیخ عبدالجبار صاحبؒ کے سچے اور حقیقی جانشین حضرت مولانا زین العابدین صاحب نور اللہ مرقدہ کا وصال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اعلان کیا تھا، ایک ارتعاش تھا، جس نے سننے والوں کو دم بخود کردیا، کتنی ہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا، کتنے لوگ سن کر بے اختیار ہوگئے، ماضی کے اوراق پلٹنے لگے، جانے والے کے امتیازی اوصاف ایک ایک کرکے سامنے آنے لگے، آج صرف ایک شخص کا انتقال نہیں؛ بلکہ ایک دور کا خاتمہ ہوگیا تھا، جرأت وہمت کا پیکر، بزرگانہ اقدار واصول کا امین، مادرِ علمی دارالعلوم

دیوبند اور جامعہ مظاہر علوم کی عظمت کا پاسبان اور اس سے بڑھ کر محبت دارالعلوم دیوبند و جامعہ مظاہر علوم سے پوری طرح سرشار ایک بےلوث خدمت گار ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ کی وفات ایسا عظیم حادثہ ہے جس پر اظہار کرب والم کے سارے الفاظ بےمعنی معلوم ہوتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ حادثہ صرف مولانا مرحوم کے اعزاء کا نہیں، محض ان کے تلامذہ کا نہیں، تنہا جامعہ مظاہر علوم کا نہیں، تنہا دارالعلوم دیوبند کا نہیں؛ بلکہ پوری دنیائے علم وفن کا حادثہ ہے۔ مشہور مقولہ ہے: ''موت العالم موت العالم''۔ کی صداقت کا صحیح اور مکمل ادراک اسی جیسے حادثوں کے وقت ہوتا ہے۔

مختصر حالات

نام وولادت:- مولانا زین العابدین بن محمد بشیر بن محمد نذیر، آپ عصر حاضر کے جلیل القدر عالم، محدث اور محقق تھے، ضلع مئو کی مردم خیز بستی ''پورہ معروف'' میں ۱۳۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔

علمی نشو ونما:- ابتدائی تعلیم شرح وقایہ تک اپنے وطن ہی میں مدرسہ معروفیہ میں مکمل کی، ۱۳۶۷ھ میں احیاء العلوم مبارک پور میں داخل ہوکر ایک سال ہدایہ اولین وغیرہ پڑھی، ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور پہلے فنون کی تکمیل کی، ۱۳۷۲ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھا، اول نمبرات سے کامیابی حاصل کی، آپ کے درسی رفقاء میں حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

علم حدیث کے جلیل القدر اساتذہ:- حضرت فرماتے ہیں کہ علم حدیث میں نے اپنے اساتذہ حضرت شیخ الاسلام مرشدی مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے مسلم شریف پڑھی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے ابوداؤد شریف پڑھی، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ، حضرت

مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندی آپ نے ابن ماجہ پڑھی، حضرت مولانا جلیل صاحب سے مشکوٰۃ شریف پڑھی) (امدادالباری)

اجازت حدیث:- حضرت مولانا عبدالغنی صاحب رسول پوریؒ، اور حضرت محدث کبیر ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہٗ سابق امیر الہند سے حاصل ہے۔ (امدادالباری)

تدریسی خدمات:- فراغت کے بعد ''مدرسہ اسلامیہ'' گوماپھول باڑی آسام، جامعہ ''احیاءالعلوم'' مبارک پور، ''مدرسۃ الاصلاح'' سرائے میر، ''دارالعلوم چھاپی'' گجرات، ''مظہر العلوم'' بنارس، اور ''دارالعلوم سبیل السلام'' حیدرآباد وغیرہ میں آپ نے درس دیا، اور عموماً ہر جگہ ''شیخ الحدیث'' کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ اور اب ۱۴۱۵ھ سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں صدر ''شعبۂ تخصص فی الحدیث'' کی حیثیت سے علم حدیث کی خدمت انجام دے رہے تھے، آپ کا درس انتہائی محققانہ اور ''خیر الکلام ما قل ودل'' کا مصداق ہوتا تھا، طلبہ کے ساتھ آپ کی شفقت ومحبت اور علمی میدان میں ان کی ترقی کے لئے مخلصانہ جد وجہد آپ کا نشانِ امتیاز تھا؛ بلکہ فراغت کے بعد بھی آپ کا یہ بے لوث تعلق ان سے اسی طرح باقی رہتا تھا، اور یہ چیز عدیم الفرصتی کے اس زمانہ میں با استعداد اور مصروف علماء میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، اس طرح زہد وتقویٰ وتواضع وانکساری، سادگی، مزاج محنت وجفاکشی اور قناعت وغیرہ بھی آپ کے مخصوص اوصاف تھے۔ آپ کے نصف صدی سے زائد پر محیط تدریسی زمانے میں بے شمار لوگوں نے آپ سے کسبِ فیض کیا ہے، آپ کے تلامذہ اور فیض یافتہ حضرات ہند وبیرونِ ہند کے اہم اداروں میں نمایاں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ (تمغۂ سعادت ۴۳)

بیعت وارشاد:- آپ نے بیعت وارشاد کا تعلق اولاً شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے، ثانیاً مجدد عصر، قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے قائم کیا، آخر میں محدث اعظم قطب عالم ابوالابرار حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ سے ۱۴۰۶ھ میں جامع الہدیٰ مرادآباد کی مسجد میں اجازت وخلافت پائی۔

حضرت محدث اعظمؒ سے قوی تعلق اور حضرت کا اعتماد

حضرت فرماتے ہیں کہ میرے مرشد ثانی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ جن کی خدمت میں رمضان شریف گذارنے جاتا تھا، ان کے انتقال کے بعد میں نے حضرت مرشدی مولانا عبدالجبار صاحبؒ کے آستانہ سے تعلق قائم کیا، حضرت نے انتہائی شفقت کے ساتھ مجھ پر نظر عنایت مرکوز فرمائی، کلکتہ وغیرہ آتے جاتے مجھے پروگرام کی اطلاع فرماتے، کبھی کبھی معمولی خدمت بھی میرے حوالہ کرنے لگے، اور میرا قیام بنارس میں ہوجانے کی وجہ سے بنارس اسٹیشن پر اکثر ملاقات ہونے لگی، آخر رمضان ۱۴۰۶ھ میں حضرت نے جب ''مدرسہ جامع الہدیٰ مرادآباد'' کی مسجد کی میں اعتکاف کیا تو میں بھی شریک ہوگیا۔

اس کے بعد گجرات میں ایک دفعہ شریکِ اعتکاف رہا اور ہر موقع پر حضرت نے میری بے ادبی اور بے جا اعتراض سے چشم پوشی فرمائی، پھر جامع الدراری کی تصحیح شدہ کاپیاں نہایت اہتمام سے میرے پاس نظر ثانی کے لئے بھیج دیں، میں نے بے تکلف اس کی غلطیوں کی نشان دہی کردی، جن میں سے اکثر کا حضرتؒ نے لحاظ فرمایا، اور کچھ ایسی باتیں تھیں جن میں خود مجھ ہی سے غلطی ہوگئی تھی، حضرت نے اس کی وضاحت فرما کر مجھے مطمئن کردیا اور اس سلسلہ میں ایک بار مجھ کو مرادآباد بھی طلب فرمایا، انہیں وجوہ کی بنیاد پر حضرت کے خلف اکبر مولانا عبدالباری صاحبؒ کی رائے پر عزیزان مولانا عبدالرحمٰن ساجد اور صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا ومفتی حبیب الرحمٰن صاحب نے امدادالباری کی تکمیل کا کام مجھ پر ڈالا۔

تصنیفات:- آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں: (۱) دلائل الامور الستۃ (عربی) (۲) التعلیقات السنیۃ علی شرح العقائد النسفیہ (عربی) (۳) ترجمہ تذکرہ علماء ہند (۴) کتاب المرتضٰی وغیرہ کا علمی احتساب (۵) اسماء حسنٰی سے استفادہ (۶) مسنون قرأت (۷) عقیدہ نما (۸) عرش کا سایہ (۹) محدث اعظم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ کی ''امدادالباری شرح بخاری'' کا تکملہ (۱۰) اسی طرح

آپ نے رسالۃ الاوائل (۱۱) اور المغنی فی ضبط اسماء الرجال کی تحقیق وتعلیق بھی فرمائی ہے، اس کے علاوہ آپ کے علمی واصلاحی مضامین مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہتے تھے، خاص طور سے رسالہ ماہنامہ ''مظاہر علوم'' میں ''انوار حدیث'' کے عنوان کے تحت ہر ماہ مستقلاً آپ کے تذکیری اور علمی مضامین بڑی اہمیت کے حامل ہوتے تھے۔

عادات وخصائل اور قابلِ تقلید معمولات

حق گوئی وطریقہ حق پر استقامت میں مولانا مرحوم پختہ کردار کے مالک تھے، نفع ونمود کے جذبہ سے بلند ہوکر ہمیشہ سچی بات کہنے کے عادی تھے، آپ کا دینی مزاج بزرگانِ سلف کی طرح:

ع: زمانہ با تو نہ سازد با زمانہ ستیز

کا حامل تھا، رائے میں پختہ تھے، کسی شخصیت سے کم ہی مرعوب ہوتے تھے، مزاج اصول پسند تھا، اس لئے بے اصولی بے حد ناگوار تھی، اپنے کام میں بڑے چست اور چاق وچوبند رہتے اور دوسروں سے بھی اس کی توقع رکھتے تھے، سخت گیر تھے، مگر سخت دل نہیں تھے، چھوٹے بچوں کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت اور پیار ودلار کا معاملہ کرتے، وقار وسنجیدگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ:- حضرت مولانا مرحوم علم وعمل کے پیکر، علم شریعت کے پیکر بیکراں کے غواص، گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے، مزاج میں سادگی اور کسر نفسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ کو دیکھ کر کوئی یہ اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ یہ شخص اتنے بڑے منصب پر فائز ہے، تصنع اور بناوٹ سے گویا آپ کو طبعی نفرت تھی، قیام، طعام، لباس، گفتگو ہر چیز میں سادگی پسند فرماتے تھے، ہر شخص کے ساتھ بے تکلفی سے پیش آتے، اپنے سے مانوس طلبہ سے نہایت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، تقویٰ وطہارت کے مجسم نمونہ تھے۔

شب بیداری اور سحر خیزی کے علاوہ حضرت مولاناؒ خاص کر دو چیزوں کا انتہائی اہتمام فرماتے تھے، جن میں کسی حالت میں تخلف نہیں ہوتا تھا: (۱) مسجد میں نماز باجماعت کی پابندی،

خواہ کیسی ہی بارش ہو، سردی ہو یا گرمی کی انتہاء ہو، جب تک آپ میں طاقت تھی ہر نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ (۲) اسباق کی پابندی، شاید ہی سال میں ایک دو سبق کا ناغہ ہوتا ہو، وہ بھی کسی عذر کی وجہ سے، ورنہ عموماً وقت ہوتے ہی درس گاہ تشریف لے جاتے اور پورا گھنٹہ ہونے کے بعد واپس تشریف لاتے، اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی بہت زیادہ تاکید کرتے تھے۔

صبر وتحمل اور توکل علی اللہ

حضرت مولانا مرحوم پیکرِ صبر وتحمل تھے، کئی مختلف بیماریوں نے آپ کو گھیر رکھا تھا؛ لیکن صبر وتحمل کا یہ حال تھا کہ کم ہی اپنے قریبی لوگوں تک کو اپنی تکلیف سے باخبر ہونے دیتے تھے، توکل کا یہ عالم تھا کہ عام طور پر اپنے علاج کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے، اکثر یہی فرماتے تھے کہ صحت وبیماری سب مالک حقیقی کی طرف سے ہیں، اس کے حکم کے بغیر نہ مرض لاحق ہوتا ہے اور نہ اس کی مرضی کے بغیر تمام تر کوششوں کے باوجود صحت وشفا کی نعمت میسر ہوسکتی ہے، اس لئے راضی برضا رہنا ہی معراجِ بندگی ہے۔

جنازہ:- جنازہ کی نماز بعد نماز عشاء آپ کے خصوصی مرید حضرت مولانا رضوان الرحمٰن صاحب استاذ جامعہ اسلامیہ بنارس نے پورہ معروف بازار کی قبرستان (جو مٹھیا کے نام سے مشہور ہے) میں تقریباً ۷۰؍ ہزار سے زیادہ کے مجمع میں پڑھائی، سڑکوں پر انسانی سیلاب نظر آتا تھا، جلوس جنازہ میں لوگوں نے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ ڈالے، پورہ معروف کی سرزمین پر چشم فلک نے اس سے پہلے کبھی ایسا منظر نہیں دیکھا تھا، ایسا لگتا تھا کہ ہر چھوٹا بڑا آپ کے جنازہ میں شریک ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی پوری پوری مغفرت فرمائیں، آمین۔

راقم الحروف پر حد درجہ شفقت

راقم الحروف کو سہارنپور کی طالب علمی کے زمانہ میں جب کوئی حدیث یا کوئی عبارت سمجھ

میں نہ آتی، تو حضرت مولانا مرحوم کے پاس جاتا، بسا اوقات خلافِ وقت پہنچ جاتا، اور حضرت آرام کے لئے بستر پر لیٹ چکے ہوتے تھے، فرماتے مولوی صادق کیسے آنا ہوا؟ میں بتاتا تو فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتے، اور کہتے کہ فلاں کتاب اٹھاؤ، اس میں فلاں جگہ یہ بات وضاحت سے لکھی ہے، کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ ابھی نہیں بعد میں آنا۔ حضرت کی شفقت اور حوصلہ افزائی کے باعث احقر نے تہیہ کرلیا کہ اِن شاء اللہ جہاں تک ہو سکے گا، علمی مشاغل میں زندگی گذاروں گا، اور تفریح ولغویات سے دور رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ بندے کو بھی ان اکابر کے علم وعمل کا کچھ حصہ عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۳ء)

عم محترم حافظ سید محمد داؤد صاحب منصور پوریؒ

یکم رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۲؍مئی ۲۰۱۳ء بروز اتوار ہمارے مشفق عم محترم جناب حافظ سید محمد داؤد صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ دس سال گردوں کی شدید بیماری میں مبتلا رہ کر تقریباً ۶۰؍سال کی عمر میں دہلی میں وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف حضرت والد صاحب مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ کے سب سے چھوٹے بھائی تھے، اور ہم سب سے حد درجہ تعلق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے موصوف کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ بڑے بااخلاق، ملنسار، مہمان نواز اور بلند ہمت شخص تھے، بزرگوں سے گہرا ربط تھا، بالخصوص فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسین صاحب گنگوہیؒ سے بہت قربت رہی، انہی سے بیعت کا تعلق تھا، نماز باجماعت اور تلاوت واذکار کے پابند تھے، منصور پور میں مسجد ومدرسہ کے معاملات کی ذمہ داری عرصہ تک آپ ہی کے سپرد رہی، جسے آپ نے بحسن وخوبی پوری امانت ودیانت کے ساتھ نبھایا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآنِ کریم اپنے والد ماجد سید محمد عیسیٰ صاحب منصور پوریؒ کی نگرانی میں حاصل کی، بعد ازاں کئی سال جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں مخدوم گرامی حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کی تربیت میں رہ کر متوسطات کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند پہنچے؛ لیکن خانگی تقاضوں اور اعذار کی بنا پر باقاعدہ تکمیل نہ ہوسکی، مگر آپ نے علاقہ میں دارالعلوم کی فکر کو آگے بڑھانے میں مؤثر کردار ادا کیا، اور دارالعلوم سے انتساب کا حق اخیر تک ادا کرتے رہے۔

مدرسہ شاہی سے بھی گہرا ربط تھا، جب بھی ملاقات ہوتی تو یہاں گذرے ہوئے زمانہ کی

باتیں اور واقعات اکثر ذکر فرماتے۔ ندائے شاہی کا پابندی سے مطالعہ کرتے اور ہر ماہ منتظر رہتے تھے، اگر کبھی پہنچنے میں تاخیر ہوتی تو تقاضا فرماتے تھے۔

موصوف کی صحت شوگر اور بلڈ پریشر کی وجہ سے سخت متأثر ہوئی، گردوں کا فعل کمزور پڑ گیا، جس کی بنا پر تقریباً آٹھ سال تک ڈائیلیسس پر رہے، اور صبر وہمت کے ساتھ یہ مراحل گذارے، منصور پور میں علاج کی سہولت میسر نہ ہونے کی وجہ سے کئی سال سے دہلی میں مقیم تھے۔ بالآخر وقت موعود آپہنچا، اور آپ کو حسنِ خاتمہ کی دولت نصیب ہوئی۔ اگلے دن صبح ۱۰ بجے ۲؍رجب ۱۴۳۴ھ کو علاقہ کے عوام وخواص اور علماء وصلحاء کے بڑے مجمع نے حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی اور پھر آبائی قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

قارئین ندائے شاہی سے گذارش ہے کہ وہ مرحوم کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۳ء)

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل ❖ وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

عارف باللہ، نمونۂ سلف

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ

سلسلہ تھانوی کے عظیم بافیض بزرگ، مرشد کامل، عالم ربانی، حضرت اقدس مولانا حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے گذشتہ ۲۲؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۲؍جون ۲۰۱۳ء بروز اتوار مغرب کے قریب ۹۰؍سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت حکیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ دورِ حاضر کی بڑی بابرکت اور بافیض شخصیت تھے، اللہ تعالیٰ نے عوام وخواص بالخصوص علماء وطلبہ کی تربیت کا بہترین ملکہ آپ کو عطا فرمایا تھا، آپ کی باتیں پراثر، اور صحبتیں انقلاب آفریں تھیں، ذات حق تعالیٰ کے ساتھ آپ کا سوز وگداز حاضرین وسامعین تک کو تڑپا دیتا تھا، ورع وتقویٰ کے اثر سے زبان سے اسرار وحکم کے پھول جھڑتے تھے، اور موضوع کو آسان انداز میں حالاتِ حاضرہ کو پیش نظر رکھ کر سمجھانے میں آپ کو مہارت حاصل تھی، آپ نے ویسے تو دین کے مختلف شعبوں کو زندہ رکھنے اور انہیں نکھارنے میں توجہ دی؛ لیکن آپ نے اپنے اوقات کا سب سے بڑا حصہ اصلاح وتزکیہ کی محنتوں میں صرف کیا، کتنے ہی انسانی پتھروں کو تراش کر آپ نے بفضل خداوندی ہیرا بنادیا، جو آج دنیا کے خطہ خطہ میں چمک رہے ہیں۔

آپ کی تربیت اور نگرانی کا خاص پہلو یہ رہا کہ آپ نے اپنے متعلقین کو خلافت دینے کے بعد بھی آزاد نہیں چھوڑا؛ بلکہ ان کی نگرانی کا سلسلہ مسلسل باقی رکھا، چناں چہ آج دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے آپ کے خلفاء ومتوسلین مکمل نظم وانتظام کے ساتھ آپ کی ہدایات کے مطابق دعوت واصلاح اور تزکیہ نفس کا کام انجام دے رہے ہیں، فالحمد للہ علی ذٰلک۔

حضرت حکیم صاحبؒ کو تفسیر قرآنِ کریم سے خصوصی شغف تھا، خاص کر علامہ آلوسیؒ کی

تفسیر ''روح المعانی'' کی عبارتیں از بر تھیں، اور ساتھ میں مثنوی مولانائے روم تو گویا رگ وریشے میں بس گئی تھی، آپ نے مثنوی کے جواہر پاروں کو اردو داں حضرات تک پہنچانے کے لئے ''معارفِ مثنوی'' کے نام سے ضخیم کتاب مرتب فرمائی، جو بے حد مقبول ہوئی۔ نیز آپ کو پاکیزہ شاعری اور حمد ونعت سے بھی بہت دلچسپی رہی، اس سلسلہ کے کئی مجموعے شاندار انداز میں شائع ہوکر مقبول ہوئے، آپ کے اشعار محبت الٰہی اور عشق نبوی سے بھرپور ہوتے ہیں، جنھیں پڑھنے والا متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ کے بیانات کا اکثر موضوع عشق مجازی اور حسن پرستی کی مخالفت ہوا کرتا تھا، آپ فرماتے تھے کہ نظر کی ''حفاظت'' کے بغیر آدمی کا دل معرفت خداوندی کے نور سے منور نہیں ہوسکتا، اس لئے اولاً اس روحانی مرض کا علاج ضروری ہے، اس مقصد سے آپ نے متعدد رسائل لکھے، اور نہایت مؤثر انداز میں عشق مجازی کی برائیوں اور دنیوی واخروی نقصانات کو اجاگر فرمایا، اس موضوع پر آپ کے بیانات اور تحریریں اس قابل ہیں کہ ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو اور انہیں مساجد اور دینی مجالس میں پڑھ کر سنایا جائے۔

حضرت حکیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے ملت کے لئے تڑپنے والا دل عطا فرمایا تھا، آپ پورے عالم میں اسلام اور کلمۂ اسلام کی سربلندی کے مشتاق تھے، اور تمام دینی تحریکات کے دل وجان سے مؤید تھے، بالخصوص آپ نے افغانستان میں قائم ہونے والی طالبان کی اسلامی حکومت کا جو بے نظیر تعاون فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ افغانستان کی تعمیر نو میں آپ نے اپنے ادارے ''الاختر ٹرسٹ'' کے ذریعہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور مغربی اتحادی طاقتوں کی حد درجہ مخالفت کی بھی پروا نہ کی۔

آپ نے اپنے وقت کے تین عظیم بزرگوں سے تربیت پائی تھی، اولاً بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ کی خدمت میں رہے، اس کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) کی خدمت میں طویل مدت تک رہے، اور حضرت کی وفات کے بعد محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ سے وابستہ ہوگئے، اور

تینوں بزرگوں نے آپ کو خلافت سے نوازا، حضرت حکیم صاحبؒ نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ کسی بزرگ سے خلافت ملنے کے بعد بھی آدمی کو اپنی اصلاح سے مستغنی نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ کسی نہ کسی بزرگ سے وابستہ ہوجانا چاہئے، اور یہ وابستگی بھی محض رسمی نہ ہو؛ بلکہ سو فیصد اتباع وانقیاد کے ساتھ ہونی چاہئے۔ حضرت حکیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت محی السنہ سے ایسی فدائیت وفنائیت کا اظہار فرمایا کہ آپ موصوف کے جذبات وخیالات کے ترجمان بن گئے، اور ''مجالس ابرار'' کے نام سے آپ نے حضرت محی السنہؒ کے ملفوظات بہت عمدہ انداز میں مرتب کئے، جو بے حد مقبول اور نافع ہیں۔ اسی طرح آپ نے ''ایک منٹ کا مدرسہ'' نامی کتاب حضرت محی السنہؒ کی ایما پر ترتیب دی، جو انتہائی مقبول ہوئی، اور اس کا نفع بے حد عام ہوا۔

حضرت حکیم صاحبؒ کا اصل وطن پرتا بگڈھ تھا، وہیں ۱۹۲۳ء میں آپ کی پیدائش ہوئی، درسِ نظامی کی تکمیل ''سرائے میر'' میں کی، تقسیم ہند کے بعد پاکستان منتقل ہوگئے، اور کراچی میں قیام فرمایا، کراچی میں جہاں آپ نے ''خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ'' کے ذریعہ سلوک وتزکیہ کا مرکز قائم کیا، وہیں مدرسہ ''اشرف المدارس'' بھی آپ کی نگرانی میں قائم ہوا، جو روز بروز ترقی پذیر ہے۔

مقامِ اطمینان ہے کہ آپ نے اپنی حیات ہی میں اپنے لائق وفائق صاحب زادے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم کو ساری ذمہ داریاں سونپ دی تھیں، اور اپنے سب متعلقین کو ان سے رجوع کرنے اور مشورہ لینے کی ہدایت فرمادی تھی، اس لئے قوی امید ہے کہ آپ کے ذریعہ چلائے جانے والے تمام دینی کام اور تزکیہ واصلاح کی سب محنتیں سابقہ ترتیب پر چلتی رہیں گی؛ بلکہ ترقی حاصل کرتی رہیں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، آپ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور امت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔ قارئین سے بھی حضرت مرحوم کے لئے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۳ء)

❍❖❍

سانحۂ ارتحال عارف باللہ

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ

مولانا سید سلیمان عبدالقدیر ندوی

اسلامی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو برصغیر کا ہمارا یہ خطہ بھی اسلامی تاریخ کے ایک بڑے حصہ پر محیط ہے، اس میں بھی خاص کر ہمارے ملک ہندوستان کی اسلامی تاریخ، اسلامی علوم وفنون، تربیت وسلوک، جہاد وعزیمت کے بے شمار نامور علماء، اہل اللہ، صالحین ومجاہدین کے کارناموں سے بھری پڑی ہے، اور یہ فضل خداوندی ہے کہ اس خطہ میں اللہ نے ایسے بے شمار پاک نفوس کو پیدا فرمایا جن کی اصلاحی وتربیتی کوششوں، روحانی واخلاقی مجلس سے ہزاروں تشنگانِ علم وسلوک سیراب ہوئے اور جن کی ذات بابرکت گمراہی کے دلدل میں پھنسے لوگوں کے لئے قندیل رہبانی سے کم نہیں تھی، اس صف میں ہمیں خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر ماضی قریب میں محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی نظر آتی ہے۔

اسی صف کے ایک جید عالم دین، بقیۃ السلف عارف باللہ، برصغیر کے رہبر شریعت خلیفہ حضرت ہردوئیؒ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ کی ذاتِ اعلیٰ صفات ہے، جو ۱۳؍سالہ طویل علالت کے بعد ۲۲؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۲؍جون ۲۰۱۳ء بروز اتوار بمقام کراچی پاکستان میں دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف کوچ کر گئے، حضرت کا دائرہ وحلقہ صرف برصغیر ہی نہیں؛ بلکہ یوروپ وافریقہ ودیگر ممالک تک پھیلا ہوا تھا، جہاں آپ کے سینکڑوں عاشقین، محبین ومتوسلین، اشاعت دین واحیاءِ سنت کے کاز میں مصروف ہیں، ۹۰؍سالہ طویل

زندگی کو آپ نے مختلف گوشوں سے خدمتِ دین، احیاء سنت، اور اتباعِ شریعت کے لئے وقف کر رکھا تھا، جہاں آپ کے پند ونصیحت، وعظ وارشاد سے ہزاروں لوگ مستفید ہوئے، تو دوسری جانب آپ کی چھوٹی بڑی تصنیفات سے سینکڑوں گم کردہ راہ راہِ یاب ہوئے، حضرت گرچہ نصف صدی تک پڑوسی ملک پاکستان میں مقیم تھے؛ لیکن آپ کا خاندانی علمی، روحانی تعلق ہندوستان ہی سے تھا۔

مختصر سوانحی خاکہ

۱۹۲۳ء کو اتر پردیش کے شہر پرتاپ گڈھ کے گاؤں اٹھیہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد محمد حسین صاحب پیشہ سے سرکاری ملازم تھے، ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے طبیہ کالج علی گڑھ میں داخلہ لیا، جہاں آپ نے حکمت کی تعلیم بھی مکمل کی، روزِ اول ہی سے بزرگانِ دین سے بڑا ربط وتعلق تھا، جس کی وجہ سے آپ دینی کاموں میں سرگرم عمل تھے، اور مزید یہ کہ آپ نے جوانی ہی میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ علومِ اسلامیہ کا کورس بھی مکمل کیا، عنفوانِ شباب سے سلوک وتربیت، عشق ومحبت، تزکیہ وتصوف کے راہ کے عاشق تھے، یہ حسن اتفاق تھا کہ جن تین بزرگانِ دین سے آپ کا تعلق تھا وہ تینوں حضرت حکیم الامت کے خلفاء تھے، آپ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے خلیفہ حضرت سید بدر علی شاہ کے خلیفہ، حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتابگڈھیؒ کی صحبت میں تین سال مقیم تھے، اور آپ سے فیض حاصل کرکے آپ کی خلافت سے سرفراز ہوئے، آپ کے بعد خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ کی خدمت میں ۱۷ ربرس گذارے اور وہیں آپ کے مدرسہ سرائے میر میں درسِ نظامی کی تکمیل کی، پھر حضرت والا نے آپ کو اپنی خلافت عطا فرمائی، حضرت پھول پوریؒ کی رحلت کے بعد محی السنہ، بانی دعوۃ الحق حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کی فیض صحبت سے کمال حاصل کرکے ان کے خلیفہ مقرر پائے، تادم حیات آپ ہی کے کاز کی اشاعت میں مصروف ومشغول رہے، آپ تصوف کے چاروں سلسلوں چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ سے بھی وابستہ تھے۔

خصوصیات وعلمی خدمات

گرچہ آپ کا وطن اصلی ہندوستان تھا؛ لیکن قیام پاکستان کے چند سال بعد ۱۹۵۴ یا ۱۹۵۵ء میں پاکستان منتقل ہوگئے اور پاکستان کے شہر ناظم آباد میں تقریباً دو دہائی تک دین کی خدمت انجام دیتے رہے، بعدازاں آپ نے خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ کے نام سے علاقہ گلشن اقبال کراچی میں ایک خانقاہ قائم کی، جہاں سینکڑوں کی تعداد میں طالبین سلوک وتربیت آکر استفادہ کرتے تھے، سلوک وتربیت کے اس اہم کام کے ساتھ اشاعت علم وتبلیغ دین میں بھی آپ سرگرداں تھے، اس کے لئے آپ نے ایک دینی ادارہ ''جامعہ اشرف المدارس'' کے نام سے سندھ بلوچ سوسائٹی گلستاں جوہر میں قائم کیا، جہاں کئی ہزار طلبہ زیور تعلیم سے آراستہ ہورہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سارے محاسن وکمالات کا جامع بنایا تھا، مزید یہ کہ آپ کو دردناک وسبق آموز مواعظِ حسنہ کے ساتھ ساتھ تحریر وکتابت میں مہارت عطا فرمائی تھی، آپ کی تصنیفات وتالیفات کو پڑھ کر مضطرب دلوں کو سکون، بے چین طبیعتوں کو کیف وسرور محسوس ہوتا ہے، اور گناہ کے عادی اشخاص کے لئے وہ کسی نسخہ کیمیا سے کم نہیں، ان تصنیفات میں آپ کی زبان اتنی سادہ وعام فہم ہوتی ہے کہ ایک عام مبتدی شخص بھی اس سے استفادہ کرکے اپنے روحانی امراض کا علاج کرسکتا ہے۔

مولانا کی خصوصیات میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ نے اپنے اسلاف واکابر خاص کر اپنے پیرومرشد حضرت ہردوئیؒ کے طرز ونمونہ پر امت کی اصلاح کا کام انجام دیا اور دین کے ہر شعبہ میں چاہے وہ ایمانیات سے متعلق ہو یا عبادات سے، اخلاقیات سے ہو یا معاشرت سے، ہر طبقہ میں امت کی اصلاح فرمائی، اور اس میں بھی آپ کا خاص وصف یہ تھا کہ روزمرہ زندگی کے ایسے گناہ وجرائم ابتلاء عام کی وجہ سے اپنی اہمیت کھوچکے تھے، اس کی طرف آپ نے خاص توجہ فرمائی۔

فیشن پرستی، عریانیت اور بے حیائی کے اس دور میں جہاں بنت حواء نے اپنی چادر کو

چاک کر کے موبائل، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ، بازاروں و تعلیم گاہوں اور تجارتی اداروں کی زینت بن گئی ہے، جس کی وجہ سے بدنظری و بدنگاہی کے اس مرض کا ہر عام و خاص شکار ہو کر رہ گیا ہے، تو حضرت کے دردمند دل نے یہ محسوس کیا کہ اس مرض کی تشخیص کی سخت ضرورت ہے؛ لہٰذا آپ نے اپنی ہر عام و خاص مجلس میں اس کی طرف رہنمائی فرمائی، اس کی بابت آپ کا یہ ارشاد ہے کہ بعض لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو بس حسن پرستی و بدنظری پر ہی بیان کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جہاں کالرا پھیلا ہو وہاں حکیم کالرا کا علاج کرے گا یا نزلہ زکام کا؟ آج کل بے پردگی و عریانی کا طوفان آیا ہوا ہے، دوسرے گناہ اس کے مقابلہ میں مثل نزلہ و زکام کے ہیں، تو جو شخص نظر کی حفاظت کرے گا دوسرے گناہ اس سے آسانی سے چھوٹ جائیں گے۔ اس عنوان کے تحت آپ نے بدنظری کے چودہ نقصانات، بدنظری و عشق مجازی کی تباہ کاریاں اور ان کا علاج، بے پردگی کی تباہ کاریاں، جیسی قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں، جس میں ہر عام و خاص کے لئے ایک رہنمائی اور اس مرض کے شکار لوگوں کے لئے مفید باتیں اور اس سے بچنے کی تدابیر وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی۔

آپ کی علمی خدمات کا بھی دائرہ وسیع تھا، مواعظ حسنہ وصفاتِ کاملہ کے حوالہ سے مختلف موضوعات پر کم و بیش ۱۵۰ سے زائد کتابیں منظر عام پر آئیں۔ آپ کی مشہور تصانیف میں معارفِ مثنوی جو مولانا روم کی تصنیف کردہ مثنوی کے دروس پر مشتمل ہے، اور جو پوری دنیا میں داد و شہرت حاصل کر چکی ہیں، اور کئی زبانوں میں اس کے ترجمہ بھی ہوئے، اس کے علاوہ روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، تزکیہ نفس، حیاتِ تقویٰ، اولیاء اللہ کی پہچان وغیرہ قابل ذکر ہے۔ آپ کا یہ دعوتی و تبلیغی سلسلہ صرف اپنے ملک میں ہی محدود نہیں تھا؛ بلکہ یورپ و امریکہ میں بھی آپ کے معتقدین نے آپ کے زیرنگرانی کئی ادارے قائم کئے، جن میں مشہور ''الاختر نامی ٹرسٹ'' امریکہ میں قائم کیا گیا؛ لیکن بدقسمتی سے 9/11 کے حادثہ کے بعد اس ٹرسٹ پر پابندی لگ گئی اور وہ مذہبی تعصب کا شکار ہو گیا، مولانا کے اس کاز کو عام کرنے کے لئے آپ کے ادارہ

کی جانب سے KHANQAH.ORG کے نام سے ویب سائٹ بھی موجود ہے، جس سے قارئین مولانا کے بیانات وتصنیفات سے براہِ راست استفادہ بھی کرسکتے ہیں، مولانا کے معتقدین میں جہاں اہل علم وفضلاء کی ایک بڑی تعداد ہے، تو دوسری طرف مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والی بڑی شخصیات بھی ہیں، جن میں معروف کرکٹر ہاشم آملہ وعبداللہ آملہ بھی آپ کے معتقدین میں شامل ہیں۔

حضرت والا نے ۱۳ر سالہ طویل علالت کی زندگی گذاری، پاکستان کے مشہور عالم دین حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کے دس روز بعد ۲۰۰۰ء میں حضرت والا پر فالج کا حملہ ہوااور یہی آپ کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔

خلاصہ کلام کے طور پر آپ نے اپنے پیچھے خدام علم دین، مواعظ وخطبات، تصنیفات وتالیفات کا بیش بہا خزانہ چھوڑا، جو آپ کے لئے تاروز قیامت صدقہ جاریہ ہے، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، اور یہ آپ کا شعر ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے:

نقشِ قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا عبدالمتین صاحبؒ بنارسی

جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا عبدالمتین صاحب بنارسی ۱۸؍جون ۲۰۱۳ء مطابق ۸؍رجب ۱۴۳۴ھ بروز منگل ''برین ہمریج'' کے حملہ کے بعد وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف حضرت مولانا عبدالجبار صاحب بنارسی جو حضرت شیخ الاسلامؒ کے فدائی وشیدائی تھے، کے پانچویں صاحب زادے تھے، ۱۳۷۷ھ میں فراغت پائی اور بنارس واپس تشریف لاکر اپنے خاندانی تجارتی پیشہ سے وابستہ ہوگئے اور جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس کے رکن اور ناظم تعلیمات بھی بنائے گئے، اور اعزازی طور پر کوئی نہ کوئی کتاب ضرور پڑھاتے تھے، جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر سے گہرا رشتہ تھا، حضرت مولانا حافظ عبدالکبیر صاحب ناظم جامعہ ریوڑی تالاب بنارس آپ کے بڑے بھائی ہیں، سماجی وملی امور میں بھی دل چسپی رکھتے تھے، آپ کے گھر ''مدنی منزل'' مدن پورہ بنارس میں ہمیشہ اکابر علماء کی آمد ورفت رہتی تھی، ۲؍ماہ قبل ''برین ہمریج'' کا حملہ ہوا، ہسپتال میں زیر علاج رہے، وفات سے ۲۷؍گھنٹے قبل دوسرا حملہ ہوا اور داعی اجل کو لبیک کہا، پسماندگان میں بھائی، بیٹے اور بیٹیاں، بیوی ہیں، اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائیں، اور موصوف کی مغفرت فرمائے، قارئین سے بھی ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۳ء)

مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں قاسمیؒ

(۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵-۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳)

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل امینی چیف ایڈیٹر ''الداعی'' عربی واستاذ ادبِ عربی دارالعلوم دیوبند

ممتاز معاصر فاضلِ دارالعلوم دیوبند، شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی کے پروفیسر اور سابق رفیق مجلسِ تحقیقات ونشریاتِ اسلام دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ مولانا پروفیسر ڈاکٹر شمس تبریز خاں قاسمی آروی ثم لکھنوی کے بوقتِ ظہر شنبہ: ۶ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۹ جنوری ۲۰۱۳ء، ہارٹ اٹیک کے بعد اچانک وفات پاجانے کی خبر راقم کو اخبار کے ذریعے، اُس وقت ملی جب وہ اپنے علاج کے سلسلے میں ممبئی (سابق بمبئی) میں قیام پذیر تھے۔ خبر پر جیسے ہی نظر پڑی سخت صدمہ ہوا۔ دنیا میں کس کو ہمیشہ رہنا ہے؟ لیکن جب کوئی کام کا آدمی اِس طرح اچانک روپوش ہوجاتا ہے، تو علم وہنر کے قدردانوں کو جاں گسل رنج والم ہوتا ہے۔ مرحوم بہ وقتِ وفات سنۂ ہجری کے اعتبار سے ۷۰ سال اور سنۂ عیسوی کے لحاظ سے ۶۸ برس کے تھے۔

مرحوم کی نمازِ جنازہ شنبہ یک شنبہ: ۶-۷ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ ۱۹-۲۰ جنوری ۲۰۱۳ء کی درمیانی شب میں، اُن کے مکان واقع ''مدح گنج'' کے قریب میدان میں دارالعلوم ندوۃ العلما کے عالی قدر مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہٗ نے پڑھائی اور محلّہ ''کھدرا'' کے قبرستان ''تکیہ تارن شاہ'' میں اُنھیں سپردِ خاک کیا گیا۔ نمازِ جنازہ اور تدفین میں بڑی تعداد میں علماء وطلبہ اور مرحوم کے محبین ومتعارفین واعزا وقدردانوں اور عام مسلمانوں نے شرکت کی۔ دوسرے روز اُن کی وفات کی خبر جیسے ہی مدرسوں اور علم وادب سے وابستہ حلقوں میں پہنچی غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ معاصر مشاہیر نے اخبار ورسائل میں اپنے شدید غم والم کا اِظہار کیا۔

مرحوم نے اپنے پیچھے اپنی اہلیہ کے علاوہ چار لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ اُنھوں نے لکھنؤ میں بود و باش اختیار کر رکھی تھی، اُن کی ساری اولادیں اور اہلِ خانہ اُنھی کے ساتھ لکھنؤ ہی میں رہتے تھے، جہاں اُنھوں نے ''مدح گنج'' میں سال ہا سال کے چنے ہوئے ''تنکوں'' سے اپنا نشیمن بنالیا تھا۔ اُنھوں نے اپنی پوری عملی زندگی یہیں بتائی۔ کم و بیش پچاس سال کا عرصہ اُنھوں نے علم و ادب و ظرافت و سلیقہ مندی و بذلہ سنجی کے اِسی شہرِ سخن فہم و سخن سنج میں گزارا اور بالآخر اِسی کی خاک کا پیوند بنے۔

مولانا شمس تبریز ممتاز عالم، محقق اور اردو زبان کے ادیب و اہلِ قلم تھے، ساتھ ہی عربی و فارسی کا بہت اچھا مذاق رکھتے تھے، نیز انگریزی اور ہندی بھی ضرورت کے مطابق جانتے تھے۔ اِسلامی اور عام انسانی تاریخ کا اُن کا مطالعہ خاصا ٹھوس اور لائقِ اعتماد تھا۔ عربی زبان کی مہارت کے حوالے سے کئی سال پہلے اُنھیں صدر جمہوریہ ایوارڈ بھی نوازا گیا تھا۔

مولانا شمس تبریز خاںؒ دارالعلوم دیوبند میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں بھی محنت، ذوقِ طلب، شوقِ سفر، مطالعے میں اِنہماک، وقت کی قدر دانی، نماز روزے، عبادات و شرعی اَحکام کے ساتھ دارالعلوم کے نظام و قانون کی پابندی اور ادبی و لسانی رجحان کے حوالے سے، طلبہ میں مشہور اور بڑے نیک نام تھے۔ یہ راقم دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تو حال آں کہ وہ یہاں سے کئی سال پہلے تعلیمی سلسلے کی تکمیل کے بعد جاچکے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس تحقیقات سے وابستہ ہوچکے تھے؛ لیکن اُن کی تعلیمی محنت و شب بیداری کے حاصل یعنی لائقِ ذکر صلاحیت کی یادوں کی شمع نہ صرف طلبہ کے دلوں میں روشن تھی؛ بل کہ اُس کا خوب صورت اور والہانہ تذکرہ اُن کی زبانوں پر نغمۂ شیریں بن کر گونج رہا تھا۔

اِن سطروں کی تحریر کے وقت راقم کے ذہن میں آیا کہ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی بنارسی مدظلہ العالی سے، جو مرحوم کے تدریسی دور میں دارالعلوم دیوبند میں ہم عصر تھے؛ کیوں نہ اُن کے سلسلے میں یہ معلوم کیا جائے کہ وہ دارالعلوم میں کس طرح

کے طالب علم تھے؟ راقم نے دفترِ اہتمام میں سہ شنبہ: یکم ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ/۱۲ر فروری ۲۰۱۳ء کو تقریباً دس بجے صبح کو اُن سے ملاقات کی اور گزارش کی کہ وہ مولانا شمسِ تبریز خاں کے متعلق کچھ جانتے ہوں تو راقم کو بتائیں۔ اُنھوں نے بے تکلف جلدی جلدی میں جو کچھ اِرشاد فرمایا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''مولانا شمسِ تبریز خاں قاسمی مرحوم - اللہ اُن کے درجات بلند کرے - طالبِ علمی کے زمانے میں ''شمسِ تبریز آروی'' کے نام سے معروف تھے؛ کیوں کہ وہ ''بہار'' کے ضلع ''آرہ'' کے تھے۔ وہ کم گو، خاموش طبع، کم آمیز، پابندِ اوقات، پابندِ نماز باجماعت تھے، پڑھائی لکھائی میں انہماک اُن کی شناخت تھی۔ اُردو زبان واَدب اور فارسی سے اُنھیں بڑی مناسبت تھی۔ وہ ادیبِ کبیر ومفسرِ قرآن حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ (۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء - ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۸ء) سے مسلسل مراسلت میں رہتے تھے۔ میں ''اِحاطۂ مولسری'' سے تقسیمِ ڈاک کے اوقات میں جب بھی گذرتا ''پیارے'' ڈاکیہ کو پاتا کہ وہ اُن کی ڈاک علاحدہ رکھے ہوتا، جس میں اکثر ''صدقِ جدید'' کا تازہ شمارہ ہوتا؛ کیوں کہ وہ ہفت روزہ تھا اور مولانا دریا آبادی کا کوئی نہ کوئی جوابی خط بھی اکثر رہتا تھا، جس پر کبھی کبھی صرف یہ لکھا ہوتا: ''آپ کا تازہ خط بھی مل گیا، بہت بہت شکریہ'' وہ نمازوں کے اَوقات میں بالخصوص ظہر کے وقت اَذان کے فوراً بعد مسجدِ قدیم (جو اِحاطۂ دفتر میں صدر گیٹ کے دائیں جانب واقع ہے) میں آجاتے، مکبر کی دائیں جانب جگہ لیتے اور سنت کی چار رکعتیں پڑھ کے عموماً ''صدقِ جدید'' کو اُس وقت تک بہ غور پڑھتے رہتے جب تک جماعت کھڑی نہ ہو جاتی۔

''اُس زمانے میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ صوبہ یوپی اور صوبہ بہار کے طلبہ میں ادبی اور لسانی مقابلہ آرائی اِتنی زور کی ہوگئی کہ وہ ''ادبی تصادم'' اور ''ادبی جھگڑے'' کی حد کو پار کر کے ''عملی جھگڑے'' کے قریب پہنچ گئی۔ اُس زمانے میں ''بہار'' کے تین طلبہ: ایک تو یہی ''شمسِ تبریز آروی''، دوسرے شعیب جالویؒ (جو بعد میں رانچی یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے پروفیسر اور صدر

رہے اور رانچی ہی کی خاک میں آسودۂ خواب ہوگئے، اور جو مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ [۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء-۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء] کے بھانجے ہوتے تھے) اور تیسرے ''اسرارالحق اسجد القاسمی'' (سابق ناظم جمعیۃ علمائے ہند جو اِس وقت مولانا اسرارالحق قاسمی ایم پی اور تعلیمی وملی فاؤنڈیشن کے بانی وصدر ہیں۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا نئی دہلی میں ہر ہفتے سال ہا سال سے پابندی سے ملک وملت ومذہب کے مختلف موضوعوں پر اُن کے مضامین بڑے شوق سے پڑھے جاتے ہیں)

اِن تینوں طلبہ کی وجہ سے سچی بات یہ ہے کہ اِس ''ادبی ولسانی تصادم'' میں ''بہار'' کے طلبہ کا پلڑا بھاری ہورہا تھا۔ ایک بار ''شمس تبریز خاں آروی'' مرحوم نے ''بہارِ بہار'' کے نام سے ایک رسالہ فارسی نظم میں نکالا یہ پورا رسالہ صرف نظم ہی پر مشتمل تھا، جس میں بہار اور بہار کے اہلِ کمال کی عظمت بڑے فخریہ انداز میں بیان کی گئی تھی، اِس سے ''تصادم'' کی کیفیت میں بہت شدت آگئی۔ حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء-۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء) نے یوپی اور بہار کے طلبہ کے یہ سارے دیواری رسالے ضبط کرلئے اور اُنھیں دفترِ اہتمام میں جمع کردیا، جن میں بہار کے مذکورالصدر تینوں طلبہ کی ادبی تحریریں، بالخصوص ''شمس تبریز خاں آروی'' کی نگارشات اور بالاخص اُن کی فارسی نظم پر مشتمل ''بہارِ بہار'' کا خاص شمارہ بھی تھا، اُن تحریروں پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ (۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء-۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) کی اُچٹتی نظر دفترِ اِہتمام میں پڑی، تو آپ نے فرمایا کہ ''منفی ہدف سے قطع نظر، جس کے تحت طلبہ نے یہ تحریریں لکھیں، یہ اپنی جگہ زبان وبیان کے اِعتبار سے خاصی ممتاز ہیں اور اِن طلبہ کے روشن مستقبل کا پتہ دیتی ہیں''۔ (یہاں حضرت مہتمم صاحب: مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ کی گفتگو پر مبنی اِفادات ختم ہوئے)

مولانا شمس تبریز خاں قاسمیؒ نرم خوئی ودھیمے پن کا مجسمہ تھے، خاموشی اور کم گوئی اُن کی شناخت تھی، وہ انتہائی ضرورت کے وقت اور ضرورت کے بہ قدر ہی بولتے تھے، صاف دل اور

پاک نفس انسان تھے، زور سے ہنستے نہ قہقہہ لگاتے، وہ بہ مشکل صرف مسکراتے، کسی کی بے آبروئی، تنقید و تضحیک سے اُن کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتے، عموماً وہ کسی سے کوئی واسطہ رکھتے نہ لوگوں کو اُن سے کوئی واسطہ ہوتا، حد درجہ صابر و شاکر اور متحمل مزاج تھے، جب بھی بات کرتے تو علم و مطالعے کی کرتے اور خاصی ہلکی آواز سے بولتے، اُن کے رہن سہن، لباس و پوشاک اور عام زندگی کے سارے اطوار میں حد درجہ سادگی تھی، کسی کے لئے اُن کی انتہائی سادہ اور معمولی ہیئتِ کذائی سے اُن کے ممتاز فاضل، عالم، وسیع المطالعہ اور ادیب و اہلِ قلم ہونے کا اندازہ لگانا بہت مشکل تھا، وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے؛ لیکن تیز چلتے، چلتے ہوئے اُن کی نگاہیں زمین پر مرکوز رہتیں، وہ متوسط القامت؛ بل کہ مائل بہ کوتاہ قامتی تھے، بھنویں گھنیریں اور خوب صورت تھیں، کھلا ہوا گندم گوں رنگ، آنکھوں میں شرافت اور شرمیلا پن، جسم متوسط نہ دبلا نہ موٹا، اردو تحریر صاف ستھری، واضح اور بغیر لکیر کے کاغذ پر سیدھی ہوتی، تحریر میں لکھتے وقت کاٹ چھانٹ نہ کرتے۔ راقم نے کئی بار اُن سے پوچھا کہ آپ کس طرح لکھتے ہیں کہ تحریر میں کاٹ چھانٹ نہیں ہوتی، تو وہ کہتے کہ میں الفاظ اور جملوں کو سوچتے وقت ذہن ہی میں بار بار کاٹتا رہتا ہوں، کاغذ پر اُسی وقت لکھتا ہوں جب وہ صحیح اور پختہ شکل میں میرے ذہن میں مُدَوَّن ہو جاتے ہیں۔ البتہ اُن کی ایک عجیب سی عادت تھی کہ وہ لکھتے وقت بار بار قلم کو جھٹکتے تھے، کیوں کہ وہ بہت معمولی قلم کی طرح روشنائی بھی بہت معمولی سی استعمال کرتے تھے، جس سے قلم کی نوک بار بار خشک ہو جاتی تھی، اُس کو تر کرنے کے لئے وہ بار بار قلم کو زور سے جھٹکتے تھے؛ تا کہ قلم کی نوک بھیگ جائے اور تحریر میں پریشانی نہ ہو۔ کثرت سے ایسا کرنے کی وجہ سے یہ اُن کی ایسی عادت بن گئی تھی کہ شاید اس کے بغیر وہ تحریر لکھنے پر قادر نہ تھے۔

وہ دارالعلوم دیوبند کے اپنے معاصر فضلا میں اردو زبان و ادب پر عبور کے حوالے سے خاصے ممتاز تھے۔ اردو میں ان کا اُسلوبِ نگارش علامہ شبلی نعمانی (۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء-۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء) کے باوقار اسلوب اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی (۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء-۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۸ء)

کے شان دار اسلوب کا مخلوطہ تھا وہ مستحکم، صحیح، خوب صورت، حشو و زوائد سے پاک، ادبی مٹھاس سے لبریز اور زبان و بیان کے معیار پر ہر طرح صحیح اُترنے والی اردو نثر لکھتے تھے۔ اِسی کے ساتھ وہ عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے والے فن کار اور ماہر مترجم تھے۔ عموماً اچھے اہل قلم اچھے مترجم اور اچھے مترجم لائقِ ذکر اہلِ قلم نہیں ہوتے، بالخصوص ادبی وفکری زبان کا اُسی طرح کی ادبی وفکری زبان میں ترجمہ اور بھی مشکل کام ہے، جو بہت کم خوش نصیبوں کے حصے میں آتا ہے۔ ترجمے میں دو باتیں ضروری ہیں: امانت دارانہ ترجمہ کیا جائے کہ ''مُتَرْجَم منہ'' زبان (جس زبان کا ترجمہ کیا جائے) کی کوئی بات ''مُتَرْجَم اِلیہ'' زبان میں (جس زبان میں ترجمہ کیا جائے) منتقل ہونے سے رہ نہ جائے۔ دوسری بات یہ کہ مُتَرْجِم (ترجمہ کنندہ) کو دونوں زبانوں پر بھر پور قدرت ہو؛ تا کہ ایک زبان کی ساری نہ سہی تو اکثر خوبیوں اور نزاکتوں کو دوسری زبان میں منتقل کرنے میں اُسے کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ مولانا شمسِ تبریز قاسمیؒ نے دونوں لیاقتوں میں اپنا لوہا منوایا اور برِّصغیر کے بڑے بڑے اُدبا و مُسلَّم اہلِ قلم نے اُن کی دونوں صلاحیتوں کی ہمیشہ داد دی۔ اُنھوں نے اردو میں باقاعدہ تالیف و تصنیف کے علاوہ عربی سے اُردو میں کئی اہم علمی اور ادبی و فکری کتابوں کے ترجمے کیے، جو معیاری اردو میں ترجمے کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہیں۔ یہ ترجمے جب وقت کے مشاہیر علم و ادب کی نظر سے گزرے، تو اُنھوں نے اپنے قلمی تبصروں میں نہ صرف اُنھیں سراہا؛ بل کہ یہ تک فرمایا کہ اِن ترجموں سے کہیں سے ترجمے کی بو یا ''ترجمہ پن'' محسوس نہیں ہوتا؛ بل کہ یہ ترجمے اردو میں مستقل تخلیقات ہی معلوم ہوتے ہیں؛ چناں چہ حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء-۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) کی کتاب ''روائع اقبال کا اُنھوں نے جب ''نقوشِ اِقبال'' کے نام سے عربی سے اردو میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ اِشاعت پذیر ہو کر اہل علم و قلم و نظر کے پاس پہنچا، تو اُنھوں نے جہاں اصل عربی میں تحریر کردہ حضرت مولانا ندوی مرحوم کے افکار و خیالات اور عربیِ مُعلّٰی کی کماحقُّہٗ تعریف کی وہیں ترجمے کی شیریں و شستہ و برجستہ اردو کی خوبی کو بھی قارئین کے لئے بڑی فراخ دلی سے اجاگر کیا،

حال آں کہ حضرت مولانا ندویؒ کی یہ کتاب اُن کی تالیفات میں اپنی ادبیّت، تعبیر وتصویر کی خوبی، فکری گہرائی، خیالات کے بانکپن کی وجہ سے خاصی مشکل ہے؛ کیوں کہ اِس میں شاعرِ اسلام علامہ ڈاکٹر ''محمد اِقبال'' (۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء - ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء) کے عالی قدر افکار وخیالات اور اسلام کی ترجمانی، مسلمانوں کی عظمت بیانی، کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی مُعجِز نمائی اور اسلامی تہذیب وثقافت کی فضیلت مآبی کے بالمقابل مغربی تہذیب کے تخریبی کردار کے بیان میں، اُن کے جادوطراز اشعار اور ہمالیائی لب ولہجے کا، حضرت مولانا ندویؒ نے اُسی طرح کی جذبات انگیز، ایمان افروز اور قلب وروح کی بھٹّی کو گرما دینے والی اَعلیٰ اور اَلبیلی عربی میں تعارف پیش کیا ہے۔ یہ کتاب اُن کی عربی نثر کا بہترین نمونہ اور خود اُن کی غیرتِ اسلامی، حمیتِ دینی اور جذبۂ مومنانہ کی بھی ترجمان ہے۔ اُنھوں نے اِقبال کے آئینے میں قارئین کے سامنے اپنے سوز وساز کو بھی پیش کیا ہے۔ غالباً اِس کتاب کا یہ پہلو بھی بہت اہم اور لائقِ کشش ہے؛ کیوں کہ اقبالؒ کو وہ چاہتے ہی اِس لئے تھے کہ اِقبال نے اُن کے دل کی بات کہہ دی تھی اور اُن کے زخمِ دل کے لئے شفا بخش مرہم فراہم کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اقبال کو اپنا ہم راز، ہم سخن اور ہم نوا سمجھتے تھے، دونوں کا درد ایک تھا؛ دونوں کے زخمِ جگر میں مماثلت تھی، دونوں ایک ہی منزل کے راہی تھے، دونوں قافلۂ حجاز میں کسی ''حُسَیْن'' کو پا لینے کا حسین خواب دیکھتے تھے، دونوں اِسلام کے اِقبال اور اُس کی نشاَتِ ثانیہ کے سچے آرزومند اور داعی ونقیب تھے۔ دونوں کے سوز وسازِ رومی اور پیچ وتابِ رازی اور آہ وزاری وشب زندہ داری، کی اصل وجہ بھٹکے ہوے آہو کو پھر سوے حرم لے آنے کی تگ وتاز میں اپنی زندگیِ مستعار میں خاطر خواہ کام یابی سے عدمِ ہم کناری کا شدید تر اِحساس تھا؛ اِس لئے دونوں ایک دوسرے کو زبانِ حال سے کہتے تھے:

آ عندلیب! مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاّؤں ہائے دل

اِس طرح کی کتاب کو اُردو اَدب کے قالب میں ڈھال دینا مولانا شمسِ تبریز خاں قاسمیؒ کا

بڑا کارنامہ تھا، اِسی لئے اردو کے دقیق النظر ادیب وصحافی واِنشا پرداز ومفسرِ قرآن حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادیؒ نے ''صدق جدید'' میں جہاں حضرت مولانا علی میاںؒ کی زبان کی عظمت ورفعت کی تقریظ کی وہیں مولانا شمسِ تبریز کی ادبی ہنرمندی کا بھی گن گایا، جو بہت بڑی بات تھی؛ کیوں کہ مولانا دریا آبادی بہ مشکل کسی تازہ وارد بِساطِ ادب وزبان کی زبان وبیان کے حوالے سے مدح سرائی کرتے تھے۔

مولانا شمسِ تبریز قاسمیؒ کی مطلوبہ علمی وتحریری لیاقت ہی کی وجہ سے حضرت مولانا ندویؒ نے اپنی مجلسِ تحقیقات ونشریاتِ اسلام ندوۃ العلما کے علمی وتحریری رفیق کی حیثیت سے اُن کا انتخاب کیا، جس میں اُنھوں نے ۳/اگست ۱۹۶۶ء (مطابق ۶/جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ) سے اپنی ذمّے داریاں انجام دینی شروع کیں۔ اُنھوں نے وہاں سب سے پہلے اپنی اولین اردو تالیف ''مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام'' تیار کی پھر ''تاریخ ندوۃ العلما'' کی دوسری جلد لکھی، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ/۱۲۶۳ء-۷۲۸ھ/۱۳۲۸ء) کی مشہور کتاب ''اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيم'' کا اردو میں ''اِسلامی وغیر اِسلامی تہذیب'' کے عنوان سے ترجمہ کیا، حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کی کتاب ''رَوَائعُ اقبال'' کا ''نقوشِ اقبال'' کے نام سے اردو میں شان دار وشاہ کار ترجمہ کیا اور مشہورِ عالم وادیب واہلِ قلم نواب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء- ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء) کی سیرت وسوانح بہ عنوان ''صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی'' تحریر کی، اسی کے ساتھ حضرت مولانا علی میاںؒ کی تالیف وتحریر میں اُن کی علمی وتحریری معاونت کی، اُن کی ہدایت کے مطابق وہ تاریخ وسیرت وسوانح کی ادق اردو وفارسی اور عربی کتابوں سے مطلوبہ زیرِ تالیف کتابوں اور مقالات کے لئے مواد اکٹھا کرتے یا صحیح مصادر ومراجع کی نشان دہی کرتے۔ انھوں نے حضرت مولانا کی استملائی خدمت بھی کی۔ وہ جو کام بھی کرتے، خلوص ومحنت اور لگن اور لیاقت سے کرتے؛ اِس لئے حضرت مولاناؒ اُنھیں دل سے درازیِ عمر، رزق اور صحت ووقت میں برکت کی ہمیشہ دعا دیتے تھے۔

اِسی کے ساتھ اُنھوں نے بہت سے مقالات و مضامین مختلف علمی وادبی و لسانی و اسلامی موضوعات پر، برّصغیر کے بہت سے باوقار رسالوں میں لکھے، جو شوق و ذوق سے پڑھے گئے۔ البتہ افسوس ہوتا ہے کہ اُن کے ادبی و علمی مقام و مرتبے کے بہ قدر اُن کو علمی و ادبی معاشرے میں وہ عزت و شہرت نہ مل سکی جس کے وہ مستحق تھے، وہ مادی اسباب اور مال و منال سے بھی تہی مایہ ہی رہے؛ کیوں کہ ہمارے معاشرے میں کسی کی ازخود قدر نہیں ہوتی؛ بل کہ خواہش مند اور ''ہوشیار آدمی'' اپنی قدر خود کروالیتا ہے۔ اپنی ذات و صفات کا ڈھول پیٹنے والے اور اپنی شخصیت کی عظمت پر لوگوں کو ایمان لے آنے پر مجبور کر دینے والے انسانی سوسائٹی میں بڑا نام پالیتے ہیں اور اُن کی ساری ضرورتیں ازخود پوری کر دی جاتی ہیں؛ لیکن خاموشی سے صرف کام میں لگے رہنے والے کو کوئی گھاس نہیں ڈالتا، خواہ وہ فی الواقع کتنا بڑا کیوں نہ ہو اور اُس نے خونِ جگر جلا کے اُمت اور ملت کے لئے کتنا مفید اور دیرپا کام کیوں نہ کیا ہو۔ مولانا شمسِ تبریز قاسمی اور اُن جیسے اہلِ کمال -جنھیں خونِ دل لٹانے کے بعد بھی معاشرے میں سرخ روئی نہیں مل پاتی- کی زبانِ حال سے یہ صدا ہمیشہ سننے کو ملتی رہے گی:

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهُمْ ❖ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

اہلِ نعمت و ثروت کو اُن کی نعمت و ثروت مبارک ہو۔ بیچارے عاشق کے لئے تو تلخ کامی کا وہ گھونٹ ہی مقدر ہے جس کو وہ مسلسل پی رہا ہے۔

مرحوم نے ندوۃ العلما کی ''مجلس تحقیقات و نشریاتِ اِسلام'' میں تقریباً ۱۹؍سال تک علمی و تحریری کام کیا یعنی ۳؍اگست ۱۹۶۸ء (۶؍جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ) سے ۱۴؍جنوری ۱۹۸۷ء (۱۷؍جمادی الأخری ۱۴۰۷ھ) تک۔ اس کے بعد وہ ۱۵؍جنوری ۱۹۸۷ء (۱۸؍جمادی الأخری ۱۴۰۷ھ) کو لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے ریڈر پھر پروفیسر کی حیثیت سے وابستہ ہو گئے؛ کیوں کہ اُنھوں نے اسی یونیورسٹی کے اسی شعبے سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر لی تھی، یہاں تاحیات کام کرتے رہے، وہ اپنی بے نفسی کی وجہ سے یہاں سارے تدریسی و غیر تدریسی عملہ

وطلبہ میں بہت مقبول ومحبوب رہے؛ کیوں کہ وہ کبھی کسی کے لئے مضر نہیں رہے، نہ اپنی زبان اور ہاتھ سے کسی کو نقصان پہنچانے کی سوچی۔ ایسا آدمی جہاں رہتا ہے، لوگ اُس سے محبت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

جیسا کہ راقم کو یاد ہے، وہ اواخرِ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق اوائلِ فروری ۱۹۷۲ء میں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا، پہلے دوتین ماہ اُس کا قیام حضرت مولانا کے وطن ''تکیہ کلاں'' رائے بریلی میں رہا، پھر وہ دارالعلوم ندوۃ العلما میں بہ حیثیت استاذ کام کرنے لگا، تکیہ اور دارالعلوم ندوۃ العلما میں مولانا شمس تبریز سے متعارف ہوا اور تقریباً روزانہ ہی حضرت مولانا کی تصنیفی وتحریری مجلس میں اُن سے ملاقات ہوتی رہی، جو ناشتے کے بعد سے ظہر سے ذرا پہلے کے دورانیے میں ہوا کرتی تھی، تقریباً دس سال مولانا شمس تبریز کو بہت قریب سے دیکھنے اور اُن کی شخصیت کی گہرائیوں میں اُترنے کا موقع ملا، راقم نے اُنھیں اُسی طرح کا پایا جس کی طرف اُس نے سطورِ بالا میں اِشارہ کیا ہے۔ اُن کے ساتھ بار بار بازار بھی جانے کا موقع ملا اور کئی بار ''حضرت گنج'' کے نسبتاً ''متمدن ومہذب'' بازار جانے کا بھی اتفاق ہوا جہاں اُن کے لکھنوی اُدَبا وشعرا دوستوں کی متعدد چائے خانوں میں بے تکلف مجلسیں برپا ہوتی تھیں اور وہ موقع ملنے کی صورت میں، اُن میں ضرور شرکت کرتے تھے۔ بارہا اُن کے ساتھ ''رائے بریلی'' آمد ورفت کی بھی صحبت ملی اور سفر کی راہ سے، جس میں آدمی صحیح طور پر جانا اور پرکھا جاتا ہے، اُنھیں سمجھنے کا موقع ملا۔ کہا جاسکتا ہے کہ راقم کو اُنھیں اِس طرح قریب دیکھنے سمجھنے کا موقع ملا کہ بعض دفعہ فردِ خاندان کو بھی نہیں ملتا۔ راقم نے اُنھیں پایا کہ وہ بہت سادہ دل، سادہ مزاج آدمی تھے وہ غالبًا اپنے آپ کو بھی زیادہ نہیں جانتے تھے، نہ اُنھیں اپنا غم ستاتا تھا نہ اپنے اہلِ خانہ کا، ایسا آدمی دوسروں کو کوئی ضرر پہنچانے کی ''صلاحیت'' سے بالکل عاری ہوتا ہے۔ وہ بہت سارے اُن گناہوں سے محفوظ تھے جو فضول گوئی، کثرتِ کلام اور پُر گوئی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ آج سے کم وبیش ۳۳ سال قبل راقم نے اُنھیں اِسی حالت میں چھوڑا تھا، اُس کے بعد اُن سے کبھی

ملاقات نہ ہوسکی؛ لیکن توقع ہے کہ اسی حالت پر اُن کی موت واقع ہوئی ہوگی۔ اللہ بال بال اُن کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس کا مکین بنائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا پڑوس نصیب کرے اور تمام لغزشوں سے جن سے کوئی فردِ بشر مُبَرَّا نہیں درگزر فرمائے اور پس ماندگان اور تمام محبین کو صبرِ جمیل و اجرِ جزیل سے نوازے۔

مختصر سوانحی خاکہ

نام:- شمس تبریز خاں بن فخر الدین احمد خاں وطن اصلی (جاے پیدایش) بھوج پور، ضلع آرہ، بہار تاریخ پیدایش (دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے وقت کے اندراج کے مطابق): ۱۵؍شعبان ۱۳۶۴ھ (۱۷؍جون ۱۹۴۵ء)

تعلیم:- ابتدائی تعلیم ''مدرسہ حنفیہ فرقانیہ'' شہر ''گونڈا'' یوپی میں حاصل کی اور متوسط و اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں جہاں وہ ۲۲؍شوال ۱۳۸۰ھ (۱۲؍مارچ ۱۹۶۰ء) کو داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۸۴ھ (نومبر ۱۹۶۴ء) میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ دورۂ حدیث شریف کے سال کتابوں میں حاصل کردہ نمبرات کی تفصیل مع متعلقہ اساتذۂ گرامی (یاد رہے کہ دارالعلوم دیوبند میں اُس وقت آخری نمبر ۵۰ پچاس ہوا کرتا تھا، دارالعلوم میں ۵۰ کی بہ جائے ۱۰۰ نمبر کا اِجرا تعلیمی سال ۱۴۳۱ھ-۱۴۳۲ھ کے ششماہی امتحان سے ہوا): (۱) بخاری شریف: ۴۷ = حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ (۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء-۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء) (۲) ترمذی شریف: ۴۱ = حضرت مولانا علامہ محمد اِبراہیم بلیاویؒ (۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء-۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء) (۳) مسلم شریف: ۴۰ = حضرت مولانا بشیر احمد خاںؒ (متوفی شنبہ: ۸؍جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۴؍ستمبر ۱۹۶۶ء) (۴) ابوداود شریف: ۴۲ = حضرت مولانا سید فخر الحسنؒ (۱۳۳۲ھ / ۱۹۰۵ء-۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء) (۵) طحاوی شریف: ۴۳ = حضرت مولانا سید فخر الحسنؒ (۶) ابن ماجہ شریف: ۳۵ = حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند (۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء-۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء) (۷) نسائی شریف: ۳۵ = حضرت مولانا شریف الحسنؒ

دیوبندی (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء-۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء) (۸) شمائلِ ترمذی:۴۳=حضرت مولانا سید فخر الحسنؒ (۹) موطأ مالک:۴۵=حضرت مولانا بشیر احمد خاںؒ (۱۰) موطأ محمد:۳۹=حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندیؒ (۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء-۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء)

عملی زندگی:- (۱) ۳/اگست ۱۹۶۸ء (۶/جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ) تا ۱۴/جنوری ۱۹۸۷ء (۱۷/جمادی الاخریٰ ۱۴۰۷ھ) مجلسِ تحقیقات ونشریاتِ اسلام ندوۃ العلما لکھنؤ میں بہ حیثیت علمی رفیق، تالیفی و تصنیفی ذمے داریاں انجام دیں۔ (۲) اس کے بعد ۱۵/جنوری ۱۹۸۷ء (۱۸/جمادی الاخریٰ ۱۴۰۷ھ) تا وفات ۱۹/جنوری ۲۰۱۳ء (۶/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ) لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبۂ عربی میں پروفیسر کے عہدے پر فائز رہے۔

تالیفات:- ہندوستان میں عہد اسلامی میں عربی زبان وادب، تاریخ ندوۃ العلما جلد دوم، صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام۔

تراجم:- ترجمہ از عربی کتاب "**اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ**" تالیف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بہ عنوان "اسلامی وغیر اسلامی تہذیب" ترجمہ از عربی کتاب "رَوَائع اقبال" تالیف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، بہ عنوان "نقوشِ اقبال" اِسی کے ساتھ اُنھوں نے بہت سے علمی وادبی باوقار رسالوں کو اپنے رشحاتِ قلم سے زینت بخشی، جنھیں جمع کر دیا جائے تو کئی کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔

وفات:- شنبہ:۶/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۹/جنوری ۲۰۱۳ء کو بہ وقتِ ظہر، لکھنؤ میں ہوئی۔ شنبہ-یک شنبہ:۶-۷/ربیع الاول=۱۹-۲۰/جنوری کی شب میں نماز جنازہ بعد نماز عشا اُن کے گھر کے قریب "مدح گنج"، لکھنؤ میں ہوئی اور "تکیہ تارن شاہ" قبرستان واقع محلّہ "کھدرا" میں تدفین عمل میں آئی۔ بوقت وفات اُن کی عمر بحساب سن عیسوی ۶۸/سال اور بحساب سن ہجری ۷۰/سال تھی۔

(ندائے شاہی اکتوبر/نومبر ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحبؒ

مشہور و معروف داعی الی اللہ، صاحبِ طرز ادیب و مصنف، کامیاب مدرس، صاحبِ فکر ونظر اور صائب الرائے عالم دین، حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ ۲۲؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸؍ستمبر ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ کو داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف ایک روشن دماغ عالم دین تھے، ذہانت اور طبعی ذکاوت کے ساتھ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رواں قلم بھی عطا فرمایا تھا، قلبی واردات کو الفاظ کے پیکرِ محسوس میں تبدیل کرنے میں آپ کو مہارت حاصل تھی، آپ اپنے متعلقین کو سلف صالحین کی ڈگر پر مضبوطی سے قائم رہنے کی نہ صرف تلقین کرتے تھے؛ بلکہ خود بھی اسی ڈگر پر عمر کے آخری لمحہ تک ثابت قدم رہے۔ آپ نے پوری زندگی بد عملی اور بدفکری دونوں طرح کے فتنوں کا اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ مقابلہ کیا۔ سہ ماہی ''المآثر'' مئو اور ماہنامہ رسالہ ''ضیاء العلوم'' شیخو پورہ کے ذریعہ آپ کی پراثر تحریروں سے امت مسلسل مستفید ہوتی رہی، اور جب تک ہمت و طاقت رہی، آپ کے قلم کی جولانی میں کوئی کمی نہ آئی، آپ نے اپنے شاگردوں اور زیرِ تربیت افراد کے لئے جو مکتوبات لکھے وہ بھی بڑے قیمتی اور پر حکمت جواہرات پر مشتمل ہیں، آپ نے اپنے قلم سے اپنی آپ بیتی بھی لکھی، جو ایسی دلچسپ اور پراز معلومات ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا، اور اس میں درمیان درمیان میں اپنے تجربات اور گذرے ہوئے؛ بلکہ برتتے ہوئے حالات کی روشنی میں قارئین کو ایسی قیمتی نصیحتیں کی گئی ہیں جو اِن شاء اللہ قدم قدم پر کام آتی رہیں گی۔

تحریر کے ساتھ ساتھ آپ کو تدریس میں بھی امتیاز حاصل تھا، اور اس دور انحطاط میں آپ ان چند اساتذہ میں تھے، جنھوں نے مردم سازی اور افراد سازی کا کام پوری لگن سے انجام دیا، یہی وجہ تھی کہ آپ فراغت کے بعد بھی اپنے شاگردوں سے برابر ربط قائم رکھتے تھے،

اوران کی خیرخواہی میں کوئی دریغ نہ فرماتے تھے، اسی بناپر آپ کے شاگرد بھی آپ پر دل وجان سے فدا رہتے تھے۔

اسی طرح مولانا موصوف کواللہ تعالیٰ نے پرسوز اور مؤثر وعظ وخطابت کی صفت سے بھی خوب نوازا تھا، اس عنوان پر آپ کے اسفار ہوتے رہتے تھے، اور ایک خاص بات یہ تھی کہ آپ بڑے شہروں میں پروگراموں کے بجائے چھوٹی چھوٹی آبادیوں اور دیہاتوں کے پروگراموں کو زیادہ ترجیح دیتے تھے، یہ آپ کے خلوص کی علامت تھی۔

مولانا موصوف راقم الحروف سے لوجہ اللہ انسیت رکھتے تھے، اور ''ندائے شاہی'' بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے تھے، پہلے ندائے شاہی کے مضامین حروف بہت باریک ہوتے تھے، جس کی وجہ سے کمزور نگاہ والوں کو پڑھنے میں کچھ دشواری ہوتی تھی، تو کئی مرتبہ اپنے خاص علمی معاون مولانا ضیاء الحق خیرآبادی سے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ ندائے شاہی والوں کو اس کے حروف جلی کرنے کی توفیق بخشے''۔ چناں چہ موصوف ہی کے توجہ دلانے پر اس کے حروف قدرے جلی کئے گئے اور آج کل اسی انداز پر طباعت ہورہی ہے۔

موصوف کئی سال سے گردے کے عارضہ میں مبتلا تھے، ہر ہفتہ ڈائیلسس کا سلسلہ جاری تھا، اِدھر کئی مہینوں سے اپنے محبّ ومحبوب استاذ حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ پر ''ضیاءالاسلام'' کا خصوصی نمبر ترتیب دے رہے تھے، جو بالکل تیار ہو چکا تھا، اور پریس میں کاپی جانے کو تیار تھی کہ پیغام اجل آ پہنچا اور یہ پیکر خلوص ووفا بندہ اپنے رب کے دربار میں حاضر ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن علماء، صلحاء اور عوام وخواص کے جم غفیر نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی، اور نم آنکھوں سے سپرد خاک کیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی دینی وملی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، اور آخرت میں اعلیٰ درجات سے نوازیں، آمین۔ (موصوف پر ایک تفصیلی تعزیتی مضمون اندرونی صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۳ء)

مولانا اعجاز احمد اعظمی جوارِ رحمت میں

مولانا عبدالباسط قاسمی ابن مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اہلِ علم کے حلقوں کے لئے یہ خبر باعثِ حزن وملال ہے کہ بتاریخ ۲۲رذی قعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸رستمبر ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ ساڑھے گیارہ بجے رات میں حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دنیا میں کسی کو بقا اور دوام نہیں؛ لیکن کچھ لوگوں کا اس دنیا سے جانا بہت سوں کو رنجیدہ اور ملول کر دیتا ہے، مولانا اعجاز احمد اعظمی کی ذاتِ گرامی بھی ایک ایسی ہی جامع اور ہمہ گیر شخصیت تھی، وہ بیک وقت بہترین انشاء پرداز، شگفتہ اسلوبِ تحریر لکھنے والے ادیب، صاحب نسبت بزرگ، بہترین مدرس، پراثر واعظ، جادو بیان خطیب اور بیسیوں علمی اور اصلاحی کتابوں کے مصنف تھے، ہمدرد وغمگسار، چھوٹوں پر شفقت کرنے والے اور طلبہ کی حوصلہ افزائی کرنے والے شفیق استاذ تھے۔

۵رفروری ۱۹۵۱ء کو بھیرہ ضلع اعظم گڑھ (حال ضلع مئو) میں پیدا ہوئے، ابتدا سے فارسی تک کی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی پھر مشرقی یوپی کے مرکزی ادارہ ''مدرسہ احیاء العلوم'' مبارک پور میں داخل ہوکر علمی پیاس بجھاتے رہے، یہاں سے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، اور اس کے سرچشمۂ صافی سے سیراب ہوئے، پھر ۱۹۷۱ء میں ''مدرسہ چلہ'' امروہہ سے فارغ ہوئے، ۱۹۷۲ء میں جامعہ اسلامیہ بنارس، پھر چلہ امروہہ کی اسی مادرِ علمی میں اپنے استاذ حضرت مولانا افضال الحق جوہر قاسمی کی زیرِنگرانی تدریس کے فرائض انجام دیئے، پھر چند ماہ بنگلور میں اس کے بعد مدرسہ دینیہ غازی پور، جامعہ عربیہ ریاض العلوم گورینی، پھر مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں تقریباً ۲۴ربرس درس دیا، اور علماء وفضلاء کی اچھی ٹیم تیار کردی۔

رمضان سے قبل وہ بمبئی سے وطن تشریف لائے اور چھپرہ ضلع مئو ان کے داماد مولانا ابرارالحق صاحب کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ سراج العلوم (جس کے مولانا سرپرست بھی تھے) وہیں قیام کرلیا، اپنے بچوں کے لئے مکان تعمیر کروایا، ایک وسیع وعریض مسجد پہلے ہی تیار ہوچکی تھی، جلدی جلدی اس کا فرش وغیرہ درست کرادیا، اور رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ میں تقریباً تیس طلبہ نے یہاں پر رہ کر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کی تیاری کی، چھپرہ ضلع مئو ایک دورافتادہ اور غیرآباد چھوٹی سی مسلم بستی تھی؛ لیکن مولانا کی تشریف ارزانی کے بعد اس کی قسمت جاگ اٹھی، علماء اور عوام جوق درجوق مولانا کے پاس آنے لگے، غیرمسلم لوگ بھی بکثرت آتے اور خوشی محسوس کرتے تھے کہ اللہ کا نیک بندہ یہاں قیام پذیر ہوگیا، اطراف وجوانب سے عقیدت مندوں کے آنے کا تانتا لگ گیا، اور ''جنگل میں منگل'' سماں نظر آنے لگا، شوال ۱۴۳۴ھ سے باقاعدہ دو درجے عربی پنجم اور ششم قائم ہوگئے، حفظ و پرائمری کا نظام پہلے سے موجود تھا، مولانا کے تربیت یافتہ دو اساتذہ مفتی منظور احمد قاسمی اور مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (حاجی بابو) شیخوپور چھوڑ کر یہیں آگئے، اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع ہوگیا، مولانا تو کئی مہینے سے بیمار تھے؛ لیکن انھوں نے بیماری کو اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیا، اور ہرطرح علمی مشغولیوں میں منہمک رہے، مولانا اتنی جلدی داغ مفارقت دے جائیں گے اس کی توقع نہیں تھی؛ لیکن خدا کا قانون اٹل ہے، جب وقت موعود آپہنچتا ہے تو ایک لمحہ کی بھی تقدیم وتاخیر کی گنجائش نہیں ہوتی۔

یوں تو میں نے بچپن ہی سے مولانا کے علم وفضل کے چرچے سن رکھے تھے جہاں کہیں معلوم ہوتا کہ مولانا آنے والے ہیں جلسے میں ان کی تقریر ہونے والی ہے میں اپنے ہم جولیوں کے ساتھ پہنچ جاتا، میرے والد صاحب کے چہیتے شاگرد تھے ہمارے گاؤں ''پورہ معروف'' سے ان کا بہت گہرا تعلق تھا اکثر وبیشتر آنا ہوتا مولانا جب بھی تشریف لاتے اپنی ساحرانہ خطابت سے ہمیں مسحور فرمادیتے تھے، میرا اور ان کا باضابطہ تعلق غالباً ۱۹۹۰ء میں ہوا، مظہرالعلوم بنارس میں وہ والد صاحب کے پاس تشریف لائے تھے والد صاحب نے مجھے ان کے ساتھ کردیا کہ اسے اپنے ادارہ مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں لے جاکر داخل کردیں، آپ کی زیرتربیت اس کا

علمی سفر شروع ہوکر کامیابی سے ہمکنار ہو، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بس کا کرایہ بھی مولانا نے اپنی ہی جیب سے دیا تھا، میرا سامان بھی تقریباً دوکلومیٹر پیدل مولانا اپنے کاندھوں پر رکھ کر مدرسہ کے احاطہ تک آئے تھے، ان کی عظمت ومحبت کا یہ پہلا نقش تھا جو اب تک دل ودماغ پر مرتسم ہے، مولانا نے بڑی شفقت اور اپنائیت سے مجھے رکھا بدقسمتی سے میں مولانا کے پاس زیادہ دنوں تک نہ رہ سکا، میرے ساتھ ایک عذر تھا، اگر میں مولانا سے عرض کردیتا تو مولانا ضرور اس کا کوئی حل نکال دیتے لیکن میں کہنے کی ہمت نہ کرسکا اور گھر چلا آیا، اپنی بقیہ تعلیمی زندگی میں والد صاحب کے ساتھ ساتھ رہا، البتہ کبھی کبھار مولانا سے ملاقات ہوجاتی اور میں مولانا کی شفقت ومحبت دیکھ کر سرشاری کی کیفیت میں ڈوب جاتا اور نہال ہوجاتا تھا، دوایک بار شیخوپور خدمت میں حاضری بھی ہوئی، مولانا بھی والد صاحب سے ملنے کبھی گھر اور کبھی سہارنپور آتے رہے، فراغت کے بعد کچھ دنوں پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ رہا، پھر میں کاروباری زندگی میں مشغول ہوگیا اور اتنا مشغول ہوا کہ مجھے اپنی بھی سدھ نہ رہی، البتہ رفیق محترم مولانا ضیاء الحق خیرآبادی کے ذریعہ مولانا سے سلام وپیام چلتا رہا۔

وقتاً فوقتاً مولانا سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہا، خدا کی شان کہ جنوری ۲۰۱۱ء میں راقم الحروف مدرس ہوکر ’’جامعۃ الفلاح‘‘ بلیریا گنج پہنچ گیا، جو شیخوپور سے صرف پانچ کلومیٹر کی دوری پر تھا، اب تو ہفتہ ہفتہ بلکہ کبھی کبھی ہفتہ میں دو دو بار ملاقات ہوجایا کرتی تھی، پھر مولانا نے بیمار ہوکر بمبئی کا قصد کیا اور میں اپنے والد محترم حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کی خدمت میں پہنچ گیا، مولانا کی شفقتوں اور نگاہ لطف وکرم سے خوب سابقہ پڑا ہے، ان کے علم وفضل اور تقوی وپرہیزگاری کا تو دل پہلے ہی سے معترف تھا، حسن خلق، دل جوئی، ہمدردی وغم گساری کا نقشِ جمیل بھی دل ودماغ پر مرتسم ہوکر رہ گیا، میں والد صاحب کو لے کر بغرضِ علاج بمبئی گیا، مولانا بھی وہیں مقیم تھے خوب ملاقات رہی، جب وہ تشریف لاتے تو محفل کا حسن دوبالا ہوجاتا، والد صاحب شوق لقاء اور آخرت کی باتیں کیا کرتے، خود بھی روتے اور حاضرین کو بھی رلاتے، مولانا کی طبیعت پر اپنی بیماری کا تو

خاص اثر نہ تھا البتہ اپنے استاذ کی بیماری کے سلسلہ میں وہ تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے، ادھر یہی حال والد صاحب کا بھی تھا، اپنے بارے میں کچھ رنج وملال نہ تھا البتہ شاگرد رشید کے بارے میں بہت فکر مند تھے، بہت الحاح وزاری کے ساتھ دعائیں کرتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت سے نواز دے، پھر وہ بمبئی سے وطن آئے اور میں بھی سہارنپور ہوتے ہوئے والد صاحب کو لے کر وطن پہنچا مولانا بیماری کے باوجود ہمارے گھر پورہ معروف تشریف لائے جواب میں والد صاحب بھی نہایت ضعف واضمحلال کے باوجود ان کی عیادت کے لئے شیخو پور گئے، کمزوری کی وجہ سے بات کرنے کا یارا نہ تھا، پندرہ بیس روز سے کوئی چیز بھی حلق کے نیچے نہ اتر سکی تھی، مولانا نے منع کیا تھا کہ والد صاحب کو لے کر نہ آؤ، میں ملاقات کے لئے خود ہی آؤں گا، لیکن والد صاحب تیار نہ ہوئے، فرمایا کہ وہ عیادت کو آچکے ہیں اب مجھے جانا چاہئے، جب مدرسہ میں داخل ہوئے تو علماء اور طالبانِ علوم نبوت کا ایک جم غفیر استقبال کے لئے موجود تھا والد صاحب بھی روئے اور مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب کے بھی ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے، استاد وشاگرد کی یہ آخری ملاقات قابلِ دید تھی۔

ع: آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ

دو روز کے بعد مولانا بمبئی چلے گئے، اور چند دنوں کے بعد ۱۶/جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸/اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار والد صاحب اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے، مولانا سے ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی تو نڈھال ہو گئے، اور طرفین کی ہچکیاں بندھ گئیں اس کے بعد مولانا کے دل کی کیا کیفیت تھی اس کا اندازہ ان کے تعزیتی مضمون ''ایک صاحب نسبت مردِ مومن کی رحلت '' اور استاذ گرامی حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی سے لگایا جا سکتا ہے، پہلا مضمون کئی رسالوں (بشمول رسالہ مظاہر علوم سہارنپور اور اشرف الجرائد حیدرآباد) میں اور دوسرا مضمون ''المآثر مئو'' میں چھپ چکا ہے۔

اب میرے اوپر ان کی شفقت ومحبت پہلے سے سوا ہو گئی، میں نے ان سے والد صاحب پر مضمون لکھنے کی فرمائش کی، انھوں نے کہا ضرور لکھوں گا والد صاحب کی رحلت کا ان کی طبیعت

پر بہت اثر تھا، تین تین تفصیلی مضمون لکھا، اور خوب لکھا، پڑھنے والا بے خود ہو جاتا ہے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں، ابا جان کی آپ بیتی پر پیش لفظ لکھنے کی فرمائش کی، فوراً لکھ کر بھیج دیا، ان کی تحریر کیا ہے؟ گویا دل کا خون صفحۂ قرطاس پر بکھر گیا ہے، ابھی دو چار دن قبل ہی تو ٹیلی فون پر بات ہوئی تھی، جمعرات سے ایک رسالہ نکالنے کی پوری تیاری ہو چکی تھی، انھوں نے فرمایا تھا کہ پہلا خصوصی شمارہ حضرت مولانا زین العابدین صاحب، دوسرا ان کے دوسرے استاذ مولانا افضال الحق جوہر قاسمی صاحب، اور تیسرا ان کے رفیق مولانا ابوبکر غازی پوری صاحب پر ہوگا، والد صاحب پر جو خصوصی شمارہ تیار ہو چکا تھا، اس میں مولانا کے تین مضامین، میرا ایک مضمون، اور والد صاحب کی خودنوشت شامل ہونی تھی، تمام تیاریاں مکمل تھیں آج بتاریخ ۲۹ رستمبر ۲۰۱۳ء بعد نماز مغرب مجھے اپنا پیش لفظ نظر ثانی واضافہ کے بعد میل کرنا تھا، ارے ہاں! ایک بات تو رہی ہی جاتی ہے شیخو پور سے چھپرا تک کی سرگزشت بھی اسی شمارے میں شامل تھی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، اللہ کا یہ نیک بندہ بہت سے کام پورے کر کے، بہت سے علماء واولیاء کی سرگزشت لکھ کر اور انھیں حیات جاوداں بخش کر آخرت کے سفر پر روانہ ہو گیا، وقت کے علماء اور مصلحین امت کی ذمہ داری ہے وہ مولانا کی زندگی کو مشعل راہ بنا کر اپنا علمی واصلاحی سفر پورے عزم وحوصلے کے ساتھ جاری رکھیں، مختلف رسائل وجرائد میں چھپے ہوئے مقالات ومضامین کے علاوہ مولانا کی لکھی ہوئی مطبوعہ کتابوں کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے، ایسے لوگ برسوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں ❖ تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
حیف ہے وہ بھی نہ چھوڑی تو نے او بادِ صبا ❖ یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانہ کی خاک

پسماندگان میں سات صاحبزادگان (حافظ محمد حارث، حافظ محمد عادل، مولوی محمد عامر، مولوی محمد عابد، مولوی محمد راشد، مولوی محمد عرفات، اور محمد احمد سلمہٗ) ہیں۔ تین صاحبزادیاں ہیں، جن کی شادیاں حسبِ ترتیب مفتی اعجاز احمد قاسمی، مولانا ابرار الحق قاسمی اور مولوی فیض الحق زیدمجدہم ہیں۔

مطبوعہ کتابوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) تسہیل الجلالین شرح اردو جلالین شریف (جلد اول) (سورۂ بقرہ تا سورۂ نساء مکمل سوا پانچ پارے)

(۲) حدیث دوستاں (دینی و اصلاحی اور علمی و ادبی مکاتیب کا مجموعہ)

(۳) کھوئے ہوؤں کی جستجو (مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ)

(۴) حیاتِ مصلح الامت (حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی کی مفصل سوانح)

(۵) مدارسِ اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن، مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ)

(۶) بطوافِ کعبہ رفتم (سفر نامہ حج) حرمین شریفین (مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کے سفر کی روداد)

(۷) تہجد گزار بندے (تہجد کی اہمیت و فضیلت اور تہجد گزار بندوں کا تفصیلی تذکرہ)

(۸) ذکرِ جامی (ترجمانِ مصلح الامتؒ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حالاتِ زندگی)

(۹) حضرت چاند شاہ صاحب اور ان کا خانوادۂ تصوف (حضرت چاند شاہ صاحب ٹانڈوی اور ان کے خلفاء کے حالات)

(۱۰) تذکرہ شیخ ہالیجوی۔ (سندھ کے معروف شیخِ طریقت و عالم حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی کا مفصل تذکرہ)

(۱۱) مودودی صاحب اپنے افکار و نظریات کے آئینہ میں (مولانا بنوریؒ کی عربی کتاب ''الاستاذ المودودی'' کا ترجمہ۔

(۱۲) حکایتِ ہستی حصہ اول (خود نوشت سوانح، ابتداء حیات سے اختتام طالب علمی تک)

(۱۳) کثرتِ عبادت عزیمت یا بدعت؟

(۱۴) قتل ناحق قرآن و حدیث کی روشنی میں۔

(۱۵) تعویذات و عملیات کی حقیقت و شرعی حیثیت۔

(۱۶) شب برأت کی شرعی حیثیت۔

(۱۷) اخلاق العلماء علماء کے لئے خاص چیز۔

(۱۸) دین داری کے دو دشمن (حرصِ مال وحبِ جاہ)

(۱۹) فتنوں کی طغیانی (ٹی وی پر ایک فکر انگیز تحریر)

(۲۰) اہل حق اور اہل باطل کی شناخت۔

(۲۱) مالی معاملات کی کمزوریاں اور ان کی اصلاح۔

(۲۲) منصب تدریس اور حضرات مدرسین۔

(۲۳) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح۔

(۲۴) برکات زمزم (ماءِ زمزم کی فضیلت واہمیت کا بیان)

(۲۵) تصوف ایک تعارف۔

(۲۶) خواب کی شرعی حیثیت۔

(۲۷) تکبر اور اس کا انجام۔

(۲۸) تذکرہ مولانا عبدالقیوم فتح پوری۔

(۲۹) تسہیل المیبذی۔

(۳۰) حدیثِ دردِ دل (ماہنامہ ضیاء الاسلام میں لکھے ہوئے اداریوں کا مجموعہ)

(۳۰) مسئلۂ ایصالِ ثواب! ایک ذہنی طغیانی کا احتساب۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے، اور امت مسلمہ کو ان کی کتابوں سے نفع اٹھانے کا توفیق عنایت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۳ء)

متفرقات:

حضرت مولانا صدرالدین صاحب کو صدمہ

جامعہ کے استاذ و ناظم دارالاقامہ حضرت مولانا صدرالدین صاحب مدظلہ کی والدہ ماجدہ کی گذشتہ دنوں اپنے وطن مالوف میں وفات ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادارہ ندائے شاہی موصوف کے غم میں شریک ہے، قارئین سے بھی دعاء وایصالِ ثواب کی گذارش ہے۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۳ء)

مولانا عزیز النبی خاں صاحب کی وفات

۸ر ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰ر فروری ۲۰۱۳ء بروز بدھ کو مشہور عالم وخطیب حضرت مولانا عزیز النبی خاں صاحب مظاہری مہتمم مدرسہ صدیقیہ ترتیل القرآن رام پور طویل علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے، موصوف تبلیغی جماعت سے بھی وابستگی رکھتے تھے، اور معاشرتی وسماجی سطح پر بہت سی خدمات انجام دیتے تھے، اپنے مخصوص طرز خطابت کی وجہ سے عوام میں مقبول تھے، جمعیۃ علماء ہند اور دیگر علماء وسیاسی لیڈران سے روابط رکھتے تھے۔ قارئین سے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب کو صدمہ

جامعہ کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام صاحب دامت برکاتہم کی اہلیہ محترمہ مؤرخہ ۲۹ر شعبان ۱۴۳۴ھ مطابق ۹ر جولائی ۲۰۱۳ء بروز منگل کو مختصر علالت کے بعد رحلت فرما گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوفہ نہایت دین دار، نیک سیرت خاتون تھیں، اس حادثہ پر ادارہ ندائے شاہی

حضرت موصوف کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا محمد شفیق خاں صاحبؒ کی رحلت

جنوبی ہند کے مشہور بزرگ اور بافیض عالم دین حضرت مولانا محمد شفیق خان صاحب خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ گذشتہ ۴ر رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۳ر جولائی ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ کو سیلم میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ جنوبی ہند کے مرکزی مدرسہ جامعہ مظاہر علوم سیلم (تمل ناڈو) کے بانی و مہتمم تھے، اور اس علاقہ میں مرجع عوام وخواص تھے، آپ کی عظیم الشان دینی خدمات آپ کے لئے اِن شاء اللہ صدقۂ جاریہ بنیں گی، ادارہ ندائے شاہی حضرت مرحوم کی وفات پر گہرے غم کا اظہار کرتے ہوئے سبھی متعلقین بالخصوص صاحبزادہ حضرت مولانا انیس احمد صاحب اور حضرت مولانا مفتی ابوالکلام صاحب کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا قاضی معتصم باللہ صاحبؒ (بنگلہ دیش)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تلمیذ خاص، بنگلہ دیش کے مشہور عالم دین، جامعہ اسلامیہ مالی باغ ڈھاکہ کے شیخ الحدیث، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاضی معتصم باللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۲ر رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۱ر جولائی ۲۰۱۳ء بروز جمعرات کو ڈھاکہ میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت قاضی صاحبؒ اس دور میں واقعی نمونۂ سلف اور بزرگوں کی یادگار تھے، نصف صدی سے زیادہ عرصہ آپ نے حدیث شریف کی تعلیم وتدریس میں گذارا، ہزاروں طالبانِ علوم

نے آپ سے سند حدیث حاصل کی، مزاج انتہائی نرم، خلوص وتواضع کے پیکر تھے، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی میں اپنی مثال آپ تھے۔ موصوف کی جدائی کا قلق دیر تک محسوس کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اور درجات بلند فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۳ء)

قاری محمد نعیم صاحبؒ امام جامع مسجد ٹانڈہ بادلی

ٹانڈہ بادلی ضلع رام پور کی جامع مسجد کے امام جمعیۃ الحفاظ ٹانڈہ کے صدر اور بانی اور علاقہ کی فکر مند شخصیت جناب قاری محمد نعیم صاحب گذشتہ ۱۹ر شعبان ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸ر جون ۲۰۱۳ء کو جمعہ کے دن رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاری صاحب موصوف نہایت ملنسار اور خوش اخلاق شخص تھے، اللہ تعالیٰ نے خطابت کا بہترین ملکہ عطا فرمایا تھا، عرصہ سے جامع مسجد ٹانڈہ میں امامتِ جمعہ وخطابت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہے تھے، عوام وخواص کی نظر میں آپ کو اعتماد کا درجہ حاصل تھا، عارضۂ قلب میں کئی سال سے مبتلا تھے، یہی مرضِ وفات کا سبب بنا، اللہ تعالیٰ قاری صاحب مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا میاں خلیل احمد صاحب دیوبندیؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اجل، صاحب نسبت بزرگ، دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن اور حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت مولانا میاں خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ اصغریہ دیوبند وسط رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ میں طویل علالت کے بعد دیوبند میں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی مدظلہ نے پڑھائی، اور مدرسہ اصغریہ کے سامنے آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا مفتی عبدالحی صاحب پرتاپ گڈھیؒ

مدرسہ نور العلوم ہرہرپور ضلع پرتاپ گڈھ کے قدیم استاذ حضرت مولانا مفتی عبدالحیؒ صاحب گذشتہ ۲۶؍رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ مطابق ۵؍اگست ۲۰۱۳ء بروز پیر لکھنؤ PGI ہاسپٹل میں مختصر علالت کے بعد وفات پاگئے۔

مولانا موصوف نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۶۵ء میں فراغت پائی، بعدہ ۳؍سال پالن پور گجرات میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں فتویٰ نویسی کی تمرین فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے پاس کی، اُس کے بعد تقریباً آٹھ سال تک مدرسہ شمس العلوم ٹنڈ ہیڑہ ضلع مظفرنگر میں منصب اہتمام پر فائز رہے۔ پھر ۱۹۷۷ء سے تادم واپسیں مدرسہ نور العلوم ہرہرپور پرتاپ گڈھ میں تقریباً ۳۶؍سال تک تدریس وافتاء کی خدمات انجام دیتے رہے، موصوف بہت صالح، کم گو اور صاحبِ ورع وتقویٰ بزرگ تھے، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا ابوالحسن ماٹلیؒ والا

دارالعلوم ماٹلی والا بھڑوچ گجرات کے شیخ الحدیث، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد، حضرت مولانا ابوالحسن صاحب ماٹلی والا ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ کے وسط میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے محدث، بافیض عالم دین اور ملی خدمت کے جذبہ سے سرشار بزرگ تھے، پوری زندگی تعلیم وتدریس اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملی خدمات میں گذاری، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۳ء)

علامہ منصور بجنوریؒ

مشہور نعت گو شاعر اور باغ و بہار شخصیت کے مالک جناب علامہ منصور بجنوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۹؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۵؍اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ کو دہرہ دون اترا کھنڈ میں ایک مجلس میں نعت پڑھنے کے بعد اسٹیج ہی پر قلب کی حرکت بند ہونے سے اچانک انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اپنی فی البدیہہ شاعری اور تفنن طبعی کی بنا پر خاص کر مغربی یوپی کے مدارس کے حلقوں میں خاصے مقبول تھے، عام طور پر دستار بندی کے جلسوں میں آپ حفاظ کرام کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کے ناموں کو قصیدے میں شامل کر کے ترنم کے ساتھ سناتے تھے، جس سے سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے۔ افسوس کہ حمد و نعت و منقبت اور اسلامی نظموں کی یہ آواز اب خاموش ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے دینی جذبات کو بے حد قبول فرمائیں اور آخرت میں اپنے سایۂ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں، آمین۔ قارئین سے بھی ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۳ء)

رفتـــــــگاں

۲۰۱۴ء

- حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلویؒ
- حضرت مولانا قاری محمد اکمل صاحب امروہویؒ
- حاجی عبدالرزاق نصیر آبادی رائے بریلویؒ
- پروفیسر عبدالحئ فاروقی صاحبؒ
- حضرت مولانا محمد اسماعیل مدنیؒ
- آہ! ڈاکٹر ابوعدنان سہیلؒ
- حضرت مولانا عبدالغنی صاحب شاہجہاں پوریؒ

حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلویؒ

ملک کے معروف عالم دین اور تحریک دعوت وتبلیغ (مرکز نظام الدین) کے اہم ستون اور مرکزی شوریٰ کے ذمہ دار حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۱۶ر جمادی الاول ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۸ر مارچ ۲۰۱۴ء بروز منگل دوپہر بارہ بجے دہلی کے ایک اسپتال میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے معاملہ فہم، معتدل مزاج اور بابصیرت شخصیت کے مالک تھے، بردباری اور کم گوئی آپ کا خاص وصف تھا، آپ نے تبلیغی جماعت کے استحکام اور اس کی ترقی کے لئے پوری زندگی وقف کردی تھی، شروع ہی سے آپ نے اپنے عظیم والد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ کے دست وبازو بنے رہے، اور ۱۹۹۵ء میں حضرت جیؒ کی وفات کے بعد آپ نے جماعت کو متحد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا، تبلیغی اجتماعات میں آخری دعا اور جماعتوں کی روانگی کے وقت ضروری ہدایات دینے کی ذمہ داری آپ کے سپرد رہی۔

آپ کی پیدائش ۱۹۵۰ء میں کاندھلہ میں ہوئی، عارف باللہ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے ذریعہ آپ کی قرآنی تعلیم کا آغاز ہوا، حفظ قرآنِ کریم اور ابتدائی عربی تعلیم کے بعد آپ نے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۱ء میں فراغت حاصل کی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، اور حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحبؒ سابق ناظم مظاہر علوم وغیرہ آپ کے اساتذہ میں سے تھے، فراغت کے بعد آپ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کے دست اقدس پر بیعت کی، اور ۱۹۷۸ء میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے، نیز آپ کو اپنے والد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی طرف سے بھی اجازت حاصل تھی۔

تحریک دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریوں کے ساتھ آپ نے اخیر تک تعلیمی مشغلہ بھی برقرار

رکھا، چناں چہ مدرسہ کاشف العلوم (مرکز نظام الدین) میں آپ نے تقریباً تیس سال تک بخاری شریف کا درس دیا، جو آپ کے علمی شغف کی دلیل ہے۔ آپ اپنے معمولات اور اوراد ووظائف کے بڑے پابند تھے، نیز قرآنِ کریم کی تلاوت سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے، غیر معمولی جسامت کے باوجود آپ کی مصروفیات کا تسلسل اور دین کی سربلندی کے لئے ملک وبیرونِ ملک کے تقاضوں پر اسفار آپ کی بلند ہمتی کی دلیل تھی۔

عرصہ سے آپ مختلف قسم کے عوارض میں مبتلا تھے؛ لیکن اخیر میں گردوں کی تکلیف کی بنا پر آپ کو اسپتال میں داخل کیا گیا، بالآخر ڈاکٹروں کی ہزار کوششوں کے باوجود وقت موعود آپہنچا، اور آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ وفات کی خبر تھوڑی ہی دیر میں پورے عالم میں پھیل گئی، اور تعزیت کرنے والوں کے ہجوم سے نظام الدین کے گلی کوچے تنگ پڑنے لگے۔ بعد نماز عشاء حضرت اقدس مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، اور مرکز کے احاطہ میں ہی آپ کی تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

آپ کی وفات پر پورے عالم میں غم کا اظہار کیا گیا، اور ابھی تک ملک وبیرون ملک سے تعزیت کرنے والوں کا تانتا مسلسل بندھا ہوا ہے، اور جابجا تعزیتی اجلاسوں اور ایصالِ ثواب کا تسلسل جاری ہے۔

قارئین ندائے شاہی سے بھی اپیل ہے کہ وہ اپنی حد تک ایصالِ ثواب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں، امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

مدرسہ شاہی میں تعزیتی اجلاس

مؤرخہ ۱۷/۵/۱۴۳۵ھ بروز بدھ بعد نماز مغرب، حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب امیر مرکز جماعت تبلیغ کی وفات حسرت آیات پر مدرسہ شاہی کی طرف سے مدنی مسجد دارالطلبہ لالباغ میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، جس میں ذمہ دارانِ ادارہ، اَساتذۂ کرام اور طلبہ عزیز کے

علاوہ اہل شہر نے بھی اچھی خاصی تعداد میں شرکت کی، شروع میں سب حاضرین نے ایصالِ ثواب کی نیت سے قرآنِ کریم کی تلاوت کی۔ اُس کے بعد مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مہتمم مدرسہ شاہی نے مولانا مرحوم کے اوصاف وکمالات حاضرین کے سامنے رکھے، بالخصوص طلبہ عزیز کو مولانا زبیر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل اوصاف اپنانے کی تلقین کی، اور کہا کہ میں مولانا مرحوم کی متعدد خوبیوں میں سے تین خوبیاں اِس یقین کے ساتھ ذکر کرتا ہوں کہ طلبہ عزیز اُن کو مشعلِ راہ بنا کر اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی کوشش کریں گے:

(۱) مولانا زبیر الحسن صاحب کی سب سے اہم خوبی یہ تھی کہ موصوف ہر طرح کی مشقت برداشت کر کے ہر وقت خدمتِ دین کے لئے مستعد رہا کرتے تھے، جسم کے بھاری بھرکم ہونے کی وجہ سے مولانا مرحوم کو اُٹھنے، بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں بے پناہ دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا، مگر اِس کے باوجود اجتماعات میں شرکت کرنا اور لمبے لمبے اسفار کر کے تبلیغی پروگراموں میں جا کر مشورے دینا، بیانات کرنا اور دعائیں کرانا مولانا کا معمول تھا۔

(۲) مولانا مرحوم کی دوسری اہم خوبی یہ تھی کہ اُن کو اپنی زبان پر بڑا قابو اور کنٹرول تھا، عام لوگوں سے تو صرف سلام ومصافحہ فرماتے اور مخصوص لوگوں سے خیر خیریت دریافت کر کے خاموش ہوجاتے، صرف ضروری ہی گفتگو کیا کرتے تھے۔ بدگوئی، دشنام طرازی اور غیبت جیسے زبان کے گناہوں سے مولانا موصوف کوسوں دور تھے۔

(۳) تیسری خوبی مولانا زبیر الحسن مرحوم کی یہ تھی کہ اُنہوں نے زندگی بھر فتنوں کو دبانے کا کام کیا، اور اپنے حلم وتدبر اور حسنِ تدبیر سے جماعت کو ہر طرح کے انتشار سے محفوظ رکھا، جس کی وجہ سے معمولی باتوں کو بہانہ بنا کر انتشار وافتراق پھیلانے والے ناکام ہوئے اور بنگلے والی مسجد مرکز حضرت نظام الدین کی اللہ نے حفاظت فرمائی۔ اُمید ہے کہ اللہ رب العزت آئندہ بھی حفاظت فرمائے گا۔ آخر میں ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۴ء)

حضرت مولانا قاری محمد اکمل صاحب امروہویؒ

جوارِ رحمت میں

مولانا مفتی ریاست علی صاحب قاسمی اُستاذ و مفتی جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

حجۃ الاسلام قاسم المعارف حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کی یادگار عظیم روحانی درس گاہ ''جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ'' کو جن عبقری شخصیات اور عظیم المرتبت علمی و روحانی ہستیوں پر ناز اور فخر آتا ہے، اور جن ہستیوں نے اپنے خون اور پسینہ سے اپنے مادر علمی کی خدمت انجام دی ہے، ان میں مولانا قاری محمد اکمل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی بھی شامل ہے، جن کا مختصر ذکر جمیل درج ذیل سطور میں پیش خدمت ہے:

نام ونسب اور ولادت

آپ کا اسم گرامی محمد اکمل ہے، والد بزرگوار کا نام حاجی شبیر حسن مرحوم ہے، گاؤں مونڈھا ائمہ تھانہ ڈیڈولی سابق ضلع مراد آباد اور موجودہ ضلع امروہہ یوپی آپ کا وطن مالوف ہے، اس بستی میں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کی تاریخ پیدائش اگرچہ متعین طور سے معلوم نہیں ہے، مگر آپ کی مکمل عمر ۹۰؍سال سے متجاوز بتلائی جاتی ہے، اس اعتبار سے آپ کا سنِ پیدائش تقریباً ۱۹۳۳ء ہوتا ہے۔

تعلیم وتربیت

آپ کی تعلیم کی ابتداء ''جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ'' سے ہوئی، وہاں آپ نے قرآنِ کریم حفظ وناظرہ اور ابتدائی دینیات کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد دار العلوم حسینیہ چلہ

امروہہ میں ابتدائی عربی وفارسی کی کتابیں پڑھیں، درمیان میں درسِ نظامی کی بعض کتابیں مدرسہ شاہی مرادآباد میں اس وقت کے مایۂ ناز اساتذہ کرام سے پڑھیں، نیز مدرسہ شاہی میں ہی درسِ نظامی کے ساتھ قاری عبداللہ صاحب کے پاس قرأتِ حفص سے سبعہ عشرہ تک فن قرأت اور تجوید کی تکمیل فرمائی، آپ کا قرآن بہت عمدہ تھا اور مولانا کے ساتھ لفظ ''قاری'' بھی آپ کے نام کا جزولازم بن گیا۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

درسِ نظامی کی تکمیل اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ازہر الہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور دارالعلوم دیوبند میں علمی وروحانی اور ماہرین فن شخصیات سے علمی تشنگی بجھائی، اور ۱۹۴۵ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، آپ کے اساتذۂ کرام میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی جیسے اساطین علم وفضل شامل ہیں۔

درس وتدریس

تعلیمی امور سے فراغت کے بعد ''چندیانہ بارہ'' بستی ضلع بلندشہر، دھامپور ضلع بجنور اور دارالعلوم حسینہ چلہ امروہہ میں ۲۰ رسال تدریسی خدمات انجام دیں، اس دوران درسِ نظامی کی مختلف کتابیں پڑھانے کا آپ کو موقع ملا، ۱۹۶۹ء میں جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں عربی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا، اور یہ تدریسی رشتہ زندگی کے آخری لمحات تک برقرار رہا، جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں آپ نے مختلف علوم وفنون کی تدریس کے ساتھ درسِ نظامی کی اعلیٰ کتابوں کا سالہا سال تک درس دیا، ہدایہ آخرین، مسلم شریف، ابوداؤد شریف اور دیگر اعلیٰ کتب ایک طویل عرصہ تک آپ نے بار بار پڑھائیں اور اس کے علاوہ مدرسہ نے جو بھی خدمات آپ کے سپرد فرمائی اس کو پوری ذمہ داری اور لگن کے ساتھ آپ نے انجام دیا، اور کبھی بھی تساہل اور غفلت کو آپ نے اپنے قریب آنے نہیں دیا، زندگی کے آخری لمحات

میں چندسال آپ بیمار رہے اور عملی طور سے اگرچہ تدریسی سلسلہ منقطع ہوگیا مگر ملازمت کا رشتہ تاحیات باقی رہا، اور برابر اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق مدرسہ حاضری دیتے رہے، جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں آپ کی تدریسی خدمات کا تابناک دور تقریبا ۴۶/سال کے طویل عرصہ پر محیط ہے، اس طرح مدتِ تدریس کا کل زمانہ ۴۸/سال کے طویل عرصہ پر مشتمل ہے، اس طویل عرصہ میں ہزاروں بندگانِ خدانے آپ سے سلسلہ تلمذ قائم کیا، اور بے شمار مخلوقِ خدا کو آپ سے استفادہ کا موقع ملا۔

اخلاق وعادات اور خصوصیات

آپ کی سادگی ضرب المثل ہے، آپ سادہ مزاج اور نیک سیرت بزرگ انسان تھے، اپنے معمولات کے بے حد پابند تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ سے شرف بیعت حاصل تھا، تلاوتِ قرآن آپ کا خصوصی شغف تھا، ایام علالت میں بھی عام طور سے روزانہ دس پارے اور کبھی پانچ پارے بلا تکلف تلاوت فرمایا کرتے تھے، اور یہ مبارک سلسلہ زندگی کے آخری ایام تک باقی رہا،

وفات اور تدفین

آخر کار علوم نبوت کا یہ مخلص ترین خادم اور ہزار ہا ہزار علماء کرام کا مربی اور اُستاذ اپنی زندگی کی مقررہ مدت پوری کر کے ۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۸/مارچ ۲۰۱۴ء بروز جمعہ بوقت صبح ۸/بجے اپنے مالک حقیقی سے جاملا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حدیث شریف میں جمعہ کے دن یا رات میں وفات پانے والے شخص کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عذابِ قبر سے حفاظت اور وقایت کی خوش خبری اور بشارت دی ہے، اس لئے رب ذوالجلال کی ذاتِ جلیلہ سے پوری اُمید ہے کہ آپ کی آخری منزل بہت مامون اور قابلِ رشک رہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اپنی رضا اور قرب نصیب فرمائے، آمین۔

اسی دن بعد نماز مغرب شہر کی جامع مسجد میں آپ کی نماز جنازہ ہزاروں علماء اور طلبہ اور عوام الناس نے آپ کے شاگرد رشید مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری اُستاذِ حدیث ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی اِمامت میں ادا فرمائی، اور شہر ہی کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

دعا ہے کہ پروردگارِ عالم آپ کو اعلیٰ درجات عطا فرمائے، اور بال بال مغفرت فرمائے۔

پسماندگان

آپ کے پسماندگان میں آپ کے ہزاروں تلامذہ اور اہل تعلق ومحبت کے علاوہ تین صاحب زادے مولانا مختار احمد صاحب، انجینئر بدر عالم صاحب اور محمد ناظم صاحب، نیز پوتے پوتیاں لڑکیاں اور نواسیاں وغیرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور صلاح وفلاح دارین نصیب فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۴ء)

ماسٹر صلاح الدین صدیقی جوارِ رحمت میں

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے زیر انتظام اِدارہ ''حفظ الرحمٰن اسکول'' لالباغ پرائمری اُردو سیکشن کے ہیڈ ماسٹر جناب ماسٹر صلاح الدین صاحب صدیقی ۶۶ر سال کی عمر پا کر ۱۲ر جمادی الثانی ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۳ر اپریل ۲۰۱۴ء بروز اتوار اِس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کی خبر پاتے ہی جامعہ کا ماحول غم واندوہ میں تبدیل ہوگیا، فوراً تعزیت کے لئے تانتا بندھ گیا، مہتمم جامعہ اس وقت حیدرآباد کے دورہ پر تھے، فوراً صاحبِ خانہ کی بذریعہ فون تعزیت کی، اور آپ کی وفات پر بے حد غم کا اظہار فرمایا، اور جامعہ میں ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کرانے کی ہدایت کی، تاہم ہدایت کے مطابق ایصال ثواب کرایا گیا۔

مرحوم تقریباً ۱۲ر سال سے جامعہ کے پرائمری اردو سیکشن کے ہیڈ ماسٹر رہے، نیز اس کے علاوہ مدرسہ کی طرف سے جو بھی ذمہ داری سپرد کی گئی اُسے بحسن خوبی انجام دیا۔ آپ خاندانی اعتبار سے باوقار، ملنسار، خوش مزاج، اچھے اخلاق اور ہر دلعزیز انسان تھے، سیکڑوں طلبہ آپ سے فیضیاب ہوئے، آپ نے اپنے دور میں اچھے نقوش چھوڑے ہیں، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے تایا مولانا مظفر الدین صاحبؒ سابق مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، بعدہ جامعہ ملیہ دہلی اور ڈگری کالج مرادآباد سے ایم اے پاس کیا۔ مرحوم کی نماز جنازہ آج محلّہ کسرول مسجد ابراہیمی کے سامنے ادا کی گئی اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے، نماز جنازہ آپ کے بڑے بہنوئی مولانا بدرالدین الحافظ صاحب دہلوی نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں جامعہ کے تمام اساتذہ وملازمین اور طلبہ وغیرہ نے شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے جملہ خدمات کو قبول فرمائے، اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے جملہ پسماندگان خاص طور پر اہلیہ، بیٹے، بیٹی، بھائی اور جملہ اعزاء واَقارب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اِدارہ کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۴ء)

آہ! حاجی محمد اقبال خاں صاحب مرحوم

تحریر: مولانا مفتی عبدالجلیل خان صاحب ناظم اوقاف جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

موضع رہروا ضلع بہرائچ کی اہم شخصیت جناب حاجی محمد اقبال خان صاحب (جو مولانا محمد اشفاق صاحب قاسمی اُستاذ مدرسہ معراج العلوم چیتا کیمپ ممبئی کے والد محترم اور راقم الحروف کے پھوپھا جان تھے) مؤرخہ ۱۶؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۵؍جون ۲۰۱۴ء بروز اتوار تقریباً ۶۶؍سال کی عمر میں مختصر علالت کے بعد رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم یتیم پیدا ہوئے، آپ کی مکمل پرورش آپ کے دادا جان نے کی، بعدہ آپ کی تعلیم وتربیت کی تکمیل والدہ ماجدہ کے ذریعہ ہوئی، مستقبل کی ترقی میں بطور خاص میرے والد مرحوم کا بڑا دخل رہا، موصوف نے از نورانی قاعدہ تا پنجم پرائمری علاقہ کے مشہور ''مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ'' بھوانی پور بنکٹ میں مکمل کی، آپ کے مشہور اساتذہ میں مولانا محمود احمد صاحب بشنا پوری اور مولانا عبدالحمید گونڈویؒ قابل ذکر ہیں، مرحوم بچپن ہی سے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، دین داری، پرہیز گاری، تبلیغی جماعت سے وابستگی اور کتب بینی آپ کے رگ وریشہ میں پیوست تھی۔ اللہ رب العزت نے آپ کو ذہانت وفطانت، معاملہ فہمی، غریب پروری، صلہ رحمی، علماءنوازی، مہمان داری اور خدمت خلق کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔

آپ کی جملہ خصوصیات میں دو چیزیں بہت نمایاں تھیں، ایک دسترخوان کی وسعت، دوسرے قوتِ حافظہ، ان دونوں چیزوں میں علاقہ میں آپ کا ثانی نہیں تھا، علماء کے ساتھ تو بہت خصوصی معاملہ رہتا تھا، مہمان کسی بھی وقت آتا، کھانے کے وقت کھانا، ناشتہ کے وقت ناشتہ، بقیہ اوقات میں چائے پانی وغیرہ سے ضیافت فرماتے تھے، اسی طرح قوتِ حافظہ اللہ رب العزت

نے ایسا عطا فرمایا تھا کہ آج سے کئی سال قبل کی بات کو ایسے ذکر فرماتے گویا کل ہی یہ واقعہ پیش آیا ہو، مطالعہ کا ایسا شوق تھا کہ جس کتاب کا مطالعہ فرمالیتے، اس کو کئی سال کے بعد ایسا نقل فرماتے گویا آج ہی مطالعہ فرمایا ہے، آپ کی یہ دونوں خصوصیات علاقہ میں ضرب المثل تھیں۔

مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ جو علاقہ کا بہت پرانا اور مشہور مدرسہ ہے، تقریباً ۳۰ رسال کی عمر میں اس کے رکن متعین کئے گئے، بعدہ رفتہ رفتہ آپ کی صلاحیتوں اور دلچسپی کو دیکھ کر علاقہ کے لوگوں نے آپ کو اس کا مہتمم منتخب فرمایا، تقریباً دس سال اس ادارہ کے آپ مہتمم رہے، آپ کے دور اہتمام میں ایک بہت بڑا اجلسہ ''جلسہ دستار بندی'' کے نام سے ہوا، جس میں بڑے بڑے علماء کرام کا اجتماع ہوا، آپ کے دور میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام پائے، آپ کے اچانک انتقال فرماجانے سے علاقہ میں بہت بڑا خلا ہوگیا، اللہ تعالیٰ آپ کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

آپ کی نماز جنازہ آپ کے سمدھی جناب قاری محمد صادق خان صاحب مہتمم مدرسہ معراج العلوم چیتا کیمپ ممبئی نے پڑھائی، جس میں علماء اور دانشوران کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی، اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۴ء)

ایک سچا مؤمن اور اَچھا اِنسان یعنی

حاجی عبدالرزاق نصیرآبادی رائے بریلویؒ

خادمِ خاص حضرت مولانا علی میاں ندویؒ

۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء ÷ ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء

بقلم: مولانا نور عالم خلیل اَمینی صاحب ایڈیٹر ''الداعی'' عربی واُستاذ ادبِ عربی دارالعلوم دیوبند

عالمِ ربانی مفکرِ اسلام داعی اِلی اللہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء÷-۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) کے خادمِ خاص، بھائی الحاج عبدالرزاق رائے بریلوی نصیرآبادی اپنی عمر کے ۷۸/سال پورے کر کے بروز جمعرات ۴/رمضان ۱۴۳۵ھ مطابق ۳/جولائی ۲۰۱۴ء بروز جمعرات کو وفات پا گئے۔ اُن کے انتقال کی خبر اِس راقم کو خاصی تاخیر سے ایک ڈیڑھ مہینے بعد موصول ہوئی اور واقعی بہت صدمہ ہوا؛ کیوں کہ وہ اللہ کے اُن نیک بندوں میں تھے جن کی صفت میں مانوس ہوجانے اور مانوس کر لینے کی بات حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے۔

اُن کی نمازِ جنازہ عالمِ ربانی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے ۵/رمضان مطابق ۴/جولائی کو حضرت مولانا علی میاںؒ کے وطن و مدفن ''تکیہ کلاں'' رائے بریلی میں پڑھائی، جس میں سیکڑوں علما و طلبہ و اہلِ تعلق بالخصوص حضرت مولانا ندویؒ کے افرادِ خاندان شریک ہوے اور اُن کے مذکورہ گاؤں کی تاریخی مسجد کی جانبِ غرب میں ''سئی'' ندی کے کنارے سپردِ خاک ہوے۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پس ماندگان و محبین و متعلقین کو صبرِ جمیل و اجرِ جزیل عطا کرے۔

مرحوم بھائی الحاج عبدالرزاق چالیس سال حضرت مولانا ندویؒ کی مسلسل شب و روز خدمت کی سعادت سے سرفراز رہے۔ وہ بالکل نوجوانی میں حضرتؒ کی خدمت کے لیے اپنے

وطن ''خوش حال پور'' نصیر آباد ضلع رائے بریلی سے تمام مشاغل سے یک سو ہوکر آ گئے تھے اور حضرتؒ کی زندگی کے آخری لمحے تک اِس سعادت سے بہرہ ور رہے۔ حضرتؒ کے انتقال کے بعد، اُن کے علمی وعملی جانشیں اور اُن کے ہمشیرہ زاد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم عمومی ندوۃ العلما لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی تقریباً ۱۵ سال تک، حضرت مولانا ندوی ہی کی طرح اُنھوں نے مثالی خدمت کی۔ بڑھاپے کی جسمانی کم زوری کی شدت کے بعد جب وہ خدمت کی ذمے داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لائق نہیں رہے تو اپنے گاؤں ''خوش حال پور'' نصیر آباد میں آکر یک سوئی کے ساتھ عبادت وریاضت میں مشغول ہو گئے؛ لیکن حضرت مولانا ندویؒ اور آپ کے خاندانِ والاشان سے تعلق ومحبت حسب سابق برقرار رکھا اور کم زوری کے باوجود وقتاً فوقتاً تکیہ آتے اور یہاں کچھ وقت گزار کر دیرینہ محبت کے جذبات کو تسکین دیتے رہتے۔ اِسی طرح کے سفر کے دوران وہ تکیہ آئے ہوے تھے کہ اُن کا وقتِ موعود آ گیا اور اپنے شیخ ومخدوم گرامی حضرت مولانا ندویؒ کے پڑوس میں ہی وہ پیوندِ خاک ہوے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ جس طرح اُس نے خادم ومخدوم کا ساتھ زندگی میں تادیر قائم رکھا آخرت کی پایندہ زندگی میں بھی جنت الفردوس میں دونوں کو یک جائی نصیب کرے۔ **وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ**

بھائی عبدالرزاقؒ ضلع رائے بریلی کے قصبہ ''نصیر آباد'' کے گاؤں ''خوش حال پور'' کے باسی تھے۔ نصیر آباد میں حضرت مولانا ندویؒ کے حسنی خاندان کی ایک شاخ رہتی تھی، جس کے مورثِ اعلیٰ قاضی سید محمود بن العلاء الحسنی تھے، جو دسویں صدی ہجری میں مغلیہ اسلامی سلطنت کی طرف سے بہ حیثیت قاضی نصیر آباد میں متوطن ہوے تھے۔ یہ خاندان ہمیشہ اپنی عربی اسلامی ثقافت وتہذیب، حسنی امتیازات اور نبوی خصائل پر کار بند رہا؛ اِس لیے نہ صرف نصیر آباد؛ بل کہ قرب وجوار کے دور دراز کے علاقے کے باسی اس کے لیے پلکیں بچھاتے رہے اور اس کی نہ صرف عالی نسبی؛ بل کہ زہد واتقا، اتباعِ سنت، اجتناب بدعت وغیرہ خصوصیات کی وجہ سے اس

سے اُن کا بے پناہ عقیدت ومحبت کا تعلق رہا۔ اِس خاندان میں ہمیشہ بڑے بڑے علما وداعیانِ دین جنم لیتے رہے، جو مسلمانوں اور عام انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ بنے رہے۔ اس دورِ آخر میں ایک بڑے عالم ومصلح ومربی مولانا سید محمد امین نصیرآبادیؒ اور اُن سے پہلے مولانا سید احمد نصیرآبادیؒ پیدا ہوے جو اس علاقے کے لوگوں کی دلوں کی دھڑکن رہے۔ ان دونوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے دین ودعوت، اِزالۂ بدعت اور ترویجِ سنت کا بڑا کام لیا۔

بھائی عبدالرزاق کے خاندان کا مذکورہ خانوادۂ حسنی سے ہمیشہ بڑی گہری عقیدت ومحبت کا تعلق رہا۔ یہی دیرینہ سعادت مندانہ عقیدت، بھائی عبدالرزاق کے لیے اپنے خاندان کے سرپرستوں کے مشورے سے، حضرت مولانا ندویؒ کی خدمت کے لیے، اپنے آپ کو تاحیات فارغ کر لینے کا باعث بنی۔ حضرت مولاناؒ کے دامنِ خدمت سے وہ جس وقت وابستہ ہوے، اُن کی عمر بہ مشکل ۱۸-۱۹ سال رہی ہوگی۔

اِس نوعمری سے ہی حضرت مولاناؒ کی شبانہ روز کی خدمت ومحبت نے اُن کی زندگی کے لیے پارس کا کام کیا، چناں چہ وہ نہ صرف عام معنی کی نیکی ودین داری سے؛ بل کہ صحیح معنی میں زہد فی الدنیا اور رغبت فی الآخرۃ کی ہمہ گیر صفت سے بہرہ ور ہوگئے۔ حضرت مولانا ندویؒ اِس صفت میں تمام علما وداعیانِ دین وصلحاے معاصرین میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ اُن کی جن لوگوں نے مکمل اخلاص، سچی تڑپ اور واقعی لگن کے ساتھ صحبت اختیار کی اور اپنے آپ کو اللہ کا بندہ بنا لینے کی توفیق پائی، اُن میں یقیناً بھائی عبدالرزاق کا نام بھی لیا جائے گا؛ بل کہ اگر کوئی فہرست نمایاں لوگوں کی بنائی جائے تو اُن میں اُن کا نام ضرور آئے گا۔

نوعمری کی عمر بڑی گراں مایہ ہوتی ہے۔ خدا کی توفیق سے اگر اُس کو بنانے سنوارنے کا موقع مل جائے، تو تاحیات کسی بگاڑ کا وہ شکار نہیں ہوتی؛ کیوں کہ نرم شاخ کی طرح اُس کو بھلائی اور کارِ خیر کی طرف موڑ دیا جائے تو وہ خشک ہوکر یعنی سن رسیدگی کے بعد بھی اُسی پر مڑی رہتی ہے۔ یہ عمر تکوینِ ذات وتعمیرِ صفات کی عمر ہوتی ہے، علما نے لکھا ہے کہ اِس مرحلۂ حیات کا بہ طورِ

خاص خیال رکھنا چاہیے؛ تاکہ انسان صحیح مطلوبہ انسانی واسلامی صفات پر ڈھل کر اپنے لیے اور دوسروں کے لیے کام کا بن جائے اور بگاڑ اور کجی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔

مرحوم بھائی عبدالرزاق کی خوش قسمتی تھی کہ فرشتہ صفت عالم دین وداعیِ شرع متین حضرت مولانا ندویؒ کی صحبت اُنھیں نسبتاً کچی عمر سے ہی نصیب ہوگئی جو اُن کی حیات تک نعمتِ عظمیٰ کی شکل میں اُن کے دامن قلب ونظر کو مالا مال کرتی رہی۔ حضرتؒ کی صحبت سے نہ صرف اُنھیں ذکر وعبادت وتلاوت کی لذّت آشنائی ملی؛ بل کہ وہ جن انسانی خصائل کے فطری طور پر حامل رہے ہوں گے، اُن خصائل کو بھی جِلا ملی اور وہ معاشرۂ انسانی کے ایک اعلیٰ صفات انسان بن کر سیکڑوں انسانوں کی دعاؤں کے مستحق بنے۔ تواضع، خندہ پیشانی، ہر انسان سے مسکرا کر ملنے کی صفت، ہر موقع پر نرم خوئی ونرم گوئی، چھوٹوں کے ساتھ رحم دلی وشفقت، بڑوں کے ساتھ عزت وتوقیر، ہر انسان کے ساتھ اُس کے درجے وحیثیت کے مطابق پیش آنے کی خو، نیز ہر ایک کے محاسن اور خوبیوں کا لحاظ اور ہر ایک کی خرابیوں (جن سے کوئی فردِ بشر خالی نہیں ہوتا) سے مسلسل چشم پوشی وغیرہ میں بھائی عبدالرزاق اپنے شیخ ومخدوم ومربی کا عکس محسوس ہوتے تھے۔

اِس راقم کی بہت بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ وہ حضرت مولانا ندویؒ کی صحبت میں زائد از ۹ سال رہا۔ جن میں کا اکثر حصہ اِس نے اُن کے پاس اُن کے گاؤں اور اُن کے مہمان خانے میں گزارا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اُس کی زندگی کے سب سے بہتر اوقات تھے۔ اُس نے اُن کے دوران حضرت مولانا ندویؒ کا اپنے علم وتجربہ وعقل وہوش کے مطابق اچھی طرح مشاہدہ کیا: اُن کی جلوت وخلوت دیکھی، اُن کے شب وروز دیکھے، بسا اوقات اُس نے اُن کی شب بیداری کا مشاہدہ کرنے کے لیے، اُن کی طرح شب بیداری کی کوشش کی۔ اُس نے اللہ کے سامنے حضرت مولانا ندویؒ کو اِس طرح روتے ہوئے دیکھا، جیسے شیر خوار اپنی ماں کی گود میں، اُس نے اُن کی دعا ومناجات اور تضرع واِنابت کی قابل رشک ولائق تقلید کیفیت دیکھی۔ تحریری وتالیفی کاموں، مہمانوں کے استقبال واِکرام اُن کی خبر گیری اور اُن سے ہم کلامی وہم طعامی سے پُر اُن

کے دنوں کا مشاہدہ کیا جن کے دوران اپنے دامنِ تربیت سے وابستہ علما واساتذہ وعام مسلمانوں کی تربیت کے لیے بھی وہ وقت نکال لیتے تھے، جو اُن کے قدموں میں اپنی زندگی کو اللہ والی زندگی بنانے کے لیے اپنے آپ کو ڈال دیتے تھے۔

بھائی عبدالرزاق، حضرت مولاناؒ کے سارے مشاغل میں سائے کی طرح ساتھ رہتے تھے۔ وہ زندگی کے سارے معاملات میں اُن کا دایاں بازو تھے۔ اپنے وقت پر اُن کی ساری دوائیوں کی خوراک اُنھیں پیش کرتے۔ وہ گویا اُن کے نائب ڈاکٹر بھی تھے۔ حضرت مولاناؒ کو عمر کی درازی کے ساتھ بہت سے امراض لاحق تھے، وہ جسمانی طور پر کمزور بھی واقع ہوئے تھے، بعض بیماریاں اُنھیں موروثی بھی تھیں۔ بھائی عبدالرزاق کی طرح اُن کی ساری دواؤں کو اوقات کی تعیین اور خوراک کی مقدار کی تحدید کے ساتھ شاید اُن کا کوئی قریب ترین عزیز بھی نہیں جانتا تھا؛ اِس لیے بھائی عبدالرزاق اُن کی ناگزیر ضرورت تھے، جس سے بے نیازی اُن کے لیے ممکن نہ تھی۔

بھائی عبدالرزاق حضرت مولاناؒ کو کسی بھی مجلس سے اٹھتے وقت اُن کی چھڑی پیش کرتے، دسترخوان پر بیٹھنے کی حالت میں اُن کی گود میں بڑا سا تولیہ پھیلا کر ڈالتے؛ تاکہ کھانے کے دوران ماکولات کا کوئی رقیق مادہ ٹپک کر دامن کو آلودہ نہ کرے۔ حضرتؒ کے دسترخوان پر ہمیشہ ہر طرح کے مہمانوں کی بھیڑ رہتی تھی۔ اُن میں خواندہ وناخواندہ، تعلیم یافتہ وناتعلیم یافتہ، رائے بریلی شہر کے بہت سے اہلِ تعلق، علما وصلحا، عربی مدارس بالخصوص ندوۃ العلماء کے اساتذہ، عصری یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں کے پروفیسران وذمے داران، اہلِ ثروت ونادار، ڈاکٹر اور انجینئر اور اہلِ سیاست وقائدین وتجار اور معاشرے کے عام اِنسان بھی ہوتے تھے۔

حضرت مولانا ندویؒ مہمان خانہ سے گھر یا مسجد جانے کے لیے جب بھی نکلنے لگتے بھائی عبدالرزاق بڑھ کے اُن کے جوتے درست کردیتے تاکہ وہ آسانی سے اُن میں اپنے قدم ڈال سکیں، مسجد کے دروازے پر عموماً جوتا نکالنے میں مدد دیتے۔ حضرت مولاناؒ انتہائی ٹھنڈا پانی

تھوڑی مقدار میں ہر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد لیتے تھے۔ بھائی عبدالرزاق پانی کی یہ ''خوراک'' انھیں پیش کرتے رہتے تھے۔ مسجد آنے جانے میں بھی بھائی عبدالرزاق عموماً اُن کے ساتھ پیچھے پیچھے چلتے۔ حضرت مولاناؒ کا معمول تھا کہ وہ دن ورات کا اکثر حصّہ مہمان خانہ ہی میں گزارتے تھے، گھر (جو بالکل مہمان خانے سے ملا ہوا تھا) عشا کی نماز کے بعد رات کا کھانا مہمانوں کے ساتھ لینے اور کچھ دیر مہمانوں کے ساتھ بیٹھنے کے بعد جاتے اور تہجد کے اول وقت میں ہی گھر سے نکل آتے۔ گھر کے دروازے پر کھڑے ہوکر قدرے آہستہ سے آواز دیتے ''عبدالرزاق!''۔

جیسے ہی حضرت مولاناؒ کی آواز بھائی عبدالرزاق کے کانوں میں پڑتی وہ جہاں ہوتے فوراً دروازے پر پہنچ کر مولاناؒ کے ساتھ ساتھ مہمان خانے کے اُس کمرے میں آجاتے، جو مہمان خانے کے بالکل جانبِ شمال وشرق میں واقع تھا، جس کو حضرت مولاناؒ تصنیف وتالیف کے لیے نیز ذکر وعبادت کے لیے بھی استعمال کرتے تھے، گویا وہ اُن کا مخصوص کمرہ تھا، اس سے باتھ روم وغیرہ بھی اٹیچ تھا۔ بھائی عبدالرزاق وہاں پانی پہلے سے نہ ہوتا تو اس کا انتظام کرتے، حضرت مولاناؒ ضروریات سے فارغ ہوکر وضو فرماتے اور تہجد کی نماز و دعا ومناجات میں مشغول ہوجاتے۔

صبحِ صادق ہوتے ہی بھائی عبدالرزاق یا اُن کے رفیق مولانا نثار احمد سیوانی ندویؒ (تقریباً ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء-۱۴۲۰ھ/۲۰۰۷ء) جو حضرت مولاناؒ کے کاتبِ خاص تھے اور بہت تیز لکھنے کے باوجود اردو، عربی وانگریزی بہت خوش خط اور صاف لکھتے تھے۔ تیز گامی سے مسجد پہنچتے اور فجر کی اذان دیتے۔ پھر حضرت مولاناؒ کے ساتھ بھائی عبدالرزاق مسجد جاتے اور حسبِ معمول نماز کے بعد بھی ساتھ آتے۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت مولاناؒ کا اکثر تھوڑی دیر کے لیے مہمان خانے ہی کے اُسی مذکورہ کمرے میں آرام فرمانے کا معمول تھا؛ کیوں کہ تہجد کے لیے اوّل وقت میں بیدار ہوجانے کی وجہ سے اِس کی طبعی طور پر شدید ضرورت ہوتی تھی۔ اِس دوران بھائی عبدالرزاق عموماً ناشتے کی تمہیدی تیاریوں میں مصروف رہتے تھے؛ کیوں کہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد حضرت ناشتے کے لیے تشریف لے آتے تھے۔

ناشتے میں عموماً کھانے کے دونوں اوقات سے زیادہ مہمان ہوتے تھے؛ کیوں کہ شہر رائے بریلی سے جو تقریباً آدھے کلومیٹر کے فاصلے پر جانب شرق میں واقع ہے، بہت سے متعلقین ومعتقدین حضرت مولاناؒ سے ملنے کو آجاتے تھے کہ دن بھر اُن سے ملنا ممکن نہ تھا؛ کیوں کہ سارا دن معمولات سے پُر ہوتا تھا۔

ناشتے سے پہلے دسترخوان پر حضرت مولاناؒ کے بیٹھنے کی جگہ کو خاص طور پر تیار کرتے، صاف کرتے، چادر یا ہلکا گدا بچھاتے، اُن کے اور مہمانوں کے بیٹھ جانے کے بعد اُن کے سامنے دسترخوان پر موجود ماکولات میں سے اُن کی پسند کی چیزیں اُن کے قریب اور اُن کے سامنے قرینے سے رکھتے، جیسے ابلے ہوے انڈے یا ہاف فرائی انڈے، زیتون کے دانے یا اس کا تیل یا اگر مُیَسَّر ہو تو بالائی وشہد وغیرہ۔ ان میں سے ہر چیز ہر روز موجود نہیں ہوتی تھی، جو ہوتی وہ حضرت کے سامنے رکھ دی جاتی۔ اگر ایک یا چند مخصوص اور لائقِ احترام مہمان ہوتے تو حضرت مولاناؒ بھائی عبدالرزاق کو پہلے سے ہی کچھ اہتمام کرنے کا اشارہ فرمادیتے اور بھائی عبدالرزاق اس کی روشنی میں اندر گھر میں ہدایات بھجوادیتے تھے، چناں چہ اُس دن پوریاں، یا خشک پکا ہوا قیمہ یا شامی کباب دسترخوان پر ضرور ہوتا تھا۔

ناشتے سے پہلے اور بعد جن دواؤں کی حضرتؒ کو ضرورت ہوتی تھی بھائی عبدالرزاق ان دواؤں کا خاص خیال رکھتے تھے اور کبھی ایسا نہ ہوتا کہ وہ بھول جائیں۔ ناشتے اور کھانے سے قبل وبعد بھائی عبدالرزاق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ سیلاب چی میں دھلواتے۔ اور ہاتھ پوچھنے کو فوراً تولیہ پیش کرتے۔

ناشتے کے بعد حضرت مولاناؒ کا پختہ معمول تھا کہ وہ اُن مہمانوں کو جن کا اسی وقت رخصت ہوجانا طے ہوتا تھا، رخصت اور تودیعی مصافحہ کر کے لکھنے پڑھنے کے کاموں میں مشغول ہوجاتے تھے؛ کیوں کہ یہی اُن کی زندگی کے اصلی اور مرغوب ومحبوب کام تھے۔ پھر ظہر کی اذان تک کسی بڑے سے بڑے آدمی کے لیے اپنے اس معمول میں کوئی خلل واقع نہیں ہونے دیتے

تھے۔ راقم کو یاد ہے کہ ایمرجنسی کے دورانیے کے بعد، جس کے دوران اندرا گاندھی اور کانگریس کی ہوا بالکل اکھڑ گئی تھی، ایک بار امیٹھی اور رائے بریلی کے اپنے انتخابی حلقے کے دورے پر اندرا گاندھی آئیں اور اچانک اُنھوں نے حضرت مولاناؒ سے ملاقات کا پروگرام بنالیا۔ سرکاری اہل کاروں نے کوئی آدھ گھنٹہ پہلے اُنھیں آکے خبر دی کہ اندرا گاندھی شہر میں آئی ہوئی ہیں اور آپ سے ملنے کی خواہش رکھتی ہیں۔ دن کے کوئی ۱۰-۱۱ کے درمیان کا وقت تھا، حضرت مولاناؒ کو اُن کا اِس وقت ملاقات کا پروگرام بہت ناگوارِ خاطر ہوا اور جب وہ حاضرِ خدمت ہوئیں تو آپ نے صرف ۱۵ منٹ کا وقت بمشکل تمام صرف کیا اور اُنھیں بہ عجلت رخصت کر کے پھر اپنے کاموں میں لگ گئے؛ لیکن خاصی دیر تک اس خلل اندازی کا آپ پر اثر رہا۔

ناشتے کے بعد جیسے ہی حضرت مولاناؒ اپنے تحریری و تالیفی مشاغل میں مصروف ہو جاتے، بھائی عبدالرزاق روزانہ کے سامانوں کی فہرست گھر سے وصول کرتے، مخصوص تھیلا سائیکل کے ہینڈل میں لٹکاتے اور شہر کو روانہ ہو جاتے اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد گوشت، سبزی، مسالوں اور ضرورت کے وقت آٹا دال اور چاول کی بوریاں الگ رکشے پر لاد کر واپس آجاتے۔ اگر حضرت مولاناؒ کی کوئی دوا یا اُن کے خاندان کے کسی فرد کی کوئی ضرورت کی چیز لانی ہوتی تو وہ بھی رائے بریلی شہر سے اپنے ساتھ لے آتے۔

اِس موقع سے اُن عزیز دنوں کی لذیذ یادیں اِس راقم کے حافظے کی اسکرین پر نہ صرف ابھر آئی ہیں؛ بل کہ قرطاس وقلم کی راہ سے قاری کے سامنے آنے کے لیے بے تاب ہیں۔ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کے اواخر اور فروری ۱۹۷۲ء کے اواسط کی بات ہے کہ یہ راقم دہلی-لکھنؤ میل سے حضرت مولانا ندویؒ کی فرمایش کے مطابق اُن کی ملاقات کی سعادت کے لیے لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ العلماء پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے وطن ''تکیہ کلاں'' رائے بریلی کے لیے روانہ ہو گئے ہیں، ندوۃ العلماء کے بعض ذمے داروں کی راہ نمائی کے مطابق یہ راقم فوراً لکھنؤ چار باغ اسٹیشن پہنچ گیا، وہاں رائے بریلی کے لیے ایک اکسپریس چھوٹنے کے لیے تیار

تھی، اس پر سوار ہوکر ''رائے بریلی'' پہنچا اور وہاں سے بہ ذریعہ رکشا حضرت مولانا کے گاؤں ''تکیہ کلاں''۔ ظہر کی اذان ہوچکی تھی، مہمان خانے میں راقم نے اپنا سامان ڈال دیا اور بعض لوگوں کی ہدایت کے مطابق مسجد پہنچا، نماز ظہر کے بعد حضرت مولاناؒ سے ملاقات ہوئی۔

یہ راقم اپنے استاذِ گرامی مؤرخ اسلام، پُرنویس اسلامی اہل قلم، محدث وفقیہ و نام ور سیاسی وملی قائد حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی ثم الدہلویؒ (۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء ÷ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) کے حکم کے بہ موجب دہلی میل سے لکھنؤ اسٹیشن پر اترتے ہی تین روز بعد کا دہلی واپسی کا ٹکٹ لے چکا تھا؛ لیکن حضرت مولانا ندویؒ نے خدائے حکیم کی تقدیر کے بہ موجب، اپنی شفقت ومحبت وتربیت کے گھنیرے سائے میں راقم کو اپنے پاس ہی روک لیا اور باقاعدہ قیام کا انتظام فرمادیا۔

دوتین دن گزرے تھے کہ حضرتؒ نے اپنے والد گرامی حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رائے بریلویؒ (۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء ÷ - ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) کی تہذیب اخلاق وتربیت وتزکیہ کے موضوع پر منتخبہ احادیث پر مشتمل کتاب (جس کا نام حضرتؒ نے ہی بعد میں ''تہذیب الاخلاق'' تجویز فرمایا اور وہ بیروت سے چھپی اور بہت سے اسکولوں اور مدرسوں میں داخلِ نصاب ہوئی) کا مُسَوَّدہ اِس راقم کے سپرد فرمایا جو فارسی رسم الخط میں تحریر تھا، جس کو اردو نے بھی اپنا رکھا ہے۔ اِس مُسَوَّدے میں کہیں بھی اِملائی علامتوں کا کوئی استعمال نہیں تھا، جن کا عصرِ حاضر میں چلن عام ہوگیا ہے۔ نہ کہیں کامالگا تھا، نہ سیمی کولن، نہ وقفۂ تامہ کی علامت، نہ سوالیہ نشان وغیرہ، جس کی وجہ سے عبارت فہمی دشوار معلوم ہوتی تھی۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا: مولوی نور صاحب! آپ اِس کو اپنے اُسی خط نسخ میں صاف کردیجیے جس میں آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلے کے لیے درخواست لکھی تھی اور ہم نے اُس پر سفارش تحریر کی تھی۔

ساتھ ہی فرمایا کہ آپ کو اِس کام کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے آپ فراہم کرلیجیے: اچھے سے اچھا کاغذ جو آپ کو پسند ہو، قلم، روشنائی اور مسطر وغیرہ۔ آپ اِس سلسلے میں عبدالرزاق سے مدد لے لیں، اُن کے ساتھ شہر رائے بریلی چلے جائیں وہ ساری چیزیں آپ کی

من پسند خرید دیں گے۔

چناں چہ یہ راقم، بھائی عبدالرزاق کے ساتھ ایک روز صبح کے وقت جب حضرتؒ اپنے تحریری و تالیفی کاموں میں مشغول ہو گئے، شہر گیا۔ بھائی عبدالرزاق جب روزانہ کی گھریلو ضروریات کی خرید سے فارغ ہو گئے، تو راقم کو کاغذی اور اسٹیشنری کی کئی دکانوں پر لے گئے۔ بہ مشکل ایک دکان پر ''سن لائٹ'' Sunlight کاغذ ملا، جس پر راقم دہلی میں تحریری کام کیا کرتا تھا، ایک اسٹیشنری والے سے پختہ سیاہ روشنائی لی، قلم کی ضرورت نہ تھی کہ وہ راقم کے پاس میڈ ان جرمنی ہر قسم کا موجود تھا، جس کا پورا سیٹ اُس نے اردو بازار جامع مسجد دہلی کی ایک دکان سے خریدا تھا جو کتابت و خوش خطی کے قلم ہی کی تھی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ بھائی عبدالرزاق کو راقم نے اچھی طرح برتا اور پرکھا، بہت ساری دکانوں میں جانے کی وجہ سے خاصی تاخیر بھی ہوئی؛ لیکن اُن کی خوش اخلاقی میں کوئی فرق نہیں آیا، جس سے یقین ہو گیا کہ یہ بہت اچھے انسان ہیں اور حضرت مولاناؒ جیسے عظیم انسان کی خدمت کے لیے واقعی اِسی طرح کے بہت متحمل مزاج، نرم خو، خوش اخلاق اور معاملہ فہم انسان کو مختص ہونا چاہیے تھا؛ لہٰذا یہ صحیح جگہ پر بہت صحیح آدمی ہیں۔ جیسے جیسے تکیے کا راقم کا قیام دراز ہوتا گیا، پھر وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مدرس ہوا اور گھر آنگن کی طرح بار بار سال ہا سال تک ندوہ اور تکیہ میں اس کی آمد و رفت رہی، تو اس کا یہ یقین راسخ تر ہو گیا کہ بھائی عبدالرزاق بہ حیثیت انسان ممتاز اور یگانہ آدمی ہیں۔

تکیے کے قیام پر کوئی ایک ماہ گزرا ہوگا کہ ایک روز بھائی عبدالرزاق نے حضرت مولاناؒ کو بتایا کہ مولوی نور عالم صاحب بہت اچھی دم کی چائے لیتے ہیں اور اس کے دم کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا: بھئی تب تو ہم نے اِنھیں اتنے عرصے تک ''خانقاہی چائے'' پلا کر بہت پریشان کیا۔ اُسی وقت بھائی عبدالرزاق سے فرمایا کہ تم اِنھیں شہر لے جاؤ اور جو چائے انھیں پسند ہو، وہ اور اس کے لیے جو برتن چاہیے وہ انھیں خرید دو۔ راقم نے بھائی عبدالرزاق کی راہ

نمائی میں لپٹن گرین لیبل اور تاج محل چائے لی اور کیتلی، پتیلی اور کئی عدد چمچے خریدے۔ اِس کے بعد حضرتؒ کا یہ معمول بن گیا تھا کہ ۸-۹ بجے سے ظہر کی اذان تک کے لکھنے پڑھنے کے دورانیے کے بیچ میں ایک بار ضرور فرماتے مولوی نور صاحب! آپ کی چائے کا وقت ہو گیا ہے، چائے تیار کیجیے ہم بھی لیں گے۔ یہ اِس لیے فرماتے تاکہ راقم کو چائے بنانے میں تکلف نہ ہو۔ بھائی عبدالرزاق کو حکم فرما دیا تھا کہ اِن کے لیے مہمان خانے کے اندر چھوٹے والے شمالی مغربی کمرے میں دودھ اور اسٹو کا انتظام کر دو چناں چہ بہت بڑا پیتل کا اسٹو، جس سے بڑا راقم نے اپنی زندگی میں پہلے دیکھا نہ بعد میں اور اب تو گیس کے چولھے نے اسٹو کا ورق ہی الٹ دیا ہے، بھائی عبدالرزاق نے اسی کمرے کے مچان سے اتار کے صاف کر کے راقم کے حوالے کر دیا۔ تکیہ کے شمال میں واقع ''پوروا'' گاؤں سے ایک کلو دودھ آجاتا تھا، اب ایسا اصلی دودھ شاید کسی وزیر اعظم اور شاہِ مُعَظّم کو بھی میسر نہ آتا ہو گا۔

حضرت مولاناؒ کا معمول تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد دوپہر کا کھانا مہمانوں کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ بھائی عبدالرزاق مہمان خانے کے جنوبی مشرقی کمرے میں جو قدرے ہال نما لمبا سا تھا دسترخوان بچھاتے، کھانا لگاتے اور سارے مہمانوں کو پھر حضرت مولاناؒ کو بلا کر لاتے۔ بھائی عبدالرزاق حضرت مولاناؒ اور مہمانوں کے ساتھ ''باجماعت'' کھانے میں عموماً شریک نہ ہو پاتے تھے؛ کیوں کہ وہ انتظامات میں مصروف رہتے، کسی جگہ روٹی ڈالتے، کہیں دال اور گوشت کم پڑ جائے تو اس کو پورا کرتے، پانی پلاتے؛ اِس لیے بالعموم وہ سب لوگوں کے فارغ ہونے کے بعد ہی ناشتہ یا کھانا، بعض اُن طلبہ یا مدرسین دارالعلوم ندوۃ العلما کے ساتھ لیتے تھے، جو حضرت مولاناؒ اور مہمانوں کے کھانے کے دوران انتظامات میں بھائی عبدالرزاق کا ساتھ دیتے تھے۔

حضرت مولاناؒ کا معمول تھا کہ وہ دوپہر کے کھانے کے بعد قُبَیْلِ عصر تک قیلولہ فرماتے۔ بھائی عبدالرزاق اِن اوقات کو ضروری کاموں میں صرف کرتے جو یا تو مہمان خانے سے متعلق ہوتے یا حضرت مولاناؒ سے۔ شاید و باید ہی چند منٹ کے لیے کبھی لیٹتے رہے ہوں گے۔ اُس

زمانے میں تکیہ پر بجلی نہیں آئی تھی ہاتھ کے پنکھوں سے گرمی سے راحت حاصل کی جاتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے پنکھوں کے علاوہ تاڑ کی شاخ کا ایک بڑا سا پنکھا بھی تھا، جو بیچ کے ہال کمرے میں پڑا رہتا تھا اور مجمع میں جھلا جاتا تھا۔ اُس زمانے میں مہمان خانے کے مغربی سمت کے کمروں، بالخصوص چھوٹے والے شمالی مغربی کمرے کی کھڑکیوں پر خس کی ٹٹّیاں بندھی ہوئی تھیں؛ کیوں کہ اُن کھڑکیوں کا راست تعلق اُس کمرے سے بھی تھا جس میں حضرت مولاناؒ قیلولہ فرماتے، عبادت کرتے اور تالیفی کام کرتے تھے، جو جانب شمال شرق میں واقع تھا۔ بھائی عبدالرزاق ان اوقات میں پابندی سے بالٹی میں ہینڈ پائپ سے پانی لاکرگ کے ذریعے اُن ٹٹیوں کو تر کرتے تھے، جس کی وجہ سے کمروں کے اندر بڑی راحت محسوس ہوتی تھی، بالخصوص حضرت مولاناؒ کے کمرے کی فضا خاصی راحت بخش ہوجاتی تھی۔ راقم سطور اُس وقت بالکل نوجوان تھا، محنت کے کام سے اُس کو خوشی ہوتی تھی۔ بھائی عبدالرزاق کی کرم فرمائی سے کبھی کبھی اُس کو بھی ان ٹٹیوں کو تر کرنے کی سعادت حاصل ہوجاتی تھی۔ لو کے اس موسم میں ان ٹٹیوں کو تر کرنے میں جو مزا آیا وہ زندگی میں محنت کے بہت کم کاموں میں آیا ہوگا۔ بھائی عبدالرزاق بڑے کشادہ قلب اور حلیم انسان تھے کبھی ایسا نہ ہوا کہ راقم نے اُن سے اِس کام کی یا دیگر ایسے کاموں کی جو اس کے بس میں ہوتے تھے، اجازت طلب کی ہو اور اُنھوں نے نا کر دیا ہو۔

عصر کی نماز کے بعد حضرت مولاناؒ کا معمول یہ تھا کہ مہمان خانے کے برآمدے میں جو جانبِ شرق میں تھا ایک چارپائی پر دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ جاتے اور دیگر چارپائیوں پر مہمان اور ملاقات کو آنے والے حضرات اِردگرد بیٹھتے اور مولانا نثار احمد سیوانی کسی ولی اللہ کی سیرت پر کسی کتاب کو تھوڑا تھوڑا روزانہ پڑھتے، جیسے سیرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ، سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، یا کسی مردِ صالح کے مواعظ حسنہ یا ملفوظات کا مجموعہ پڑھا جاتا اور حضرت مولانا اور سارے حاضرین بہ غور سنتے اور فائدہ اُٹھاتے۔ بھائی عبدالرزاق بڑی سی پتیلی میں گھر سے چائے منگواتے اور حضرت مولاناؒ سمیت سارے حاضرین کو پیش کرتے۔ یہ مجلس مغرب کی

اذان سے ذرا پہلے تک جاری رہتی۔ پھر حضرت مولاناؒ مغرب کی نماز کے لیے بالعموم وضو کی تجدید کرتے اور بھائی عبدالرزاق یا کسی عالم وطالب علم کے ساتھ (بالعموم دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے، جن کی آمد کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہتا تھا) مسجد تشریف لے جاتے۔ مغرب کی سنتوں کے بعد بالعموم لوگ مسجد سے آ جاتے؛ لیکن حضرت مولاناؒ اوابین کی رکعتیں پابندی سے پڑھتے پھر مہمان خانے تشریف لاتے۔ بھائی عبدالرزاق بھی حضرتؒ کے ساتھ ہی واپس آتے؛ اس لیے عموماً وہ بھی اوابین کی پابندی کرتے تھے، اِلا یہ کہ کسی دن مہمان خانے کی کوئی اہم ضرورت اُن کے لیے مانع ہوتی یا حضرت کے کسی حکم کی تعمیل جو اُسی وقت ضروری ہوتی حارج ہوتی تو اُس دن وہ یہ نماز نہیں پڑھ پاتے تھے۔

مغرب کی نماز کے بعد بالعموم حضرت مولاناؒ مہمان خانے کے ہال کمرے میں جو بیچ میں واقع تھا جانبِ غرب وجنوب میں تشریف فرما ہوتے اور عموماً اُس وقت مولانا نثار احمد سیوانیؒ عربی یا اردو کی کوئی ایسی کتاب پڑھتے جس کا حضرت مولاناؒ اُنھیں پڑھنے کا اِس لیے حکم فرماتے تھے کہ زیرِ تحریر کتاب یا مقالے میں اُس کے مواد و مشمولات کی اُنھیں ضرورت ہوتی تھی یا حضرتؒ کو اندازہ ہوتا تھا کہ اُس میں مطلوبہ معلومات مل جائیں گی۔ واضح ہو کہ نظر کی شدید کم زوری کی وجہ سے حضرت مولاناؒ سال ہا سال سے کتابوں کے بہ راہ راست مطالعے سے اور ازخود لکھنے سے بھی قاصر تھے؛ اِس لیے وہ مطالعہ بھی اِسی طرح کرتے تھے کہ مطلوبہ کتاب کوئی پڑھتا اور وہ سنتے اور ضروری جگہوں کو نشان زد کرواتے اور کتاب یا مقالہ یا خطوط بھی وہ کسی کو بول کر اِملا کراتے تھے۔ اُن کے خاص کاتب مولانا نثار احمد سیوانی ندویؒ تھے۔ اُس زمانے میں اِس راقم کو بھی عربی زبان کی متعدد کتابیں حضرت مولاناؒ نے اِملا کرائیں۔ سیرۃ النبی بڑی اور چھوٹی دونوں راقم نے مُسَوَّدہ اور مُبَیَّضہ دونوں شکلوں میں لکھیں اور حضرت مولانا کی دلی دعاؤں کا مستحق بنا۔

مغرب بعد بھائی عبدالرزاقؒ کا یہ مشغلہ ہوتا کہ وہ لالٹین میں مٹی کا تیل ڈالتے اور اس کو روشن کرتے بڑی والی لالٹین جو گیس کہلاتی تھی ہال کمرے میں رکھتے اور نسبتاً چھوٹی چھوٹی

لالٹینیں مہمان خانے کے مختلف حصوں میں ڈال دیتے یا مناسب جگہوں پر لٹکا دیتے۔

اس کے علاوہ دیگر کاموں میں لگے رہتے اگر کوئی کام نہ ہوتا تو کتاب خواندگی کی مجلس میں کسی گوشے میں بیٹھ جاتے کہ حضرت مولاناؒ اگر کوئی ہدایت دیں تو اسے فوراً روبہ عمل لاسکیں۔ اگر کوئی دوا حضرتؒ کے لیے اُس وقت کی ہوتی تو اسے پیش کرتے۔

عشا کی نماز کے بعد حسبِ معمول کھانے کا دسترخوان بچھاتے اور حسبِ معمول سارے مہمانوں کے ساتھ حضرت مولاناؒ رات کا کھانا تناول فرماتے۔ اگر مہمانوں کی تعداد قدرے کم ہوتی تو بھائی عبدالرزاق مہمانوں کے ساتھ ہی کھانے سے فارغ ہوجاتے؛ ورنہ حسبِ معمول بعد میں کھانا لیتے اور ساری پلیٹوں، ڈونگوں اور دسترخوان کے لوازمات کو مرتب کر کے حضرت مولاناؒ کے مکان کے دروازے کے کواڑ کے پرے ڈال دیتے۔ رات کے کھانے کے بعد حضرت مولاناؒ بالعموم کچھ دیر مہمانوں اور حاضرین کے ساتھ بیٹھتے۔ اس مجلس میں اکثر ملک وملت کی باتیں ہوتیں اور مسلمانوں کے مسائل کا تذکرہ ہوتا۔

پھر حضرت مولاناؒ گھر تشریف لے جاتے اور تہجد کے اولین وقت تک آرام فرماتے۔ اِدھر بھائی عبدالرزاق تمام مہمانوں کی ضروریات کا جائزہ لیتے، ہر ایک کے مقام ومرتبے کے مطابق اُس کے سونے کا انتظام کرتے۔ جب سارے مہمانوں کے انتظامات سے فارغ ہوجاتے، تب بہ قدرِ ضرورت آرام کرتے اور پھر حسبِ معمول حضرت مولاناؒ کی بہ وقت تہجد آواز پر مکان کے دروازے کی طرف لپکتے اور تہجد کی نماز کے لیے اُن کی ہمہ گیر مدد کرتے۔

رمضان المبارک کے لیے شعبان کے مہینے سے ہی ہر طرح کی تیاری کرتے؛ کیوں کہ بڑی تعداد خدا کے بندوں کی حضرت مولاناؒ کے ساتھ اعتکاف کرتی یا رمضان کا مہینہ گزارتی تھی۔ ایک سال رمضان سے قبل ''سئی'' ندی کی وجہ سے زبردست سیلاب آگیا ''تکیہ کلاں'' اور آس پاس کے گاؤں پانی میں تیرنے لگے۔ بھائی عبدالرزاق نے اپنی ہنرمندی اور کاری گری سے مہمان خانہ (جس کی کرسی زمین سے دو تین فٹ اونچی تھی) اور مہمانوں کے کھانا تناول

کرنے کی جگہ کے درمیان بانس کا بہت مضبوط پل بنایا۔ کھانے کی یہ جگہ حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶ء-۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء) کے مکان کے ملبے پر بنائی گئی تھی۔ نیز اس جگہ سے مسجد کے درمیان جو یہاں سے جانب غرب میں خاصی قریب تھی، بھی ایک پل تیار کیا؛ کیوں کہ یہ جگہ بھی خاصی اونچی تھی اور مسجد کی کرسی بھی کم از کم دو فٹ اونچی تھی اِس لیے اُس پر پانی نہیں چڑھا تھا۔ بھائی عبدالرزاق کے اس ہنرمندانہ تدبر کی وجہ سے مہمانوں کو اِس ہمہ گیر سیلاب میں بڑی راحت ملی اور اُنھوں نے اُنھیں بہت دعائیں دیں؛ کیوں کہ اِسی کی وجہ سے اُن کے لیے حضرت مولاناؒ کے ساتھ رمضان گزارنا ممکن ہوسکا۔

بھائی عبدالزاق کے کسی رویّے سے کبھی کسی کو کسی طرح یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ وہ حضرت مولاناؒ، اُن کے مہمانوں، واردین وصادرین اور اہلِ خاندان کی خدمت روٹینی یا رسمی طور پر کرتے ہیں کہ جب وہ اِسی کے لیے مامور ہیں تو گویا اس سے اُنھیں چارۂ کار نہیں؛ بل کہ اُن کے ہر رویّے سے ہمیشہ ہر کسی کو یہ یقین کامل ہوا کہ وہ احتساباً خدمت کرتے ہیں، اِسی لیے وہ اِس طرح ہمہ تن و ہمہ وقت مصروفِ عمل رہتے تھے، جیسے کسی بہت نیک اور عظیم آدمی کا بہت نیک بیٹا، اپنے باپ کی عظمتِ دینی و تعلق مع اللہ کے مکمل اِدراک کے ساتھ، ہمہ وقت مصروفِ خدمت رہ کر دین و دنیا کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز ہوتا اور خدا اور خلقِ خدا کی نگاہ میں مقبول وممدوح ہوتا ہے۔

اُنھوں نے کم وبیش چالیس سال حضرت مولاناؒ کی خدمت میں اور کم وبیش پندرہ سال اُن کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع مدظلہ کی خدمت میں گزارے۔ اُنھوں نے حضرت مولاناؒ سے صحیح معنی میں نیکی اور تقویٰ کو، حسب استطاعت جذب کیا اور اُن کی صحبت میں واقعی ایسے انسان بنے جس سے خدا اور خلقِ خدا نے محبت کی۔ اِس راقم نے اُن کے ساتھ طویل معاشرت کے دوران کسی کو نہیں پایا جس نے اُن سے ذرّہ برابر بھی کدورت محسوس کی ہو۔ یہ بہت بڑی بات ہے؛ کیوں کہ جہاں ہمہ وقت ہر طرح کے لوگوں کی آمد ورفت رہتی ہے، ضرور اُن میں کوئی ایسا نکل آتا ہے، جس کو بعض دفعہ اچھی بات بھی بری لگتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں

جس کو اچھے سے اچھے انسان بھی کسی نہ کسی زاویے سے بُرے لگتے ہیں۔

حضرت مولانا کے اہلِ خاندان تو بھائی عبدالرزاق کو بجا طور پر فردِ خاندان ہی باور کرتے تھے اور ہر طرح کے مسائل میں اُن سے مشورہ کرتے اور مدد لیتے تھے، جیسے افرادِ خاندان اپنے ہونہار، تجربہ کار اور صائب رائے فرد سے لیا کرتے ہیں۔

بھائی عبدالرزاق کوئی لکھے پڑھے آدمی نہ تھے۔ وہ صرف قرآنِ پاک ناظرہ اور اردو زبان جانتے تھے، جس سے قرآن پاک کی تلاوت اور دینی کتابوں کی خواندگی میں اُنھیں سہولت ہوتی تھی؛ لیکن وہ ایک ''بڑے انسان'' یا کم از کم ''اچھے انسان'' ضرور تھے بالخصوص اپنے اخلاق و کردار کے حوالے سے۔ کسی کثیر الاختلاط آدمی نے بھی اُن کے سلسلے میں یہ بات نوٹ نہیں کی کہ اُنھوں نے کسی کی غیبت کی ہو، یا اُس کی حضرت مولانا سے کسی مسئلے میں شکایت کی ہو، یا اُس کی کسی نعمت پر اُس سے حسد کیا ہو، یا کسی کے سامنے اُس کا مذاق اڑایا ہو، یا اُس کی ہوا خیزی کی ہو، یا کسی ناگزیر مدد کے وقت اُس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہو، یا حضرت مولانا کے سامنے اپنی کسی ضرورت کے پیش کرنے میں اُس کے لیے مانع بنے ہوں، یا اپنی کسی ادنیٰ تدبیر کے ذریعے حضرت مولانا سے تقرب حاصل کرنے میں اُس کے آڑے آئے ہوں، یا حضرت مولانا سے وہ خلوت میں ملنا چاہتا ہو اور اس نے اُن سے اپنے لیے وقت لینے کی فرمایش کی ہو اور اُنھوں نے منع کر دیا ہو؛ بل کہ اُنھوں نے ہر ایک کی ہر طرح کی ممکن ضرورت پوری کرنے کے لیے، اپنے آپ کو ہمہ وقت تیار رکھا اور خندہ پیشانی اور ایسے رویّے سے اُس کے ساتھ پیش آئے کہ اُسے یقین ہو گیا کہ اُس کا مطلوبہ کام ضرور پورا ہو جائے گا۔

نیز کبھی کسی نے اُن کو نہیں پایا کہ وہ کسی سے تلخ کلامی سے پیش آئے ہوں چہ جائے کہ وہ کسی سے لڑے جھگڑے ہوں اور اُن کے کسی سلوک سے اُس کو دلی تکلیف پہنچی ہو۔

حضرت مولانا کے پاس آنے والے مہمانوں میں اُسی طرح کا تنوُّع ہوتا تھا جیسا کہ انسانی معاشرے کے افراد میں ہوا کرتا ہے۔ اُن کی ہمہ گیر؛ بل کہ عالم گیر شہرت کی وجہ سے

معاشرے کے ہر زمرے کے انسان اُن سے ملنے اور دینی یا دنیوی فائدہ اٹھانے کے لیے آیا کرتے تھے؛ لیکن اُن میں سے کسی نے کبھی بھی حضرت مولاناؒ یا اُن کے نزدیک کسی قابل اعتماد قریب وعزیز سے یہ شکایت نہیں کی کہ عبدالرزاق صاحب نے اُن کے مقام ومرتبہ کا خیال نہیں رکھا یا اُن کی کسی بات سے اُس کی معاشرتی یا انسانی حیثیت مجروح ہوئی۔

بعض مرتبہ دینی وعلمی عظمت کے لوگوں کی خدمت پر مامور افراد بڑے مکّار اور چالاک بن جاتے ہیں، یا کم از کم احساسِ برتری کا شکار، یا مال ودولت کے لالچ میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور عظیم مخدوموں کو اپنے مادی اغراض کے لیے ہنرمندی سے خوب استعمال کرتے ہیں؛ لیکن مرحوم الحاج بھائی عبدالرزاق واقعی زاہد فی الدنیا تھے، اُنھوں نے حضرت مولاناؒ کو کبھی بھی مال ودولت کی پیاس بجھانے کے لیے استعمال نہیں کیا، حال آں کہ حضرت مولاناؒ کا ایک ادنیٰ اشارہ بھی اِس کے لیے کافی تھا کہ کارِ خیر میں حصہ لینے والے لوگ اُن کی دنیا کو مالا مال کر دیتے اور اُن کے تصور سے زیادہ مال ودولت کی اُن کے پاس بُہتات ہو جاتی۔ بہت سے لوگوں نے حضرت مولاناؒ کا اُن کی حیات میں اور اُن کی وفات کے بعد نام استعمال کر کے مال ودولت کی اتنی بڑی مقدار اکٹھا کر لی جو اُن کی کئی نسلوں کے لیے کافی ہوگی۔ سچی بات یہ ہے کہ بھائی عبدالرزاق حضرت مولاناؒ کے غیر معمولی اِخلاص کا پرتو تھے اور اِس بات کی دلیل تھے کہ اللہ کے واقعی مخلص بندوں کو خدام بھی مخلص اور باوفا اور دنیا سے بے رغبت ملتے ہیں اور خدائے کریم اُن کا غیر مخلص اور دنیا کے غلام خدام کے ذریعے امتحان نہیں لیتا۔ اس طرح کے خدام نہ صرف اپنا بگاڑتے ہیں؛ بل کہ اپنے مخدوم پر بھی انگشت نمائی کا ذریعہ بن کر دوہرے گناہ کا مستحق ہوتے ہیں۔

بھائی عبدالرزاق کا ’’انسانی پہلو‘‘ اُن کی دینی صفات میں سب سے بڑے موتی کی حیثیت رکھتا تھا، جسے حضرت مولاناؒ کی صحبت نے اِس طرح صیقل کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کی مخلوق کی محبت سے کما حقہ سرفراز ہوئے؛ کیوں کہ اللہ جب کسی کو پسند کرتا ہے تو وہ فرشتوں کو اس سے محبت کرنے کا حکم دیتا ہے اور پھر وہ زمین میں اس کے لیے محبوبیت کو عام کر دیتا ہے۔

بھائی عبدالرزاق کو حضرت مولاناؒ کی طویل خدمت وصحبت کے طفیل وقت کے بڑے بڑے علما وصلحا وداعیانِ دین کی زیارت اور اُن سے استفادے کا موقع ملا، جن میں مندرجۂ ذیل بزرگانِ دین سرفہرست ہیں:

حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ (۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء-۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) جو حضرت مولاناؒ کے شیخ ومربی تھے؛ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء-۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) امیر تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد یوسف بن الیاس کاندھلویؒ مؤلف کتاب ''حیاۃ صحابہ'' (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء-۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء) اُن کے جانشیں امیر تبلیغی جماعت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ (۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء-۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء) مربی کبیر حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڈھیؒ (۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء-۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء) داعیِ اسلام ومشہور اسلامی اہلِ قلم حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء-۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء) حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ (۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء-۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء) حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء-۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء) وغیرہم۔

حضرت مولاناؒ ہی کے طفیل بھائی عبدالرزاق نے ہندوستان کے اطراف واکناف اور متعدد ملکوں کو دیکھا، جن میں سرفہرست بلاد حرمین شریفین ہیں۔ حضرت مولاناؒ ہی کی صحبت میں اُنھوں نے ۱۹۹۸ء میں خانۂ کعبہ کے اندر نماز ودعا کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کی، جب حضرت مولاناؒ کو کلید بردار کعبہ ہونے کا اعزازِ عظیم حاصل ہوا۔ حضرت مولانا کی وفات کے بعد اُن کے بھانجے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی کی معیت میں بھی اُنھیں خانۂ کعبہ کے اندر جانے اور نماز ودعا کی سرفرازی حاصل ہوئی، اس وقت حسنِ اتفاق کہ اِصلاح ومرمت کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا فرش کھلا ہوا تھا۔ بھائی عبدالرزاق ایک سے زائد مرتبہ حج وزیارت حرمین کی سعادت سے بھی بہرہ یاب ہوئے۔

بھائی عبدالرزاق نے اپنے علاقے میں تعلیم وتربیت بالخصوص تعلیم نسواں سے خصوصی

دلچسپی لی اور اپنے گاؤں ''خوش حال پور'' نصیر آباد میں مدرسہ تعلیم البنات قائم کیا، نیز گاؤں کی خستہ حال مسجد کی تعمیر نو بھی کرائی۔ وہ وقتاً فوقتاً حضرت مولاناؒ اور اُن کے نامور اہل خاندان کو بھی اپنے گھر لے جاتے اور اُن کی خاطر مدارات کر کے دنیا و عقبیٰ کی سعادت حاصل کرتے رہے۔

مرحوم کے پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ تین لڑکیاں اور چار لڑکے ہیں، سبھی مُتأھّل ہیں اور تعلیم یافتہ۔ بڑے لڑکے مولانا شبیر احمد ندوی راقم سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تدریسی زندگی میں استفادہ کر چکے ہیں، اُنھیں راقم سے خاص تعلق رہا، اور وہ اپنے والد کا عکس محسوس ہوے۔ دوسرے لڑکے حافظ محمد عمر، تیسرے مولانا عمار ندوی اور چوتھے مولانا سعد ندوی ہیں۔

اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور سارے پس ماندگان واہلِ تعلق کو صبر جمیل واجرِ جزیل سے نوازے بالخصوص اُن کے بڑے بھائی ماسٹر رسول احمد کو جو حیات ہیں، اُن کے ساتھ شفقت کے خصوصی تعلق کا خاص بدلہ دے۔

(ندائے شاہی مارچ/اپریل/مئی ۲۰۱۵ء)

پروفیسر عبدالحئیؒ فاروقی صاحبؒ

امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور حضرت مولانا عبدالمؤمن صاحب لکھنویؒ (مدیر النجم) کے صاحبزادے اور حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کے برادرِ نسبتی پروفیسر جناب عبدالحئیؒ صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۶/ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲/ستمبر ۲۰۱۴ء بروز منگل ۷۸/سال کی عمر میں دہلی میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن آپ کی تدفین دیوبند کے ''مزارِ قاسمی'' میں ہوئی، نماز جنازہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے احاطۂ مولسری میں پڑھائی، جنازہ میں بڑی تعداد میں علماء اور طلبہ شریک تھے۔

پروفیسر عبدالحئیؒ صاحب انتہائی قابل، وضع دار، شریف النفس اور یکسوئی پسند شخص تھے، ۱۹۳۶ء میں آپ کی پیدائش ہوئی، اور اپنے والد ماجد کی بھرپور نگرانی میں تعلیمی مراحل طے کئے، اور آپ نے ضروری دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی MA عربی تک امتیازی پوزیشن کے ساتھ حاصل کی، پوری زندگی لکھنے پڑھنے کا مشغلہ رکھا، اور جس ادارہ سے بھی وابستہ رہے، وہاں مفوضہ ذمہ داریاں بخوبی انجام دیں، آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر مرحوم حکیم عبدالحمید صاحب نے آپ کو جامعہ ہمدرد کے شعبہ تراجم وتحقیقات کے لئے ۱۹۷۴ء میں منتخب کیا، موصوف اس شعبہ کے سربراہ رہے اور علم طب کی اہم کتاب ''القانون فی الطب'' کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ حکیم صاحبؒ کا خاص اعتماد موصوف کو حاصل تھا، اور وہ آپ کی ذمہ دارانہ خدمات سے بہت متأثر تھے، جب ہمدرد انسٹی ٹیوٹ کو یونیورسٹی کا درجہ ملا اور اسے ''جامعہ ہمدرد''

کہا جانے لگا، تو پروفیسر عبدالحئ صاحبؒ کو شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کا پروفیسر بنایا گیا، اور اس درمیان آپ نے اس شعبہ سے وابستہ طلبہ کو درس دیا اور علمی رہنمائی کی، موصوف ۲۰۰۴ء میں جامعہ ہمدرد سے ریٹائر ہوئے؛ لیکن آپ نے بعد میں بھی علمی مشغلہ جاری رکھا۔

آپ ندائے شاہی کے مستقل قاری اور بہت بڑے قدر داں تھے، اور اس کی فائلیں محفوظ کر کے رکھتے تھے، ابتدائی دور میں ندائے شاہی میں آپ کا ایک سلسلہ وار مضمون چھپتا تھا، جس کا عنوان تھا ''کبھی ایسا بھی ہوا تھا'' اس میں آپ تاریخی نادر سبق آموز واقعات لکھ کر بھیجتے تھے، اور قارئین میں یہ سلسلہ بہت مقبول تھا، بعد میں یہ سب مضامین کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

موصوف نے اپنے جدامجد امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کی ایک جامع سوانح حیات بھی مرتب فرمائی، جو ۸۹۴ر صفحات پر مشتمل ہے، اور اپنے موضوع پر سب سے مستند مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے شروع میں موصوف نے اپنی سرگذشت بھی لکھی ہے، جو نہایت سبق آموز ہے۔

اسی طرح پروفیسر عبدالحئ صاحب رحمہ اللہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی مفصل سوانح حیات لکھ رہے تھے، اور اُس کا اکثر حصہ مکمل ہو چکا تھا؛ لیکن گذشتہ کئی سالوں سے مسلسل دماغی ضعف اور مختلف امراض واعذار کی بنا پر اس کی تکمیل نہیں فرما سکے۔ موصوف کے چار صاحبزادے (حافظ عبدالملک امام مسجد جامعہ ہمدرد، ڈاکٹر عبدالہادی عرشی، ڈاکٹر عبدالناصر اور عبدالواحد فاروقی) ہیں، اور تین صاحب زادیاں ہیں، جو سب شادی شدہ ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو آخرت میں اعلیٰ درجات سے نوازیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔ قارئین سے بھی ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۴ء)

کچھ اپنی سرگزشت

تحریر: پروفیسر عبدالحئیؒ صاحب فاروقیؒ سابق ریڈر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد دہلی

گذشتہ شمارہ میں ذکرِ رفتگاں کے کالم میں جناب پروفیسر عبدالحئیؒ فاروقی صاحبؒ کے بارے میں چند سطور لکھی گئی تھیں، اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگلے شمارے میں موصوف کی زندگی کے کچھ اور نقوش پیش کئے جائیں گے، جو خود مرحوم ہی کے تحریر فرمودہ ہیں۔ اسی وعدہ کی تکمیل میں یہ خودنوشت نقوش پیش ہیں، جو موصوف نے اپنی تصنیف ''امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی: حیات وخدمات'' کے ابتدائیہ میں درج کئے ہیں۔ اس مضمون میں خاص کر ان حضرات کے لئے بڑی نصیحت ہے جو مخالف ماحول میں بھی اپنی دینی شناخت، اپنی خودداری اور اپنا خاندانی وقار سنبھال کر رکھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، ایسے سب حضرات کے لئے فاروقی صاحب مرحوم کی زندگی ایک نمونہ؛ بلکہ مشعلِ راہ ہے، ملاحظہ فرمائیں: (مرتب)

سپرد کس کو میرے بعد ہو امانتِ عشق
اُٹھائے کون یہ بارِ گراں نہیں معلوم

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ بعض علماء ومشائخ نے اپنے حالات خود بھی قلم بند کئے ہیں، جو آج تذکرہ نگاروں کے لئے اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں، چناں چہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید دہلویؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقیؒ جیسے نابغۂ روزگار حضرات کے خودنوشت حالات ہمارے سامنے ہیں، انہی بزرگوں کے اتباع میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں بھی خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے کے لئے کچھ اپنے بھی منتشر حالات کو مرتب کردوں؛ تاکہ میرے بعد کی نسلیں اس سے کچھ سبق حاصل کرسکیں۔

اس کتاب میں کچھ اپنے بارے میں لکھنا مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا ہے، جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کررہا ہے، مگر:

لائق نہیں کہ ذکر مرا اُن کے ساتھ ہو
لیکن میں کیا کروں مری نسبت انہی سے ہے

میری پیدائش میرے نانہال ٹانڈہ ضلع فیض آباد یوپی کے ایک معروف سادات خاندان میں ہوئی، میرے نانا جناب سید بشیر الدین صاحب اپنے علاقہ کے خوش حال زمین داروں میں تھے، جو اپنے تقویٰ اور پرہیز گاری کی وجہ سے بڑی عقیدت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ان کے حقیقی چچازاد بھائی اور داماد تھے، میرے والد جناب مولانا عبدالمؤمن صاحب فاروقیؒ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ کے صاحب زادے تھے، جن کے تفصیلی حالات اس کتاب میں لکھے جاچکے ہیں۔

پانچ سال کی عمر میں میری تعلیم کی بسم اللہ میرے دادا حضرت مولانا لکھنویؒ نے کرائی تھی، اس موقع پر خاندان میں بڑی خوشی منائی گئی تھی اور تمام اعزہ واقارب کی دعوت کی گئی تھی، حروف شناسی کے بعد ناظرہ قرآنِ مجید شروع کرایا گیا، جس کا کچھ حصہ لکھنؤ کے بعض مشہور اساتذہ سے جن میں خاص طور سے مدرسہ تعلیم الاسلام نادان محل پارک لکھنؤ کے حافظ عبدالستار صاحبؒ اور جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سلطان پوری نے بڑی شفقت سے پڑھایا تھا، ناظرہ کا بڑا حصہ مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ میں پورا کیا، جہاں میری نانہال تھی، یہیں گنتی، پہاڑے اور تختی لکھنے کی بھی مشق کرائی گئی، یہاں حافظ مجیب اللہ صاحب بستویؒ جو نانا صاحبؒ کے مکان پر ہی رہا کرتے تھے، انہوں نے بھی فاضل اوقات میں بڑی محنت اور دل جوئی سے پڑھایا تھا، ان سے پڑھنے والوں میں میرے علاوہ میرے بڑے خالہ زاد بھائی حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد اور ماموں زاد بھائیوں میں مولانا حکیم سید عبید الرحمٰن صاحب اور عزیزی سید عتیق الرحمٰن صاحب بھی تھے۔

خوش قسمتی سے مجھے بچپن ہی سے اپنے اکابر کی بے حد شفقت ومحبت حاصل رہی، دادا صاحب (مولانا لکھنویؒ) کو میرے ساتھ بے مثال قلبی تعلق تھا، وہ مجھے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے

تھے، اور میرا قیام انہی کے ساتھ دارالمبلغین ہی میں رہا کرتا تھا، اکثر اسفار میں بھی ان کی معیت حاصل رہتی تھی، حتیٰ کہ پہلے حج کی سعادت بھی انہی کی بدولت مجھے حاصل ہوئی تھی، اُن کی اِن خصوصی توجہات کو دیکھ کر اُن سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی میرے ساتھ دل جوئی اور تکریم کا معاملہ کرتے تھے، اس طرح ناز ونعم میں پلنے کی وجہ سے میرے اندر بڑی نازکی اور دماغ میں ایک طرح کی ترفع وصاحب زادگیت کی نامحمود خوبو پیدا ہوگئی تھی۔

ناظرہ مکمل ہونے کے بعد دادا صاحبؒ نے مجھے حفظ قرآنِ مجید کے لئے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ کے ایک مشہور وجید حافظ صاحب کے سپرد کردیا، جن کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ مدرسہ میں حفظ کا سب سے بڑا درجہ انہی کے پاس تھا، یہاں میں نے سات آٹھ پارے حفظ کرلئے تھے، اور تجوید کی مشق بھی جناب قاری محمد شاہد صاحبؒ سے کرلی تھی، جو بعد میں پاکستان چلے گئے، مرحوم حافظ صاحبؒ کچھ سخت مزاج واقع ہوئے تھے، جس کی وجہ سے میرے دماغ پر بہت خراب اثر پڑا، اور میں پڑھنے سے جی چرانے لگا، یہاں تک کہ مدرسہ جانے کے تصور سے ہی کانپ جاتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بیمار رہنے لگا اور پھر کافی عرصہ تک میری تعلیم موقوف رہی۔

والد صاحب مرحوم اِن حالات کا بغور جائزہ لے رہے تھے، اور وہ اصل حقیقت تک پہنچ چکے تھے، چناں چہ انہوں نے خاندان کے قدیم دستور کے برعکس مدرسہ کی تعلیم ختم کرا کے مجھے انگریزی اسکول میں داخل کردیا، ان کا یہ اقدام میری زندگی کا نہایت اہم موڑ ثابت ہوا، اس بات سے دادا صاحبؒ اور دیگر اعزہ کو بہت صدمہ پہنچا اور اکثر حضرات کو یہ بدگمانی ہوگئی کہ اب میں گمراہ ہوجاؤں گا اور خاندان کی رسوائی کا سبب بنوں گا، اکثر لوگوں نے والد صاحب سے آکر اپنے اِن خدشات کا اظہار بھی کیا، مگر وہ اپنے فیصلے پر اٹل رہے، وہ لوگوں سے کہہ دیا کرتے تھے کہ میں نے یہ فیصلہ بادلِ ناخواستہ کیا ہے، اگر میں ایسا نہ کرتا تو عبدالحئ سے ہاتھ دھو بیٹھتا، یا پھر سرے سے وہ تعلیم ہی سے محروم ہوجاتا۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ مدارس کے اکثر حفاظ واساتذہ طلبہ کے ساتھ ضرورت سے

زائد سختی گیری سے کام لیتے ہیں، حالاں کہ یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ کتاب وسنت کی تعلیم بچوں کو مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ دی جائے اور دنیا کے چند حقیر زخارف کو حاصل کرنے کی تعلیم انتہائی چمک دمک والے اسکولوں میں کھیل کھلا کر، کہانیاں سنا کر، بچوں کو ٹافیاں دے کر اور خوش اخلاق خواتین کے ذریعہ دلائی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدارس میں آنے والے یہ بچے بڑے قابل قدر ہوتے ہیں، ان کا ایثار وقربانی یہی کیا کم ہے کہ دنیاوی چمک دمک کو چھوڑ کر مدارس کے ٹاٹ کے فرش پر بیٹھ کر کچھ ''غیر دل چسپ اور خشک'' مضامین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور پھر یہی بچے آگے چل کر قوم کی دینی واخلاقی اصلاح ورہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں، ہمارے اربابِ مدارس کو اس طریقۂ کار پر غور کرنا چاہئے۔

انگریزی تعلیم شروع ہونے کے بعد والد صاحبؒ کی نگرانی میرے اوپر دن بدن بڑھنے لگی، وہ میری ہر نقل وحرکت پر نظر رکھنے لگے، میرے لباس، وضع قطع اور بالوں کی تراش خراش پر ہمیشہ ان کی تنقیدی نگاہ رہتی تھی، اس دور میں عام طور سے لوگ اور خاص کر علماء انگریزی تعلیم سے دامن کشاں رہتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ انگریزی پڑھ کر بچے بے دین ہوجاتے ہیں، چوں کہ میں اپنے خاندان کا پہلا طالب علم تھا، جس کو اسکول میں داخل کیا گیا تھا، ورنہ اب تک تو ہمارے یہاں کے نوجوان مدارس میں رہ کر علم دین حاصل کرتے تھے، جو ہمارے خاندان کا آبائی اختصاص تھا، اس لئے والد صاحب مرحوم بڑے حساس ہوگئے تھے، ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی تھی کہ میرا نام ایسے اسکولوں میں لکھوائیں جہاں یونیفارم پہننا لازمی نہ ہو، اس لئے ابتدائی تعلیم سنی ہائر سکنڈری اسکول لکھنؤ میں (جو اَب انٹر کالج ہوگیا ہے) دلائی گئی، ایک زمانہ کے بعد میں نے یہاں تدریس کے فرائض بھی انجام دئے ہیں، سائنس کی تعلیم میں میرا ذہن زیادہ چلتا تھا، اس لئے والد صاحب نے مجھے امین آباد انٹر کالج لکھنؤ کے نویں درجہ میں داخل کرادیا۔ اسی عرصہ میں والد صاحب مدرسہ عالیہ (گورنمنٹ اورینٹل کالج) رام پور میں پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہوچکے تھے؛ لہٰذا انہوں نے ہم سب لوگوں کو بھی وہیں بلالیا، جہاں میں نے گورنمنٹ رضا

انٹر کالج رامپور سے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا، اسی دوران دادا صاحبؒ کا پروگرام حج پر جانے کا ہوگیا، چناں چہ وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے، اس طرح الحمدللہ مجھے یہ سعادت بھی حاصل ہوگئی، وہاں سے واپس آنے کے بعد میں نے آگرہ یونیورسٹی سے آرٹس میں BA اور معاشیات میں MA کرلیا۔

دادا صاحبؒ اور والد صاحبؒ کو تو اس کا احساس بڑی شدومد کے ساتھ تھا ہی کہ میری مدرسہ کی تعلیم منقطع کراکے انگریزی تعلیم شروع کرائی گئی ہے؛ لہٰذا ان حضرات کی یہی کوشش رہا کرتی تھی کہ یونیورسٹی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ خاندانی دستور کے مطابق مجھے عربی وفارسی کی تعلیم بھی دی جاتی رہے، چناں چہ ''درس نظامی'' کا ایک شارٹ کٹ نصاب میرے لئے خاص طور سے وضع کیا گیا، اور اسی کے مطابق رام پور کے زمانۂ قیام میں فارسی کا مکمل نصاب میں نے مدرسہ عالیہ رام پور کے بعض سینئر اساتذہ سے پڑھا، جس کی بنیاد پر لکھنؤ یونیورسٹی کے دبیر ماہر (فارسی) اور دبیر کامل (فارسی) کے امتحانات میں نے نمایاں نمبروں سے پاس کئے، اس کے بعد مدارس کے نصاب کے مطابق میری عربی کی تعلیم شروع کرائی گئی، عربی کا یہ نصاب دادا صاحبؒ کے مشورہ سے والد صاحبؒ، مولانا عبدالسلام صاحب فاروقیؒ، مولانا قاری محمد صدیق صاحبؒ استاذ دارالمبلغین اور بعض دیگر اساتذہ نے عربی اَدب، تفسیر، فقہ اور اُصولِ حدیث کی منتخب ضروری کتابیں پڑھا کر مکمل کرایا، کچھ عرصہ کے بعد والد صاحبؒ کی رائے ہوئی کہ میں لکھنؤ یونیورسٹی کے امتحان ''عالم'' میں شرکت کروں، چناں چہ یہ امتحان بھی میں نے امتیازی نمبروں سے پاس کیا، جس کی بنیاد پر لکھنؤ یونیوسٹی نے ایک سال کے لئے میرا وظیفہ منظور کردیا، اب ان کا حکم ہوا کہ مجھے دوسرا MA عربی ادب میں کرنا چاہئے؛ لیکن اس وقت میں ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہ تھا اور چاہتا تھا کہ اگر MA ہی کرنا ہے تو میں فارسی یا اُردو ادب میں کروں گا، مگر جب ان کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو مجبوراً مجھے پھر لکھنؤ یونیورسٹی کے MA (عربی) میں داخلہ لینا پڑا، یہ MA میں نے فرسٹ ڈویزن وفرسٹ پوزیشن میں پاس کیا، اس میں مجھے اتنے زیادہ

نمبرات ملے تھے کہ یونیورسٹی نے مجھے گولڈ میڈل عطا کیا، اور آئندہ PHD کرنے کے لئے ایک گراں قدر وظیفہ بھی مقرر کردیا، میری یہ سب کامیابیاں والد صاحبؒ کی ذاتی دلچسپی ونگرانی کی رہین منت ہیں، ذہانت میرے خاندان کا ورثہ ہے، شاید اس کا بھی اس میں کچھ دخل ہو، میری ساری عصری تعلیم ایک خاص قسم کے مفروضہ ''خوف کی نفسیات'' کے تحت بڑی پیش بندیوں اور حزم واحتیاط کے ساتھ ایک منصوبہ بند طریقہ پر ہوئی تھی، جس میں والد صاحبؒ کا رول نہایت غالب تھا، وہ ہر مقام پر میرے تعلیمی معاملات میں اتنا دخیل رہتے تھے کہ گویا وہ خود ہی طالب علم ہیں۔

رام پور کے زمانۂ قیام میں جس سال میں نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا تھا، اسی سال دادا صاحبؒ نے میرا رشتہ ازدواج عم محترم مولانا عبدالسلام صاحب فاروقیؒ کی بڑی بیٹی کے ساتھ تجویز فرما کر والد صاحبؒ کی رائے طلب کی، وہ بار بار اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے خطوط لکھ کر انہیں لکھنؤ بلاتے تھے، مگر والد صاحبؒ اتنی کم عمری اور زمانۂ طالب علمی میں میرا رشتہ کرنا مناسب نہیں خیال کرتے تھے، اور دوسرے یہ کہ وہ میرا رشتہ خاندان سے باہر کہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے دادا صاحبؒ سے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے گریزاں رہتے تھے، مگر جب ان کی طرف سے بہت اصرار بڑھا تو مجبوراً حاضر خدمت ہوئے اور تفصیلی گفتگو کے بعد یہ دریافت کیا کہ میرے لئے یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ؟ دادا صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں اسے حکم ہی سمجھو، والد صاحبؒ نے اس پر کہا کہ بس اب مجھے کچھ نہیں کہنا ہے، آپ کا جو حکم ہے وہی ہوگا، اس طرح میری شادی میرے بڑے چچا کی بیٹی سے ہوگئی، ان کے اس اصرار کا راز بعد میں کھلا کہ یہ رشتہ مستقبل میں میرے لئے سراسر خیر ہی خیر ثابت ہوا، فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

اللہ کا احسان وکرم ہے کہ اس نے مجھے چار بیٹے اور تین بیٹیاں عطا فرمائیں، بیٹوں میں سب سے بڑے عزیزی مولوی حافظ عبدالملک فارقی ہیں، ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالہادی فاروقی اور ڈاکٹر عبدالناصر فاروقی ہیں، الحمدللہ یہ تینوں صاحب اولاد ہیں، میرے چوتھے بیٹے عبدالواحد

فاروقی ہیں، جو ایم کام ہیں۔ اور اسی مضمون میں PHD کر رہے ہیں، میری بڑی بیٹی کی شادی مولوی حافظ عبدالولی فاروقی فاضل دارالعلوم دیوبند ابن عم محترم مولانا عبدالحلیم صاحب فاروقیؒ سے ہوئی ہے، جن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ میری دوسری بیٹی منصور پور ضلع مظفرنگر یوپی کے ایک معزز زمین دار خاندان میں عزیزی سید محمد ساجد زیدی سے منسوب ہوئی ہیں، اس کے بھی دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ میری تیسری بیٹی کی شادی چند سال پہلے میرے خالہ زاد بھائی مولانا سید ارشد صاحب مدنی اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے صاحب زادہ اور میرے حقیقی بھانجہ مولوی سید ازہر مدنی فاضل دارالعلوم دیوبند سے ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو سلامت و آباد رکھے، آمین۔

لکھنؤ یونیورسٹی سے MA عربی کرنے کے بعد میں نے PHD میں بھی داخلہ لے لیا تھا، جہاں میرے لئے ''علم تفسیر اور اس کا ارتقاء-عہد نبوی سے عہد عباسی تک'' کا موضوع منظور کیا گیا تھا، مگر اسی عرصہ میں والد صاحبؒ کا ۱۹۶۷ء میں انتقال ہوگیا، جس سے میری خانگی زندگی کا نظام منتشر ہوگیا اور تعلیمی سلسلہ بھی منقطع ہوگیا، والد صاحب مرحوم کے بعد میرے حقیقی خالو حضرت مولانا حمید الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ کی رائے ہوئی ہے کہ میں اب دہلی جا کر مستقبل کی تعمیر کروں، چناں چہ میں دہلی آیا، جہاں حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند و سابق ممبر پارلیمنٹ نے میری ہر طرح سے سرپرستی فرمائی، یہاں مختلف جگہوں پر مختلف حیثیتوں سے کام کرنے کے بعد میرا رابطہ ہندوستان کی جانی مانی علمی شخصیت جناب حکیم عبدالحمید صاحب سے ہوا، جنہوں نے ایک خصوصی انٹرویو کے بعد مجھے انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ میڈیکل ریسرچ نئی دہلی کے ایک اہم پروجیکٹ میں کام کرنے کا موقع عنایت کیا، اس پروجیکٹ کے تحت عالم اسلام کے مشہور طبیب و فلسفی شیخ الرئیس ابن سینا کی شہرۂ آفاق کتاب ''القانون فی الطب'' کے متن کی تدوین اور اس کے انگریزی ترجمہ کا کام تازہ تازہ شروع ہوا تھا، اس پروجیکٹ سے حکیم صاحب کو ذاتی طور پر بڑی دلچسپی تھی اور وہ

خود بھی اس میں شریک کار تھے، چنانچہ ان کی نگرانی میں اس پروجیکٹ پر میں نے کام شروع کردیا، یہاں تک کہ ۱۹۸۹ء میں حکومت ہند نے مذکورہ انسٹی ٹیوٹ اور اس کے متعلقہ اداروں کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا، اور مجھے پہلے لیکچرر اور پھر بعد میں شعبۂ اسلامیات میں ریڈر کی حیثیت سے مقرر کردیا گیا، اور تین سال تک میں یہاں صدر شعبہ کی حیثیت سے بھی کام کرتا رہا ہوں، اب اس پروجیکٹ کا کام بڑی حد تک شائع ہو چکا ہے۔

میں ہمیشہ اس بات کا کوشاں رہا ہوں کہ میرا اور میری اولاد کا رہن سہن وضع قطع اور صورت وشکل سب اپنے اسلاف کے مطابق رہے، الحمدللہ میں اس میں کامیاب ہوں، عصری علوم سے وابستہ ہوتے ہوئے بھی اپنی نجی زندگی میں ''قدامت پسند'' واقع ہوا ہوں، جہاں تک ممکن ہوسکا ہے میں نے اپنے بچوں کو اچھی سے اچھی تعلیم دلانے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اسلامی قدروں کا بھی حامل بنانے کی کوشش کی ہے، اور ہمیشہ انہیں نیکی و دین داری، میل ومحبت اور بلا اختلاف مذہب وملت سب کے ساتھ بھلائی وخیر خواہی کا برتاؤ کرنے کی تلقین کرتا رہا ہوں؛ کیوں کہ میرے رگ وپے میں یہ یقین سرایت کرچکا ہے کہ آج مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے، وہ رزقِ حلال، اکابر کی صحبت، بزرگوں کی پیروی اور والدین کی خدمت اور ان کی دعاؤں کے صلہ میں ہی حاصل ہوا ہے، اسی لئے مجھے امید ہے کہ:

رہے گا ذکر مرا قصہ و فسانے میں
مجھے بھی یاد کریں گے کسی زمانے میں

(ماخوذ: امام اہل سنت؛ حیات وخدمات ۲۴-۳۰)
(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۴ء)

مشہور عالم دین
حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مدنیؒ

مولانا مفتی ریاست علی رام پوری قاسمی اُستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

حضرت مولانا عبدالحق مدنی سابق مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد کے صاحبزادے اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مدنیؒ ۱۸؍ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۴؍اکتوبر ۲۰۱۴ء بروز منگل کی رات میں تہجد کے وقت رات کے تین بجے کے قریب دیوبند میں وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔
موصوف نہایت متقی، پرہیزگار اور پاکیزہ زندگی کے حامل تھے، متعدد مدارس میں تعلیم وتدریس کی خدمت انجام دی، اخیر میں ضعف کی وجہ سے گھر پر ہی قیام تھا۔ (مرتب)

آپ کا اسم گرامی محمد اسماعیل ہے، والد محترم کا اسم گرامی مولانا عبدالحق مدنی نوراللہ مرقدہٗ سابق مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد ہے۔ دیوبند کے عثمانی شیوخ کے خاندان سے آپ کا سلسلہ نسب ملتا ہے، آپ کے جدامجد ڈاکٹر رفاقت علی صاحب نوراللہ مرقدہ دیوبند سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے اور مدینہ طیبہ ہی میں ان کی وفات ہوئی، آپ کے والد محترم مولانا عبدالحق مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی ولادت مدینہ طیبہ میں ہوئی اور مسجد نبوی شریف میں درس گاہ حسینی یعنی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی درس گاہ میں تعلیم کی تکمیل ہوئی، اُنہوں نے ترکی حکومت کے زوال کے بعد اپنے مؤقر ومحترم اُستاذ کے حکم سے اُولاً کراچی میں قیام فرمایا اور اس کے بعد مرادآباد میں سکونت اختیار فرمائی اور تاحیات مرادآباد میں قیام پذیر رہ کر مدرسہ شاہی مرادآباد کے اہتمام وانصرام، درس وتدریس وعظ وتقریر اور درس قرآن کے حوالہ سے دین متین کی خدمت میں مشغول رہے اور وفات سے صرف تیرہ دن پہلے دیوبند

تشریف لا کر انتقال فرمایا اور قبرستان قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔

ممدوح الصدر مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ کی ولادت مراد آباد میں ۱۳۵۰ھ میں ہوئی۔ اس طرح گویا ممدوح کا آبائی وطن دیو بند، جدی وطن مدینہ منورہ، پیدائشی وطن مراد آباد اور اصلی و اقامتی وطن دیو بند ہے، دیو بند کے محلّہ ابوالمعالی عقب جامع مسجد آپ کی رہائش تھی، جدی وطن کے اعتبار سے ''مدنی'' آپ کے نام کا جزء اور حصہ بن گیا تھا۔

تعلیم وتربیت

آپ کی مکمل تعلیم از ابتداء تا موقوف علیہ تام مدرسہ شاہی مراد آباد میں ہوئی، جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ قرآن کریم ناظرہ حافظ حکمت اللہ خاں بلند شہری مرحوم سے پڑھا، اور حفظ قرآن کریم جناب قاری عبداللطیف صاحب مرحوم، ساکن ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور سے پڑھا، ریاضی، جغرافیہ اور کتب دینیات حافظ سید سادات حسین دیو بندیؒ، مولانا عبدالخالق ٹانڈوی، منشی احمد علی مراد آبادی، مولانا ظہور الحسن سہارنپوری سے پڑھیں، فارسی کی مکمل تعلیم تیسیر المبتدی، فارسی کی پہلی سے گلستاں، بوستاں تک حضرت مولانا سید مستحسن صاحب بجنوریؒ سے حاصل کی۔ درجات عربیہ کی ابتدائی کتب، میزان ومنشعب، پنج گنج، علم الصیغہ، فصول اکبری، نحو میر، شرح ماۃ عامل حضرت مولانا انصار الحق صاحب امروہیؒ سے پڑھیں۔ تفسیر وحدیث اور فقہ وادب کے خاص اساتذہ کرام مولانا اشفاق حسین صاحب مراد آبادیؒ، مولانا سید اختر الاسلام صاحبؒ صاحبزادہ محترم فخر المحدثین مولانا سید فخر الدین صاحب مراد آبادیؒ، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مراد آبادیؒ تلمیذ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، مولانا محمد شاہ صاحب بجنوریؒ، مولانا سید واحد رضا صاحب مراد آبادیؒ اور مولانا انصار الحق صاحب امروہوی رحمہم اللہ ہیں۔

ممدوح کی مکمل تعلیم درجہ موقوف علیہ تام تک مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اگرچہ مدرسہ شاہی ہی میں ہوئی مگر آپ کی خوش نصیبی کہ جزوی طور سے وقفہ وقفہ سے دیو بند آمد ورفت کے موقعہ پر اس دور کے اساتذہ دارالعلوم دیو بند سے کسب فیض کے مواقع میسر آتے رہے۔

اس ذیل میں ہدایۃ النحو کا کچھ حصہ مولانا قاری اصغر علی سہسپوریؒ خادم خاص مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے پڑھا، نیز علم الصیغہ مولانا محمد عثمان صاحب نواسہ شیخ الہندؒ، مرقات مولانا سید اختر حسین صاحبؒ، شرح بحث فعل مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندیؒ، اصول الشاشی حضرت مولانا سعید احمد گنگوہی عرف بھائی جی اور کنز الدقائق حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلندشہری نوراللہ مرقدہٗ کے پاس پڑھی؛ البتہ دورۂ حدیث شریف شوال ۱۳۷۱ھ تا شعبان ۱۳۷۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں حسب ذیل تفصیل کے مطابق پڑھا، ترمذی شریف مکمل بخاری شریف مکمل شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے پڑھیں، مسلم شریف، طحاوی شریف حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی نوراللہ مرقدہٗ سے، ابوداؤد شریف، شمائل ترمذی شریف شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ، نسائی شریف حضرت مولانا سید فخر الحسن مرادآبادیؒ سے، ابن ماجہ شریف، مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندیؒ سے اور مؤطا امام مالک، موطاء امام محمد حضرت مولانا جلیل احمد کیرانویؒ سے پڑھیں۔

درس وتدریس

فراغت کے فوراً بعد شوال ۱۳۷۲ھ میں حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادی نوراللہ مرقدہٗ نے (جو اُس وقت مدرسہ شاہی مرادآباد کے شیخ الحدیث، صدرالمدرسین و ناظم تعلیمات تھے) مدرسہ شاہی مرادآباد میں عربی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر فرمایا اور تدریس کے پہلے سال میزان ومنشعب بعدہٗ پنج گنج، نحومیر بعدہٗ شرح مأۃ عامل، مفید الطالبین بعدہٗ نفحۃ العرب وغیرہ کتب آپ نے پوری ذمہ داری کے ساتھ پڑھائیں۔

پھر حضرت فخر المحدثین اور دیگر اساتذۂ کرام کی سرپرستی میں سالانہ ترقی کے مراحل طے کرتے ہوئے شرح وقایہ، نورالانوار تک درس نظامی کی متعدد فنی کتابیں پڑھانے کا موقع ملتا رہا، مدرسہ شاہی مرادآباد میں آپ کا تدریسی دور تقریباً دس سال کے عرصے پر محیط ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرر

اس کے بعد حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حکم سے ربیع الاول ۱۳۸۱ھ کو اولاً بحیثیت سفیر دارالعلوم دیوبند آپ کا تقرر عمل میں آیا، اس کے بعد حضرت حکیم الاسلامؒ نے مبلغ دارالعلوم دیوبند کی حیثیت دے کر شعبۂ تبلیغ سے آپ کو وابستہ کر دیا، اور تقریباً ۲۳ سال تک از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کی خدمت کا شرف آپ کو حاصل رہا۔

آنند گجرات اور دیگر درس گاہوں میں تدریس

دارالعلوم دیوبند کے قضیہ نامرضیہ کے بعد آپ نے دارالعلوم سے ملازمت کا تعلق ختم کر لیا اور ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ میں جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام آنند گجرات میں اُستاذِ حدیث کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا، یہاں مسلم شریف، بیضاوی شریف کے ساتھ حدیث شریف کی دوسری کتب پڑھانے کا رب ذوالجلال نے موقع عنایت فرمایا۔ گجرات میں شعبان ۱۴۰۵ھ تک تقریباً دو سال تک آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد والدہ محترمہ مرحومہ کی علالت طبع اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے والدہ محترمہ کے حکم سے آپ دہلی منتقل ہوگئے اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی درس گاہ جامعہ رحیمیہ میں آپ کا تقرر عمل میں آیا، یہاں دورۂ حدیث شریف کی مختلف کتب کی تدریس کے ساتھ درسِ نظامی کی دیگر کتب پڑھانے کا موقع ملا۔ جامعہ رحیمیہ درس گاہ شاہ ولی اللہ میں آپ کی تدریس کا عرصہ تقریباً چھ سال رہا، اس کے بعد فقیہ الامت مرشدی مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سابق مفتی اعظم ہند و صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کے حکم اور مولانا مفتی محمد فاروق صاحب دامت برکاتہم کی طلب پر جامعہ محمودیہ نوگزہ پیر میرٹھ میں تدریسی تعلق قائم ہوا، یہاں آپ نے مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف وغیرہ متعدد کتب کئی سال تک پڑھائیں۔ آخر میں ذاتی عوارض اور پیرانہ سالی کی وجہ سے اپنے آبائی مکان دیوبند میں قیام پذیر رہے۔ دعا ہے کہ پروردگارِ عالم آپ کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

بیعت اور سلوک

درسِ نظامی سے باضابطہ فراغت کے فوراً بعد ہی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے ممدوح کو بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور آپ کے بتلائے ہوئے اوراد ووَظائف پر آپ پابندی سے عمل کرتے رہے، حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے تجدید بیعت فرمائی، اور آپ کے بتلائے ہوئے اوراد ووَظائف کو معمول بنایا، اور اس پر پابندی کرتے رہے۔ پھر حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد جب ممدوح کا قیام بسلسلہ تدریس جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام آنند گجرات میں تھا، اُس وقت حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کی خدمت میں مفصل خط لکھا، اور اپنے احوال ومعمولات تحریر کرکے تجدید بیعت کی درخواست پیش فرمائی۔ حضرت فقیہ الامت نوراللہ مرقدہ نے اس خط کے جواب میں حضرت شیخ الاسلام اور حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مراقدہما سے بیعت کی وجہ سے تجدید بیعت سے تو معذرت فرمادی، مگر اصلاحی تعلق قائم کرنے پر انتہائی فرحت ومسرت کے ساتھ رضامندی ظاہر فرمادی، اور ابتدائی معمول کے طور پر حضرت شیخ الاسلامؒ یا حضرت حکیم الاسلامؒ کے بتلائے ہوئے معمولات میں کسی ایک کا ورد کرنے کا حکم فرمایا۔

اس کے بعد آپ نے دوسرے مکتوب میں حضرت فقیہ الامت نوراللہ مرقدہٗ سے دونوں بزرگوں کے تلقین کردہ اَوراد میں سے کسی ایک بزرگ کے تلقین کردہ اوراد کے انتخاب کے سلسلہ میں استفسار فرمایا، تو اس کے جواب میں حضرت فقیہ الامت نوراللہ مرقدہٗ نے جواب تحریر فرمایا کہ اُن میں سے کسی کو ترجیح دینا میری ہمت سے باہر ہے، تم خود جس کو چاہو اختیار کرلو، اُس کے بعد آپ نے کسی بھی بزرگ کے اوراد کو ترجیح نہ دے کر دونوں ہی اکابر کے تلقین کردہ اوراد ومعمولات شروع کردیے، اور اپنے مرشد فقیہ الامت نوراللہ مرقدہٗ کو اس عمل کی اطلاع کردی، اِس پر حضرت فقیہ الامت نوراللہ مرقدہٗ نے غایت درجہ خوشی کا اظہار فرمایا، اور اس کو جاری رکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

حضرت فقیہ الامتؒ سے خصوصی تعلق اور اجازت بیعت

حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کو حضرت مولانا عبدالحق مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے غایت درجہ تعلق اور انس تھا، اس وجہ سے حضرت ممدوح سے بھی فقیہ الامتؒ خاص تعلق اور محبت فرماتے تھے، اور حضرت کے طرزِ عمل سے اس کا اظہار بھی ہوتا تھا، مگر ظاہری طور سے اَوراد و وَظائف میں حضرت شیخ الاسلام اور حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کی تلقین فرمودہ تسبیحات ہی چلتی رہیں، اور حضرت فقیہ الامتؒ سے اصلاحی تعلق کے باوجود کسی نئے معمول اور وِرد کا اضافہ کافی عرصہ تک نہیں ہوا؛ البتہ حضرت فقیہ الامت کی باطنی اور معنوی توجہات اصلاحی تعلق کے بعد محسوس ہونے لگیں، پھر جس سال حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ نے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل اعتکاف کے اِرادے سے ماہ رمضان میں قیام کا فیصلہ فرمایا، تو ممدوح مولانا اسماعیل مدنیؒ کو بھی ماہ مبارک اپنے ساتھ ڈابھیل گذارنے کا حکم دیا، اور آپ نے ڈابھیل حاضری کا فیصلہ بھی فرمالیا اور حضرت فقیہ الامتؒ سے وعدہ بھی فرمالیا۔

مگر جب آپ نے اپنی والدۂ محترمہ سے اِس وعدے کا اظہار کیا، تو والدہ محترمہ مرحومہ نے اپنی پیرانہ سالی اور ضعف و علالت کی وجہ سے ڈابھیل کے سفر سے روک دیا، جس پر آپ کو بہت افسوس ہوا، مگر والدہ محترمہ کا حکم ٹالنے کے قابل نہ تھا، اور آپ ڈابھیل تشریف نہ لے جاسکے، اور اس کا تحریری معذرت نامہ حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت میں ڈابھیل روانہ کردیا، جس پر حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ نے آپ کے فیصلے پر اظہارِ مسرت فرمایا، اور آپ کے فیصلے کو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ سے مبرہن اور مدلل فرمایا، اور آپ کے فیصلے کی تصویب اور تحسین فرمائی۔

لیکن اس کے بعد والے رمضان میں حضرت فقیہ الامت کا قیام دیوبند تجویز ہوا، تو حضرت والا نے اَز راہ محبت ممدوح سے ارشاد فرمایا کہ والدہ سے دوری کا عذر ہم نے ختم کردیا ہے، اور دیوبند قیام کا ارادہ کرلیا ہے، اس لئے اب آپ کو ماہ رمضان میں ساتھ رہنا ہے، اس طرح آپ

کو پہلی مرتبہ ماہ رمضان میں حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے فیض صحبت سے مستفیض ہونے اور آپ کے ساتھ رمضان گذارنے کا موقع ملا، اور پورے مہینہ اعتکاف کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ نے دوسرے روزے کو خلوت میں بلا کر آپ کے لباس علی گڈھی پائجامہ، قمیص، گاندھی کیپ نما ٹوپی پر نکیر فرمائی، اور اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ صلحاء کا لباس ہے، اس کو اختیار کریں، اِس پر آپ نے لباس کی تبدیلی کا عزم مصمم کرلیا۔

اس کے بعد دوازدہ تسبیحات کی تلقین فرمائی اور اصلاحی تعلق قائم ہونے کے بعد یہ دوسرا سبق حضرت فقیہ الامتؒ کی جانب سے ملا، اور اُسی دن ظہر کے بعد اِس کا وِرد شروع کر دیا، ابھی اس ورد کو کرتے ہوئے بیس ہی دن گذرے تھے کہ ۲۴؍ رمضان المبارک کو بعد نماز ظہر دورانِ ذکر محسوس ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ذاکرین کے درمیان سے گذر رہے ہیں، اور ممدوح کی طرف تشریف لا رہے ہیں، اس وقت آپ دوسری صف میں داہنی جانب بیٹھے ذکر کر رہے تھے، ہر دو بزرگ آپ کے پاس تشریف لائے، اور دونوں نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ایک پیالہ دودھ آپ کو پلایا اور تشریف لے گئے، اس وقت آپ کے قلب کی کیفیت بدل گئی، صبح ۲۳؍ رمضان المبارک کو آپ نے اس واقعہ کا تذکرہ حضرت فقیہ الامتؒ سے کیا، تو حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً بطور مزاح فرمایا کہ تمہارا روزہ نہیں ٹوٹا اور اُس کے بعد فرمایا کہ کوئی اللہ کا بندہ تم سے اللہ کا نام پوچھے تو اُس کو بتا دینا، جس کی وجہ سے آپ کے قلب پر عجیب خشیت اور خوف کی کیفیت طاری ہوئی۔

اس کے بعد دن میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور افریقی مدظلہ نے ارشاد فرمایا: مبارک ہو خلافت مل گئی، اور حضرت فقیہ الامتؒ کی طرف سے عطا فرمودہ ایک جوڑی کپڑے کرتا، پائجامہ، ٹوپی عنایت فرمائی، جس کو آپ نے عید کے دین زیب تن فرما کر تبدیلی لباس کے حکم کی تعمیل فرمائی، اور پھر تمام کپڑے حضرت فقیہ الامتؒ کے عطا فرمودہ لباس کے

مطابق تیار کرائے، پھر پوری زندگی اسی صالحین کے لباس میں گذار دی۔

خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

علالت وفات اور تدفین

زندگی کے آخری ایام آپ نے پیرانہ سالی اور ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اپنے دولت کدہ پر ہی گذار دیئے، اِدھر چند ماہ سے آپ کافی بیمار تھے، وفات سے چند روز قبل بغرض علاج مظفرنگر ایک پرائیویٹ نرسنگ ہوم میں داخل کیا گیا، بالآخر وقت موعود آچکا تھا، اور اپنی حیات مستعار کے ایام مکمل کر کے ۱۸؍ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۴؍اکتوبر ۲۰۱۴ء دوشنبہ کا دن مکمل کر کے منگل کی رات میں تہجد کے وقت رات کے تین بجے آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

صبح نماز فجر کے بعد دارالعلوم کے مائک سے آپ کی وفات کا اعلان کیا گیا، اور عوام و خواص کے ساتھ حلقہ دارالعلوم اور اس کے اکابر و اساتذۂ کرام نے آپ کے انتقال کو شدت سے محسوس کیا، تمام ہی اساتذۂ کرام دارالعلوم دیوبند، اساتذۂ کرام وقف دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس کے ذمہ داران نے آپ کے دولت کدے پر جا کر جسد خاکی کا دیدار کیا۔

راقم السطور بھی اتفاق سے دیوبند میں موجود تھا، اور احقر کو بھی آخری دیدار کی سعادت حاصل ہوئی، صبح ساڑھے گیارہ بجے جنازہ احاطہ دارالعلوم دیوبند میں لایا گیا، اور استاذ محترم امیر الہند حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی امامت میں دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران، اکابرین، اساتذہ، طلبہ اور عمائدین شہر اور عوام الناس نے بھاری تعداد میں نماز جنازہ ادا فرمائی اور قبرستان قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پسماندگان

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، دو صاحبزادے محمد انس اور زبیر احمد، تین صاحبزادیاں اور ہزاروں تلامذہ و رشتہ دار اور متعلقین ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام ہی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کو کروٹ کروٹ چین اور سکون نصیب فرمائیں، آمین۔

بڑے صاحبزادہ محمد انس نے دنیاوی تعلیم میں اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں اور اپنا کام بخوبی انجام دے رہے ہیں، چھوٹے صاحبزادے محمد زبیر ماشاء اللہ حفظ اور تجوید کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے باضابطہ فارغ التحصیل ہیں اور مکتبہ مدنیہ چلاتے ہیں، ماشاء اللہ دونوں ہی صاحبزادوں کو رب ذوالجلال نے دینی شکل وصورت، دینی پوشاک کے ساتھ دینی ذہن اور دینی مزاج بھی عطا فرمایا ہے، دنیوی ٹیپ ٹاپ اور فیشن سے دونوں ہی متنفر اور بعد رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۵ء)

حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب مفتاحیؒ

دارالعلوم امدادیہ رائے چوٹی آندھرا پردیش کے ناظم اعلیٰ اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۳؍ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۳۰؍اگست ۲۰۱۴ء بروز ہفتہ اپنے وطن بنگلور میں معمولی علالت کے بعد وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نہایت فعال، مخلص اور انتہائی جفاکش شخص تھے، رائے چوٹی اور اس کے اطراف میں اشاعتِ دین کے لئے آپ کی قربانیاں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

آپ ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب بنگلوری کی نگرانی میں حاصل کی، پھر ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۴ء تک جلال آباد میں مقیم رہ کر مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی سرپرستی میں دورۂ حدیث شریف اور افتاء سے فراغت حاصل کی، اور پھر ۱۹۶۵ء سے تادم آخر دینی خدمات میں لگے رہے۔

اس کے بعد ۱۹۹۱ء سے فاضل نوجواں مولانا مفتی سید محمد معصوم ثاقب صاحب دارالعلوم امدادیہ رائے چوٹی میں حضرت فدائے ملتؒ کے حکم پر مقرر کئے گئے، اور ان دونوں حضرات نے مدرسہ کو ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا، **فجزاهم اللّٰه تعالىٰ احسن الجزاء**۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۴ء)

حضرت مولانا سید نفیس اکبر صاحبؒ

جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کے شیخ الحدیث، دارالعلوم دیوبند کے ممتاز اور قدیم فاضل، شیخ الاسلام حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید نفیس اکبر صاحب رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۱/ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۷/ستمبر ۲۰۱۴ء بروز اتوار کو مختصر علالت کے بعد وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف واقعی نمونۂ اسلاف تھے، انتہائی سادگی، بے تکلفی اور یکسوئی کے ساتھ پوری عمر گذاری، تعلیم وتعلم میں ہمہ تن مشغول رہے، اور اپنے دائرہ میں رہ کر خلق خدا کی خدمت سے بھی گریز نہ کیا۔

عارف اللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کے آپ دستِ راست تھے، جامعہ عربیہ ہتھورا کو ترقی دینے میں آپ کی بے مثال قربانیاں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کی بال بال مغفرت فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

ادارہ ندائے شاہی بالخصوص آپ کے صاحبزادگان حضرت مولانا سید محمد طلحہ صاحب اور مولانا مفتی سید حذیفہ صاحب اور جمیع متعلقین کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۴ء)

آہ! ڈاکٹر ابوعدنان سہیلؒ

مولانا محمد نوید اختر قاسمی مدرسہ قاسم العلوم بہیڑی ضلع بریلی

قصبہ بہیڑی ضلع بریلی کے نامور، نرم دل، صاحب ورع وتقویٰ بزرگ جناب ڈاکٹر ابوعدنان سہیل ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۶ء میں ایک مردم خیز قصبہ بہیڑی ضلع بریلی کے دینی اور علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، والد محترم جناب الحاج مولانا حکیم حبیب احمد صاحبؒ مظاہری ایک جید عالم اور اپنے علاقہ کے مشہور ومعروف طبیب تھے، جو زمانۂ طالب علمی میں محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سابق امیر جماعت تبلیغ کے ہم درس وساتھی تھے۔ دینی شعور وجذبۂ حق پسندی ڈاکٹر ابوعدنان سہیل صاحب کو ورثہ میں ملی تھی، آپ کے نانا محترم جناب مولانا عبداللہ صاحبؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ گذشتہ ۱۹ر ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۲ر اکتوبر ۲۰۱۴ء بروز پیر دہلی کے آل انڈیا ہسپتال میں تقریباً پندرہ دن تک کثرت سے بیمار رہنے کی وجہ سے اپنے رب حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نہایت غریب پرور، شفیق، خیرخواہ ڈاکٹر تھے، ڈاکٹری پیشے کے ساتھ ساتھ آپ کو علم دین کی تحصیل، تبلیغ واشاعت کا بے حد شوق تھا، جب تک آپ کی صحت رہی، موقع بموقع علماء دیوبند سے خصوصی ملاقاتیں کیا کرتے تھے، دارالعلوم دیوبند اکثر جایا کرتے، ڈاکٹر صاحب کی زندگی ”كُنْ فِيْ الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ“ (دنیا میں مسافر کی طرح رہو) کی عملی تعبیر تھی، جو بھی آپ سے ملنے جاتا آپ کو اور آپ کے اِردگرد کے ماحول کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا اندازہ لگا سکتا تھا، آپ اَوراد ووظائف اور تلاوتِ قرآنِ کریم کے بے حد مشتاق تھے، دن رات کے اکثر

اوقات قرآنِ کریم کی تلاوت میں گذارتے تھے، گذشتہ سال سے سانس کے مریض ہونے کے باوجود عبادت وذکر واذکار میں کمی نہ آنے دی، صبر وشکر کا دامن ہمیشہ تھامے رہے، اللہ کی توحید کے علم بردار تھے، اور مسلمانوں میں پھیلی بدعات کو دیکھ کر رنجیدہ رہتے، امت محمدیہ کی دین سے دوری اور بے راہ روی کو دیکھ کر بے چین رہا کرتے اور دلی کڑھن کا اظہار فرماتے، الغرض آپ بہت سی خصوصیات کے حامل تھے۔

ڈاکٹر ابوعدنان سہیل کا اصلی نام افتخار احمد بن حبیب احمد تھا؛ لیکن عرصۂ دراز سے علمی اور ادبی دنیا میں سہیل آزر کے قلمی نام سے مشہور ومعروف ہوئے، اس نام سے ڈاکٹر صاحب نے بہت سے علمی وتحقیقی مقالات اور دینی وطبی موضوعات پر مضامین لکھے، ڈاکٹر ابوعدنان سہیل صاحب ایک طویل مدت تک اگرچہ اپنے قلمی اور ادبی نام سہیل آزر سے ہی علمی اور ادبی حلقوں میں متعارف رہے، مگر آپ نے حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مشورہ وہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے قلمی نام کے آگے سے آزر کا لاحقہ دینی اعتبار سے محل نظر ہونے کی بنا پر حذف کردیا، اور ابوعدنان سہیل کے نئے قلمی نام سے آپ کی تصنیفات منظر عام پر آنے لگیں، دینی موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی ایک وقیع علمی اور تحقیقی کاوش ''بریلویت طلسم فریب یا حقیقت'' جو پندرہ سال قبل دارالعلوم دیوبند کی شیخ الہند اکیڈمی نے بڑے اہتمام سے شائع کی تھی، اس عرصہ میں اپنی افادی حیثیت کی بنا پر الحمدللہ مقبولیت کا ریکارڈ قائم کرچکی ہے، اس سے قبل ڈاکٹر صاحب کی ایک اور وقیع علمی تصنیف ''انکارِ رجم ایک فکری گمراہی'' دیوبند سے شائع ہوکر علمی اور دینی حلقوں میں بے پناہ مقبولیت اور پذیرائی حاصل کرچکی ہے، جس کے مقدمہ نگاروں میں حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارک پوریؒ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری محدث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے اندازِ تحریر اور ژرف نگاہی کا

اعتراف مولانا انظر شاہ کشمیریؒ اور مؤرخِ اسلام قاضی اطہر مبارک پوریؒ جیسی عبقری اور معتمد ہستیوں نے بھی کیا ہے۔

آپ کی قابل قدر کتابیں:- بریلویت طلسم فریب یا حقیقت، بریلویت کا ذہنی سفر، اختلافِ امت کی فکری بنیادیں، شاہراہِ ضلالت کی ذہنی منزلیں، اذکارِ تصوف اور تزکیہ نفس ایک تجزیاتی مطالعہ، حدیث نجد اور فتنۂ نجدیت ایک تحقیقی جائزہ، موضوع اور ضعیف احادیث کے محرکات وبرگ وبار، اسلام میں بدعت وضلالت کے محرکات، سعودی عرب کے دارالسلطنت ریاض، بنگلہ دیش، پاکستان وہندوستان سے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی ہیں، جو نہ صرف علمی؛ بلکہ صوری اور معنوی اعتبار سے بھی ایک منفرد مقام رکھتی ہیں، ڈاکٹر صاحب نے قلم کے ذریعہ بہیڑی اور اس کے قرب وجوار میں پھیلنے والی تمام شرک وبدعات کا دنداں شکن جواب دیا۔

ڈاکٹر صاحب کی وفات کی خبر سن کر بہیڑی میں ماتم کا ماحول ہو گیا، ۱۳؍اکتوبر ۲۰۱۴ء بروز پیر بعد نماز عصر آپ کو شہری قبرستان میں والد صاحب حکیم حبیب احمدؒ کے برابر میں دفن کیا گیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو دین کی خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے، آپ کی بال بال مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

پسماندگان:- آپ کے پسماندگان میں زوجہ، چار بیٹے، محمد مظہر دانش، محمد فرخ سہیل، محمد فیصل ندیم، محمد کاشف عدنان اور تین بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۴ء)

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب منوبریؒ

جامعہ عربیہ اسلامیہ دار العلوم محمود نگر کنتھاریہ بھڑوچ کے عالی مقام مہتمم اور صوبۂ گجرات کے بافیض عالم دین حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب منوبری نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۱۶؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰؍نومبر ۲۰۱۴ء بروز پیر کو وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے زاہد و متقی، فکرمند اور دردمند، نرم خو، نرم دل اور نہایت باہمت اور فعال عالم دین تھے، دار العلوم کنتھاریہ کو بامِ عروج تک پہنچانے میں مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، جس وقت (۱۹۷۹ء) میں آپ نے مدرسہ کا نظم و نسق سنبھالا، تو مدرسہ میں صرف تین سو طلبہ داخل تھے، جب کہ آج ڈھائی ہزار طلبہ یہاں شروع سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک حاصل کر رہے ہیں، اور اس مدرسہ کا شمار گجرات کے قابل اعتماد اور مرکزی اداروں میں ہوتا ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۹۲۸ء میں منوبر میں ہوئی، ابتدائی تعلیم کے بعد جامعہ حسینیہ راندیر میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۱ء میں فراغت حاصل کی، بعد ازاں اپنے وطن منوبر کے مکتب میں خدمت انجام دینے لگے، اور علاقہ میں شرک وبدعت کے خلاف تجدیدی کارنامے پوری ہمت سے انجام دئے، ۱۹۷۱ء میں انگلینڈ تشریف لے گئے اور شہر ''بلیک برن'' کی مسجد ''توحید الاسلام'' میں تقریباً آٹھ سال امامت وخطابت کے فرائض انجام دئے، اس کے بعد اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد آدم منوبری سابق مہتمم کنتھاریہ کی وفات کے بعد اہل تعلق کے اصرار پر ہندوستان تشریف لائے اور دار العلوم کنتھاریہ کی ترقی کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا، **فجزاهم اللّٰه تعالیٰ أحسن الجزاء۔**

آپ نے ملک کے طول وعرض میں ہزاروں مکاتب قرآنیہ قائم فرمائے، دسیوں مقامات پر مساجد کی تعمیر میں حصہ لیا، اور ہزاروں مدارس کی سرپرستی فرمائی، دینی پروگراموں اور مدارس کے جلسوں میں شرکت کے لئے آپ طول طویل اسفار فرماتے اور ہر علاقہ کے کام کرنے والے

علماء کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، احیاء سنت اور دعوت وتبلیغ کے حامی اور بدعات ورسومات اور منکرات کے سخت مخالف تھے، تقریری اور تحریری ہر اعتبار سے امت کی رہنمائی کی کوشش فرماتے تھے، آپ نے دارالعلوم کنتھاریہ میں نشر واشاعت کا شعبہ قائم فرمایا اور اس کے تحت تقریباً پانچ سو کتب ورسائل اردو اور گجراتی میں شائع فرمائے۔

آپ کی طبعیت میں نرمی بہت زیادہ تھی، کوئی بھی شخص آپ کے پاس بلا روک ٹوک جا کر اپنی بات پیش کرتا اور آپ اس کے لئے ہم دردی میں کوئی کمی نہ فرماتے، مدرسہ کے مال میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے، اور سرمایہ دار حضرات سے استغناء کا معاملہ فرماتے تھے۔

عرصہ سے پیرانہ سالی کی وجہ سے ضعف ونقاہت کا سلسلہ تھا، مدرسہ کے امور بھی زیادہ تر آپ کے صاحب زادے بھائی خالد صاحب، حاجی عبدالحق صاحب اور مولانا عبدالصمد کاوی صاحب کے سپرد فرمادئے تھے، بالآخر وقت موعود آ پہنچا، اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن رات میں سوا دس بجے دارالعلوم کنتھاریہ میں آپ کے صاحب زادے مولانا مفتی عبدالصمد صاحب ناظم دارالعلم والہدیٰ بلیک برن برطانیہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، ہزاروں علماء، طلبہ اور عوام وخواص نے جنازہ میں شرکت کی، اور آپ کو اپنے وطن ''منوبر'' کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ **رحمه الله تعالیٰ رحمةً واسعةً.**

راقم الحروف (مرتب) سے مولانا موصوف خاص شفقت کا معاملہ فرماتے ۱۹۹۲ء سے لے کر ۲۰۱۴ء تک دسیوں مرتبہ موصوف کے حکم اور خواہش پر دارالعلوم کنتھاریہ کے پروگراموں میں شرکت ہوتی رہی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں، آپ کی دینی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، اور آپ کے سینچے ہوئے گلشن کو ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۴ء)

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب شاہجہاں پوریؒ

مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری اُستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

یہ دنیا فانی ہے، یہاں ہر شئی کو فناء ہونا ہے، اس خاک ارضی نے بڑے بڑے بادشاہ، سلاطین اور صاحب کمال انسانوں حتیٰ کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو بھی اپنا پیوند بنالیا ہے روزانہ ہی انسان پیدا ہوتے ہیں اور روزانہ ہی مرتے ہیں، بعض مرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اُن کے مرنے کا کسی کو غم نہیں ہوتا، اور بعض مرنے والے اپنے اعزہ، اقارب اور کنبہ والوں کو ہی نہیں؛ بلکہ بے شمار انسانوں کو رلا کر جاتے ہیں اور عرصۂ دراز تک ان کے جانے کا غم اور خلاء محسوس ہوتا ہے، انہی عبقری شخصیات میں ہمارے محترم اور مؤقر استاذ حضرت اقدس مولانا عبدالغنی صاحب شاہجہاں پوریؒ کی ذات بھی ہے، جن کا ذکر جمیل درج ذیل سطور میں کیا جارہا ہے۔

نام اور ولادت

آپ کا اسم گرامی عبدالغنی ہے اور والد بزرگوار کا نام مولانا قاری محمود علی صاحب نوراللہ مرقدہٗ جن کو عام طور سے بڑے مولانا کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، ۳۰؍اکتوبر ۱۹۴۲ء کو بڑے مولانا کے گھر میں مولانا عبدالغنی صاحبؒ کی ولادت ہوئی۔

مولانا قاری محمود علی عرف ''بڑے مولانا''

مولانا قاری محمود علی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا ہندوستان کے نامور اور مشہور علماء کرام میں شمار ہوتا ہے، دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں آپ بلند پایہ عالم دین ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد رشید اور فقیہ الامت مرشدی

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سابق مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کے ہم درس تھے۔ دار العلوم دیوبند سے ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۵۰ء میں فارغ ہوئے، فراغت کے بعد متعدد مدارس میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں، ضلع مظفر نگر کی مشہور بستی خانجہاں پور میں طویل عرصہ تک پڑھایا اور خاندان سادات کے بچوں کے اتالیق رہے، جب یہاں کے طلبہ تعلیم میں آگے بڑھے اور دار العلوم دیوبند میں داخلہ کے قابل ہوئے تو خانجہاں پور کے سادات بزرگوں نے اپنے بچوں کے ساتھ بڑے مولانا کو بھی دار العلوم دیوبند بھیجا اور دار العلوم کی انتظامیہ سے یہ درخواست کی کہ اسباق کی ترتیب دار العلوم اس طرح قائم کرے کہ ہمارے بچوں کے اسباق زیادہ تر بڑے مولانا کے ذمہ رہیں، نیز طلبہ اوران کے اتالیق کی رہائش کے لیے ''رفیع منزل'' کے نام سے ایک عمارت تعمیر کرائی اور مولانا کی تنخواہ اور طلبہ کا خرچ خانجہاں پور سے جاری رہا۔

جب خانجہاں پور کے طلبہ دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تو بڑے مولانا کا تقرر مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ ہوگیا، اور اٹھارہ سال تک مدرسہ خادم الاسلام میں تدریسی خدمات انجام دیں اور مدرسہ کے حلقہ اثر کی توسیع کے لیے ملک میں اسفار فرمائے، خادم الاسلام قیام کے دوران ہی خانجہاں پور کے دیگر بچوں نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ خانجہاں پور کے موجودہ تمام بزرگ آپ ہی کے تلامذہ ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں نینی تال سفر کے دوران آپ کا وصال ہوا۔ جنازہ بذریعہ کار جامع مسجد ہاپوڑ لایا گیا اور نماز جنازہ کے بعد قبرستان عیدگاہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے انتقال پر مولانا قاری مشتاق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹی اور بڑی بحروں میں دو مرثیہ کہے ہیں۔

مولانا عبد الغنی کی تعلیم وتربیت

آپ کی تعلیم کی ابتداء شاہجہاں پور سے ہوئی، چنانچہ جہاں اولاً میونسپلٹی کے اسکول میں پرائمری کی تعلیم حاصل کی اور مدرسہ رحمانیہ شاہجہاں پور میں حافظ عبد اللہ صاحب سے قرآن کریم پڑھا پھر مدرسہ سعیدیہ جامع مسجد شاہجہاں پور میں عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں ہدایۃ النحو، علم

الصیغہ، مرقاۃ تک پڑھیں، شاہجہاں پور کے عربی کتابوں کے اساتذہ میں مولانا مصباح الحسن علی گڈھ، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ والد ماجد مولانا مفتی انعام اللہ صاحب مدظلہ صدر مفتی مدرسہ امدادیہ مرادآباد بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مدرسہ خادم الاسلام جامع مسجد ہاپوڑ میں داخلہ

شاہجہاں پور تعلیم کے دوران ہی آپ نے اپنے والد ماجد مولانا قاری محمود علی صاحبؒ کو (جو اس زمانہ میں مدرسہ خادم الاسلام میں کامیاب مدرس تھے) خط لکھا اور ہاپوڑ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، پھر والد ماجد نوراللہ مرقدہٗ نے ہاپوڑ تعلیم حاصل کرنے کے لیے جوابی خط میں شرائط تحریر فرمائیں، پھر آپ نے دوسرے مکتوب میں وہ تمام شرائط منظور فرمائیں۔ اس طرح ۱۹۵۹ء میں مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں آپ کا داخلہ ہوا، اور ۱۹۵۹ء-۱۹۶۰ء مکمل دو سال آپ نے مدرسہ خادم الاسلام میں کافیہ، شرح جامی وغیرہ تمام درسی کتابیں پوری محنت اور جانفشانی سے پڑھیں، نیز والد ماجد سے تمام کتبِ سابقہ کو دوبارہ باقاعدہ سبق کے طور پر پڑھا۔

مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے اساتذۂ کرام میں والد محترم کے علاوہ بطور خاص مولانا قاری مشتاق احمد صاحب بلندشہری نوراللہ مرقدہٗ سابق شیخ الحدیث وصدرالمدرسین مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ، حضرت مولانا باقر حسین صاحب بستوی نوراللہ مرقدہٗ سابق مہتمم مدرسہ امدادیہ مرادآباد- جو اس وقت مدرسہ خادم الاسلام میں مدرس تھے- بطور خاص قابل ذکر ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

۱۹۶۱ء میں آپ کا دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوا، یہاں آپ نے ۱۹۶۱ء-تا-۱۹۶۴ء مکمل چار سال تعلیم حاصل کی، اور مکمل محنت اور جد وجہد کے ساتھ مختصر المعانی، سلم العلوم سے لے کر دورۂ حدیث تک درس نظامی کی تمام کتابوں کو پڑھا، جنوری ۱۹۶۵ء میں فراغت ہوئی۔

آپ کے رفقاء درس میں امیر الہند حضرت الاستاذ مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب

منصور پوری مدظلہ العالی صدر جمعیۃ علماء ہند واُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذۂ کرام

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں علوم نبوت کے جن آفتاب و ماہتاب سے آپ نے کسب فیض کیا ان میں فخر المحدثین مولانا سید فخرالدین صاحب مرادآبادیؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، جامع المعقول والمنقول امام المنطق والفلسفہ حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سابق صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شیخ التفسیر مولانا سید فخرالحسن مرادآبادیؒ، مولانا سید شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ، مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ، مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلندشہریؒ، مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ، مولانا سید اختر حسین صاحب عرف میاں جی، مولانا محمد حسین صاحب بہاری، مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاپ گڑھی، مولانا قاری احمد میاں صاحب صاحبزادۂ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی صاحبؒ۔

درس وتدریس

درس نظامی اور تمام علوم متداولہ سے فراغت کے بعد آپ نے تدریسی میدان میں قدم رکھا اور تدریس کی ابتداء مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر سے ہوئی، یہاں صرف ۲۸؍دن آپ کا قیام رہا، پھر آپ کے اساتذۂ کرام خاص طور سے حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ نے آپ کو دارالعلوم کامٹی ضلع ناگپور صوبہ مہاراشٹر بھیج دیا، وہاں آپ نے سال ششم تک درس نظامی کی متعدد کتابیں پڑھائیں یہاں آپ کا قیام ۶؍سال رہا۔

اس کے بعد آپ کا تقرر مدرسہ مدینۃ العلوم ناگپور میں ہوگیا، حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے خلف الرشید مولانا سید

احمد صاحبؒ اس مدرسہ کے روح رواں تھے، یہاں بھی آپ نے فنون کی متعدد کتابیں پڑھائیں، یہاں آپ نے ۳؍سال قیام فرمایا۔ اس کے بعد مدرسہ قاسمیہ جامع مسجد نگینہ ضلع بجنور میں دو سال تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد مدرسہ رشیدیہ پہانی ضلع ہردوئی میں پانچ سال اہتمام کے فرائض انجام دیئے، اس کے بعد مدرسہ نورالاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ میں مختصر قیام کیا۔ اس کے بعد جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی ضلع رام پور میں آپ کا تقرر رہوا، یہاں آپ کا دوسال قیام رہا۔ اس ادارہ میں آپ نے بیضاوی شریف، جلالین شریف، مختصر المعانی، مقامات، سلم العلوم، ہدایہ ثانی، شرح تہذیب، قطبی، سراجی، قدوری وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔ راقم السطور نے بھی اس ادارہ میں حضرت والا سے شرح تہذیب، قطبی، تصدیقات اور سراجی پڑھی ہے۔ شرح تہذیب، قطبی باضابطہ درس میں ترتیب سے پڑھی اور سراجی دوسری جماعت کے طلبہ کے ساتھ شامل ہوکر خارج میں پڑھی، جب کہ احقر سال سوم کا طالب علم تھا۔

مدرسہ امدادیہ میں تقرر

شوال ۱۴۰۲ھ میں آپ کا تقرر مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں عمل میں آیا، یہ تقرر آپ کے مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے دور طالب علمی کے مؤقر اُستاذ حضرت مولانا باقر حسین صاحب سابق مہتمم مدرسہ امدادیہ مرادآباد کی خصوصی توجہ کی بنیاد پر ہوا، موصوف آپ کی اعلیٰ درجہ کی درسی صلاحیتوں سے مکمل طریقہ سے واقف تھے۔ مدرسہ امدادیہ میں آپ کا قیام ۳۱؍سال کے طویل عرصہ کو محیط رہا۔ یہاں آپ نے تیسیر المبتدی، فارسی کی پہلی، تعلیم الاسلام سے لے کر تمام ہی درس نظامی کی کتب بشمول ہدایہ اولین وآخرین مکمل، طحاوی شریف، شمائل ترمذی، نسائی شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، بخاری شریف کا درس دیا اور ایک کامیاب مدرس اور مشفق استاذ کی حیثیت سے آپ متعارف رہے۔

مدرسہ امدادیہ الٰہ آباد بورڈ سے ملحق اداروں میں شمار ہوتا ہے، اس کے تحت آپ درجہ علیا کے طویل عرصہ استاذ رہے اور آخر میں صدرالمدرسین (پرنسپل) کے منصب تک ترقی ہوئی، پھر

آپ کو پینشن ہوگئی، مدرسہ امدادیہ میں آپ سرکاری پینشن سے استفادہ کرنے والے سب سے پہلے استاذ تھے۔ پینشن کے بعد آپ کافی عرصہ تک تدریسی مشغلہ سے اسی ادارہ میں وابستہ رہے، پھر بعض ناگزیر حالات اور علالت و بیماری کی وجہ سے اپنے وطن اصلی پہانی منتقل ہوگئے۔

اس کے بعد حضرت مولانا معاذ الاسلام صاحب مدظلہ کے حددرجہ اصرار پر تقریباً ٦/ماہ مدرسہ البنات لال پور سنبھل روڈ مرادآباد میں بھی آپ نے بخاری شریف اور ہدایہ وغیرہ کا درس دیا۔ مگر آپ کی علالت اور بیماریوں نے اس مشغلہ کو آگے جاری رکھنے کی اجازت نہ دی اور زندگی کے آخری لمحات اپنے وطن پہانی ضلع ہردوئی میں مکمل کیے۔

اس طرح تقریباً ۴۹/سال آپ تدریسی مشغلہ سے وابستہ رہے، اس زمانہ میں آپ سے بے شمار تلامذہ نے استفادہ کیا اور آپ کے تلامذہ کے ذریعہ آپ کا فیض دنیا کے بڑے حصہ میں جاری ہے، جو یقیناً آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہے۔

عادات واخلاق اور خصوصیات

آپ مضبوط اور ٹھوس صلاحیت کے مالک تھے، تمام ہی فنون پر آپ کو دسترس اور مکمل عبور حاصل تھا، اندازِ تفہیم انتہائی شستہ اور سادہ تھا، آپ کا درس ہر طالب علم آسانی سے سمجھ جاتا تھا، معاملات کی صفائی، خوش اخلاقی اور ملنساری آپ کا وصف خاص تھا، نام ونمود اور شہرت سے آپ کو بعد تھا، بہت سے لوگ آپ کو نام سے پہچانتے تھے مگر شکل سے غیر متعارف تھے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الجبار صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد مدرسہ شاہی کو ایک مضبوط، ٹھوس صلاحیت واستعداد کے حامل تجربہ کار استاذ کی تلاش تھی، مدرسہ امدادیہ کے ایک دوسرے استاذ جو مہتمم مدرسہ شاہی کے حاضر باش تھے، ان کے نام کے ساتھ ممدوح کا نام مہتمم صاحب کے سامنے آیا تو مہتمم صاحب نے حاضر باش استاذ کے بارے میں فرمایا کہ وہ تو مناسب نہیں ہیں؛ البتہ ممدوح کے بارے میں فرمایا کہ ان سے گفتگو کرلو، اگر وہ تشریف لے آئیں تو ان کا استقبال ہے، مگر حضرت ممدوح نے

مدرسہ امدادیہ کو چھوڑ کر شاہی جانا پسند نہیں کیا۔

حضرت ممدوح مدرس کے لئے جلسہ، جلوس میں شرکت کے بھی قائل نہ تھے،، اور فرماتے تھے کہ کامل استاذ وہی ہے جو اپنے تمام اوقات درس وتدریس میں صرف کرے، الغرض بے شمار خوبیاں آپ کی ذات کے اندر موجود تھیں جن کو قیدِ تحریر میں لانا دشوار ہے۔ مطالعہ اور کتب بینی آپ کی خوراک تھی۔ بوجہ علالت طبع، ضعف ونقاہت تدریسی مشغلہ سے سبک دوشی کے بعد بھی مطالعہ اور کتب بینی کا معمول برابر جاری رہا اور کبھی اس میں تخلف نہیں ہوتا تھا۔ ع:

خدا بخشے بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

وفات اور تدفین

علالت اور بیماری تو آپ کو لاحق ہی تھی، مگر تمام معمولات جاری تھے، انتقال کے دوران بھی اگرچہ طبیعت معمول سے کچھ زیادہ خراب تھی، مگر پنجوقتہ نمازوں کی ادائیگی، واردین وصادرین سے ملاقات، طعام وقیلولہ وغیرہ سب کچھ حسبِ معمول تھا، مغرب کی نماز گھر پر ادا فرمائی، مگر عشاء کی اذان کے بعد نماز سے پہلے آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور چند لمحات ہی میں آپ کی روحِ سعید مؤرخہ ۷؍دسمبر ۲۰۱۴ء مطابق ۱۴؍صفر ۱۴۳۳ھ شب دوشنبہ قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انتقال والے دن اہل خانہ کو کچھ نصائح بھی فرمائیں، اپنے صاحبزادہ مولانا عبدالباری مدظلہ سے فرمایا کہ میرے انتقال کی خبر زیادہ دور دراز لوگوں کو نہ دینا کہ وہ دقت اور تکلیف محسوس کریں گے اور بعد میں سب کو معلوم ہو ہی جائے گا اور جنازہ کی نماز کے لئے جو وقت مقرر ہو اس میں بالکل تاخیر نہ کرنا؛ چنانچہ حسبِ وصیت اس کی تعمیل کی گئی۔

راقم السطور سے غایت درجہ تعلق رکھتے تھے، اس لئے اہل خانہ نے انتقال کے تقریباً آدھے گھنٹہ کے بعد ہی خبر دی اور میں نے سخت سردی کے باوجود رات ہی میں سفر کر کے آخری دیدار، نماز جنازہ، غسل وکفن وغیرہ اعمال میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ ٹھیک گیارہ بجے صبح

مولانا عبدالباری کی اقتداء میں نماز جنازہ ہزاروں سوگواروں نے ادا کی اور انتہائی غمناک آنکھوں سے آپ کو آخری اور دائمی آرام گاہ پہنچادیا گیا۔ ع

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

پس ماندگان

آپ کے پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ، تین لڑکیاں حمیدہ، مبشرہ، راشدہ، تین صاحب زادگان مولانا عبدالباری، مولانا عبدالہادی، عبدالباقی، پوتے، نواسے، ہزار ہا ہزار شاگردان اور متعلقین ومحبین ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبھی کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت الاستاذ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ مرقد مبارک پر نور کی بارش نازل فرمائے، آمین۔

متفرقات:

مولانا قاری محمد قاسم انصاری بھوپالیؒ

موصوف کافی عرصہ تک مدراس کی مرکزی مسجد پری میٹ کے امام وخطیب رہے، اور اپنی بہترین تلاوت اور تفسیر قرآنِ کریم کی بنا پر شہرت وقبولیت کے مقام پر پہنچے، مزاج میں نرمی اور شگفتگی آپ کا امتیاز تھا، قرآنِ کریم سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا، ۶ رذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲ رستمبر ۲۰۱۴ء بروز منگل کو اپنے وطن بھوپال میں اچانک وفات پائی، اور وفات سے قبل بھوپال کی ایک بڑی مسجد میں ایک گھنٹہ قرآنِ پاک کی تفسیر کی۔ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق رہا، اور موصوف کے مزاج میں وہی رنگ غالب تھا، **رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔**

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۴ء)

جناب مولانا کلیم اللہ صاحب کو صدمہ

ندائے شاہی کے شریک ادارت اور معتمد دارالافتاء جناب مولانا کلیم اللہ صاحب کی اہلیہ محترمہ مؤرخہ ۱۲ رذی الحجہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۸ راکتوبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ کو تین بجے شب میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوفہ ایک مثالی اور دینی مزاج رکھنے والی خاتون تھیں، طویل مدت تک متعدد امراض میں مبتلا ہونے کے باوجود صبر وشکر کا پیکر بنی رہیں، بالآخر وقت موعود آپہنچا اور کم عمری ہی میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر اللہ کے دربار میں حاضر ہوگئیں، **رحمہا اللّٰہ رحمۃ واسعۃ۔**

اس غم کی گھڑی میں اِدارہ ندائے شاہی اور سبھی متعلقین مولانا موصوف کے ساتھ شریک ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو غریق رحمت فرمائیں اور متعلقین کو صبر جمیل سے

نوازیں، اور بچوں کی پرورش کے اسباب عطا فرمائیں، آمین۔ سبھی قارئین سے بھی مرحومہ کے لئے ایصال ثواب اور دعاء کی اپیل ہے۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۴ء)

مولانا مہربان علی صاحب مظفرنگری

مظفرنگر کے مشہور ملی وسماجی خدمت گار جناب مولانا مہربان علی صاحب اواخر ذی الحجہ میں وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نے پوری زندگی جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے دینی وملی خدمات میں صرف کی۔ قوم وملت کی فلاح و بہبود اور پریشان حال لوگوں کی مدد آپ کا خاص مشن تھا۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۴ء)

رفتـــــگاں

۲۰۱۵ء

- حضرت مولانا محمد کامل صاحب گڈھی دولت
- عارف باللہ حضرت مولانا محمد اِدریس صاحبؒ
- حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب بستویؒ
- حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھیؒ
- حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر صاحب ممبئیؒ
- حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ

حضرت مولانا محمد کامل صاحبؒ گڈھی دولت

مغربی یوپی کے معروف اور بافیض بزرگ، سادگی اور تواضع کے پیکر جمیل، جامعہ بدرالعلوم گڈھی دولت کے روحِ رواں حضرت اقدس مولانا محمد کامل صاحب نوراللہ مرقدہٗ گذشتہ ۱۵؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۷؍جنوری ۲۰۱۵ء بروز بدھ کو وصال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسی دن بعد نماز ظہر حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی مدظلہ کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور ہزاروں علماء، طلبہ اور عوام وخواص نے نم آنکھوں کے ساتھ آپ کو سپردخاک کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

مولانا موصوف بڑے جفاکش، متحمل مزاج، مسکین طبیعت اور صاف ستھرے کردار کے حامل انسان تھے، تمام ہی اہل ایمان؛ بلکہ سب انسانوں کے لئے خیرخواہی اور ہمدردی کے جذبات آپ کے دل میں موجزن تھے، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور بڑوں کی تعظیم وتکریم آپ کا خاص وصف تھا، علم دن کی اشاعت اور اصلاحِ امت کے لئے آپ کی پیہم اور مسلسل کوششیں برابر یاد رکھی جائیں گی، اور آپ کا خلا تادیر محسوس کیا جاتا رہے گا۔ مولانا موصوف عموماً ضلع مظفرنگر کے دیہاتوں اور قصبات میں منعقد ہونے والے دینی واصلاحی جلسوں اور مدارس کے پروگراموں میں بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے، اور دین کی خدمت میں لگے ہوئے سبھی خدام کی ہمت افزائی اور قدردانی فرماتے تھے، جلسوں میں آپ کا سادہ اور تکلف سے عاری خطاب (جو عموماً دین کی بنیادی باتوں مثلاً توحید، نماز، روزہ سے متعلق ہوتا تھا وہ) اپنی تاثیر کے اعتبار سے بلاشبہ بڑی بڑی مرصع تقریروں پر بھاری پڑتا تھا۔

مولانا موصوف اپنے استاذِ گرامی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اوران

کے خانوادے کے گرویدہ تھے۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کے خلیفۂ اجل اوران کے معتمد علیہ حضرات میں تھے۔ پوری عمر جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی رکھی اوراس کے پلیٹ فارم سے عظیم سماجی وملی خدمات انجام دیں۔

حضرت مولانا کی پیدائش ۱۹۳۳ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم کاندھلہ ہی میں حاصل کی، عارف باللہ حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم آپ کے خصوصی اَساتذہ میں سے ہیں، اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور ۱۹۵۲ء میں فراغت حاصل کی۔ بخاری شریف حضرت شیخ الاسلامؒ سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

۱۹۶۷ء سے آپ نے جامعہ بدرالعلوم گڈھی دولت کی انتظامی ذمہ داریاں سنبھالی، اور تادم آخر اسی مدرسہ سے وابستہ رہے، آپ کے دورِ اہتمام میں اس مدرسہ نے بے مثال ترقی کی، دورۂ حدیث شریف تک تعلیم کا نظم ہوا، اور علاقہ میں اس مدرسہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔

یہ امر باعث اطمینان ہے کہ آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ العالی نے آپ کی حیات ہی میں ادارہ کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی سنبھال لی تھیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں اوران کے چھوڑے ہوئے تمام کاموں کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۵ء)

عارف باللہ

حضرت مولانا محمد اِدریس صاحبؒ

سیمانچل (بہار) کے مشہور ومعروف مستجاب الدعوات، صاحبِ معرفت بزرگ اور عالم دین عارف باللہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب نور اللہ مرقدہٗ (خلیفہ اجل شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ) گذشتہ ۹ر ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۳۰ر جنوری ۲۰۱۵ء بروز جمعہ کی شب میں رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم انتہائی متواضع، مسکین طبعیت، سادگی پسند، رقیق القلب اور ذاکر وشاغل بزرگ تھے، موصوف بلاشبہ اُن مقدس نفوس میں سے تھے جنہیں دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ورع وتقویٰ اور زہد واِنابت الی اللہ میں آپ کی شخصیت ممتاز تھی، آپ کی راتیں یادِ خدا میں اور دن کے اوقات خدمتِ خلق میں صرف ہوتے تھے، شروع سے ہی تہجد کے پابند رہے، اور آخر شب میں تضرع وزاری کا معمول رہا، رقتِ قلبی ایسی تھی کہ مجمع میں یا تنہائی میں جب بھی دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تو آنکھیں نم ہوجاتیں۔ عموماً علاقے کے جلسے آپ ہی کی صدارت میں منعقد ہوتے، اور جب آپ جلسہ کے آخر میں دعا کراتے تھے تو بے اختیار گریہ وزاری کا ماحول بن جاتا تھا۔

آپ نے پوری زندگی دینی خدمات میں صرف فرمائی، اور اِس راہ میں ہر طرح کی مشکلات برداشت کیں۔ آپ کا اصل وطن تو نوکٹہ ضلع کشن گنج میں ہے؛ لیکن آپ نے قریبی شہر اِسلام پور (ضلع اُتر دیناج پور بنگال) میں اپنے شیخ حضرت مدنیؒ کے نام پر ''مدرسہ حسینیہ''

قائم فرمایا، اہل بدعت نے اس مدرسہ کے قیام میں بہت رکاوٹیں ڈالیں؛ لیکن آپ مضبوطی اور ہمت کے ساتھ اپنے ارادے پر قائم رہے، اور تادم آخر اِس مدرسہ کو ترقی دینے کے لئے کوشاں رہے، چناں چہ الحمدللہ اب یہ مدرسہ روبہ ترقی ہے، اور جہالت وبدعت زدہ آبادی میں سنت اور علم نبوی کی روشنی پھیلا رہا ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

حضرت مرحوم کی پیدائش ۷/اپریل ۱۹۳۴ء مطابق ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ میں آبائی وطن نوکٹہ ضلع کشن گنج بہار میں ہوئی، ابتدائی تعلیم نوکٹہ ہی میں حاصل کی، اس کے بعد فارسی کی تعلیم ''دارالعلوم چنامنا'' اور ''مدرسہ پتیلہ بھاسا'' (یہ دونوں جگہیں نوکٹہ کے قریب ہی واقع ہیں) میں حاصل کی، اس کے بعد آپ نے چند سال عصری تعلیم میں لگائے، بعدازاں ۱۹۴۸ء میں بہار کے مشہور ادارے ''دارالعلوم لطیفی کٹیہار'' میں تین سال گذار کر عربی کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے؛ لیکن دورۂ حدیث شریف کے سال بعض وجوہات کی بنا پر آپ نے دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی چھوڑ کر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخلہ لیا، اور یہیں سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، اس طرح آپ جہاں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، وہیں محدث کبیر حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کا بھی آپ کو شرف حاصل ہوا۔ مدرسہ شاہی سے فراغت کے بعد ۱۹۵۶ء میں آپ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے، اور پوری توجہ کے ساتھ تصوف وسلوک میں کمال حاصل کرنے میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، اور حضرت مدنیؒ کی صحبت ورفاقت کے ساتھ ساتھ حضرت کے بتلائے ہوئے اَوراد ووظائف پابندی کے ساتھ انجام دینے لگے؛ تا آں کہ حضرت مدنیؒ نے وفات سے دو مہینے قبل ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۷ء میں آپ کو خلافت واِجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا، اور آپ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے آخری خلیفہ قرار پائے۔

آپ کو اپنے شیخ اور اُن کے خانوادے سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا، بالخصوص جانشین شیخ

الاسلام حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے تو آپ کو والہانہ عقیدت تھی، حضرت کے بہار کے دوروں میں حتی الامکان آپ ساتھ رہنے کی کوشش فرماتے تھے، اور حضرتؒ بھی آپ کا بے انتہاء خیال فرماتے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند اور اس کی تحریکات اور پروگراموں سے بھی آپ مسلسل وابستہ رہے، اسی طرح سیکڑوں مدرسوں اور مکاتب کے آپ سرپرست رہے، اور علاقے میں دینی پروگرام آپ کی سرپرستی کے بغیر بہت کم ہی منعقد ہوتے تھے۔

اخیر کے چند سال آپ پیٹ کی بیماریوں میں مبتلا رہے، بار بار آپریشنوں کی وجہ سے متعدد عوارض پیدا ہوگئے تھے؛ لیکن کبھی بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے، اور اسی حال میں حتی الامکان خدمتِ دین وملت میں مصروف رہے؛ تا آں کہ وقت موعود آپہنچا، اس وقت آپ بعض متعلقین کی دعوت پر حیدرآباد میں مقیم تھے، وہیں وفات ہوئی، پہلی نماز جنازہ حیدرآباد میں ادا کی گئی، پھر بذریعہ ہوائی جہاز آپ کی نعش آبائی وطن نوکٹہ لائی گئی، اور اگلے دن ایک لاکھ سے زائد افراد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور نم آنکھوں سے سپردِ خاک کیا۔ کہا جاتا ہے کہ قریبی زمانے میں کسی کی وفات پر نماز جنازہ میں اتنا بڑا مجمع نہیں دیکھا گیا، یہ آپ کی مقبولیت عند اللہ وعند الناس کی دلیل ہے۔ نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحب زادے مفتی محمد عیسیٰ ادریس قاسمی نے پڑھائی، اور علاقہ کے ذمہ دار حضرات نے موصوف ہی کو حضرت کا جانشین مقرر کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائے، اور آپ کی خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے، اور حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۵ء)

ایک پیکرِ اخلاق ووفا نہ رہا

(بروفات: ڈاکٹر کلیم عاجز مرحوم)

مولانا ضیاء الحق خیر آبادی، مدرس مدرسہ سراج العلوم چھپرہ، ضلع مئو (یوپی)

آج (۲۵ر ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۵ر فروری ۲۰۱۵ء اتوار) دوپہر میں ایک خبر ملی کہ ''ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب کا صبح ۸ر بجے انتقال ہوگیا۔'' یہ سن کر میں سناٹے میں آگیا، کچھ دیر تو سکتے کی سی کیفیت طاری رہی، میں نے بے یقینی کی کیفیت میں ان کے موبائل نمبر پر کال کی تو ان کے خادم نے اس کی تصدیق کردی تو رہی سہی امید دم توڑ گئی اور زبان دیر تک تلقین ربانی انا للہ کا ورد کرتی رہی اور ان کے لئے دعا مغفرت کے کلمات زبان پر جاری رہے۔ ابھی دو تین روز پہلے ان سے فون پر بات ہوئی تھی وہ حرمین شریفین اور امریکہ کے ساڑھے چار ماہ کے طویل دورے کے بعد ابھی ۲۴ر جنوری کو واپس آئے تھے، میں نے کہا کہ میں ۱۴ر فروری کو دہلی جارہا ہوں واپسی کا ٹکٹ ۱۸ر فروری کا بنوا کے جمعرات کی صبح آپ کے در دولت پر حاضر ہوتا ہوں، کہنے لگے کہ ٹھیک ہے میں ہزاری باغ اور دھنباد جارہا ہوں میں بھی جمعرات کی صبح آجاؤں گا۔ ان کے خادم سے اتنا معلوم ہوا کہ ابھی دھنباد نہیں جاسکے تھے ہزاری باغ ہی میں طبیعت خراب ہوئی اور انتقال فرماگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ ڈاکٹر صاحب کے تعارف میں استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نے ان شخصیت کی مکمل عکاسی کی ہے:

''ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب اس دور میں متاعِ درد وغم، سرورِ عشق ومحبت، جذبۂ خلوص وبے نفسی اور انسانیت وشرافت کی ایک روشن علامت ہیں۔ بہار کا یہ مظلوم انسان جس نے ابتداء جوانی میں فسادیوں، رہزنوں اور قاتلوں کے ہاتھوں اپنے پورے خاندان، اپنی پوری بستی بلکہ ایک خطے کے خطے کو برباد ہوتے دیکھا۔ درد وغم کی اَنی دل میں اتری اور ٹوٹ کر رہ گئی، اس درد کی

کسک کو انھوں نے شعر و ادب کا پیکر عطا کر کے دنیا والوں کے سامنے تحفہ کے طور پر پیش کیا، خاموش مگر نہایت گہری سوچ والے، یکسو مگر کام کی ہر چیز پر وسیع نگاہ رکھنے والے، ان کی کتاب ''جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی'' سے تعارف ہوا، وہی ذریعۂ ملاقات بنی، ان کی غزلوں کے مجموعہ ''وہ جو شاعری کا سبب ہوا'' نے ان کے دل کی ترجمانی کی، بس وہ اپنے اس شعر کے ہو بہو مصداق ہیں:

کیسے کیسے دکھ نہیں جھیلے، کیا کیا چوٹ نہ کھائے
پھر بھی پیار نہ چھوٹا ہم سے عادت بری بلائے

دنیا کا اپنے انداز کا نرالا البیلا انسان، نہایت دیندار، بہت ہی پُرسوز، ان کا البیلا پن، ان کا جذبۂ بیداری اور ان کا سوزِ دروں، جب الفاظ کے پیکر میں جلوہ گر ہوتا ہے تو ادب و انشاء کا ایک نیا اُسلوب جنت نگاہ بنتا ہے۔''

حضرت مولانا ایک خط میں لکھتے ہیں: ''میرے سامنے ایک شخصیت ہے، بچپن اس کا محبت کی معصوم فضاؤں میں گذرا۔ جوانی آئی تو گردشِ زمانہ نے سخت ٹھوکر لگائی، مگر سنبھالنے والا اسے سنبھالے رہا۔ اب اس کا بڑھاپا ہے، آفتابِ عمر لبِ بام آگیا ہے، اب کوئی دم ہے کہ کانوں میں ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ إِرْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ (اے نفس مطمئنہ! اب اپنے رب کے حضور لوٹ چل، اس حال میں لوٹ چل کہ تو بھی راضی اور وہ بھی راضی) کی صدائے دلنواز گونجنے والی ہے، اور وہ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي (میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا) کی رہنمائی میں انھیں لوگوں کے جھرمٹ میں جا پہونچے گی، جس کی یاد میں اس نے آنسو دریا بہائے ہیں، زندگی تڑپ تڑپ کر بسر کی ہے، اور سب کے ساتھ مل کر وَادْخُلِي جَنَّتِي (میری جنت داخل ہو جا) کا روح پرور نغمہ سنتے ہوئے جنت میں جا داخل ہوگی، جہاں ناقدری کی شکایت نہ ہوگی! ایسی شخصیت کو بھلا یہاں کے ناقدروں سے کیا شکوہ؟

اس نے سب کے ساتھ پیار کیا ہے اور کئے جا رہا ہے، اس نے دشمن کو گلے لگایا ہے، اس نے کانٹوں کو پھول سمجھ کر اٹھایا ہے، اس نے زخموں سے بھی پیار کیا ہے، اور زخم دینے والے ہاتھوں کو بھی بوسہ دیا ہے''۔

حضرت مولانا کی وساطت سے ان سے خط و کتابت شروع ہوئی، اور آج سے ۲۲ رسال پہلے ۱۹۹۳ء میں ان کی محبت مجھے کھینچ کر ان کے آستانے پر پٹنہ لے گئی، یہ اس وقت کی بات ہے جب میں درجہ فارسی میں پڑھ رہا تھا اور ان کی خود نوشت سوانح جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی اور ان کا سفرنامہ حج ''یہاں سے کعبہ، کعبہ سے مدینہ'' پڑھ چکا تھا۔ اوران سے حد درجہ ان کی نثر اور اشعار دونوں نے مجھے اپنا بنا رکھا تھا، کسی شاعر کا کلام اور نثری تحریریں جتنی میں کلیم عاجز صاحب کی پڑھی ہیں کسی کی نہیں پڑھی ہیں، پہلی ملاقات کے بعد یہ محبت نہایت تعلقات میں بدل گئی، پھر تو نہ جانے کتنی بار محض ان سے ملنے پٹنہ گیا، ان کی شرافت وانسانیت، محبت ومروت، تواضع وخاکساری، اعلیٰ درجہ کا اخلاق ان سب چیزوں نے مجھے ہمیشہ ان کا اسیر بنائے رکھا، اور میں نے ان کا پیغام محبت عام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ان کی ذرہ نوازی اور قدر افزائی کا حال یہ تھا کہ میں نے ایک مرتبہ جب وہ دہلی سے پٹنہ واپس آرہے تھے تو درخواست کی کہ آپ میرے وطن خیرآباد اور ہمارے مدرسہ شیخوپور آیئے انھوں نے بغیر کسی تامل کے یہ درخواست منظور کی، اور دونوں جگہوں پر تشریف لائے اور دونوں جگہ ان کے پروگرام ہوئے، پھر میں ان کو رخصت کرنے ان کے گھر پٹنہ تک ساتھ گیا۔ اب تو ہر سال یہ معمول بن گیا تھا کہ ایک دو بار ملاقات کے لئے پٹنہ پہنچ جاتا تھا، اسی سلسلے کی ایک کڑی بدھ کا سفر پٹنہ تھا، لیکن افسوس کہ اب وہ نہ مل سکیں گے تو چل کر قبر پر حاضری دے لیں ان کی یاد میں کچھ آنسو بہالیں، ان کے لئے دعائے مغفرت کا سلسلہ تو انشاء اللہ تاحیات جاری رہے گا ان کی یادیں تو مسلسل دردِل پر دستک دیتی رہیں اور ان کی غیر معمولی شفقت ومحبت اور قدر افزائی خون کے آنسو رلاتی رہے گی۔

ڈاکٹر صاحب اکتوبر ۱۹۲۵ء میں عظیم آباد (پٹنہ) کے ایک دیہات ''تیلہاڑہ'' میں پیدا ہوئے، ابتداء ہی مطالعہ کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ دس سال کی عمر میں فسانہ عجائب طلسم ہوش ربا اور نہ جانے کون کون سی ادبی کتابیں اور رسالے پڑھے ہی نہیں بلکہ چاٹ ڈالے، اسی زمانے میں کچھ اشعار بھی کہے، ہائی اسکول انھوں نے امتیازی شان کے ساتھ پاس کیا، لیکن اسی دوران کچھ خانگی پریشانیاں والد کا انتقال اور پھر ۱۹۴۶ء کے فساد کا دلسوز والمناک سانحہ جس نے ان کو

زیروزبر کرڈالا ، ۱۹۴۶ء میں عین بقرعید کے دن ان کی ماں اور بہن سمیت خاندان کے ۲۲؍افراداور گاؤں کے تقریباً ۸۰۰؍افرادفسادیوں درندوں اور جنونیوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے، اس حادثے نے ان پر کیا کیفیت پیدا کی، اسے ان کی خودنوشت سوانح ''جہاں خوشبو ہی خوشبوتھی'' میں پڑھیے۔ یہ غم والم کوانھوں نے شعروادب کا پیکرعطا کیا، وہ کہتے:

غم نے گانا بجانا سکھایا

جان دے دیں گے گاتے بجاتے

اس سانحے کے کئی سال کے بعدانھوں نے تعلیمی سلسلہ دوبارہ شروع کیا، اورایم اے پی ایچ ڈی کرنے کے بعد پٹنہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہوئے اوراخیر میں شعبہ اردو کے صدر شعبہ کی حیثیت سے ۱۹۸۴ء سے سبکدوش ہوئے۔اس کے بعدانھوں نے بقیہ زندگی دین کی اشاعت اور پیغام محبت وانسانیت کو عام کرنے میں بتادی، وہ بہار تبلیغی جماعت کے گزشتہ کئی دہائیوں سے امیر رہے۔مرکز کے تمام اکابرین سے ان کے نہایت گہرے مراسم رہے، امیر جماعت تبلیغ مولانا انعام الحسن صاحب پران کا مرثیہ جواردوادب کا شاہکار ہے ان کی نظموں کے مجموعہ ''کوچۂ جاناں جاناں....'' میں ہے۔ان کی وفات سے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔

ان کی تصانیف درج ذیل ہیں: (۱) وہ جو شاعری کا سبب ہوا......(پہلا مجموعہ کلام) (۲) جب فصل بہاراں آئی تھی..(دوسرا مجموعہ کلام) (۳) پھر ایسا نظارہ نہیں ہوگا....(مجموعہ کلام) (۴) جہاں خوشبو ہی خوشبوتھی (خودنوشت سوانح) (۵) ابھی سن لو مجھ سے (خودنوشت سوانح) (۶) کوچۂ جاناں جاناں!...(نظموں اورنعتوں کا مجموعہ) (۷) مجلس ادب (شعری نشستوں کی ایک روداد) (۸) دیوانے دو (خطوط کا مجموعہ) (۹) میری زبان میرا قلم (مجموعہ مضامین دوجلد میں) (۱۰) دفتر گم گشتہ (پی ایچ ڈی کا مقالہ) (۱۱) یہاں سے کعبہ کعبہ سے مدینہ (سفرنامہ حج) (۱۲) ایک دیس اک بدیسی (سفرنامہ امریکہ)

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۵ء)

کارواں باقی ہے اور میرِ کارواں جاتا رہا

(بیاد: مولانا محمد فاروق مجاہد القاسمیؒ)

مولانا محمد عرفان قاسمی امام وخطیب مسجد اسماعیل چال ممبئی ۵۹

صوبہ مہاراشٹر کے معروف عالم دین حضرت مولانا محمد فاروق مجاہد قاسمی صاحب ۲۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۴؍مارچ ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے شب انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف تقریباً ۳۵؍برسوں سے شہر شولاپور میں مقیم رہ کر دینی، اصلاحی اور دعوتی خدمات انجام دے رہے تھے۔ مولانا موصوف کا تعلق ایک علمی خانوادے سے تھا، پوری زندگی دینی، اصلاحی اور سماجی خدمات میں گذاری، موصوف بہت اچھے مقرر اور قادر الکلام شاعر بھی تھے، ان کی نعتیں اور مضامین ندائے شاہی اور دیگر رسائل میں شائع ہوتے رہے، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے، قارئین ندائے شاہی سے بھی ایصالِ ثواب کی اپیل ہے۔ (مرتب)

مولانا کا نام محمد فاروق اور تخلص ''مجاہد القاسمی'' تھا، ریاست اتر پردیش کے گاؤں جوگا پور ضلع بستی میں ۱۹۵۲ء میں اُن کی ولادت ہوئی، مرحوم مولانا مجاہد القاسمی نے ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالرشاد بارہ بنکی میں اپنے چچا مولانا سعید احمد صاحب بستوی نائب مہتمم مدرسہ دارالرشاد بنکی بارہ بنکی کی نگرانی میں حاصل کی۔ مولانا موصوف کو اللہ تعالیٰ نے بڑی ذہانت عطا فرمائی تھی، ابتداء ہی سے مولانا ہر کلاس میں اول پوزیشن حاصل کرتے رہے۔

اس کے بعد مولانا نے اعلیٰ تعلیم مشہور دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ سے حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے زیر تربیت رہ کر حاصل کی، اور فضیلت کی سند آپ نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۶۹ء میں

حاصل کی، فراغت کے بعد مولانا نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اتر پردیش کے شہر ہردوئی کے قریب موضع سہنوہ سے کیا، اور ایک عرصہ تک وہاں کے اطراف وجوانب ضلع ہردوئی اور سیتاپور کے ایک ایک گاؤں دیہات میں اپنی تقریر وبیان سے اُمتِ مسلمہ کی صلاح وفلاح کا کام انجام دیتے رہے، ان علاقوں میں آج بھی آپ کی نعتیں اور حمد ومناجات پر مشتمل منظوم کلام چھوٹوں اور بڑوں کی زبانوں پر ہیں، اور جنہوں نے آپ کے بیانات سن رکھے ہیں، آج بھی یاد کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد ہنگولی مہاراشٹر میں چند سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر ۱۹۸۵ء میں شہر شولاپور آئے اور بہت ہی تھوڑے عرصہ میں مولانا نے اپنی خداداد صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تفسیر قرآنِ کریم کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ پورا شہر آپ کی علمی عظمت کا قائل ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے مولانا کو گفتگو کرنے کا نرالا انداز عطا فرمایا تھا، گھنٹوں تقریر کرتے اور سننے والے مولانا کی تقریر سے مستفید ہوتے، اور ذرہ برابر بھی اُکتاہٹ کا اظہار نہ کرتے۔ مولانا کی دیگر خوبیوں میں یہ وصف (تفسیر قرآن) سب سے نمایاں تھا۔ مولانا کی دوسری خوبی مطالعہ کا شوق اور اُس سے نتائج اخذ کرنا تھا، مولانا اپنی تقریر کے دوران ایسے نقطے بیان کرتے کہ سامعین عش عش کر اُٹھتے۔

شہر شولاپور میں مولانا مجاہد القاسمی نے اپنی تدریسی خدمت کا آغاز مدرسہ مظہر العلوم نزد مکہ مسجد شولاپور سے کیا، اور سیکڑوں بچوں اور بچیوں کو قرآنِ پاک اور دینی تعلیم سے آراستہ کیا، بلاشبہ مولانا کا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اہل شولاپور مولانا کی اِن خدمات کو کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

۱۹۸۶ء میں مسلم پرسنل لاء کے خلاف ایک تحریک اُٹھی، تو مولانا نے اس تحریک کے خلاف اپنی تقریر وبیان کے ذریعہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، شولاپور کا شاید ہی کوئی محلّہ اور محلّہ کی کوئی مسجد ایسی ہو، جہاں مولانا کا بیان نہ ہوا ہو۔ مولانا کی کوششوں کے نتیجہ میں شولاپور میں مسلم پرسنل لاء کے عنوان پر ایسی بیداری آئی کہ اخبارات نے خود اس کا اعتراف کیا کہ کلکتہ کے بعد شولاپور ہی وہ شہر ہے جس کے جلسے میں سامعین کی سب سے بڑی تعداد تھی۔

مولانا نے شولاپور کی ۳۱ر سالہ زندگی میں شہر کی مختلف مساجد میں درسِ قرآن دیا، چند

قابل ذکر مساجد یہ ہیں: مکہ مسجد، قادریہ مسجد، محمود بیڑی ہال، محمدیہ مسجد، بیریاں مسجد، پانگل اسکول، چاندتارہ مسجد، بخاری مسجد۔

مولانا کو تفسیر قرآنِ کریم سے ایسا عشق تھا کہ انتقال سے چندروز پہلے ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود تفسیر کے لئے کُمٹہ ناکہ مسجد پہنچے، فرماتے تھے کہ: ''قرآن کا پیغام ہی میرا مشن ہے، اور میری تمنا ہے کہ میری موت بھی یہ فریضہ انجام دیتے ہوئے آئے''۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

مولانا کا ہمیشہ معمول رہا کہ اہل شولاپور کے اصرار پر ربیع الاول کے مہینے میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر ۱۰/روزہ پروگرام میں شرکت کرتے اور تاریخ اسلام، خلفائے راشدین کی سیرت اوراُن کے کارنامے مدلل انداز میں بیان فرماتے، اسی طرح محرم الحرام کے دس روزہ پروگرام میں اسلامی تاریخ، واقعاتِ کربلا، خلفاء بنوامیہ اور خلفاء بنوعباس کی تاریخ سے امت کو روشناس کراتے، یہ دونوں پروگرام شہر میں اس قدر مقبول تھے کہ لوگوں کو سال بھر اِن پروگراموں کا انتظار رہتا۔

خطابت کا ملکہ، تقریر کی صلاحیت، بات پیش کرنے کا انداز، سمجھانے کا طریقہ مولانا کو اللہ نے ایسا عطا فرمایا تھا کہ اُن کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، مولانا کا لب ولہجہ سامعین کے کانوں میں رس گھولتا تھا، تقریر کے ختم ہونے پر لوگ کہتے تھے کہ ابھی تشنگی باقی ہے، مولانا کی تقریر روح کو غذا فراہم کرتی تھی، اللہ کے ہزاروں بندے مولانا کی تقریر سن کر تائب ہوئے، ہزاروں انسانوں نے گناہوں سے توبہ کی اور راہِ راست پر آ گئے۔ بالخصوص مولانا نے نوجوانوں اور عصری علوم حاصل کرنے والے نوجوانوں پر ایسی محنت کی کہ ہر فرد کو داعی اور مبلغ بنادیا۔ اور اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ مولانا کو علم طب میں بھی اچھی دسترس تھی، مولانا اس فن میں اتنے ماہر تھے کہ سیکڑوں لاعلاج بیماریوں کا آپ نے کامیاب علاج کیا، مولانا چوں کہ عالم باعمل تھے؛ لہٰذا مریضوں کو دوا کے ساتھ ساتھ کچھ قرآنی دعائیں بھی بتادیا کرتے تھے، اور مولانا خدمت خلق کا یہ فریضہ فی سبیل اللہ انجام دیتے تھے۔

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر پر بھی عبور حاصل ہو، مولانا کی شخصیت اس معاملہ میں بھی منفرد تھی کہ آپ ایک صاحب طرز ادیب تھے، اِسی کا نتیجہ تھا کہ مولانا نے مختلف تاریخی، دینی، ادبی موضوع پر کئی کتابیں تصنیف کیں، مولانا کی مشہور تصانیف یہ ہیں، تاریخ ایودھیا، تاریخ حرمین شریفین، فضائل رمضان جوہر عبادت، تاریخ شولاپور دو جلدیں توحید وشرک، دعوتِ تامہ، اسلامیات اور حقیقی اصلاح، اس کے علاوہ ہند وبیرونِ ہند کے درجنوں رسائل میں مولانا کے مختلف موضوعات پر متعدد مضامین شائع ہوئے، اور علمی حلقوں میں مولانا کی شخصیت کا تعارف ہوا، مولانا کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ عام روش سے ہٹ کر ہمیشہ تحقیقی اور اصلاحی عنوان پر ہی لکھتے تھے، سچ تو یہ ہے کہ مولانا نے جس موضوع پر بھی قلم اُٹھایا، موضوع کا حق ادا کر دیا۔

آپ ایک باکمال اور قادرالکلام شاعر بھی تھے، مولانا کی شعری صلاحیت کا اندازہ لگانے کے لئے نعت کے یہ اشعار کافی ہیں:

زبان ودل محمدؐ کے ہیں، جان وتن محمدؐ کا ❖ قلم، قرطاس، لفظ وحرف فکر وفن محمدؐ کا
جنیدؒ وبوحنیفہؒ رومیؒ وہارونؒ وایوبیؒ ❖ ہمہ اقسام کے گل ہیں، یہ ہے گلشن محمدؐ کا
خدیجہؓ کی وفائیں عائشہؓ کا پیار ہے جس میں ❖ وہ فخر فرش، رشک عرش ہے آنگن محمدؐ کا
زمیں انسانیت کی زندہ ہو کر لہلہا اُٹھی ❖ کچھ ایسی طرح برسا ٹوٹ کے ساون محمدؐ کا
غموں کی آزمائش ہو خوشی کی شادمانی ہو ❖ نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا کبھی دامن محمدؐ کا

مجاہد بس خدا کا ہے وہی جو ہے محمدؐ کا
خدا کا بندہ بننا ہے تو پہلے بن محمدؐ کا

مولانا کو اللہ نے انتظامی صلاحیت کا بھی ملکہ عطا فرمایا تھا، چناں چہ ہندوستان کے بہت سے مدارس ومکاتب، تنظیمیں اور انجمنیں مولانا کی سرپرستی میں بڑی کامیابی کے ساتھ دینی ورفاہی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

مولانا مدرسہ دار الرشاد بٹکل کے رکن شوریٰ، دار القرآن انڈی بیجاپور کے رکن، چاند تارہ، مسجد یتیم خانہ کے بانی، صفہ یتیم خانہ (برائے طالبات) کے بانی، جمعیۃ علماء ضلع شولا پور کے صدر اور مہاراشٹر حج کمیٹی کے رکن بھی رہے۔ ان کے علاوہ درجنوں ادارے اور اِداروں کے ذمہ داران مولانا سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیتے رہتے، اور مولانا ان کی بھرپور رہنمائی فرماتے تھے۔

مولانا نے اگرچہ عملی سیاست میں کبھی حصہ نہیں لیا؛ لیکن اہل سیاست ہمیشہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مولانا بڑی بے باکی کے ساتھ ملت کے مسائل ان کے سامنے پیش کرتے، اور اس کے حل کی تدبیر بھی بتلاتے۔

مولانا گوناگوں صفات کے حامل تھے، اس لئے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں سے مولانا کا تعلق تھا، اس میں شہر کے علماء بھی تھے، سماجی خدمت گار بھی تھے، اہل سیاست بھی۔ اور انتظامیہ کے اعلیٰ عہدے دار بھی تھے، مولانا کے ان سب کے ساتھ بڑے خوش گوار تعلقات تھے، اور یہ حضرات مولانا کی خوبیوں کے دل سے قدر دان تھے، چناں چہ بار ہا دیکھا گیا کہ قدآور لیڈر، بلند پایہ عالم، مشہور سماجی خدمت گار اہم اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مولانا اپنی خداداد صلاحیت اور ایمانی بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے ان کو مطمئن کر دیتے تھے۔

ائمہ مساجد، خطباتِ جمعہ کی رہنمائی کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مولانا انہیں موضوع سے متعلق مواد فراہم کرتے اور ان کی علمی اور دینی رہنمائی فرماتے۔

مولانا کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں نہیں؛ بلکہ ہزاروں میں ہے، ان میں کامیاب وکیل بھی ہیں، ماہر ڈاکٹر بھی ہیں اور اعلیٰ درجہ کے انجینئر بھی ہیں، اور درس وتدریس سے تعلق رکھنے والے اساتذہ اور پروفیسر بھی ہیں، مولانا علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے بلاشبہ مصداق ہیں:

اُٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

مولانا کے فیض صحبت سے جو چند خوش نصیب علماء مستفید ہوئے ان میں مولانا ذبیح اللہ

قاسمی، مولانا ابوالکلام قاسمی، مولانا حارث، مولانا ابراہیم، مولانا نذر الامین اور حافظ محمد طیب صاحب کے نام شامل ہیں، یہ وہ احباب ہیں جو مولانا کی علمی مجلس میں بطور خاص شریک اور فیض یاب ہوتے تھے۔

مولانا مجاہد قاسمیؒ کی زندگی کا مشن تھا قرآن کا پیغام عام کرنا، حقیقت یہ ہے کہ اس پیغام کو عام کرنے کے لئے مولانا نے اپنی پوری صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ کیا، اس مشن کی انجام دہی میں مولانا کو مختلف مراحل سے گذرنا پڑا، راستے میں دیواریں کھڑی کی گئیں، اللہ کے اس بندے کو برا بھلا کہا گیا۔ راہِ حق کے اس مسافر کے ساتھ بدتمیزی کی گئی، اس عاشق قرآن کے ساتھ ہر ناروا سلوک کیا گیا، یہاں تک کہ ان کے قتل کا خوف ناک منصوبہ تک بنایا گیا؛ لیکن اللہ کے اس نیک بندے کی پیشانی پر کبھی بل تک نہیں آیا، اور نہ ہی اس کے پائے استقلال میں جنبش پیدا ہوئی، اور مولاناؒ نے لوگوں کی اس مخالفت کا ہمیشہ خندہ پیشانی سے جواب دیا، مسکراتے رہے اور کہتے رہے، یہ سوغات تو ہمیں میراث میں ملی ہیں، ان حالات سے تو میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی گذرنا پڑا ہے، صحابہ بھی گذرے ہیں، بزرگانِ دین بھی گذرے ہیں اور راہِ حق کے ہر مسافر کے ساتھ دنیا نے یہی سلوک اور برتاؤ کیا ہے۔ اب جب کہ مولانا اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں، اور اپنے رب کے پاس چلے گئے ہیں، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، انہیں اپنے نیک اور صالح بندوں میں محشور فرمائے، اور خدمت قرآن کے بہترین صلہ سے اللہ پاک انہیں نوازیں، ان کے متعلقین اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہم خدام کو مولانا کے چھوڑے ہوئے مشن کو لے کر آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

جان کر من جملہ خاصا نۂ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۵ء)

اُستاذ الاساتذہ

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستویؒ

اُستاذ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے معروف ومقبول قدیم اُستاذ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید، اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی نور اللہ مرقدہٗ مؤرخہ ۲۴؍ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۹؍ستمبر ۲۰۱۵ء بروز بدھ تقریباً صبح ۹؍بجے دیوبند میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اُسی دن عشاء کے بعد اِحاطہ مولسری دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا ریاست علی صاحب اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی اِمامت میں ہزاروں لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت موصوف ایک باوقار عالم دین، قادر الکلام خطیب اور انتہائی شفیق ومہربان استاذ تھے، آپ کے درس کا انداز بہت پیارا اور دل نشین تھا، منطق وفلسفہ سے گہری مناسبت تھی، اور اِس موضوع کی کتابوں میں آپ کا درست بہت مقبول تھا۔

موصوف کی پیدائش ۱۹۳۴ء میں ہوئی اور ۸۱؍سال کی عمر پائی، ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے، اپنے استاذ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اور اُن کے خانوادہ سے گہری مناسبت تھی، دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ کے بعد دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے، اور متوسطات سے مشکوٰۃ شریف تک کی کتابیں زیر درس رہیں، وعظ وخطابت کے لئے ملک وبیرونِ ملک کے اَسفار بھی مسلسل فرماتے رہے، لندن کے بعض اسفار میں کئے گئے

کچھ منتخب بیانات کتابی شکل میں بھی شائع شدہ ہیں۔

کئی مہینوں سے آپ بستر علالت پر تھے، علاج جاری تھا؛ لیکن وقت موعود آ پہنچا اور آپ نے داعیٔ اَجل کو لبیک کہا، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائیں، اور سبھی پسماندگان اور صاحب زادگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، اور آپ کے نقش قدم پر چلائیں، آمین۔ قارئین سے بھی اِیصالِ ثواب کی گذارش ہے۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۵ء)

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستویؒ

نقوش وتأثرات

مولانا مفتی عمران اللہ صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

دنیا ایک گزرگاہ ہے جس میں روز اول سے انسانوں کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری ہے، پھر آنے والے بھی مختلف، کوئی تو دنیا کی رنگینی اس کے حسن وزیبائش میں محو، مال واسباب کی کثرت کے باعث عیش وآرام کا خوگر، مال میں اضافہ کے لیے دن رات ایک کئے ہوئے، اور کوئی طاقت وقوت کے سہارے اقتدار پر براجمان، اپنی کمال ہوشیاری، سیاسی معرفت سے دنیا کو حیرت میں ڈالے ہوئے، انھیں سب میں بعض اللہ کے بندے انسانوں کی ہمدردی وخیر خواہی میں مشغول، عوام کی رہبری وہدایت کے لیے فکرمند، معاشرے سے ناخواندگی مٹانے اور دین کی تبلیغ واشاعت میں ہمہ وقت مصروف، مگر جانا سبھی کو پڑتا ہے، کوئی کم عمری میں تو کوئی عمر طبعی گذار کر، لیکن کچھ جانے والے اپنے پیچھے یادگار لمحات کا ایسا تسلسل چھوڑ جاتے ہیں جو بعد والوں کے لیے سامانِ سکوں اور عبرت وموعظت کا عنوان ہوتا ہے، ایسی ہی نمایاں شخصیات میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی رحمہ اللہ تھے، جو ۲۴ / ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۹ / ستمبر ۲۰۱۵ء بروز چہارشنبہ صبح ۸ / بجکر ۴۵ / منٹ پر طویل علالت کے بعد دار بقا کی طرف رخصت ہوگئے اور متعلقین ووابستگان کے لیے خوشگوار، یادوں بھرے لمحات، اور کچھ تاریخی نقوش چھوڑ گئے، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے آمین۔

احقر اپنی عمر کی دوسری دھائی میں شمالی ہند کے معروف ادارے جامعہ عربیہ اعزاز العلوم ویٹ میں زیر تعلیم تھا اسی جامعہ کے سالانہ اجلاس (جو ممتاز علماء کرام کی شرکت کی بنا پر اہل علاقہ

کے لیے دلچسپ اور توجہ کا مرکز ہوتا ہے) میں حضرت مولانا کی شرکت اور خطاب، تعارف کا نقطہ آغاز ہے، پھر تو متعدد پروگراموں میں زیارت کا شرف اور دارالعلوم دیوبند میں طلب علمی کے دوران حضرت کی شفقتوں کا مشاہدہ ہوتا رہا، اور اب حضرت کو قریب سے دیکھنے، برتنے کا مزید موقع ملا، بلاشبہ حضرت والا کی زندگی بہت سی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ تھی۔

ولادت و بچپن

یوپی کے مشہور ضلع بستی سے جانب شمال تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر گاؤں دریا آباد ضلع کبیر نگر (پہلے ضلع بستی تھا) میں ۱۹۳۵یا ۱۹۳۶ء میں آپ کی ولادت ہوئی، والدمحترم محمد سلیم صاحب کھیتی باڑی کی مشغولی کے ساتھ صلاح وتقوی سے آراستہ تھے، ان پڑھ ہونے کے باوجود قرآن سننے کا شوق تھا، بعض سورتیں زبانی یاد تھیں، ان کی تلاوت کرتے رہتے تھے، تہجد کے پابند، اذان دینے کا شوق تھا، چنانچہ گاؤں کی جامع مسجد میں اکثر اذان پڑھا کرتے، صبر وقناعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے، علماء وصلحاء سے خصوصی ربط رکھتے تھے، چنانچہ اپنے قریبی گاؤں مگہر کے ایک عبدالرحیم نام کے ولی صفت بزرگ میاں جی کے نام سے مشہور تھے، والد صاحب ان سے خاص تعلق رکھتے تھے، انھیں کی تجویز اور پسند سے حضرت مولانا کا نام عبدالرحیم رکھا گیا، بچپن گاؤں ہی میں والدین کی نگرانی میں گزرا، گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیلوں میں شرکت ہوتی مگر حضرت ایسے کھیلوں کو ہی پسند کرتے جن میں جسمانی ورزش ہوتی۔

تعلیم وتربیت

آپ والدین کے سب سے بڑی اولاد تھے اس لیے آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ رہی، سب سے پہلے گاؤں کے مدرسہ اسلامیہ میں داخل کردیا گیا، جہاں حرف شناشی کی ابتداء اور اردو ہندی حساب، دینیات وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، درجہ ابتدائی تا درجہ چہارم پرائمری وناظرہ قرآنِ کریم پڑھا، وہاں کے اساتذہ میں ماسٹر شہرت علی، ماسٹر عبدالحمید، ماسٹر حشیم اللہ، ماسٹر سعید احمد اور ایک پنڈت جی تھے، مکتب کے اساتذہ محنتی اور ہمدرد تھے، مگر پنڈت جی کو حضرت مولانا

بہت یاد کرتے تھے کیونکہ وہ برٹش حکومت کا دور تھا اور پنڈت جی غیر مسلم ہونے کے باوجود نماز سکھلاتے، تعلیم کے طور پر عصر کی نماز بچوں کو باجماعت پڑھواتے اور جہراً قرأت کراتے، غلطی پر ٹوکتے اور بچوں کو پارہ عم ناظرہ پڑھاتے، چنانچہ حضرت مولانا نے پارہ عم ناظرہ اور اردو کی ابتدائی کتابیں پنڈت جی سے ہی پڑھی تھیں، پنڈت جی کی حیات تک حضرت مولانا ان سے تعلق رکھتے تھے، حضرت مولانا مکتب کی تعلیم کے آخری زمانہ میں بیمار ہوگئے جس کی وجہ سے آخری درجہ کا امتحان نہ دے سکے۔

مکتب کی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے قریب کے گاؤں موڈا ڈیہہ بیگ کے مدرسہ دینیہ میں داخلہ لیا، وہاں پر درجۂ فارسی کی کتابیں، فارسی کی پہلی، دوسری، آمدنامہ، کریما، پندنامہ، گلستاں بوستاں اور نحومیر، میزان ومنشعب، پنج گنج، کبری، علم الصیغہ، نور الایضاح، ہدایت النحو وغیرہ متعدد اساتذہ سے پڑھیں، جن میں حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد اور مجاہد آزادی تھے) حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ، حضرت مولانا محمد شفاعت صاحب رحمۃ اللہ، حضرت مولانا حکیم جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ، حضرت مولانا اکبرعلی رحمۃ اللہ (یہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد تھے) حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (یہ نومسلم تھے کچھ دن دارالعلوم حسینیہ تاؤلی میں تدریسی فرائض انجام دیئے بعدہ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے، اور وہیں انتقال فرمایا) اور حضرت مولانا محمد اسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حضرت شیخ الادب کے مخصوص تلامذہ میں تھے، اور حضرت مولانا کے مشورہ سے جامعہ عربیہ اعزاز العلوم ویٹ میں اہتمام کے فرائض انجام دیتے رہے اور وہیں پر وفات پائی)

موڈا ڈیہہ بیگ میں آپ نے دو تین سال تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آپ نے مشرقی یوپی کے معروف ادارے مدرسہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کا قصد کیا، اس وقت وہاں ہدایہ اور مشکاۃ شریف تک تعلیم تھی، تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی توجہ رہتی تھی، یہاں حضرت مولانا نے

سال سوم کی متعدد کتابیں جن میں شرح تہذیب، قطبی، شرح جامی، ابن عقیل وغیرہ پڑھیں، وہاں کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید احمد سیتاپوری (جو حضرت کشمیری اور حضرت شیخ الادب کے خصوصی شاگرد تھے) حضرت مولانا سلامت اللہ صاحب بہرائچی، حضرت مولانا حافظ نعمان صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا حبیب احمد صاحب اعمیٰ تھے (ان کا حافظہ بہت قوی تھا اکثر نحو کی کتابیں پڑھاتے تھے) آپ کے سارے اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور اکابر سے تعلیم یافتہ اور ان کی صحبت پائے ہوئے تھے، جس کا پرتو آپ کی زندگی میں خوب جھلکتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں

حضرت مولاناؒ نے نورالعلوم بہرائچ میں کچھ وقت گزار کر دارالعلوم دیوبند آنے کا ارادہ کیا، اور شوال ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے، جوش وخروش کے ساتھ تعلیم کا آغاز کیا، پہلے سال قیام صدر گیٹ کے نزدیک کمرہ نمبر ۸/ میں رہا، جو کمرہ آج کل دفتر اوقاف بنا ہوا ہے، استعداد میں پختگی کی نیت سے پہلے سال آپ نے کچھ گذشتہ کتابیں اعادہ کے طور پر منتخب کیں، چنانچہ اس سال حضرت مولانا سید اختر حسین صاحبؒ سے شرح جامی، حضرت مولانا محمد سالم صاحب سے شرح وقایہ، حضرت مولانا احمد علی سعید صاحب سے اصول الشاشی، حضرت، مولانا فیض علی شاہ صاحب سے قطبی اور میر قطبی، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب سے نورالانوار اور حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے تجوید کی کتابیں پڑھیں۔

اسی طرح اگلے سال ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں آپ نے حضرت مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندی سے مختصر المعانی، تلخیص المفتاح، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب سے مقامات اور میبذی، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب سے ہدایہ اول، حضرت مولانا حسین احمد صاحب بہاری سے سلم العلوم، حضرت مولانا فیض علی شاہ صاحب سے شرح عقائد پڑھی، اور پھر آئندہ سال ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب سے مشکوٰۃ شریف اور شرح نخبۃ الفکر اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب بہاری سے جلالین شریف اور

الفوز الکبیر، حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندی سے ملاحسن وغیرہ پڑھیں، آپ پڑھنے میں بہت محنتی اور دلچسپی رکھتے تھے، تکرار ومطالعہ کا شوق تھا اسی وجہ بعض مرتبہ نچلی کتابوں کے طلبہ اصرار کے ساتھ کسی کتاب کے تکرار کے لیے آپ کو پکڑ لیتے تھے، اور ذوق وشوق سے طلبہ آپ کے تکرار میں شامل ہوتے۔

حضرت مولانا بتلایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا رشیدالدین صاحب حمیدی سابق مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد اُصول الشاشی کے تکرار میں بیٹھا کرتے تھے، یہ محنت وتکرار کی ہی برکت تھی کہ آپ ہر امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے، جیسا کہ امتحانات کے نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہر سال کی تمام کتابوں میں اعلی نمبرات سے کامیابی حاصل کی، اور انعام میں گراں قدر کتب سے نوازا گیا، آپ کی طالب علمی کے زمانے میں دارالعلوم میں عربی زبان کی تدریس کے لیے مصر سے دو استاذ شیخ عبدالعال العقبابی اور شیخ عبدالمنعم النمر تشریف لائے تھے اوران کے استقبال کے لیے طلبہ ریلوے اسٹیشن دیوبند تک گئے تھے۔

آپ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں دورۂ حدیث شریف میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے بخاری شریف، حضرت مولانا سید فخرالحسن صاحب سے مسلم شریف، حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی سے ترمذی شریف، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب سے ابوداؤد شریف، حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب سے نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، حضرت مولانا سید حسن صاحب سے طحاوی شریف، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب سے شمائل اور موطا امام مالک، اور حضرت مولانا محمد جلیل صاحب سے موطا امام محمد پڑھی، دورۂ حدیث شریف میں بھی آپ نے تمام کتابوں میں اعلی نمبرات سے کامیابی حاصل کی، چونکہ آپ کے ابتدائی سے لے کر دارالعلوم دیوبند تک کے تمام اساتذہ بلند پایہ اور صاحب فن تھے، تعلیم وتربیت میں یکتا تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ اور آپ کے بہت سارے ساتھی اپنے وقت کے ماہر و بلند پایہ ہوئے، انھوں نے مختلف میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دیں، چنانچہ آپ کے مشہور

ساتھیوں میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی، حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانوی، حضرت مولانا رشیدالدین حمیدی، حضرت مولانا صادق علی بستوی، حضرت مولانا احرارالحق صاحب بہرائچی سابق استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب بلوچستان، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب سابق شیخ الحدیث وقف دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا باقر حسین صاحب بستوی، حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب بھوپال، حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولہ مرکز نظام الدین صاحب دلی ان ساتھیوں میں سے بیشتر دنیا سے رخصت ہو چکے۔

حضرتؒ کو تقریر سے کافی دلچسپی تھی، اسی وجہ سے آپ دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانہ میں معروف انجمن مدنی دارالمطالعہ سے وابستہ ہو گئے، اس کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، آپ اُس کے ایک سال نائب صدر پھر اگلے سال صدر نامزد کئے گئے، دارالعلوم کے ریکارڈ اور آپ کے موجودہ ساتھیوں کے بتلانے کے مطابق آپ کا دارالعلوم میں تعلیمی دور بہت اچھا اور صاف ستھرا رہا، زمانہ طالب علمی میں دو مرتبہ اسٹرائیک ہوئی مگر کبھی کسی ہنگامے اور اسٹرائیک میں شریک نہ ہوئے، اپنے اساتذہ اور اکابر دارالعلوم کی خدمت کو ہی سعادت سمجھتے تھے، اسی وجہ سے تقریباً سبھی اساتذہ کی شفقت حاصل تھی، لیکن خاص طور سے حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا فیض علی پشاوری، حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری علیہم الرحمہ کے پاس بکثرت آمد و رفت رکھتے تھے، جن دنوں حضرت مدنی دیوبند میں قیام پذیر ہوتے تو ان کی مجلس میں بھی حاضری دیتے، اسی طرح تعلیم میں انہماک اور اساتذہ کی شفقتوں کے ساتھ آپ نے اپنا تعلیمی سفر مکمل کیا، اور شعبان میں گھر چلے گئے۔

خدمات و سرگرمیاں

عمری کلاں میں

رمضان کی چھٹیاں گذار کر علم دین کی خدمت کے ارادے سے شوال میں دارالعلوم

دیوبند آ گئے، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادی نے اپنے وطن عمری کلاں کے مدرسہ کلید علوم میں بحیثیت مدرس بھیج دیا، یہ مدرسہ گاؤں کی جامع مسجد میں تھا، اس مدرسہ میں پہلے بطور استاذ حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی رہ چکے تھے، جن کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی علیہ الرحمہ نے بھیجا تھا، یہاں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کے ذمہ تدریس کے ساتھ جامع مسجد کی امامت وخطابت بھی تھی، کبھی کبھی وعظ وخطابت کے لیے آس پاس کے دیہات میں جایا کرتے تھے، چونکہ مدرسہ کلید علوم میں فارسی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر قطبی، کنز الدقائق، شرح وقایہ وغیرہ زیر درس رہتی تھیں، درس کی تیاری اور مراجعت میں کتابوں کی ضرورت پڑتی تھی مدرسہ مذکور میں کتب خانہ نہ ہونے کی وجہ سے پریشانی ہوتی تھی، اس لیے حضرت والا مدرسہ شاہی مرادآباد کے کتب خانہ سے عاریۃ کتابیں لاتے تھے، طلبہ کے امتحان اور ان کی جانچ کے لیے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ اور مدرسہ شاہی مرادآباد کے اساتذہ کو دعوت دیتے تھے، تقریباً چار سال تک آپ نے اس مدرسہ کی خدمت انجام دی اور اس کے تعلیمی معیار کو آگے بڑھایا۔

درگاہی مسجد میسور میں

شاید ۱۹۵۸ء میں حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے کرناٹک کے مشہور شہر میسور کی درگاہی مسجد میں بحیثیت امام وخطیب مقرر ہوئے (یہ مسجد میسور کے منڈی محلّہ جو مسلمانوں کی کثیر آبادی پر مشتمل ہے میں واقع ہے) اس زمانے میں پورے میسور شہر میں صرف دو عالم تھے ایک مولانا ایوب حسن فاروقی یہ غالباً حضرت شیخ الہند یا علامہ کشمیری کے شاگرد تھے اور میسور کے ٹریننگ کالج میں شعبہ اسلامیات کے صدر تھے، دوسرے حضرت مولانا سید احمد صاحب یہ باقیات الصالحات ویلور کے فاضل تھے، اور ٹریننگ کالج میں شعبہ اسلامیات کے استاذ تھے، وہاں حضرت مولانا نے امامت وخطابت کے ساتھ تفسیر قرآن کا سلسلہ بھی شروع فرمایا، عوام میں دینی بیداری کی غرض سے بالغ اور عمر دراز لوگوں کے لیے ایک شبینہ مدرسہ کا قیام

کیا، ہدایۃ المسلمین نامی اس مدرسہ میں اسکول کے ٹیچر، بڑی عمر کے احباب اور نوجوان افراد شریک ہوتے تھے، حضرت کا وہاں تین سال قیام رہا، آپ کے قیام تک یہ شبینہ مدرسہ چلتا رہا، آپ وعظ وتقریر کے لیے اطراف کے دیگر علاقوں میں بھی آتے جاتے تھے، اس زمانے میں بنگلور اور اس کے اطراف میں جہالت اور بدعت کا ماحول تھا بہت سی مساجد میں تبلیغی جماعت پر بندش تھی، حضرت مولانا نے اس پہلو پر توجہ دیتے ہوئے محنت کی، جگہ جگہ وعظ وتقریر، اور تفسیر قرآن کا سلسلہ جاری کیا، آپ کی محنت اور اکابر کی توجہ کی بدولت کافی ماحول تبدیل ہوا، وہیں شہر میسور کی مسجد خاکی شاہ میں عرس ہوتا تھا، وہ بدعت وخرافات کا مرکز تھی، حضرت کی محنت کی بدولت آج وہ تبلیغی جماعت کا مرکز ہے، جہالت وناخواندگی مٹانے کے جذبہ کے تحت حضرت مولانا نے اپنی اہلیہ کے ذریعہ سے بھی گھر پر بچیوں کی تعلیم کا بھی بندوبست کیا۔

ہندوپور میں

پھر آپ جب میسور کی درگاہی مسجد سے سبک دوش ہوگئے، تو ۱۹۶۳ء میں مدرسہ شمس العلوم ہندوپور میں بحیثیت صدر مدرس تقرر عمل میں آیا، یہ ہندوپور میسور سے ایک سو پچاس میل دور کرناٹک کے باڈر پر صوبہ آندھرا پردیش میں واقع ہے، وہاں کے ذمہ داران نے ۱۹۵۷ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے ہاتھوں اس مدرسہ کا افتتاح کرایا تھا، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نے تقریباً اٹھارہ سال اس مدرسہ میں خدمت کے فرائض انجام دیئے، پہلے تدریس پھر صدارت اور بعد میں اہتمام کی ذمہ داری بھی نبھائی، فارسی کی ابتدائی کتابوں کے ساتھ نحو وصرف منطق اور فقہ کی ابتدائی کتابیں نیز شرح وقایہ، کنز الدقائق واُصول الشاشی وغیرہ کا درس دیتے تھے، ہندوپور میں تدریس اور دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ جامع مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دینے لگے، اور تفسیر قرآن کریم کا سلسلہ بھی شروع فرمایا جو تقریباً سات سال تک جاری رہا، ہندوپور قیام کے دوران تبلیغی اور اصلاحی بیانات کے لیے کرناٹک، تمل ناڈ اور کیرالہ کے مختلف علاقوں میں تشریف لے جاتے تھے، ۱۹۵۸ء سے ۱۹۸۱ء تک تقریباً ۲۲ رسال

آپ دکن کے مختلف علاقوں میں مختلف پلیٹ فارموں سے دین کی خدمت انجام دیتے رہے، آپ کی محنت کا وہاں کے ماحول پر بہت اثر ہوا، اسی بنا پر وہاں کے عوام اور دین دار طبقہ کے افراد آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے، اور ایک بڑی تعداد آخر وقت تک آپ سے مربوط رہی۔

دارالعلوم دیو بند میں بحیثیت مدرس

غالباً ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم دیو بند میں انتظام کی تبدیلی ہوئی اور کیمپ قائم کر کے اس میں تعلیم کا سلسلہ جاری کیا گیا، آپ اس دوران بنگلور سے دیو بند آئے ہوئے تھے، کیمپ میں اساتذہ کی ضرورت تھی، انتظامیہ کی خواہش پر آپ نے اس وقت نور الایضاح، مرقات، نفحۃ الادب، شرح تہذیب، علم الصیغہ وغیرہ کتابیں پڑھائیں، چند دن کی تدریس کے بعد شمس العلوم ہندوپور کے اربابِ انتظام سے دیو بند منتقل ہونے کی اجازت لے لی، اور دارالعلوم میں باضابطہ آپ کا درجہ ادنیٰ میں تقرر ہو گیا، اور تادمِ آخر دارالعلوم دیو بند میں تقریباً ۳۴؍ سال تدریسی خدمات انجام دیں، اس دوران مختلف علوم وفنون کی کتابیں متعلق رہیں، جن میں ترجمہ اول، نور الانوار، مبادی الفلسفہ، میبذی، سلم العلوم، جلالین شریف، شرح عقائد، سراجی، مشکوٰۃ شریف وغیرہ ہیں، زیادہ تر منطق وفلسفہ کی کتابیں سلم اور میبذی زیرِ درس رہیں، آپ فنِ منطق سے دلچسپی بھی رکھتے تھے، اس وجہ سے طلبہ میں ''امام المنطق والفلسفہ'' کے نام سے مشہور تھے، آپ کا سبق طلبہ کی دلچسپی کا ہوتا تھا، موقع موقع سے ظرافت کے جملے دورانِ درس اہم نکات، مشکل مسائل کا تشفی بخش حل بھی پیش فرماتے، درس کی پابندی اور طلبہ سے انس، دیگر اساتذہ سے خوش گواری کا ہمیشہ خیال رکھتے، اربابِ انتظام کی طرف سے متعدد بار مختلف کاموں کی ذمہ داریاں دی گئیں، جن کو بحسن خوبی نبھایا، نیز دارالعلوم میں طلبہ میں مناظرانہ مشق وتمرین کے لیے قائم انجمن ''تقویۃ الاسلام'' کے تاحیات سرپرست رہے، شروع سال میں طلبہ میں ذمہ داریاں تقسیم فرماتے، اس کے اجلاس کی سرپرستی، طلبہ کرام کی حاضری اور کارکردگی کا جائزہ لیتے رہتے، آپ کی سرپرستی وتوجہ کی بدولت شعبہ نے ہر پہلو سے ترقی کے منازل طے کئے۔

وعظ وخطابت

وعظ وخطابت سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، تدریس کے ساتھ خطابت کا مشغلہ بھی جاری رکھا، جہاں بھی رہے ملازمت کی دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ عوام کو دین سے قریب کرنے کی فکر بھی رکھتے، چنانچہ جب آپ عمری کلاں میں تدریس کے فرائض پر مامور تھے، تو جامع مسجد میں خطابت کے ساتھ اطراف کے دیہات میں بھی وعظ وتقریر کے لیے جاتے رہتے، پھر جب آپ میسور شہر منتقل ہو گئے تو وعظ وخطابت کا دائرہ وسیع ہو گیا، درگاہی مسجد، مسجد خاکی شاہ، اور کچھ احباب کے مکانات پر تفسیری سلسلہ کے ساتھ متعدد مساجد میں وعظ فرماتے رہتے۔ چنانچہ کرناٹک آندھرا، تمل ناڈ، کیرالہ کے مختلف شہروں اور دیہات میں آپ وعظ وبیان کے لیے تشریف لے جاتے، ہندوپور قیام کے دوران ہی بنگلور کے محلّہ اسلام آباد بسون گڈھی کی جامع مسجد میں جمعہ میں خطابت اور جے نگر کی عیدگاہ والی مسجد میں نماز عید کی خطابت ایک عرصہ تک نہایت پابندی سے انجام دی، پھر جب دارالعلوم دیوبند منتقل ہو گئے تو تبلیغی اسفار کا دائرہ اور وسیع ہو گیا، اب دکن کے شہروں کے ساتھ مغربی یوپی کے علاقہ میں بھی اسفار ہونے لگے، متعدد مدارس کے اجلاس کے متعین خطیب تھے، آپ کی تقریر عوام بڑی دلچسپی سے سنتے، مخصوص لب ولہجہ، بھاری آواز میں عام فہم زبان، نہ اشتعال، نہ برق رفتاری، نپے تلے جملے، مضمون کی تفہیم کا حق ادا کرنا یہی وہ خوبیاں ہیں جنھوں نے حضرت مولانا کو بستی بستی گھمایا، یہاں تک کہ سات سمندر پار کے لوگ بھی آپ سے مستفید ہوئے۔

چنانچہ ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری نے انگلینڈ میں دارالعلوم دیوبند اور اس کی خدمات سے متعارف کرانے کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا، آپ نے انگلینڈ میں چھ ماہ قیام فرما کر دارالعلوم کو متعارف کرایا، بعد میں بھی وعظ وخطابت کے لیے لندن اور برمنگھم میں آنا جانا رہا، چنانچہ سرزمین لندن، برمنگھم اور کوکن میں کئے گئے آپ کے بیانات کو تین الگ مجموعوں میں جمع کر دیا گیا ہے۔

تحریری خدمات

تدریس وتقریر کے ساتھ آپ نے تحریری میدان میں بھی خدمات انجام دیں، میسور میں ایک ہفت روزہ ''تنظیم'' نامی اخبار نکلتا تھا، آپ نے اس کے مدیر کے اصرار پر دینی واصلاحی مضامین تحریر کئے، جو کافی عرصے تک اسی اخبار کی زینت بنتے رہے، اسی طرح بنگلور کے محلّہ اسلام آباد بسون گڑھی کی جامع مسجد کے امام صاحب ''نور ونار'' کے نام سے ایک پرچہ نکالتے تھے اس میں مسائل کا گوشہ حضرت مولانا کے لیے مختص تھا، اس میں دینی مسائل تحریر کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے عوام کی اصلاح اور ان کے عقیدے کی درستگی کے لیے متعدد رسائل بھی تصنیف کئے۔

(۱) پندرہ نفلیں:- اس کتاب میں پندرہ نفل نمازوں کا بیان ہے جن میں تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، اشراق، اوابین، تہجد، نماز حاجت، نماز استخارہ، نماز شکر، نماز کسوف وخسوف، نماز سفر، نماز تسبیح، نماز توبہ، نماز قتل، نماز احرام، نماز استسقاء کا طریقہ اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

(۲) شبِ برأت:- پندرہ شعبان کی رات میں ہونے والی رسم ورواج اور عوام کی بے احتیاطی کو بیان کر کے اس کتاب میں شب برأت کی حقیقت اور اس میں عبادت کا طریقہ وفضائل کو بیان کیا ہے۔

(۳) شبِ معراج:- معراج کی رات کے تعلق سے اس کتاب میں گفتگو فرمائی گئی ہے۔

(۴) خطباتِ لندن:- سرزمین لندن میں کی گئی آپ کی دس تقریروں کا مجموعہ ہے، جس میں ایمان کی حقیقت، میزانِ عمل، حضرت نوح کی دینی دعوت، روزے کا مقام، شب قدر، شب برأت وغیرہ شامل ہیں۔

(۵) خطباتِ برمنگھم:- یہ سرزمین یوکے میں جامع مسجد برمنگھم میں کئے گئے آپ کے بیانات کا مجموعہ ہے، جس میں دس بیانات شامل ہیں، یہ سب کتابیں مطبوعہ ہیں، اخیر عمر میں آپ نے سوانح عمری کی ترتیب بھی شروع فرما رکھی تھی۔

بیعت وخلافت

تعلیم کے بعد آپ نے اصلاح وسلوک کی طرف بھی توجہ فرمائی، چنانچہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، جب آپ بخاری شریف پڑھ رہے تھے تو حضرت شیخ الاسلام کی عقیدت سے سرشار ہو چکے تھے، اس سال حضرت مدنی نے عشاء کے بعد بخاری شریف مکمل فرمائی، آپ اپنے چند ساتھیوں کی معیت میں حضرت مدنیؒ کے درِ دولت پر حاضر ہوئے اور بیعت کے درخواست کی، حضرت نے قبول فرما کر بیعت سے سرفراز فرمایا، حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد پھر کسی سے رجوع نہیں فرمایا، اس کے بعد ۲۰۰۶ء میں آپ نے بنگلہ دیش کا سفر کیا، تو وہاں پر حضرت تھانوی کے خلیفہ حضرت مولانا الطاف حسین صاحب نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

عادات واخلاق

حضرت مولانا بلند اخلاق وعادات کے حامل تھے، آپ کی گفتگو اور طرزِ عمل سے اخلاق کا اندازہ ہوتا تھا، رحم دلی وشفقت، حلم وبردباری نفع رسانی، عدم ضرر جیسے اوصاف آپ کی ذات میں اس قدر نمایاں تھے کہ آپ کا تذکرہ ہوتے ہی ان اوصاف کا تصور ہونے لگتا، دارالعلوم میں طلبہ وملازمین اور اسی طرح وہ اساتذہ جو آپ کے شاگرد کے درجہ میں ہوتے ان سے گفتگو اور ان کو مخاطب بنانے کا آپ کا شفقت ومحبت سے لبریز انداز آپ کی عظمت میں اضافہ کرتا، حضرت مولانا غریب اور نادار لوگوں اور طلبہ پر اپنے ہاتھ کشادہ رکھتے تھے، چنانچہ بعض رکشہ والے، فروٹ فروش، سبزی فروش، پان والے اور بال بنانے والے دکاندار کے ساتھ آپ کا معاملہ احسان ونوازش کا رہتا تھا، جس کا آپ کے متعدد متعلقین مشاہدہ کرتے، آپ کا ایک نمایاں وصف نفع رسانی تھا، آپ حتی الامکان دوسروں کو نفع پہنچانے کی سعی کرتے ممکن حد تک اس سے گریز نہ کرتے تھے، عملاً ضرر سے خود کو دور رکھتے تھے، دارالعلوم کے طلبہ واساتذہ وملازمین میں تقریباً سبھی اس بات کے معترف تھے، نیز آپ کی زندگی کا ایک نمایاں وصف سنجیدگی اور متانت

ہے، آپ کے انداز واطوار، گفتگو، چال ڈھال ہر طرز سے سنجیدگی محسوس ہوتی، طلبہ کی تربیت ونگرانی پر توجہ فرماتے، تحریر وتقریر میں رہنمائی فرماتے، یہ توجہ اور دلچسپی کی ہی بات تھی کہ آپ تاحیات انجمن'' تقویۃ الاسلام'' شعبہ مناظرہ، اور انجمن ضلع بستی کے سرپرست رہے، آپ کی شفقتوں اور محبت کے واقعات کو ہم لوگ آج بھی محسوس کرتے ہیں، آپ کی زندگی کے تمام گوشوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی تعلیم وتدریس، تصنیف وتقریر اور تحمل وبردباری، محبت وشفقت سے عبارت تھی، بے شمار انسانوں اور مدارس میں ہزاروں طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا، جو صدقۂ جاریہ ہے۔

اخیر عمر میں ضعف ونقاہت غالب آ گئی، طبیعت خراب رہنے لگی، پھر بھی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہے، رمضان المبارک میں یرقان کے مرض میں مبتلا ہوئے، میرٹھ، دلی، حیدرآباد، چندی گڑھ علاج کرایا گیا، بالآخر وقت موعود آ پہنچا اور ۲۴ر ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۹ر ستمبر ۲۰۱۵ء کو دنیا سے رخصت ہو گئے، اور اپنے بعد والوں کو یہ پیغام دے گئے کہ مقصد کے حصول میں محنت ولگن، معاشرتی زندگی میں شفقت وتحمل، اور عملی میدان میں مسلسل مصروفیت انسان کے دل میں عظمت ومحبت اور خالق کائنات کے یہاں مقبولیت پیدا کر دیتی ہے۔

(ندائے شاہی فروری/ مارچ ۲۰۱۶ء)

سانحۂ منیٰ

اور حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھیؒ کی شہادت

اِس سال ۱۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۵؍ ستمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعہ کو منیٰ میں جو اَلمناک سانحہ پیش آیا، اُس میں کئی سو حجاج شدید بھیڑ اور شدتِ گرمی کے سبب جاں بحق ہوگئے، جن میں ملک کے مشہور ومعروف بافیض عالم دین حضرت اَقدس مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی مرتب فتاویٰ محمودیہ ومؤلف تالیفاتِ کثیرہ خلیفہ اجل فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ محمودیہ نوگزہ پیر میرٹھ بھی شامل ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب کو اللہ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا، خوردنوازی، تواضع، کثرتِ عبادت، وقت کی قدردانی، بزرگوں اور اکابر سے والہانہ تعلق اور اپنے طبقہ میں صلح کل اور بے داغ زندگی کے مالک رہے۔

ناکارہ مرتب کے ساتھ تو نہایت شفقت؛ بلکہ اکرام کا معاملہ فرماتے تھے، احقر کی تالیفات کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور نہایت بلند الفاظ میں حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے، درمیان سال میں تو مصروفیات کی وجہ سے حضرت کی صحبتوں سے استفادہ کا موقع کم ملتا تھا؛ لیکن متعدد سالوں سے حج کے سفر میں رفاقت کی سعادت نصیب ہوتی تھی، اور اتفاق یہ کہ میرٹھ کے ''فیض ٹور'' سے ہی ہم لوگوں کا سفر ہوتا تھا، اور حج کے ارکان ومناسک کی ادائیگی حضرت مفتی صاحب کی معیت میں انجام پاتی تھی۔ اِس سال بھی ہم لوگ ۹؍ ذی الحجہ کی صبح کو اپنی سواری سے منیٰ سے عرفات گئے اور وہاں سے واپس آکر حدودِ مزدلفہ میں اپنے خیمہ میں قیام کیا، اور ۱۰؍ ذی

الحجہ کی صبح کو ساڑھے سات بجے کے قریب کنکری مارنے کے لئے اپنے خیمہ سے روانہ ہوئے، ہم لوگ ۹-۱۰/افراد تھے، اور سب حسبِ معمول ساتھ چل رہے تھے، جمرات کی عمارت سے ایک ڈیڑھ کلومیٹر قبل ''کبری الملک خالد'' سے پہلے راستہ میں اچانک بھیڑ شدید ہوگئی اور صبح کا وقت ہونے کے باوجود ساڑھے آٹھ نو بجے دھوپ کی شدت بھی نا قابل بیان تھی، کچھ دور بھیڑ میں چلنے کے بعد ہم لوگوں نے ارادہ کیا کہ کنارے ہو جائیں اور ذرا بھیڑ کم ہو تو آگے بڑھیں؛ لیکن اسی دوران بعض افریقی ممالک کے حجاج کا ایک بڑا گروپ بھیڑ میں آیا، جس کی بنا پر ہم سب ساتھی متفرق ہوگئے۔ احقر نے کسی طرح بمشکل دائیں جانب کنارے پر پہنچ کر قریب میں لگی ہوئی ٹھنڈے پانی کی ٹونٹی سے پانی پیا۔ اِسی درمیان حضرت مفتی صاحب دیگر ساتھیوں کے ساتھ آگے نکل گئے، اور کوشش کے باوجود رُک نہیں پائے، احقر جب پانی پی کر اپنی بچی کو لے کر آگے بڑھا تو سامنے قیامت کا منظر تھا، لوگ بے تحاشہ خیموں کے پردوں پر چڑھے چلے جا رہے تھے، اور جو گر رہا تھا اُس کے اُٹھنے کی کوئی شکل نہیں تھی، آگے سے راستہ بند تھا، جب کہ پیچھے سے بھیڑ پوری قوت سے چلی آ رہی تھی، ہر طرف چیخ و پکار اور نفسا نفسی کا عالم تھا، احقر کسی طرح بچ کر بائیں جانب کے خیمہ میں داخل ہو گیا جو الجزائر کے حجاج کا تھا، تقریباً ایک گھنٹہ کی افراتفری کے بعد جب کچھ سکون ہوا، تو احقر کے عزیز مفتی ابوبکر شارق سلمہ سے رابطہ ہوا، تو اُنہوں نے خبر دی کہ میں بخیر ہوں؛ لیکن مولانا معز الدین صاحب (ناظم امارتِ شرعیہ ہند) بے ہوش تھے، جن کو اُنہوں نے اسپتال بھیج دیا ہے، مگر حضرت مفتی محمد فاروق صاحب کہیں نظر نہیں آئے، اُن کی اِس خبر سے تشویش ہوئی؛ لیکن طبیعت کا زیادہ تر رجحان یہی رہا کہ حضرت مفتی صاحب بھی کہیں نہ کہیں ضرور محفوظ ہوں گے۔ اِسی درمیان پولیس اور فورس نے آکر پورے علاقہ کو گھیر لیا، اور ہم جس خیمہ میں تھے، اُس خیمہ کو بھی خالی کرانے لگے، تو ہم لوگ دوسری جانب سے نکل کر جمرات پر آئے؛ تاہم حضرت مفتی صاحب کی تلاش وجستجو جاری رہی، مختلف اسپتالوں میں جا کر تلاش کیا، مگر کوئی سراغ نہ لگا۔

تیسرے دن مولانا معزالدین صاحب جب اسپتال سے واپس لوٹے تو اُنہوں نے بتایا کہ بھیڑ کی شدت کے وقت وہ اور مفتی صاحب تنہا رہ گئے تھے، اور مفتی صاحب کی حالت جب بگڑنے لگی تو اُنہوں نے آخر تک حضرت مفتی صاحب کو سنبھالنے کی کوشش کی؛ لیکن بالآخر وہ داہنی کروٹ کے بل گر گئے، اور پھر اُن کے اوپر مولانا معزالدین صاحب گرے اور اُن پر متعدد افراد اس طرح آ کر گرے کہ کوئی اپنی طاقت سے اپنی جگہ سے نکل نہیں سکتا تھا۔ مولانا معز الدین صاحب کا بیان ہے کہ اُن کے بے ہوش ہونے سے کچھ پہلے تک حضرت مفتی صاحب کے مسلسل کلمہ پڑھنے کی آواز آتی رہی۔

اِس حادثہ میں شہید ہونے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کو حکومت کی طرف سے ناگہانی آفات کے لئے جو انتظامات کئے گئے تھے، وہ سب ناکافی ہوگئے، لاشوں کو محفوظ رکھنے کے جو ثلاجات متعین تھے، اُن میں لاشوں کو رکھنے کی جگہ نہ تھی، اس کی بنا پر کولڈ کنٹینروں میں لاشیں رکھی گئیں اور جن لاشوں کی شناخت نہیں تھی، اُن کو شناخت کروانے کی ہر ممکن کوشش حکومت کی طرف سے کی جاتی رہی۔ حادثہ کے آٹھ دن بعد ہمارے ایک دوسرے ساتھی جناب ڈاکٹر مہتاب عالم بلندشہریؒ کی شناخت ہوئی، جنہیں ''معیصم'' کے قبرستان میں دفن کیا گیا، موصوف حضرت مفتی صاحب سے آگے چل رہے تھے کہ بھیڑ کی زد میں آ گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دراَصل اِس حادثہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بڑی تنبیہ سمجھنا چاہئے کہ کسی بھی حکومت یا انتظامیہ کو اپنے انتظامات پر بھروسہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے؛ بلکہ اسباب کے ساتھ مسبب الاسباب سے رشتہ جوڑے رکھنے کی ضرورت ہے، کتنے ہی حفاظتی انتظامات کر لئے جائیں اگر اللہ کی طرف سے حفاظت نہ ہو تو ہرگز حفاظت نہیں ہوسکتی، جب سے جمرات کی پانچ منزلہ عمارت بنی تھی، سعودی حکومت کو بھی بڑا فخر تھا اور لوگوں کی زبانوں پر بھی یہ باتیں تھیں کہ اَب شیطان اتنا بڑا ہوگیا ہے کہ رمی جمرات میں حادثہ کا کوئی تصور نہیں ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھلائی کہ جمرات سے پہلے کھلی سڑک پر ایسا اندوہ ناک حادثہ ہوا جس کا کوئی تصور نہ

تھا، اِس لئے بہر حال اللہ سے ڈرنے اور اُس کی طرف رجوع ہونے کی ضرورت ہے۔

حجاج کو چاہئے کہ وہ بھیڑ کے اَوقات میں مناسک کی ادائیگی میں احتیاط کریں، خاص کر ایسی بھیڑ میں وہیل چیئر لے کر ہرگز نہ جائیں؛ اس لئے کہ چلتی ہوئی بھیڑ میں اگر وہیل چیئر رک جاتی ہے تو بہت خطرناک ثابت ہوتی ہے، ساتھ میں حکومت کو چاہئے کہ ایسا انتظام کرے کہ جہاں بھی بھیڑ بے قابو ہو اُس کے نکلنے کے راستے فوراً بنائے جائیں اور بھیڑ کو ہرگز رکنے نہ دیا جائے، اسی طرح قریبی خیموں کے دروازوں کو فوراً کھول دیا جائے، خواہ وہ خیمے کتنے ہی گراں قیمت کیوں نہ ہوں، اِس حادثہ میں اَموات کی کثرت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جو لوگ بھیڑ سے بچ کر قریبی خیموں میں جانا چاہتے تھے، اُنہیں وہاں داخل ہونے نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے حادثات سے آئندہ حفاظت فرمائیں، آمین۔

مختصر حالات

حضرت مفتی محمد فاروق صاحب ۱۹۵۰ء میں اپنے وطن مالوف زین پور ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی عربی تعلیم جامعہ حسینیہ تاؤلی ضلع مظفرنگر میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں داخل ہوئے، اور وہیں سے ۱۹۷۲ء میں فراغت حاصل کی۔ مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور شیخ الحدیث حضرت علامہ رفیق احمد صاحب بھینسانوی رحمۃ اللہ علیہ سے خوب خوب استفادہ کیا، حضرت علامہؒ کے آپ منظورِ نظر تلامذہ میں تھے، اِسی لئے فراغت کے بعد ایک سال حضرت علامہ کی قائم کردہ اِصلاحی تنظیم ''جماعتِ عادلہ'' کے رکن کی حیثیت سے اِصلاحِ معاشرہ کی محنتوں میں صرف کیا، پھر کچھ عرصہ موضع پٹلوکر کے مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دی، بعد ازاں ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم میرٹھ میں مدرس مقرر ہوئے اور تادمِ آخر اس مدرسہ سے اپنا تعلق برقرار رکھا اور متوسطات سے دورۂ حدیث شریف تک کی کتابیں پڑھائیں۔

آپ نے حضرت فقیہ الامتؒ کے مشورے پر۱۹۸۴ء میں جامعہ محمودیہ نوگزہ پیر کی بنیاد رکھی، جو آج ماشاءاللہ علاقہ کے ایک مرکزی مدرسہ میں تبدیل ہوگیا ہے۔ ۲۰۰۷ء سے آپ نے مدرسہ میں دورۂ حدیث شریف کا بھی آغاز فرمادیا تھا، اور تکمیل افتاء کا شعبہ بھی عرصہ سے قائم ہے، اور کامیاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس اِدارے کو مزید ترقیات سے مالا مال فرمائیں، اور ہر طرح کے شرور سے محفوظ رکھیں، آمین۔

سب سے بڑا کارنامہ

حضرت مفتی محمد فاروق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جن دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائی، اُن میں فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے فتاویٰ کی ترتیب وتدوین سب سے عظیم کارنامہ ہے۔ تمام فتاویٰ کو اصل رجسٹروں سے نقل کرانا پھر اُنہیں حضرت مفتی صاحب کو لفظ بلفظ سنانا اور اُنہیں مرتب کرنا یہ کوئی آسان کام نہ تھا؛ لیکن بفضل خداوندی یہ عظیم کام انجام پایا، اور بعد میں آپ کی نگرانی میں ان فتاویٰ کو حوالہ جات سے مزین کیا گیا، اور ۳۱؍جلدوں میں یہ موسوعہ علمیہ ۱۴۳۱ھ میں شائع ہوا، جو علماء ومفتیان کے لئے معتبر مرجع کی حیثیت رکھتا ہے، اِس کی اِشاعت کے وقت احقر نے حضرت مفتی صاحب کو شکریہ کا ایک عریضہ تحریر کیا تھا، اُس کو یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

محترم المقام، مخدوم مکرم، نمونۂ سلف، بقیۃ الصالحین

حضرت اَقدس مولانا مفتی محمد فاروق صاحب.......................زید مجدکم السامی ومدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے۔

اس عریضہ کا مقصد آنجناب کو ''فتاویٰ محمودیہ'' کی شاندار تکمیل پر مبارک باد پیش کرنا ہے، قیمتی مقدمہ اور نفع بخش فہرست سمیت ۳۱؍جلوں میں اپنے محبوب اور پسندیدہ ''فتاویٰ محمودیہ'' کا مکمل ومدلل ایڈیشن دیکھ کر طبعیت باغ باغ ہوگئی۔ بتوفیقِ خداوندی اس عظیم منصوبہ کی تکمیل یقیناً آپ کی زندگی کا شاہ کار

کارنامہ ہے، آپ نے نہ صرف حضرت فقیہ الامتؒ کے خدام؛ بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے کفایہ ادا کیا ہے، جس کا بھرپور بدلہ انشاءاللہ دارین میں آنجناب کو ضرور عطا ہوگا؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے: اِنِّیْ لاَ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثیٰ. (ال عمران)

احقر کو اپنی طالب علمی کے زمانہ کے وہ مناظر یاد ہیں جب آنجناب ہر جمعرات اور تعطیل کے ایام میں ''فتاویٰ محمودیہ'' کے مسودے لے کر تشریف لاتے اور حضرت فقیہ الامتؒ کی صبح شام کی مجلسیں فتاویٰ کی سماعت کی مجلسوں میں تبدیل ہوجاتیں، اور طویل وقت برابر مشغولی کے باوجود حضرت والا پوری توجہ، بشاشت اور انبساط کے ساتھ فتاویٰ کو بغور سماعت فرماتے، اور تصحیح واصلاح کے ساتھ عنوانات کا املا کراتے تھے، آپ کے دیوبند کے قیام کے زمانہ میں حضرت والا کو مجلس میں فتاویٰ کے علاوہ کسی گفتگو سے بشاشت نہ ہوتی تھی؛ کیوں کہ حضرت والا کی عین خواہش تھی کہ یہ کام جتنی جلد ہوسکے انجام پاجائے۔ بڑی سعادت کی بات ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو اس عظیم خدمت کے لئے منتخب فرمالیا اور ایک مقبول بندے کی نظر کیمیا اثر کے ذریعہ عزیمت، استقامت، بلند ہمتی اور وقت میں برکت کے اثرات محسوس طور پر نظر آنے لگے۔ اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے وہ مبارک دن دکھلایا کہ علوم ومعارف، شریعت کے اسرار ورموز، کلیات وجزئیات اور فقہ وفتاویٰ کا یہ عظیم مجموعہ مکمل ومدلل ہوکر حضرت والا کے لئے عظیم صدقہ جاریہ اور طالبین کے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور کا سبب بن رہا ہے۔ **فجزاکم اللّٰہ احسن الجزاء۔**

احقر اپنے احباب میں برابر اِس بات کا ذکر کرتا ہے کہ ہمارے حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کمالِ علم، کمالِ فطانت وذہانت اور کمالِ استحضار کے باوجود بے نفسی اور تواضع کے اِس آخری درجہ پر فائز تھے کہ آپ نے مظاہر علوم اور دارالعلوم میں فتاویٰ لکھنے کے زمانہ میں کبھی سوچا بھی نہ ہوگا کہ میرے فتاویٰ کبھی شائع ہونے کے قابل ہوں گے۔ یہی حال آپ کے سادہ خطبات اور ملفوظات وغیرہ کا بھی تھا کہ کبھی آپ نے اُنہیں جمع کرنے یا شائع کرنے کا اِرادہ بھی نہیں فرمایا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ اور یہ کہ خلوص سے کیا جانے والا کام کبھی ضائع نہیں ہوتا، جس کا مشاہدہ آپ کی آخری دس پندرہ سالہ زندگی میں سب نے کیا، کہ ایسے اسباب پے بہ پے بنتے چلے گئے کہ نہ صرف سب فتاویٰ چن چن کر جمع کرلئے گئے؛ بلکہ ملفوظات اور مواعظ کا بھی خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا، جن سے اُمت فائدہ اُٹھارہی ہے اور ان شاءاللہ اٹھاتی رہے گی۔

اِن تمام کاموں کی ترتیب واشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنجناب کو منتخب فرمایا، جس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، مجھے یقین ہے کہ جس طرح ہم خدام کو اِس وقت ''فتاویٰ محمودیہ'' کی مکمل اِشاعت

سے خوشی ہورہی ہے، عالم برزخ میں ہمارے حضرت والا بھی یقیناً مسرور اور شاداں وفرحاں ہوں گے اور بارگاہِ ایزدی میں مشکور وممنون ہوں گے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنجناب کو- اور آنجناب کے تمام معاونین کو جن سب کا نام لینا احقر کے لئے باعثِ طوالت ہے- بے حد جزائے خیر سے نوازیں، دارین میں عافیت عطا فرمائیں، فیوضاتِ عالیہ کو عام اور تام فرمائیں، آمین۔

والسلام
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۳۱ھ

اِسی طرح آپ نے حضرت فقیہ الامت کے مواعظ وملفوظات کو بھی شاندار انداز میں مرتب کرکے شائع فرمایا، یہ بھی آپ کے حسنات میں اِضافہ کا سبب رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

الرفیق الفصیح

اِدھر چند سالوں سے آپ اپنے اُستاذِ گرامی حضرت علامہ رفیق احمد صاحبؒ کی تقریر مشکوٰۃ کو سامنے رکھ کر مشکوٰۃ المصابیح کی مفصل ومبسوط شرح لکھ رہے تھے، جس کی اَب تک ۱۹؍ضخیم جلدیں شائع ہوچکی ہیں، جن میں ''کتاب الجہاد'' تک کے مباحث آگئے ہیں، حضرت کو اِس کام کی تکمیل کی بڑی فکر تھی، اِس سفر میں بھی متعدد بار اِس کا تذکرہ فرمایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس منصوبہ کو بآسانی مکمل فرمائیں، آمین۔

زود نویسی

حضرت مفتی محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مضامین مرتب کرنے اور بہت کم وقت میں جمع کرکے شائع کرنے کا بڑا سلیقہ تھا، مختلف موضوعات پر بڑی بڑی کتابیں آپ کے قلم سے شائع ہوئیں، اور چھوٹی بڑی کتابیں ملاکر آپ کی تالیفات پچاس سے زائد ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو قبولیت سے نوازیں، آمین۔

متنوع خدمات

حضرت مفتی محمد فاروق صاحب کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا، آپ حتی الوسع ملی وسماجی خدمات میں بھی حصہ لیتے تھے، اور بالخصوص فرقِ باطلہ کے تعاقب میں آپ بہت حساس واقع ہوئے تھے۔ اِس موضوع پر اپنے بیانات میں مؤثر انداز میں توجہ دلاتے تھے، آپ کے ذریعہ رشد وہدایت کا سلسلہ بھی جاری تھا، بے شمار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرکے اپنی اصلاح کی، رمضان المبارک میں آپ کی خانقاہ خوب آباد رہتی تھی، اور اطراف واَکناف کے لوگ آپ کی مجالس اور بیانات سے فیض یاب ہوتے تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن تمام خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، اور دنیا وآخرت میں آپ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۵ء)

بقیة الصالحین

حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر صاحبؒ

اِمام جامع مسجد ممبئی

مولانا انوار احمد قاسمی مبارک پوری اُستاذ جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن

اُم المدارس دارالعلوم دیوبند نے تبلیغ وارشاد، دعوت و اصلاح، جہد وعمل اور تعلیم وتربیت کے میدان میں جو باکمال افراد پیدا کئے ہیں، ان میں ایک روشن نام حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید، بزرگوں واکابر کے منظورِ نظر، عوام وخواص میں بے حد مقبول ومحترم شخصیت، جامع مسجد بمبئی کے امام وخطیب بقیۃ السلف حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر رحمہ اللہ کا ہے جو مؤرخہ ۲۵؍ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ ۱۰؍اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ مولانا ان علماء ربانیین میں تھے جو علم وفضل، صلاح وتقوی، اعتدال ونرم روی اور دینی غیرت وحمیت میں ممتاز مقام کے ساتھ امت کی اصلاح وترقی اور مسلمانوں میں دینی روح پھونکنے کے لئے ساری عمر مصروف عمل رہے۔

پیدائش

حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر رحمہ اللہ صوبہ مہاراشٹر کے خطۂ کوکن - جو ممبئی سے متصل ساحلی پٹی کے چار اضلاع ضلع تھانہ، رائے گڈھ (قدیم نام قلابہ) رتنا گیری اور سندھودرگ پر مشتمل ہے - کے ضلع رائے گڈھ کی تاریخی بستی میندری میں ۲۶؍شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ ۶؍جنوری ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ سادات سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب ۳۳؍واسطوں سے حضرت حسینؓ سے جا ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم

والد محترم کا سایۂ رحمت مولانا کی کم عمری میں اٹھ گیا تھا، دادا مرحوم کی سر پرستی میں اسکول کی ابتدائی تعلیم چوتھی جماعت تک گاؤں کے اسکول میں حاصل کی، اس دور افتادہ علاقے میں کوئی دینی مدرسہ نہ تھا، دین سے عموماً دوری تھی اور ناواقفیت کی وجہ سے بدعات وخرافات کو اصل دین سمجھا جاتا تھا، پس دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ کو جامعہ حسینیہ راندیر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا، آپ راندیر گجرات کے لیے روانہ ہوگئے، علم کو حاصل کرنے کی لگن اور تڑپ نے مولانا کو مسلسل چار سال وہیں رہنے اور تعطیلات میں بھی گھر نہ آنے پر آمادہ کیا۔ جامعہ حسینیہ راندیر کے مہتمم مولانا محمد سعید راندیریؒ جو بڑے جلالی شان کے مہتمم تھے، مولانا سے بے حد محبت فرماتے تھے، گھر سے آپ کے لیے روٹی اور کھانا چپکے سے لاتے اور کھلاتے، اس کے بعد مدرسہ انوار العلوم احمد آباد میں ایک سال رہے، اس دوران دو سال کی کتابیں پڑھیں۔

دار العلوم دیوبند میں

پھر آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے رشد وہدایت کی عظیم درس گاہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، حضرت مولانا کی خوش نصیبی کہ انھوں نے وہاں ایسے اساطینِ علم فضل سے اکتسابِ فیض کیا جو زہد وتقوی، رسوخ فی العلم سے لے کر دین وملت کے لیے جہد وعمل اور جاں نثاری وسرفروشی کی اعلیٰ مثال تھے۔ دورۂ حدیث میں آپ نے صحیح بخاری شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے، صحیح مسلم امام المعقول والمنقول حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے، سنن ترمذی، سنن ابوداؤد اور شمائل ترمذی شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ سے، سنن نسائی، طحاوی اور موطا امام مالک حضرت مولانا فخر الحسنؒ سے، موطا امام محمد حضرت مولانا محمد جلیلؒ سے اور ابن ماجہ حضرت مولانا ظہور احمدؒ سے پڑھیں۔ آپ نے ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور دورۂ حدیث میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

اساتذہ کی شفقت

آپ ایک ذی استعداد اور نیک وصالح طالب علم تھے اور غیر سنجیدہ حرکات، لہو ولعب اور خرافات ولغویات سے پاک تھے، علم کی نافعیت اور عمل کی صالحیت حاصل کرنے کی دھن تھی، اس لیے مشفق اساتذہ کی توجہات آپ پر تھیں، آپ کو حضرت مدنی قدس سرہ سے بڑی عقیدت و محبت تھی اور حضرت مدنیؒ کی آپ پر شفقتیں وعنایتیں بے پایاں تھیں، آپ حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور علمی اور روحانی استفادہ کرتے، حضرت مدنیؒ عمر کے اخیر حصے میں خطۂ کوکن میں رشد وہدایت پھیلانے کے لیے تشریف لائے، تو معلوم ہوا کہ یہاں سادات کی ایک بستی ''میندری'' ہے، تو حضرت مدنیؒ وہاں تشریف لے گئے، مولانا اس وقت دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے، حضرت مدنیؒ نے واپسی پر فرمایا کہ میں تمہارے گاؤں گیا تھا۔ حضرت مدنیؒ کو وہاں کے چمپا کا پھول بڑا پسند آیا، تو جب مولانا گھر آئے تو چمپا کا پھول سرکہ میں ڈال کر لے گئے اور حضرت مدنیؒ کی خدمت میں پیش کیا، جو حضرت مدنیؒ کی حیات تک تازہ رہا اور جب حضرت مدنیؒ کی وفات ہوئی تو وہ مرجھا کر کالا ہو گیا۔ مولانا اس خطہ میں حضرت مدنیؒ کی آمد کے واقعات خوب مزے لے لے کر سناتے اور ہم سب مسحور ہو کر سنتے رہتے، حضرت مدنیؒ کا نام وتذکرہ اوران کے مجاہدانہ واقعات کی داستان مولانا کی زبان سے سنتے تو کچھ اور ہی لطف آتا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خانوادے سے آپ کا بے حد خلوص ومحبت پر مبنی تعلق تھا، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور خانوادہ کے دیگر افراد کا بڑا احترام واکرام فرماتے تھے۔

میدانِ عمل میں

مولانا نے فراغت کے بعد ایک سال تک گاؤں میں رہ کر دین کی خدمات انجام دیں اور لوگوں میں دینی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے، پھر جامع مسجد بمبئی کے امام و خطیب مولانا غلام محمد خطیب صاحب کے ایماء پر بنگالی پورہ مسجد بمبئی میں ایک سال امامت کی خدمت انجام دی۔

تدریس جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

مولانا کی استعداد وصلاحیت اعلیٰ درجہ کی تھی، وہیں صلاح وتقویٰ میں بھی ممتاز تھے، پس تقدیر الٰہی آپ کو تدریس کے لیے گجرات کے مشہور تعلیمی ادارے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی علمی فضا میں لے گئی، وہاں مولانا نے تدریس کے ساتھ ساتھ طلبہ کی دینی واخلاقی تربیت کی فکریں کیں اور بڑے خلوص ومستعدی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دیں، مولانا کا طلبہ میں ایک مقام تھا کئی واقعات شاہد ہیں کہ طلبہ مولانا کا بے حد ادب واحترام کرتے تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ علم واخلاص کا یہ ستارہ بہت ترقی کرے گا اور درس وتدریس کی اعلیٰ مسندوں کو زینت بخشے گا کہ اچانک جامع مسجد بمبئی کے امام وخطیب مولانا غلام محمد خطیب نے مہتمم جامعہ کے نام بار بار خط لکھا، پھر تار دیا کہ ڈابھیل سے مولانا کو بھیج دیا جائے، تو مہتمم صاحب نے بادلِ ناخواستہ اجازت دی، آپ نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی تاریخ کے مطابق شوال ۱۳۷۹ھ سے ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ تک تدریسی خدمت انجام دی۔ (تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۴۳۲)

اِمامت وخطابت جامع مسجد بمبئی

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے بعد جامع مسجد بمبئی میں ۷۵/روپئے کی تنخواہ پر امامت کی ذمہ داری سنبھالی اور اسی کے ساتھ مدرسہ محمدیہ میں عربی استاذ کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ بھی تدریس میں آپ کے رفیق تھے۔

مولانا نے تقریباً ۵۲/سال اس شان ووقار کے ساتھ امامت کی کہ آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی، لوگوں کے دلوں میں آپ کی جو عظمت ومحبت تھی، وہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ آپ اس منصب پر رہتے ہوئے اپنے کردار وعمل کے ذریعہ عوام وخواص ہر ایک کے لیے نمونۂ عمل بنے اور نازک سے نازک مواقع پر بھی اشتعال وجذباتیت سے ہٹ کر صالح فکر کے ساتھ امت کی صحیح رہنمائی فرمائی۔ آپ خطبات موقع ومحل اور حالاتِ حاضرہ کی مناسبت سے تیار کرتے تھے۔

جب سلمان رشدی کا فتنہ اٹھا اور امت کی فکری بنیادوں کو نقصان پہنچے کا اندیشہ ہوا، تو آپ نے مسلسل ۵۲ رخطبات صحابہ کرامؓ کی عظمت وفضیلت پر دیئے جو علم وفضل کا شاہکار ہیں۔

آپ کے خطبات مختصر وقت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ہوتے، وقت کا اتنا خیال رکھتے کہ مقررہ وقت کے اندر ہی نماز وخطبات ختم ہوجاتے۔ کتنے ہی لوگ دور دراز سے سفر کر کے صرف مولانا کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آتے، عرب حضرات بھی جو بمبئی میں تجارت وعلاج وغیرہ کی غرض سے آتے، نماز میں شریک ہوتے اور مولانا کے خطبات سے متأثر ہوتے۔ حضرات شیوخ الازہر، شاہ فیصل، شیخ محمد بن عبداللہ السبیل، شیخ عائض القرنی اور بھی بہت سے عرب علماء ومشائخ نے مولانا کے پیچھے جمعہ کی نماز ادا کی، اور مولانا کے بلند مقام کے معترف تھے۔

نماز جمعہ میں حضرت مولانا جب خطبہ دینے کے لیے تشریف لاتے تو مصلیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی بمبئی کی سب سے بڑی جامع مسجد میں عجیب روحانی منظر ہوتا، ایک خطیب اسلامی عظمت ووقار کے ساتھ کھڑا ہوتا، اَذان ہوتی پھر خطبہ شروع ہوجاتا، نماز کے بعد عربی خطبہ کا عمدہ انداز میں ترجمہ پیش فرماتے اور اگر کوئی نکاح ہوتا تو خطبۂ نکاح پڑھتے، پھر ملاقات کرنے والوں کا ایک ہجوم ہوتا، جو مولانا سے مصافحہ کرنے کے لیے قطار میں کھڑا ہوجاتا، مصلیوں کا مرکز عقیدت مولانا کی ذات گرامی ہوتی، وہ بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ مولانا سے مصافحہ کرتے، مجمع کبھی اتنا زیادہ ہوتا کہ اس عمل میں اچھا خاصا وقت لگ جاتا؛ لیکن مولانا ہر ایک سے بڑی خندہ پیشانی سے مصافحہ وملاقات کرتے تھے۔

اجازت وخلافت

اِحسان وتصوف دین کا ایک حصہ ہے، مولانا اس درس گاہ کے فیض یافتہ تھے جہاں ایک وقت شیخ الحدیث سے لے کر دربان تک بھی صاحب نسبت بزرگ ہوا کرتے تھے، مولانا کا اصلاحی تعلق فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ سے تھا، حضرت مفتی صاحب نے آپ کو چند دنوں کے لیے دارالعلوم دیوبند بلایا اور اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا۔ مفتی

فاروق صاحب میرٹھیؒ نے حضرت مفتی صاحب کے خلفاء کو حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے، جس میں حضرت مولانا شوکت صاحب کا نام چالیسویں نمبر پر ہے۔ (حیات محمود ۲/۴۴۹)

پھر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا احمد علی آسامیؒ نے بھی آپ کو خلافت واجازت مرحمت فرمائی؛ لیکن حضرت مولانا اپنے آپ کو چھپاتے تھے اور ظاہر نہ فرماتے تھے کہ آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہے۔

اکابر علماء سے تعلق

بمبئی کو یہ فخر ہے کہ یہاں اکابر اہل اللہ مختلف وجوہات کی بنا پر تشریف لاتے رہے ہیں اور بمبئی کو ان کی میزبانی کا شرف حاصل ہوتا رہا ہے، مولانا کو اپنے بزرگوں سے بڑی گہری وابستگی تھی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری، مولانا عبدالشکور فاروقی، مولانا قاری محمد طیب، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، مولانا احمد علی آسامی، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری، مولانا قاری صدیق احمد باندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا ابرارالحق ہردوئی، مولانا قاری امیر حسن ہردوئی رحمہم اللہ اور دیگر بزرگوں سے بڑے اعتماد ومحبت کا تعلق تھا۔ آپ اپنی صالحیت وصلاحیت کی وجہ سے اکابر کے منظور نظر رہے، معاصر اکابر سے بھی بڑے اچھے روابط تھے اور افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن سے تعلق

خطہ کوکن میں ایک زمانے میں شرک وبدعات کا دور دورہ تھا، لوگ دین سے اتنے دور ہوچکے تھے کہ بدعات وخرافات کے لیے مرنے مارنے پر تُل جاتے تھے، اس علاقہ میں کوئی مدرسہ نہ تھا، عالم اور حافظ بمشکل چند تھے؛ لیکن حق تعالیٰ کو ایک بار پھر اس خطہ سے دین کی ہوائیں چلانی تھیں اور اس علاقہ کو دین سے معمور کرنا تھا، چناں چہ تقدیر الٰہی سے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اس خطہ میں آمد ہوئی، اس وقت ان کے وعظ وارشاد کی

روشنی سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ منور ہو رہا تھا، عمر کے آخری حصہ میں حضرتؒ کا کوکن جیسے دور دراز خطہ میں جہاں سڑکیں نہیں تھی، اونچے نیچے، دشوار گزار پہاڑی راستوں پر بیل گاڑیوں کا سفر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا؛ لیکن حق تعالیٰ نے انھیں اخلاص وللّٰہیت، دین کی تڑپ اور دین کے لیے قربانی وسرفروشی کے عظیم جذبہ سے نوازا تھا، جس کے سامنے پہاڑ بھی رائی ہو جاتے تھے۔

حضرت مدنیؒ تشریف لائے اور یہاں کے لوگوں کو سنت وشریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی نصیحت فرمائی اور خاص طور سے قرآن کی تعلیم عام کرنے اور داڑھی رکھنے پر خاص زور دیا۔ مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ بھی اس سفر میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ تھے، وہ رودادِ سفر میں لکھتے ہیں: ''راقم بھی قافلہ کے ساتھ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم وروحانیت کی بارات نکل رہی ہے، اس دن جہاز مدرسہ اور خانقاہ معلوم ہوتا تھا، کوکن اور بمبئی کے متوسلین ومعتقدین ہم سفر تھے، جہاز کا پورا عملہ ہمہ تن خدمت بنا ہوا تھا، حضرت مولانا نے اس سفر میں قرآن کی تعلیم عام کرنے اور شکل وصورت شرعی بنانے پر بے حد زور دیا تھا اور ان کا پورا وعظ اسی موضوع پر ہوا تھا''۔ (قاضی اطہر مبارک پوری کے سفرنامے ۲۲۲)

خدا جانے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا کیسا اخلاص رہا ہوگا؟ کیسی دین کی تڑپ رہی ہوگی؟ کہ ان کی آمد سے علاقے کے حالات بدل گئے، جہالت وبدعات کا دور ختم ہوا اور علم دین کی روشنی گھر گھر پہنچنے لگی۔

جمعہ کا دن تھا، شریوردھن میں فجر کی نماز میں امام صاحب نے سورۂ سجدہ کی تلاوت نہیں فرمائی، حضرت مدنیؒ نے نماز کے بعد سوال کیا کہ یہاں کتنے عالم ہیں؟ جواب ملا: یہاں کوئی عالم اور حافظ نہیں ہے، حضرت والا نے اپنے خاص انداز میں فرمایا: ''یہاں مدرسہ کی بنیاد ڈالو، مجھے یہاں سے علم کی خوشبو آ رہی ہے''۔ نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں، یہ مقبولیت کی گھڑی تھی، ایک اللہ والے کے دل سے نکلے ہوئے الفاظ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوئے اور ایک دینی مدرسہ کے قیام کی راہیں ہموار ہونے لگیں، حضرت مدنیؒ سے اصلاحی

تعلق رکھنے والے جناب حاجی عبدالرحیم صاحب بروڈ رمضان گزارنے کے لئے دیو بند جاتے تھے، وہیں آپ کے دولت کدے پر اِس مدرسہ کے تعلق سے مشورہ ہوا، اور پھر اس خطہ کی اولیں اسلامی درس گاہ کی بنیاد رکھی گئی، اور حضرت مدنیؒ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کا نام ''مدرسہ حسینیہ عربیہ'' رکھا گیا۔

یہ مدرسہ مولانا کے شیخ و مربی کی یادگار بھی تھا اور وطنی نسبت و تعلق کا حامل بھی، اس لیے ابتداء ہی سے مولانا کو اس مدرسہ سے تعلق رہا اور یہ تعلق و محبت اتنا بڑھا کہ مولانا کا نام ہی اس کا تعارف بن گیا تھا، بہت سارے لوگ مدرسہ کا نام لینے کے بجائے اسے مولانا شوکت صاحب کا مدرسہ کہتے تھے۔ مولانا منصبِ امامت کی وجہ سے گرچہ بمبئ میں رہتے تھے؛ لیکن مدرسہ کے حالات اور تعلیمی سرگرمیوں سے باخبر اور مدرسہ کی تعمیر و ترقی کے لیے فکرمند رہا کرتے تھے، اکابر اہل اللہ کی توجہات اور مولانا کی فکروں کا نتیجہ ہے کہ آج یہ مدرسہ اس پورے علاقے میں فقہ شافعی کا مرکزی جامعہ بن چکا ہے، جہاں ناظرۂ قرآن سے لے کر تخصصات تک تعلیم ہورہی ہے، نیز دارالافتاء و دارالقضاء بھی فقہ شافعی کے مطابق خدمات انجام دے رہے ہیں، یہاں کیرالا، تامل ناڈو اور مہاراشٹر وحیدرآباد اور دیگر علاقوں کے طلبہ فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔

مولانا کو جامعہ، اس کے اساتذہ و طلبہ اور اس کے در و دیوار سے حد سے زیادہ محبت تھی، جب تک قویٰ مضبوط تھے، جامعہ میں بڑی کثرت سے تشریف لاتے، دو تین دن قیام فرماتے جب بھی گھر آتے تو جامعہ میں ضرور تشریف لاتے، صحت کے ایام میں تو ابھی شام میں گھر پہنچے کہ دوسرے دن صبح جامعہ میں موجود۔ مولانا کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ ''جب سکون کی تلاش ہوتی ہے تو ہم جامعہ میں آتے ہیں''۔ جب جامعہ میں تشریف لاتے تو عید کا سماں ہوتا، ایسا محسوس ہوتا کہ اس کے در و دیوار پر رونق و بہار آگئی ہو۔ ہر فرد کے چہرہ پر خوشی و رونق کے آثار ہوتے، اساتذہ اُن کی خدمت میں حاضری کے لیے بے تاب تو طلبہ پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے، ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہ مولانا کی خدمت سے مستفید ہو۔ اساتذہ سے دفتر اور مہمان خانے

میں ملاقات ہوتی، آپ ان کی بات سنتے اپنی بات کہتے۔ مزاحیہ اور ایسے برمحل جملے کہتے کہ پوری محفل زعفران زار ہو جاتی، طلبہ سے انفرادی واجتماعی ملاقاتیں ہوتیں۔

سالہاسال سے جامعہ کے اجلاس آپ ہی کی سرپرستی میں منعقد ہوتے، آپ ان جلسوں میں پابندی سے تشریف لاتے، ایسا محسوس ہوتا کہ چہرہ پر انوارِ الٰہی کا خاص فیضان ہو رہا ہو۔ سب سامعین کی نگاہیں عقیدت ومحبت سے آپ کی طرف لگی رہتیں، جلسہ کے اخیر میں آپ مختصر الفاظ میں چند نصیحتیں کرتے جو آپ کی طرف سے ہر ایک کے لیے پیغام بھی ہوتیں اور بیش قیمت سرمایۂ زندگی بھی۔

آپ کی خواہش تھی کہ مدرسہ کا ہر بچہ علم میں بھی مثالی ہو اور تہذیب وشائستگی کا پیکر بھی، اس لیے بچوں کی مختلف پیرائے سے تربیت فرماتے۔ عموماً عصر کے بعد مجلس ہوتی، بیان مختصر اور واقعی ماقلّ ودلّ کا مصداق ہوتا، ظرافت آمیز انداز میں طلبہ کی ذہنی وفکری تربیت فرماتے، طلبہ سے سوالات پوچھتے، علم وعمل کے گہرے نکتے بتاتے، کامیاب زندگی گزارنے کے آداب و طریقے پر روشنی ڈالتے، سنتوں کی پابندی کی تنبیہ کرتے، صحابہ کرام واسلاف واکابر کے واقعات سناتے، اس کے پس منظر میں نصیحتیں کرتے، روتے بھی رُلاتے بھی، نبی کریم ا کی موقع موقع سے بتائی ہوئی دعائیں یاد کراتے۔ مولانا کی دل آویز شخصیت، بزرگی وعظمت، پدرانہ شفقت و محبت کی وجہ سے یہ باتیں بچوں کے دلوں میں سیدھے اتر جاتیں۔ مولانا کا حافظہ بھی غضب کا تھا، پیرانہ سالی کے زمانہ میں بھی ان کے حافظہ میں محفوظ ہوتا تھا کہ پچھلے بیان میں کیا باتیں ارشاد فرمائیں تھیں۔

مولانا کا ایک بڑا نایاب وصف محنتی اساتذہ وکارکنان کی حوصلہ افزائی کرنا تھا، طلبہ کو اساتذہ کی قدر کرنے اور ان سے خوب استفادہ کرنے پر ابھارتے، اسی طرح خود بچوں کے سامنے اساتذہ کی تعریف اور مختلف طریقوں سے حوصلہ افزائی کرتے جس سے اساتذہ اور زیادہ محنت وتندہی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے۔

اَوصافِ حمیدہ

مولانا تواضع وانکساری، حلم و بردباری، اخلاص و بے لوثی، زہد واستغناء،، اتباع سنت اور ورع وتقویٰ میں اسلاف کی سچی یادگار تھے، آپ کو دیکھ کر سلفِ صالحین کی یاد تازہ ہوجاتی تھی ، چہرے پر معصومیت، دراز قد، باوقار سراپا، گفتگو میں نرمی، برتاؤ میں شائستگی، عالمانہ متانت اور خوش طبعی ومحبت کی ادا دلوں کو موہ لیتی تھی۔

استغناء

مولانا خودداری واستغنا کا ایک کامل نمونہ تھے۔عروس البلاد بمبئی، فلک بوس عمارتوں اور تجارتی منڈیوں کی وجہ سے ہندوستان کا دل مانا جاتا ہے، مولانا جس علاقے میں رہتے تھے وہ بمبئی کا قلب ہے، ہر طرف تجارت گاہ اور مال ودولت کی ریل پیل ہے، صبح وشام دنیا کمانے کی گویا ایک ہوڑ مچی ہوئی ہے، ایسے ماحول میں دنیاوی چمک دمک سے صحیح سلامت دامن بچا کر نکل جانا ایک کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔مولانا نے ساری زندگی بمبئی میں گزاری؛ لیکن اس کی رنگینیاں کبھی آپ کو متأثر نہ کرسکیں، مولانا اگر دولت کے متلاشی ہوتے تو کروڑوں روپیہ ان کے بینک بیلنس کی صورت میں موجود ہوتا، اور فلیٹ وجائیداد کی تفصیلات سنبھالنا مشکل، لیکن مولانا کی بے نفسی، بے ریائی اور مال ودولت سے بے اعتنائی اس حد تک تھی کہ وہاں اپنا ایک ذاتی گھر بھی نہ بنایا، مسجد ہی کے مکان میں رہے، حالانکہ آپ کے چاہنے والوں اور آپ پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والوں کی کچھ کمی نہ تھی، لوگ پیش کش کرتے رہے؛ لیکن مولانا نے کبھی قبول نہ فرمایا۔

اخفائے حال

پچھلی سطور میں ذکر کیا جاچکا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اکابر کا اعتماد حاصل تھا، بہت سارے واقعات ہیں؛ لیکن حضرت مولانا ان واقعات کا تذکرہ پسند نہیں فرماتے تھے، آپ شہرت کی طلب، نیک نامی کی خواہش، اپنے کو بزرگ شخصیت پیش کرنے سے بے نیاز اور ستائش کی تمنا سے بالکل دور تھے۔

خشیت

خوف وخشیت میں مولانا کا وصف نرالا تھا، ابھی مولانا بذلہ سنجی وخوش طبعی کی کیفیت میں ہیں تو ابھی پل بھر میں خوف وخشیت کا جلوہ ہو جاتا اور رقت طاری ہو جاتی۔ جامعہ میں جب خطاب فرماتے تو بات بات پر آنکھیں چھلک پڑتیں، جلسہ میں قرآن کی تلاوت ہوتی اور مولانا کی آنکھیں آنسو برسانے لگتیں۔ اخیر زمانے میں خصوصیت کے ساتھ دیکھا گیا کہ قرآنِ کریم کی تلاوت ہو رہی ہے اور مولانا کی آنکھیں چھلک رہی ہیں اور دل کی کیفیت آنکھوں کے ذریعہ باہر آرہی ہے۔ مقرر کا بیان جاری ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور اسلاف کے واقعات بیان ہو رہے ہیں اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ مولانا کبھی خود کسی طالب علم سے فرمائش کر کے قرآن سنتے۔

ابھی گذشتہ سال مولانا کی طبیعت بہت خراب تھی؛ لیکن جب سنا کہ جامعہ میں تجوید وقرأت کا جلسہ ہے، تو کہا کہ مجھے ضرور جانا ہے، تشریف لائے اور جامعہ کے مہمان خانہ میں چند لوگوں کی موجودگی میں جامعہ کے ایک فاضل سے قرآن پڑھنے کی فرمائش کی، تلاوت شروع ہوئی اور ادھر مولانا پر گریہ طاری ہوا، اور آپ دیر تک روتے رہے۔

مقبولیت ومحبوبیت

علم وعمل کی جامعیت، صلاح وتقویٰ کی وجہ سے حق تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ مقبولیت سے نوازا تھا اور اس دیار میں مرجع خلائق کی حیثیت رکھتے تھے، ہر طبقہ اور ہر مسلک والے بلکہ غیر مسلم بھی آپ کا ادب واحترام کرتے تھے، دنیا دار طبقہ بھی آپ کے قدموں میں گرتا تھا، لوگ آپ کے پاس اپنے معاشرتی، تجارتی مسائل حل کرنے کے لیے لاتے اور مولانا کا فیصلہ ان کے لیے حرفِ آخر ہوتا۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ: ''بمبئی کی سب سے

بڑی جامع مسجد کے امام وخطیب حضرت مولانا شوکت صاحب مدظلہ اس وقت بمبئی میں سب سے زیادہ معمر بزرگ ہیں، جن پر علاقے کے تمام مسلمان اعتماد کرتے ہیں۔ آج کل وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے ہیں، ہمارا خیال تھا کہ عصر کی نماز اُن کی مسجد میں پڑھ کر اُن کی زیارت اور عیادت کی سعادت حاصل کریں گے؛ لیکن ہجوم کی وجہ سے ہمیں نکلنے میں دیر ہوئی، اور جماعت ہوٹل ہی میں کرنی پڑی۔ نماز کے فوراً بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ہمارے آنے کی خبر سن کر بذاتِ خود ہوٹل کی نچلی منزل میں تشریف لا چکے ہیں''۔ (سفر در سفر ۳۰۰)

یہ حضرت مولانا کی برکت تھی کہ اس دشوار گذار کوہ دمن میں بزرگانِ دین اور علماء واکابر کی آمد ہوتی رہتی تھی۔ پچھلے دو سالوں میں حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی مہتمم دار العلوم دیوبند، مولانا یوسف متالا صاحب، مولانا محمد ابراہیم پانڈور، مولانا مفتی احمد خانپوری، مولانا عبد الرزاق بھوپال، مولانا محمد سلمان مظاہر علوم سہارنپور، مولانا عبد العلیم فاروقی، مولانا محمود مدنی، مولانا بدر الدین اجمل، مولانا احمد بزرگ مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل دامت برکاتہم العالیہ اور نہ جانے کتنے علماء واکابر حضرت مولانا کی عیادت وملاقات کے لئے ''میندری'' تشریف لاتے رہے، اس بہانے اُن میں سے اکثر کی جامعہ حسینیہ میں بھی آمد ہوتی، ان حضرات کی ملاقات اور ان کی زیارت ہم سب کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ تھی، جس سے دیدہ ودل شاداب ہوتے تھے۔

مولانا کی وفات امت کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے۔ **اللّٰهم اغفر له وارحمه وادخله الجنة. آمين.**

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۵ء)

اَمیرِ شریعت

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ناظم اعلیٰ، اَمارتِ شرعیہ بہار واُڑیسہ کے اَمیر شریعت، دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین، بزرگ عالم دین حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ ۱۷؍اکتوبر ۲۰۱۵ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ اَگلے دن پھلواری شریف میں امارتِ شرعیہ کے اِحاطہ میں ۲؍بجے دن میں حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، اور ہزاروں افراد نے نم آنکھوں کے ساتھ آپ کوالوداع کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا مرحوم انتہائی پروقار اور بابصیرت عالم دین تھے، خوش خلقی، حلم وبردباری، نرم روی اور ورع واحتیاط جیسی خوبیاں آپ کی ذات میں نمایاں تھیں، اپنے موقف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کے ساتھ مخالف آراء کو تحمل سے برداشت کرنا آپ کا خاصہ تھا، جس کی بنا پر آپ کے ذریعہ آل اِنڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کو متحد رکھنے میں بڑی مدد ملی۔

آپ کی پیدائش ۱۹۲۷ء میں ہوئی، اِس اعتبار سے آپ نے ۸۸؍سال کی عمر پائی، آپ نے اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے نمایاں شاگردوں میں آپ کا نامِ نامی بھی آتا ہے۔

۱۹۹۱ء میں آپ کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کا جنرل سکریٹری بنایا گیا، اِس منصب پر آپ

پچیس سال تک فائز رہے اور عظیم خدمات انجام دیں۔

اِسی کے ساتھ ساتھ آپ ۱۹۹۸ء میں اَمارتِ شرعیہ بہار کے امیر شریعت منتخب ہوئے، آپ کے دور میں امارتِ شرعیہ بہار نے بے مثال ترقی کی۔ اِسی سال آپ دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ بنائے گئے، اور تادم آخر اُس کی مجالس میں شرکت فرما کر اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

حضرت مولانا موصوف کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ آسانی سے پر نہ ہوسکے گا، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور اُمت کو اُن کے نعم البدل سے سرفراز فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۵ء)

متفرقات:

حضرت مولانا عبدالرب صاحب گونڈویؒ

مؤرخہ ۲۳ رصفر المظفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۶ ردسمبر ۲۰۱۴ء بروز منگل کو مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے مہتمم حضرت مولانا عبدالرب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف نہایت فعال، فکر مند اور باا ثر عالم تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء سے گہری وابستگی رکھتے تھے، یقیناً آپ کی وفات پورے علاقہ کے لئے بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور دینی خدمات کا بہتر صلہ عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۵ء)

حضرت مولانا نجم الحق صاحبؒ

دارالعلوم مالکیہ رام نگر (نینی تال) کے صدرالمدرسین اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا نجم الحق صاحب مفتاحیؒ گذشتہ ۷ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۳۰ ردسمبر ۲۰۱۴ء بروز منگل کو مختصر علالت کے بعد انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن نماز ظہر کے بعد رام نگر میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں اطراف کے علماء اور عوام نے بڑی تعداد میں شرکت کی، موصوف بڑے وضع دار، معاملہ فہم اور خوش اخلاق شخص تھے۔ مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب کے خصوصی خدام اور مستفیدین میں سے تھے، موصوف کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ بآسانی پر نہ ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۵ء)

رفتگاں

۲۰۱۶ء

- حضرت مولانا محمد اقبال صاحب قاسمیؒ
- حضرت مولانا مفتی عبدالرؤوف صاحب سیتاپوریؒ
- حضرت قاری محمد صالح صاحب بھاگل پوریؒ
- حضرت مولانا عبدالمعید صاحب ہلدوانیؒ

حضرت مولانا محمد اقبال صاحب قاسمیؒ

سابق شیخ الحدیث جامعہ باقیات الصالحات ویلور

موصوف جنوبی ہند کے مشہور ومعروف اور بافیض عالم دین تھے۔ عربی، اُردو، انگریزی اور تمل زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا، نہایت خودداری، وقار اور نظم وضبط کی پابندی کے ساتھ زندگی گذاری۔ ایک عرصہ تک فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے حکم پر جمعیۃ علماء ہند کے ''شعبۂ اِصلاحِ معاشرہ'' کے ناظم کی حیثیت سے مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی میں بھی مقیم رہے، بعد میں صوبائی جمعیۃ کی ذمہ داریوں کے ساتھ ''باقیات الصالحات'' ویلور میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ جنوبی ہند میں فکر دیوبند اور مسلکِ اہل حق کی نشر واِشاعت میں مولانا موصوف کی خدمات تادیر یاد رکھی جائیں گی، اور علامہ نیمویؒ کی معروف کتاب ''آثار السنن'' کی عربی شرح بھی موصوف کی یادگار میں شامل ہے۔

اَخیر میں ضعف واَمراض کی بنا پر اپنے وطن مالوف ''سنکری'' میں مقیم تھے، وہیں ۲۳؍صفر المظفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۶؍دسمبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار رات میں ساڑھے دس بجے وصال ہوا، اور موصوف کی وصیت کے مطابق اگلے دن فجر کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۶ء)

جنوبی ہند کا ایک گوہر نایاب

حضرت مولانا اقبال صاحب قاسمیؒ

مولانا مفتی خلیل الرحمٰن صاحب امام وخطیب بنگلور

آج سے تقریباً ایک سال پہلے راقم کے پڑوسی اور جامعہ طلحہ بنگلور کے قابل احترام مہتمم محترم جناب سید حافظ عاصم کے ذریعہ ایک خوبصورت اور دیدہ زیب کتاب دستیاب ہوئی۔ یہ کتاب ہندوستان کے عظیم ترین علامہ ظہیر احسن شوق نیموی کی تصنیف کردہ مشہو کتاب ''آثار السنن'' تھی علامہ کے نام اور کام سے اگر چہ متعارف تھا مگر ان کی عظیم الشان کتاب اس سے پہلے دستیاب بھی نہیں ہوئی تھی، جب کہ میں اس کو دیکھنے اور پڑھنے کا بے حد شوق رکھتا تھا جیسے ہی کتاب ہاتھ میں آئی دل باغ باغ ہوگیا۔ شوق کے ہاتھوں سے اس کو لیا اور پوری توجہ سے مطالعہ شروع کردیا۔ متن کے ساتھ حواشی بھی مطالعہ میں رہے تو مصنفؒ کے ساتھ محشی کی عظمت بھی دل میں راسخ ہوتی چلی گئی۔ کتاب کے محشی جنوب ہند کے معروف عالم دین حضرت مولانا اقبال قاسمی صاحبؒ تھے۔ حواشی میں مذکور علمی تحقیقات اور گراں قدر وضاحتوں سے ان کی علمی وسعت اور گہرائی سے واقفیت ہوئی اور شدت کے ساتھ ان سے ملاقات کا داعیہ پیدا ہوا۔ کئی دفعہ دل چاہا کہ حضرت والا سے کسی طرح شرف ملاقات حاصل کروں مگر:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت والا سے ملاقات نہ ہوسکی، اور پھر ۶ر دسمبر ۲۰۱۵ء کو یہ اندوہناک خبر کانوں سے ٹکرائی کہ حضرت مولانا اقبال صاحب قاسمی رحلت فرما گئے ہیں۔ نہایت صدمہ وافسوس کی اس

حالت میں کلمات استرجاع وغیرہ جو کچھ بن پڑا وہ کیا، لیکن اب لگتا ہے کہ اس خدا مست قلندر کے داغ مفارقت کی کسک مدتِ دراز تک یونہی محسوس ہوتی رہے گی، اور ان کی رحلت سے دل پر آئے زخم یوں آسانی سے مندمل نہ ہو سکیں گے۔ اس دور قحط الرجال میں مولانا مرحوم کا حادثۂ وفات ملت کے لئے عظیم خسارہ ہے۔ خصوصا جنوب ہند کے لئے ان کا وجود با مسعود نعمت عظمیٰ تھا۔ وہ بہت عظیم ہو کر بھی بہت سادہ اور متواضع انسان تھے۔ مولانا مرحوم اپنی ذات میں ایک نمونہ اور ایک مثال تھے۔ ایسے کم ہی لوگ ہوتے ہیں جن کی پوری زندگی مثالی رہی ہو اور اس میں کھوٹ کا شائبہ بھی نہ ہو۔ ایسا کم ہوتا ہے اور یہ کم ہونا ہی اس بات کی علامت ہے کہ متعلقہ آدمی اپنی ذات میں انفرادیت کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ اپنے لباس، اپنی وضع قطع، اپنے حلیے، اپنے رکھ رکھاؤ، اپنے معاملات اور اپنی نشست و برخاست سے وہ ایک ایسے بندۂ مومن تھے جس کی ذات سے نقصان کا تصور تو کیا کسی کی توہین بھی نہیں ہوتی تھی، سچے اور اچھے انسان بن کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ مخلص اور ایثار پیشہ انسان تھے۔ ایک عالم دین میں جن صفات کی ضرورت ہوتی ہے، مولانا ان تمام صفات کے بدرجۂ اتم حامل تھے۔ ان کی شخصیت کا تاج محل خلوص و احسان کی بنیادوں پر تعمیر ہوا تھا۔ اس تاج محل کی حفاظت اور اس کی رونق و چمک کو باقی رکھنے میں مولانا مرحوم کی اپنی فطرت کو بڑا دخل تھا۔ شروع سے لے کر تا دم آخر نیکی اور جہد مسلسل کی راہ پر رہے۔ مولانا اقبال صاحب قاسمی قدس سرہ ایک الگ ہی طبیعت کے انسان تھے، اس مادی دور میں جب کہ زندگی گزارنے کے پیمانے اور معیار بدل چکے ہیں اور آگے تک پہنچنے کے راستے تبدیل ہو چکے ہیں، مولانا مرحوم ان پیمانوں اور معیاروں کے قریب سے بھی نہیں گزرے تھے۔ خودداری وضعدار علم وعمل کی جامعیت، سادگی، خوش اخلاقی، اخلاص ومحبت، علم کی پختگی اور مطالعہ کی گہرائی ان کی پہچان تھی۔

مولانا اقبال صاحب قاسمی تمل ناڈو کے سینکری دَرگ میں ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ ہائی اسکول وانم باڑی میں ایس۔ ایس۔ ایل۔ سی۔ تک کی تعلیم حاصل کی۔ پھر اسلامیہ

کالج وانم باڑی سے بی۔یو۔سی سے سائنس کی تعلیم حاصل کی اوراعلیٰ ترین نمبرات حاصل کر کےفرسٹ ڈویژن کےساتھ کامیابی حاصل کی۔

مولانا مرحوم کالج میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے تھے۔ان نمبرات کی بنیاد پر ان کو میڈیکل میں بآسانی داخلہ مل رہا تھااور گھر والوں کی طرف بھی دباؤ تھا کہ وہ میڈیکل میں داخلہ لیں،لیکن وہ چونکہ بچپن ہی سے دینی تعلیم کا شوق وجذبہ رکھتے تھے،اس لئے گھر والوں سے صاف کہہ دیا کہ وہ میڈیکل لائن میں جانا نہیں چاہتے بلکہ دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔انہوں نے دینی تعلیم کے حصول کے لئے گھر والوں کی مخالفت برداشت کی اور دینی تعلیم کے حصول میں پوری محنت اور توجہ کے ساتھ کوشاں ہوئے ۔دارالعلوم دیوبند میں آئے اور یہاں رہتے ہوئے آٹھ سال کا نصاب اپنی محنت اور لگن سے چھ سال میں مکمل کیا۔دوران تعلیم میں ان کا شمار ممتاز طلبہ میں تھا۔وہ اپنے تمام اساتذہ کے معتمد تھے۔ان کی محنت،یکسوئی اورانہاک کی بنیاد پر اساتذہ بھی ان پر خاص توجہ رکھتے تھے۔دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف میں اول پوزیشن سے کامیابی حاصل کی۔فراغت کے بعد جنوب ہند کےمشہور ومعروف مدرسے مظاہرالعلوم سلیم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔اس مدرسے کے بانی ومہتمم حضرت مولانا شفیق احمد خانصاحب دیوبندی خلیفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ قدس سرہ تھے۔بزرگوں والی شفقت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی،اس لئے مولانا اقبال قاسمی مرحوم کے ساتھ بھی ان کا معاملہ بہت ہی کریمانہ اورمشفقانہ رہا۔اس کے بعد معدن العلوم وانم باڑی ،رفیق العلوم آمبور اور پھر جنوبی ہند کی قدیم درس گاہ باقیات الصالحات میں شاندار طریقے سے تدریسی خدمات انجام دیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ملک بھر میں آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جن میں کئی ملک کے نامور اورمشہور علماء میں شمار ہوتے ہیں۔مولانا فطری طور پر بہت محنتی اوراصول پسند واقع ہوئے تھے۔اسی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے ذہین اور محقق بھی تھے،یہی وجہ ہے کہ ان کے

تمام کام اصول کی روشنی میں مرتب ہوتے تھے۔ جو خدمت بھی ان سے متعلق ہوئی اس کو بحسن و خوبی انجام دیا، اور کبھی کسی کو انگلی رکھنے کا موقع نہ دیا۔

مولانا مرحوم اپنی زندگی میں سب سے زیادہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہ صدر جمعیۃ علمائے ہند سے متأثر تھے۔ پوری زندگی جمعیۃ علماء ہند کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے، ان کا شمار جمعیۃ کے صف اول کے لوگوں میں تھا۔ جمعیۃ علماء کے شعبۂ اصلاح معاشرہ کے پانچ سال تک ناظم رہے۔ اپنے اس پانچ سالہ دورِ نظامت میں ملک بھر میں اصلاح معاشرہ کا ایسا مضبوط نظام بنایا کہ آج تک اسی نظام کے مطابق جمعیۃ کا پروگرام چل رہا ہے۔ بڑے ذہین، طباع، متحرک اور صلاحیت مند عالم دین تھے۔ عربی، اردو، انگریزی اور تمل چاروں زبانوں میں یکساں عبور رکھتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ روزانہ چاروں زبانوں کے اخباروں کا پابندی سے مطالعہ کرتے تھے۔ ماہنامہ ''منار الھدیٰ'' ماہنامہ ''صدائے حق'' اور ماہنامہ ''الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' تینوں ماہناموں کے آپ مدیر تھے۔ آپ کی تحریر شگفتہ مدلل اور عام فہم ہوتی تھیں۔ آپ کی جملہ نگارشات علمی حلقوں میں کافی مقبول رہیں۔ آپ کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی رہا کہ آپ نے اوقات الصلوٰۃ کا نقشہ تیار کیا جو آج کئی علاقوں میں رائج ہے۔ ان کے علمی کارناموں میں ان کا تصنیف کردہ حاشیہ ''توجیہ المتن إلیٰ حل آثار السنن'' کو ایک گراں قدر علمی شاہکار کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ حاشیہ دراصل علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ کی معروف کتاب ''آثار السنن'' کی مختصر شرح ہے۔ اس میں اجمال کی تفصیل، مشکل الفاظ کی تشریح اور بعض معرکۃ الآراء مسائل کی کامیاب تلخیص ہے۔ ''آثار السنن'' کو آسان اور مفید بنانے کی انہوں نے پوری کوشش کی ہے اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہیں۔ آثار السنن کے مصنف نے ''التعلیق الحسن'' کے نام سے خود اس کتاب کا حاشیہ تحریر کیا تھا، مگر وہ اپنے علمی مباحث اور اصولی اصطلاحات کے باعث مبتدی طلبہ کے لئے اس سے استفادہ آسان نہیں تھا۔ مولانا مرحوم نے ''توجیہ المتن الی حل آثار السنن'' لکھ کر مبتدی و متوسط طلبہ کے لئے آثار

السنن کی تعلیم اور تعلم کو بہت آسان اور سہل بنادیا ہے۔ خدا ان کی یہ خدمت قبول کرے۔ اور اس کا نفع عام کرے۔

مولانا مرحوم حق گوئی، جرأت اور استقامت کے پیکر تھے، انہوں نے دورخی پالیسی کو ہمیشہ برا جانا، ہمیشہ جس کو حق جانا اسی کو قبول کیا، اور پوری جرأت کے ساتھ حق کا ساتھ دیا۔ دین حق اور مسلک حق کی سربلندی کے لئے ہمیشہ مستعد اور کوشاں رہے۔ اور اس کے لئے پوری زندگی ہر طرح کی قربانیاں دیتے رہے۔ حق بات کہنے اور حق بات کا ساتھ دینے میں انہوں نے کبھی کسی کی مخالفت اور ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کی۔ اکابر کے طرز پر پوری زندگی سادگی اور قناعت کے ساتھ گزاری۔ تکلفات، تصنع، ریاکاری، شہرت وجاہ پسندی اور غرور وتکبر جیسے رذائل سے ان کو بہت بعد تھا؛ البتہ نیکی، خوش اخلاقی، تواضع، للّٰہیت اور اخلاص جیسے عمدہ اوصاف سے وہ پوری طرح آراستہ تھے۔ مولانا مرحوم کے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ سبھی اخلاف ماشاء اللہ نہایت بااخلاق اور نیک سیرت ہیں، آپ کی صاحبزادیاں بھی علم اور اخلاق وسیرت طیبہ سے مزین ہیں۔ الغرض پورا خانوادہ نہایت نیک نام ہے اور ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق ہے۔

صاحبزادوں میں تین صاحب زادے مولانا احمد عزیز، مولانا عبید اللہ اور مولانا صہیب سلمہم اللہ تعالیٰ عالم دین ہیں، جب کہ ایک صاحب زادے حافظ اُویس صاحب زید مجدہ حافظ قرآن ہیں اور بہت نیک طبیعت انسان ہیں۔

مولانا مرحوم کے ۲؍داماد شہر بنگلور کے معروف علمی ادارہ دارالعلوم شاہ ولی اللہ کے مدرس ہیں۔ بڑے داماد صوبہ کرناٹک کی جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری اور دارالعلوم شاہ ولی اللہ کے قدیم اور ذی استعداد مدرس ہیں۔ موصوف مفتی شمس الدین بجلی قاسمی کے نام سے موسوم ہیں، دوسرے داماد محترم جناب مفتی مجاہد الاسلام قاسمی ہیں، ذہین اور ذی استعداد عالم دین ہیں، راقم الحروف کے دورۂ حدیث کے درسی ساتھی ہیں۔ حضرت مولانا مفتی شمس الدین صاحب بجلی قاسمی

بڑے متحرک اور فعال انسان ہیں۔ قدرت نے ان کو غیر معمولی صلاحیتوں اور بلاء کی ذہانت سے نوازا ہے۔ ایک مرتبہ ان کے دینی کاموں سے متأثر ہوکر احقر کی زبان سے بے ساختہ ان کے لئے موفق من اللہ کا لفظ نکلا۔ اس پر موصوف نے عاجزی اور اپنی تواضع کی بنیاد پر کہا کہ اس جملہ کو میں اپنے حق میں دعائیہ جملہ سمجھتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ خدا کی دی ہوئی توفیق سے کئی نوع کی دینی وملی خدمات بہت ہی منظّم اور مرتب انداز سے انجام دے رہے ہیں۔ خدا آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ تیسرے داماد مولانا عمر صاحب قاسمی بھی شہر بنگلور ہی میں دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مولانا اقبال صاحب مرحوم گذشتہ کچھ دنوں سے بیمار چل رہے تھے اور ''ایروڈ'' کے ایک اسپتال میں زیر علاج تھے۔ ایک دن قبل ہی جمعیۃ علماء ہند کے قائد اور سابق ممبر پارلیمنٹ حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی مدظلہ اُن کی عیادت کے لئے ان کے آبائی گاؤں سینکری درگ آئے تھے۔ ایک دن بعد ۶؍دسمبر بعد عشاء مولانا اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ **رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمةً واسعةً وتغمده اللّٰہ برحمتہٖ وأسكنه فسيح جناته.**

مولانا مرحوم نے اپنی ایک ڈائری میں یہ وصیت لکھی تھی کہ اگر ان کا انتقال عشاء کے بعد ہو تو انہیں فجر کی نماز کے فوراً بعد سپرد خاک کیا جائے۔ فجر کے بعد ہو تو ظہر کی نماز کے بعد فوراً سپرد خاک کیا جائے۔ اسی طرح عصر میں ہو تو مغرب میں اور مغرب میں ہو تو عشاء کے بعد فوراً ان کی تدفین عمل میں لائی جائے۔ چوں کہ ان کا انتقال عشاء کے بعد ہوا تھا، اس لئے اہل خاندان نے مشورہ کے بعد ان کی وصیت کے مطابق نماز فجر کے فوراً بعد تدفین کا فیصلہ کیا۔ جیسے ہی مولانا کی وفات کی خبر عام ہوئی تو مختلف علاقوں سے ان کے چاہنے والے سینکری پہنچنے لگے اور صبح پانچ بجے تک علماء کرام کی ایک کثیر تعداد مولانا کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے پہنچ گئی۔ مولانا مرحوم کی نماز جنازہ ان کے بڑے صاحب زادے محترم جناب حافظ اویس صاحب زید مجدہ نے پڑھائی۔ خدا ان کی مغفرت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔

❍❖❍

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤوف صاحب سیتاپوریؒ

مفتی واُستاذ حدیث دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد

دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد کے مفتی واُستاذِ حدیث، مقبول عام داعی اور خطیب حضرت اَقدس مولانا مفتی عبدالرؤوف صاحب قاسمی سیتاپوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۸؍شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۴؍جولائی ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ کی شب میں تقریباً ساڑھے بارہ بجے اچانک انتقال فرما گئے، اناللہ واناالیہ راجعون۔ موصوف کی نماز جنازہ ظہر کی نماز میں جامع مسجد میں ادا کی گئی، جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری صاحب زیدمجدہم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف نہایت وضع دار، بااخلاق، ملنسار اور ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے، فقہ وفتاویٰ اور حدیث شریف سے اچھی مناسبت ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے خطابت کا بہترین ملکہ عطا فرمایا تھا۔ خصوصاً اصلاحِ معاشرہ اور تاریخ اسلام کے موضوع پر آپ کے بیانات نہایت پراثر اور دلنشیں ہوتے تھے۔ ملک کے طول وعرض میں آپ کے اصلاحی اسفار کا سلسلہ پورے سال جاری رہتا تھا۔ آپ محکمۂ شرعیہ ضلع مرادآباد کے رکن رکین تھے، اور پوری دلچسپی سے اس کے اجلاسوں میں شرکت فرماتے تھے۔ آپ سالوں سے مرادآباد کی جامع مسجد میں بعد نماز فجر ترجمہ قرآن بھی فرمایا کرتے تھے، جس میں لوگ ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور فکر قاسمی کے امین تھے، ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم

دیوبند سے فراغت حاصل کی، اُس کے بعد مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، بعد ازاں مدرسہ حیات العلوم مرادآباد سے وابستہ رہے، اور ۱۹۸۴ء سے تادم آخر مسلسل ۳۲/سال دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد میں تدریس وافتاء کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ کا اصلاحی تعلق محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ سے تھا، بعد میں آپ کے جانشین حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب زید مجدہم کی طرف رجوع کیا، اور موصوف ہی نے آپ کو اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔ موصوف کے اخلاف میں ۵/صاحبزادے اور ۲/صاحبزادیاں ہیں، جن میں سے ایک صاحبزادے مولوی محمد غازی سلمہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کے درجات بلند فرمائیں، آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں، اور وارثین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ قارئین سے بھی ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۶ء)

زندگانی تھی تیری مہتاب سے بالاتر

(والد محترم حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سیتا پوری نور اللہ مرقدہٗ سے وابستہ کچھ یادیں)

تحریر: مولانا محمد نجیب الرحمٰن ندوی قاسمی بن حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحبؒ

اللہ رب العزت نے یہ دنیا ایسی بنائی ہے کہ اس میں غم اور خوشی، راحت اور تکلیف دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ نہ یہاں خوشی خالص ہے اور نہ غم اس لئے یہاں صدموں اور غموں کا پیش آنا کوئی اچنبھے کی بات ہے اور نہ کوئی غیر معمولی چیز، لیکن بعض صدمے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا اثر امت کے ایک بڑے طبقہ پر پڑتا ہے، اور اس کے اثرات کی وجہ سے ان کے زخم کا مندمل ہونا آسان نہیں ہوتا۔ ایسا ہی ایک صدمہ جو اب تک میری زندگی کا عظیم ترین صدمہ ہے وہ ابھی چند روز قبل ۱۸ر شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۴ر جولائی ۲۰۱۶ء بروز یکشنبہ تقریباً نصف شب کو والد ماجد حضرت اقدس الحاج مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ طبیب الامۃ حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم کی اچانک ہوئی وفات کی شکل میں پیش آیا۔ یقیناً یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس کو برداشت کرنا تقریبا ناممکن ثابت ہو رہا ہے، قلب میں عجیب اضطرابی کیفیت ہے، والدہ کو تکلیف نہ ہو اس لئے آنسوؤں کو پینا پڑ رہا ہے، ہاتھوں میں لرزہ طاری ہے، عقل دنگ ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ بات کہاں سے شروع کی جائے، ایک ایسے امر کو جس کی توقع نہ کی تھی کس طرح قلم بند کیا جائے، وفات سے ایک گھنٹہ قبل تک جس کے ساتھ نہایت ہمدردانہ و مشفقانہ گفتگو ہو رہی تھی

اچانک ہوئی اس کی وفات کو کس طرح بیان کیا جائے۔ بہر کیف اللہ مددگار ہے اسی پر بھروسہ و توکل کرتے ہوئے آپؒ کی حیات مبارکہ کے مختصر حالات قلم بند کر رہا ہوں، اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاء گو ہوں کہ اللہ رب العزت اس کا ثواب حضرت والد صاحبؒ کی روح کو پہنچائے، اللہ رب العزت راقم اور تمام اہل خانہ خصوصا والدہ محترمہ کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائیں، آمین۔

موت اس کی ہے جس پہ زمانہ کرے افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لئے

پیدائش وخاندانی پس منظر

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیتاپور ضلع کی ایک مردم خیز بستی تمبور کے ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جہاں علمی ماحول نہ تھا، کاشت کاری اور مزدوری کے ذریعہ گھر کے امور نہایت تنگ دستی کے ساتھ انجام پاتے تھے، چونکہ خاندان میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا، اس لئے آپؒ کی صحیح تاریخ پیدائش نہیں بتائی جاسکتی؛ البتہ سرکاری کاغذات پر درج تاریخ کے اعتبار سے آپؒ کی تاریخ پیدائش ۲۶ر مئی ۱۹۵۲ء ہے۔

تعلیم

حضرت والد صاحب کے خاندان میں بے پناہ غربت تھی، تعلیمی اعتبار سے بڑی پسماندگی تھی، جس کا اثر اب تک باقی ہے، اور آج بھی ہمارے خاندان میں اہل علم کی تعداد بہت معمولی ہے، خود حضرت والد صاحبؒ اپنے تمام بھائی بہنوں میں اکیلے پڑھے لکھے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپؒ حفظ قرآن نہ کر سکے تھے اور زندگی بھر اس کا ملال کرتے رہے یہاں تک کہ وفات سے ایک روز قبل بھی راقم سے حفظ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا؛ لیکن شاید خدا کو یہ منظور نہ تھا، آپؒ نے تعلیم کی ابتدا اپنے وطن تمبور ضلع سیتاپور کے ایک تاریخی ادارہ مدرسہ اسلامیہ ضیاء العلوم

سے کی، جہاں آپؒ نے پرائمری درجات کے علاوہ فارسی اور عربی اول کی تعلیم حاصل کی، درمیان میں رکاوٹیں بھی پیش آئیں، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ دادا مرحوم نے تعلیم منقطع کرادی؛ لیکن آپ کے استاذ حضرت مولانا احمد علی صاحب تمبوریؒ نے اپنی سرپرستی میں دوبارہ داخل کرایا، اور تعلیم کا یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا، حصول تعلیم کے سلسلہ میں آپؒ ۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ وطن سے باہر نکلے اور زید پور ضلع بارہ بنکی تشریف لے گئے، ۱۹۶۷ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے اور وہاں درجہ پنجم تک تعلیم حاصل کی، ۱۹۷۰ء میں مادرعلمی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے حتی کہ ۱۹۷۳ء میں آپؒ نے دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اور اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں دارالعلوم دیوبند ہی سے تکمیل افتاء کیا۔

دوران تعلیم آپؒ نے سخت مصائب کا سامنا کیا، پیسوں کی سخت قلت تھی، کئی کئی روز تک ناشتہ نہیں کرتے تھے، سہارنپور آنے کے لئے تمبور سے لہرپور تک جو کہ تقریباً پچیس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے سر پر صندوق رکھ کر پیدل آتے جاتے تھے، مطالعہ کا اتنا شوق تھا کہ دارالعلوم کے راستوں میں جلنے والے چراغوں تلے دیر رات تک مطالعہ کیا کرتے تھے۔

تدریس

تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت والد صاحبؒ اور آپ کے رفیق حضرت مولانا مفتی محمد میاں صاحب دامت برکاتہم چھٹمل پور ضلع سہارنپور تشریف لے گئے اور بحیثیت مدرس ان دونوں حضرات کا تقرر مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور میں ہوا، دریں اثناء ۲۶؍ جون ۱۹۷۵ء کو آپؒ کا نکاح ہوا، ۱۹۷۶ء میں آپ مرادآباد تشریف لے آئے اور محلّہ پیرزادہ کے مدرسہ حیات العلوم میں آپ کا تقرر رہا، ۱۹۸۲ء تک آپ نے نہایت کامیابی کے ساتھ درس دیا، ۱۹۸۳ء میں آپ کا تقرر دارالعلوم جامع الہدیٰ گلشہید میں ہوا، اور اخیر تک آپ نے وہاں تدریسی خدمات انجام دیں اور ساتھ ہی ساتھ دارالافتاء کی ذمہ داری سنبھالے رہے۔ آپؒ نے مشکوٰۃ المصابیح، ہدایہ، سنن ترمذی اور دیگر اہم کتب کا درس نہایت کامیابی کے ساتھ دیا، سنن ترمذی اور ہدایہ آخرین اخیر تک آپ سے متعلق رہیں۔

درسِ قرآن

مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ حضرت والد صاحبؒ کا معمول تھا کہ آپ روزانہ جامع مسجد تشریف لے جاتے اور فجر کی نماز کے بعد سے اشراق تک قرآنِ کریم کا ترجمہ کرتے تھے۔ درس قرآن کا یہ سلسلہ ۲۴؍مئی ۲۰۱۶ء آپؒ کے عمرہ کے لئے حجاز مقدس جانے سے قبل تک جاری رہا، جس کا سلسلہ تقریباً پچھلے تیس برس سے چلا آرہا تھا، رمضان المبارک میں ترجمہ کرنے کا معمول نہ تھا اور ابھی عید کے بعد اس سلسلہ کی شروعات بھی نہ ہو پائی تھی کہ اللہ رب العزت کا بلاوا آ گیا۔ جامع مسجد میں ترجمہ قرآن کے علاوہ آپ نے ترجمہ قرآن بعد نماز عشاء محلّہ پیرزادہ کی چاقو والی مسجد میں بھی کرنا شروع کیا تھا؛ لیکن چند وجوہات کی بنا پر یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہا۔ اس کے علاوہ شہر کے متعدد مقامات پر درسِ قرآن یا درسِ حدیث کے سلسلے وقتاً فوقتاً چلتے رہے۔

بیعت وارشاد

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج تھا کہ بزرگوں اور اساتذہ سے اصلاحی تعلقات رکھتے تھے؛ لیکن باقاعدہ سب سے پہلے آپ نے اپنا اصلاحی تعلق محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی نور اللہ مرقدہ سے قائم کیا، اور تقریباً بیس پچیس سال قبل حیدرآباد میں حضرت محی السنہؒ سے بیعت ہوئے اور حضرت کی وفات تک یہ اصلاحی تعلق قائم رہا، حضرت محی السنہؒ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپؒ کو قلبی عارضہ لاحق ہو گیا، جس کے علاج کے سلسلہ میں آپؒ نے علی گڑھ میں طبیب الامۃ حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم کے پاس آنا جانا شروع کیا، اور چند ہی اسفار کے بعد آپؒ حکیم صاحب مدظلہ سے بیعت ہو گئے، جلد ہی حضرت حکیم صاحب دامت برکاتہم نے ۱۸؍دسمبر ۲۰۰۹ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کو مسجد نبوی مدینہ منورہ میں آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت والد صاحبؒ نے اپنی وفات یعنی ۲۴؍جولائی ۲۰۱۶ء تک اپنا یہ اصلاحی تعلق قائم رکھا۔

خطابت

خطابت حضرت والد صاحبؒ کا اصل میدان تھا نہ صرف علاقہ بلکہ پورے ملک میں آپؒ ایک مقرر کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے، راقم نے حضرت والد صاحبؒ کی بہت زیادہ تقاریر نہیں سنیں؛ لیکن جتنی سنی ہیں اُن کی اساس پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دو صفات آپؒ کی تقریروں کا خاصہ تھیں:

(۱) کسی واقعہ کو تاریخی وجغرافیائی حیثیت سے بیان کرنا اور اُسے حالات حاضرہ پر منطبق کرنا۔

(۲) عوامی زبان اور سلیس اُردو کو اپنی تقاریر میں استعمال کرنا، چنانچہ آپؒ بالکلیہ بھاری بھرکم الفاظ سے اجتناب کرتے تھے۔

اخلاق وشمائل

اللہ رب العزت نے حضرت والد صاحبؒ کو نہایت اعلیٰ اخلاق کا مالک بنایا تھا، آپؒ کا سب سے بڑا خاصہ یہ تھا کہ آپ مجلس کے اعتبار سے خود کو ڈھال لیتے تھے، چنانچہ آپؒ عوام کی مجلس میں ایک عام آدمی، علماء کی مجلس میں ایک وقیع عالم دین، محدثین کی مجلس میں ایک ماہر محدث اور فقہاء کی مجلس میں ایک بہترین فقیہ ہوتے تھے۔ آپؒ کی ذات میں تصنع نام کی کوئی چیز نہ تھی، نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، اگر کوئی تقریر کرنے کے لئے بلاتا تو بغیر کسی چوں وچرا کے اس کے ساتھ تشریف لے جاتے، ہر کسی کی دعوت پر نکاح پڑھانے چلے جاتے ہاں اگر کسی نکاح کی مجلس میں خرافات ہوتیں تو اس کی سخت نکیر کرتے اور مجلس میں شرکت نہ فرماتے، آپؒ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر شفقت کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، جس کسی سے ملتے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے۔

وفات

۲۳؍جولائی ۲۰۱۶ء بروز شنبہ دن کی شروعات حضرت والد صاحبؒ نے معمول کے

مطابق کی، تہجد میں بیدار ہوئے اور نماز تہجد ادا کی، عید الفطر کے بعد آج پہلے دن جامع مسجد جانے کا اِرادہ فرمایا؛ لیکن شدید بارش کی وجہ سے تشریف نہ لے جاسکے، حسبِ معمول مدرسہ تشریف لے گئے اور دن کے دیگر اُمور معمول کے مطابق انجام دئے، شب میں تقریباً ۱۱ر بجے تک تمام اہل خانہ کے ساتھ ہمدردانہ ومشفقانہ گفتگو ہوتی رہی، اس کے بعد آپؒ بستر آرام پر تشریف لے گئے، ۲۴ر جولائی ۲۰۱۶ء مطابق ۱۸ر شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ بروز یکشنبہ رات کو تقریباً بارہ بج کر پچیس منٹ پر والدہ کی چیخ سنائی دی، اُوپر جا کر دیکھا تو حضرت والد صاحبؒ پر سکون وطمانینت کی چادر تنی ہوئی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تھکا ماندہ مسافر، ہر دم جواں، ہر لمحہ دواں، کچھ کر گزرنے کی صلاحیت کا مالک، جفاکش، علم کا شیدائی، جس کو کبھی آرام وراحت کے لمحات میسر نہ آتے تھے، اب جا کر منزل مقصود کی حصول یابی کے بعد چین کی نیند سو رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ عاجز کہ جسے چین نہ تھا بستر گل پر
اب چھوڑ کر سب راحت و آرام پڑا ہے

اخیر میں ہم اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاء گو ہیں کہ اللہ حضرت والد صاحبؒ کی مغفرت فرمائے، کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پسماندگان خاص طور پر والدہ کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے اور ان کا بابرکت سایہ تا دیر قائم فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۱۶ء)

داغِ جگر

حضرت اقدس الحاج مولانا مفتی عبدالرؤف صاحبؒ خلیفہ ومجاز بیعت حضرت اقدس حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم کے سانحہ ارتحال پر ایک تعزیتی نظم

از نتیجہ فکر: قاری شکیل الرحمٰن صاحب تابشؔ ناظم مدرسہ قوت الدین محلہ لاجپت نگر مراد آباد

ہے جو غم میں آپ کے ہر آنکھ تر عبدالرؤف ❖ دے گئے ہر شخص کو داغ جگر عبد الرؤف
ہو گئے ہیں آپ تو دو ہچکیاں لے کر خموش ❖ آپ کا گھر بن گیا ماتم کا گھر عبد الرؤف
بارہ پچیس تھے گھڑی میں آپ کے وقت نزع ❖ دیکھتے ہی رہ گئے سب چارہ گر عبد الرؤف
سانحہ کی آپ کے لوگوں میں جب پھیلی خبر ❖ بن گیا تصویر غم سارا نگر عبد الرؤف
جب چلے کفنا کے ان کو دیکھ کر ایسا لگا ❖ جا رہے ہیں آج بن کے تاجور عبد الرؤف
وائے حسرت ہر نصیحت دل کی دل میں رہ گئی ❖ وقت کی افتاد سے تھے بے خبر عبد الرؤف
دل میں کہنے کے لئے باتیں تو ہونگی سیکڑوں ❖ کہہ نہ پائے بات کوئی بھی مگر عبد الرؤف
اہل خانہ کی نہ بڑھتی اس قدر بے چینیاں ❖ بات دل کی اپنے کہہ جاتے اگر عبد الرؤف
اُس جگہ سے لوٹ کر آیا نہ کوئی آئے گا ❖ جس جگہ ہیں آپ سب کو چھوڑ کر عبد الرؤف
تھا بزرگوں سے تعلق اور تعلق میں خلوص ❖ اس طرح سے ہو گئے ہیں نامور عبد الرؤف
کیا بتاؤں کیا تھے وہ ایک نیک دل انسان تھے ❖ بات حق کہتے تھے بے خوف وخطر عبد الرؤف
جو بیان و گفتگو میں آپ کے تاثیر تھی ❖ سب کو آتا ہے کہاں ایسا ہنر عبد الرؤف
آپ کے اخلاق اور اوصاف تھے کتنے بلند ❖ آپ سا کوئی نہیں آتا نظر عبد الرؤف
جب بھی ملتے ہر کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ❖ آپ مشفق تھے ہمارے کس قدر عبد الرؤف
تھی جنہیں تم سے محبت کہہ رہے ہیں وہ یہی ❖ کس طرح یہ زندگی ہوگی بسر عبد الرؤف
اور کیا دیں آپ کو اب ہم دعاؤں کے سوا ❖ ہو عطا بس آپ کو جنت میں گھر عبد الرؤف

صبر کر تابشؔ خدا کو بس یہی منظور تھا
آخرت کا کر گئے اب تو سفر عبد الرؤف

❍❖❍

حضرت قاری محمد صالح صاحب بھاگلپوریؒ

قاری نجیب الرحمٰن بھاگل پوری استاذ مدرسہ عربیہ فیض الاسلام بروالان مرادآباد

سرزمین ''کروڈیہہ'' بھاگلپور بہار کی معروف شخصیت حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے معتمد خاص اور خلیفہ اجل حضرت الحاج قاری محمد صالح صاحب یکم ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۵/اگست ۲۰۱۶ء بروز جمعہ کو رات میں تقریباً ۱۰/بج کر ۲۰/منٹ پر ۹۴/سال کی عمر میں اپنے رب حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کی ذات والا صفات بہت سی خوبیوں کی حامل اور تصوف اور روحانیت کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ حضرت کی سب سے بڑی خوبی تواضع اور انکساری تھی، آپ خدمت خلق سے کبھی گریز نہیں کرتے تھے۔ علاقہ کے مسلم اور غیر مسلم سب ہی حضرت سے تعلق رکھتے تھے، عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ ہر ملنے والے کو اپنی ذات پر فوقیت دیتے تھے۔ حضرت قاری صاحب موصوف نے تقریباً ۹۴/سال کی طویل عمر پائی، اور حسن عمل کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت قاری صاحب بڑے اولوالعزم اور باہمت تھے، ہم نے آپ کو اپنے کام میں مستعد، چاق و چوبند اور نوجوانوں سے زیادہ پختہ ارادہ والا پایا، قاری صاحبؒ موصوف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے، حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ سے رجوع فرمایا، اور حضرت ہی کی طرف سے خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ خانوادۂ مدنی سے عشق کی حد تک تعلق تھا، بالخصوص حضرت اقدس مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ، حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ اور حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی مدظلہ کا بڑا اکرام فرماتے تھے۔ ۱۹۶۴ء میں رمضان المبارک کے مہینہ میں حضرت فدائے ملتؒ نے شاہ جنگی بھاگلپور میں مع متعلقین قیام فرمایا تھا، اس کے انتظام میں بھی حضرت قاری صاحب نمایاں طور پر شریک تھے۔

آپ فدائے ملتؒ کے منظورِ نظر تھے؛ لیکن آپ نے اپنے آپ کو کبھی نمایاں ہونے نہیں دیا، اور زندگی بھر کسی کو بیعت بھی نہیں کیا۔ موصوف بلا شبہ ان مقدس نفوس میں سے تھے جنہیں دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے، تہجد وظائف اور معمولات کے نہایت پابند تھے، اور آخر شب میں تضرع وزاری کا معمول رہا، اور چہرے بشرے سے ذکر کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ قاری صاحب اپنے شیخ حضرت فدائے ملت کے مشن اور جمعیۃ علماء ہند کے کاموں کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھتے تھے، آپ جمعیۃ علماء ضلع بھاگلپور کے نائب صدر تھے، پوری عمر جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی رکھی، اور اس کے پلیٹ فارم سے عظیم سماجی وملی خدمات انجام دیں، آپ کے شاگردوں کا پورے صوبے میں جال پھیلا ہوا ہے، جو انشاء اللہ موصوف کے لئے توشۂ آخرت اور رفع درجات کے باعث ہوں گے۔

احقر نے حضرت قاری صاحب سے قرآنِ کریم ناظرہ اور حفظ کی تکمیل کی، حضرت قاری صاحب نہایت مشفق اور مہربان استاذ تھے، احقر سے بڑی محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے، اور خوب دعاؤں سے نوازتے، غائبانہ بھی یاد رکھتے۔ حضرت قاری صاحب سے احقر کی آخری ملاقات ۲۹؍مئی ۲۰۱۶ء کو بعد نماز عصر ہوئی، بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی، بعدہٗ خانوادۂ مدنی کے ہر فرد کی خیریت معلوم کی، اور فرمایا کہ سب سے میرا اسلام کہنا، اور میرے ایمان پر خاتمہ کی درخواست کرنا، اس وقت آپ کے چھوٹے بھائی مولانا عبد الرقیب صاحب اور گھر کے دیگر سبھی افراد موجود تھے، احقر مصافحہ کر کے آنے لگا تو قاری صاحب بہت دیر تک روتے رہے، اور آخر میں فرمایا کہ جاؤ، خدا حافظ۔

آپ کی نماز جنازہ میں بڑی تعداد میں عوام وخواص نے شرکت فرمائی، جو عند اللہ مقبولیت کی علامت ہے، نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحب زادے مولانا مصلح الدین صاحب استاذ مدرسہ حسینیہ لال دروازہ جون پور نے پڑھائی۔

حضرت کے ۴؍صاحبزادے ۴؍صاحبزادیاں اور اہلیہ باحیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کی تمام دینی، قومی، ملی اور سماجی خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۱۶ء)

حضرت مولانا عبدالمعید صاحب ہلدوانیؒ

مولانا محمد قمر اقبال صاحب قاسمی اُستاذ دارالعلوم رشیدیہ جھبو پورہ ٹانڈہ ضلع رام پور

کماؤں/ اُترا کھنڈ علاقہ کے مشہور عالم دین جناب مولانا عبدالمعید صاحب قاسمیؒ نے مؤرخہ یکم ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۳۱؍ دسمبر ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔
مولانا موصوف نے کماؤں کے علاقہ میں اِصلاحِ معاشرہ، رد بدعات اور علم دین کی اِشاعت میں عظیم خدمات انجام دیں، جنہیں تادیر یاد رکھا جائے گا۔ مدرسہ شاہی سے خاص تعلق تھا، اکابر دیوبند سے سچی وابستگی تھی۔ اور علاقائی جمعیۃ علماء کے اہم ذمہ داروں میں آپ شامل تھے، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

اِدارہ اِحیاء العلوم ہلدوانی کے مہتمم، لال مسجد کے اِمام وخطیب، جمعیۃ علماء ضلع نینی تال کے صدر، جمعیۃ علماء اُترا کھنڈ کے نائب صدر، مفسر قرآن اور مشہور نباض حکیم حضرت مولانا عبدالمعید صاحب قاسمی گذشتہ یکم ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۳۱؍ دسمبر ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ کی رات تقریباً ۱۰؍ بجے دل کے درد کی معمولی شکایت میں ۶۹؍ سال کی عمر میں اِس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن آپ کی تدفین ہلدوانی کے شہری قبرستان میں ہوئی، نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی ریاست علی صاحب دامت برکاتہم اُستاذ دارالعلوم دیوبند نے لائن ۸؍ نزد مرکز بنجاران اَدا کرائی، جس میں ہزاروں متعلقین اور عمائدین شہر نے شرکت کی۔

پیدائش وخاندان

مولانا موصوف ۱۹۴۷ء میں پہاڑوں کے دامن میں واقع نینی تال ضلع کے شہر ہلدوانی

میں ایک دینی وعلمی گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم حضرت مولانا حکیم عبدالرشیدؒ علامہ انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی نوراللہ مرقدہما کے خاص شاگردوں اور متعلقین میں سے تھے، اسی تعلق خاطر کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت شاہ صاحب اور علامہ عثمانیؒ ڈابھیل تشریف لے گئے تو آپ بھی ساتھ میں چلے گئے، اور ڈابھیل ہی سے سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد آپ کے والد محترم نے ''تکمیل الطب لکھنؤ'' سے حکمت کی تعلیم حاصل کی، اور پھر آپ دہلی کے مشہور اخبار ''منادی'' کے کاتب ہوئے، اس زمانہ میں آپ کا قیام بستی حضرت نظام الدین دہلی میں رہا، وقتاً فوقتاً بانی تبلیغ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بنگلہ والی مسجد میں حاضری اور حضرت کے ساتھ سفر کا بھی موقع ملا۔

تعلیم وتربیت

مولانا عبدالمعید صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم کی نگرانی میں اِدارہ اِحیاء العلوم ہی میں ہوئی، اس کے بعد مزید علمی سفر کے لئے جامعہ عربیہ ''خادم الاسلام'' ہاپوڑ کا رخ کیا، جہاں ۶؍سال تک درسِ نظامی کی تعلیم انتہائی محنت ولگن سے حاصل کی، وہاں کے اَساتذہ میں حضرت مولانا ناظر حسین صاحب مہتمم خادم الاسلام ہاپوڑ ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاری مشتاق احمد صاحبؒ، حضرت مولانا ریاض احمد صاحب اور حضرت مولانا قاری اصغر حسین صاحب دامت برکاتہم ہیں، پھر آپ نے مزید علمی پیاس بجھانے کے لئے ہندوستان کے قدیم اور بافیض اِدارہ ''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد'' میں داخلہ لیا، جہاں آپ نے جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی خدمت اور نگرانی میں رہ کر ۱۹۷۴ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس وعہدۂ اہتمام

مدرسہ شاہی سے فراغت کے بعد آپ ہلدوانی تشریف لائے اور روز اول ہی سے یہاں کا مشہور وقدیم اِدارہ ''احیاء العلوم'' آپ کا میدانِ محنت وخدمت رہا، اِس دوران آپ

نے مدرسہ ہذا میں عربی کی ابتدائی جماعتوں کی داغ بیل ڈالی اور کئی سال تک خود ہی تمام کتابیں پڑھاتے رہے، آپ کی اِس اِدارے کی خدمات اور اہتمام کا زمانہ انتہائی وسیع ہے، جو ۴۰ رسال پر محیط ہے، آپ کے اہتمام کے دور میں اس ادارہ نے بے مثال تعلیمی اور تعمیری ترقی کی، جس کی ترقی کے لئے آپ کی فکر و بے چینی اور بدعت سے متأثر علاقوں میں گھوم گھوم کر بچوں کو لانا یہ بڑا اہم کارنامہ ہے، آپ اہتمام اور دیگر ذمہ داریوں کے باوجود کچھ نہ کچھ وقت درجہ تحفیظ القرآن، درجہ ناظرہ یا عربی وفارسی کے بچوں کو پڑھانے کے لئے ضرور نکالتے تھے۔

اِمامت وخطابت

آپ ہلدوانی شہر کی قدیم اور بڑی مسجد ''لال مسجد'' میں ۴۲ رسال تک اِمام وخطیب بھی رہے، ۱۹۷۵ء سے آپ نے لال مسجد میں اِمامت شروع کی اور اسی وقت سے جمعہ کے بیان کا سلسلہ بھی رہا، آپ کا بیان انتہائی مقبول تھا، لوگ صرف آپ کی آواز سن کر کشاں کشاں چلے آتے تھے، آپ فطرۃً انتہائی خاموش ونرم طبعیت انسان تھے، مگر بیان کے وقت آپ کا جوش ایمان سوزشِ قلب جذبۂ اصلاح اور خلافِ شریعت اُمور پر للکار قابل دید ہوتی تھی، آپ کا بیان اصلاحِ معاشرہ کی فکر حالات حاضرہ پر گہری نظر قرآن وسنت کی روشنی میں موجودہ حالات کا حل اپنے مسلک کا تحفظ اور اپنی ملت کا درد لئے ہوئے ہوتا تھا۔

جمعیۃ علماء کے اسٹیج پر

۱۹۸۵ء میں آپ ملک کی قدیم وفعال تحریک جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہوئے، اس وابستگی کے بعد جمعیۃ علماء کے مشن کو آگے بڑھانے اور اس کے پیغام کو گھر گھر پہنچانے کے لئے آپ نے ہلدوانی شہر میں کئی بڑے پروگرام کرائے، جن میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی، اور مولانا سید احمد ہاشمی رحمہما اللہ اور حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم تشریف لا چکے ہیں، آپ کو مدنی خاندان سے قلبی تعلق ولگاؤ اور والہانہ عقیدت تھی، اسی لئے آپ کے سال میں کئی سفر دیوبند ودہلی کے ہوتے تھے، جن میں آپ اسی خانوادہ کے مہمان بنتے،

ایک زمانہ تک آپ جمعیۃ علماء کے ضلعی صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے، پھر ۲۰۱۴ء میں آپ کو صوبہ اتراکھنڈ کا نائب صدر نامزد کیا گیا، جس پر آپ تادم حیات فائز رہے۔ نینی تال اور دیگر پہاڑی اضلاع میں جمعیۃ اور اس کی خدمات کا تعارف نیز جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے ہونے والے ماہانہ وہفتہ واری پروگراموں میں لوگوں کی دلچسپی سب آپ ہی کی مرہون منت ہے۔

مفسرقرآن

آپ ایک کامیاب اور باکمال مفسر بھی تھے، ابتداء لال مسجد میں درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا، پھر حاجی جلیل احمد صراف کے یہاں ۵؍سال سے زائد عرصہ تک تفسیر کی اور اب عمر کے آخری مرحلہ میں آپ نے اپنے ادارہ احیاء العلوم کی زیرِ تعمیر مسجد ''ابوحنیفہ'' میں تفسیر شروع کی، جس کا سلسلہ انتقال سے دوروز قبل تک جاری رہا۔

اعجاز دواخانہ وحکمت

آپ نے باقاعدہ حکمت تو نہیں پڑھی؛ لیکن قدرتِ خداوندی کے طفیل اپنے اکابر کی صحبت اور ذہن اخّاذ کی بدولت آپ بڑے ماہر نباض حکیم بھی تھے، سیکڑوں لوگ آپ کے مطب سے صحت یاب ہوچکے ہیں، آپ کی حکمت اس قدر مشہور تھی کہ مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ بھی آپ کو ''حکیم صاحب'' کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

اِصلاحِ معاشرہ اور ملی خدمات

اصلاح معاشرہ کے تعلق سے ہلدوانی شہر واطراف اور خصوصاً پہاڑی اضلاع گڑھوال میں آپ کی زریں خدمات ہیں، جو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، چنانچہ نینی تال، الموڑہ، رانی کھیت، بھیم تال اور باگیشور میں مدارس کے قیام، مسلک دارالعلوم کی حفاظت اور مسلمانوں کا مستقبل سنوارنے کے لئے آپ کے اسفار اور جدوجہد آخر دم تک جاری رہی، ہلدوانی شہر میں رد بدعت اور مسلک دیوبند کی ترویج کے لئے آپ مستقل فکرمند تھے، اس کے لئے آپ کی خاموش تحریک جاری تھی، جب کبھی مبتدعین کی طرف سے اہل حق علماء دیوبند اور

اکابر دارالعلوم دیوبند کے خلاف زہر افشانی کی گئی تو ان سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا اور مناظرہ کا چیلنج کرنا یہ آپ ہی کا کارنامہ تھا۔

امتیازات وخصوصیات، اَوصاف وکمالات

آپ کا ایک ایسا امتیازی وصف تھا جو آج کل معدوم نہیں، تو کمیاب ضرور ہے، وہ یہ ہے کہ آپ نے خدمت دین درس وتدریس یا اہتمام کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، آپ کی ساری خدمات حسبۃً للہ بلا معاوضہ تھیں، معاش کے لئے آپ نے ''اعجاز دواخانہ'' اور ''جلد سازی'' کا کام کیا، اسی سے آپ کا گذر بسر تھا، آپ بڑے اچھے جلد ساز بھی تھے، آپ ایک عمدہ کاتب بھی تھے، آپ کی تحریر دلوں کو موہ لینے والی تھی، آپ مدرسہ اور جمعیۃ کے دفتری سارے کام اپنے ہاتھوں ہی سے کیا کرتے تھے، آپ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے، کئی موقعوں پر آپ نے نظمیں اور اشعار تیار کئے، شعروادب کی دنیا میں آپ کا لقب ''حافظ'' تھا، آپ فعال باہمت، حق گو اور دلیر انسان تھے، اکثر خاموش رہنے کی وجہ سے بڑے بارعب تھے، آپ اپنے گھر کا سارا کام خود کرتے، حتیٰ کہ بازار سے سبزی ودیگر سامان بھی خود لاتے، اصرار پر بھی طلبۂ مدرسہ سے خدمت نہیں لیتے تھے، آپ صبح سے شام تک مسجد ومدرسہ اور اپنی پریس کی ساری دوڑ دھوپ پیدل ہی کرتے، آپ ندائے شاہی کے مستقل قاری اور اس کے بڑے قدر دان تھے، تقریباً ۱۵؍سال کے رسالوں کی خود جلد سازی کر کے ان کو محفوظ رکھ دیا ہے۔

پسماندگان

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ ۲؍بیٹے: عبد الحسیب صدیقی اور عبد المغیث صدیقی، اور پانچ صاحب زادیاں ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، آپ کی دینی خدمات کو قبول فرمائیں، اور مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۷ء)

متفرقات:

عمِ محترم جناب حافظ سید محمد موسیٰ صاحب منصور پوریؒ

راقم الحروف (مرتب) کے عمِ اکبر اور حضرت اَقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے برادرِ اکبر جناب حافظ سید محمد موسیٰ صاحب منصور پوریؒ نے بھی ۳۰؍ ربیع الاول ۱۴۳۸ مطابق ۳۰؍ دسمبر ۲۰۱۶ء بروز جمعرات میں ۱۲؍ بجے کے قریب داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف تقریباً ۱۳؍ سال سے گردہ کی تکلیف میں مبتلا تھے، ہفتہ میں دو مرتبہ ڈائیلیسس ہوتا تھا، بالآخر وقت موعود آپہنچا اور تقریباً ۷۵؍ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اگلے دن ظہر کے بعد آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور مظفرنگر کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

موصوف بڑے وضع دار، جرأت منداور باوجاہت شخصیت کے مالک تھے، جب تک صحت رہی، ہر سال رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن سنانے کا معمول تھا۔ موصوف کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، صرف تین بچیاں ہیں، جو ماشاء اللہ سب صاحب اولاد ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو آخرت کی راحتوں سے مالا مال فرمائیں، اور اہل بیت نبوت کے ساتھ حشر فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔ قارئین سے بھی ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔　　(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۷ء)

مولانا مفتی محمد قربان اسعدی صاحب

حضرت مولانا مفتی محمد قربان اسعدی صاحب (سابق صدر جمعیۃ علماء کرناٹک) موصوف کا حج کے بعد مختصر علالت کے بعد مکہ معظمہ میں انتقال ہوا، اور جنۃ المعلی میں تدفین ہوئی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔　　(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۶ء)

مولانا عبدالمنان قاسمی امیر جماعت ٹانڈہ بادلی

موصوف ایک ہونہار، عالم دین اور داعی الی اللہ تھے، چند روز قبل اُنہیں مدرسہ ''روضۃ العلوم'' ٹانڈہ کا مہتمم بھی مقرر کیا گیا تھا، دو دن بخار میں مبتلا رہ کر وفات پائی۔ (ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۶ء)

والدہ محترمہ مولانا مفتی عبداللہ صاحب ہانسوٹ گجرات

موصوفہ بڑی عابدہ زاہدہ اور دین دار خاتون تھیں، موصوفہ اپنے اخلاف میں ایک ہرا بھرا خاندان چھوڑ کر گئیں، جن میں چھوٹے بڑے ملا کر کم و بیش ۱۰۰ر علماء وحفاظ ہیں، رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۶ء)

قاری اقرار احمد قاسمی

موصوف امام عیدگاہ لہرپور ضلع سیتاپور تھے، مدرسہ احیاء العلوم اور انوار القرآن میں تقریباً ۳۰ر سال تحفیظ القرآن کی خدمت انجام دی، موصوف بڑے بااخلاق، خوش طبع، خوش آواز اور اچھے شاعر تھے، چار پانچ دن بخار میں مبتلا رہ کر انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۶ء)

مولانا تصور حسین صاحب اُستاذ مدرسہ امدادیہ مرادآباد

آپ ۲۶ر محرم الحرام ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ کو کندرکی میں ایک پروگرام میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے، وہیں جمعہ کے بعد ایک حادثہ میں شدید چوٹ آئی اور جاں بر نہ ہو سکے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے خوش اخلاق، ملنسار اور دینی فکر رکھنے والے شخص تھے، تقریباً ۲۶ر سال سے مدرسہ امدادیہ میں خدمت پر مامور تھے، اور علاقہ کے عوام وخواص آپ سے بڑے مانوس تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۶ء)

رفتـــــــگاں

۲۰۱۷ء

- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمیؒ
- حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب نوراللہ مرقدہ
- شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی نوراللہ مرقدہ
- حضرت مولانا عبدالغنی صاحب بلگرامیؒ
- حضرت مولانا محمد ازہر صاحب رانچیؒ
- حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ
- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ
- حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہریؒ
- امیر شریعت حضرت مولانا مفتی اشرف علی باقویؒ

اُستاذ الاساتذہ شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمیؒ

مؤرخہ ۳۰؍ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۳۰؍دسمبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ قبل نماز عشاء عارف باللہ، اُستاذ الاساتذہ، یادگارِ سلف شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہٗ نے مختصر علالت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن شام کو ۴؍بجے مخدوم معظم حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی اقتداء میں علماء، طلبہ اور عوام وخواص کے بڑے مجمع نے دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی، اور قبرستانِ قاسمی میں اَکابر اولیاء اللہ کے پہلو میں آپ آسودۂ خواب کئے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت الاستاذ وفورِ علم، کثرتِ معلومات، اشتغال بالحدیث کے ساتھ ساتھ رقتِ قلبی، زہد وقناعت اور سادگی وبے تکلفی کے پیکر نایاب تھے۔ آپ کا درسِ حدیث اپنی الگ شان رکھتا تھا۔ شارحین کے اَقوال آپ کے نوکِ زبان رہتے تھے، اور متعارض آراء اور نصوص میں تطبیق میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ تصلب فی الدین اور اَفکار ونظریات میں آپ اپنے اکابر اَساتذہ کے نقش قدم پر تھے۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد اور اُس کے خدام سے آپ کو قلبی لگاؤ تھا، آپ جامعہ کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے، اور مجلس شوریٰ کے علاوہ ختم بخاری شریف کے جلسوں میں اکثر آپ پوری بشاشت کے ساتھ شرکت فرماکر خدامِ جامعہ کو خدمت کا موقع عنایت فرماتے تھے۔

نیز دعوت واصلاح اور وعظ ونصیحت کے لئے ملک وبیرونِ ملک آپ کے اَسفار کا سلسلہ بھی مسلسل جاری رہتا تھا۔ ضعف اور اَعذار کے باوجود اپنی ذاتی ہمت سے اِشاعتِ دین کی خاطر آپ پُرمشقت اَسفار فرمایا کرتے تھے، جس سے ہر علاقہ کے عوام وخواص کو بہت نفع ہوتا تھا، اور کام کرنے والے فرزندانِ دیوبند کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔

آپ کی رقتِ قلبی کا حال یہ تھا کہ جب دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تو ایسی تڑپ سے اللہ کا نام لیتے تھے کہ بڑے بڑے سنگ دل پسیج جاتے، اور ایسا معلوم ہوتا کہ آپ بارگاہِ رب العالمین میں براہِ راست طالب وسائل بن کر حاضر ہیں۔ خاص طور پر دارالعلوم میں ختم بخاری شریف کے موقع پر جب آپ دعا کراتے تو حاضرین میں سے شاید ہی کوئی ایسا شخص رہتا جس کی آنکھیں نم نہ ہوتیں۔

آپ اپنے ہر شاگرد کے لئے ایک شفیق ترین باپ کی حیثیت رکھتے تھے، اور کسی شاگرد کے بارے میں خدمتِ دین میں مشغولی کا علم ہوتا تو بے پناہ مسرت کا اِظہار فرماتے، اور دل سے دعائیں دیتے تھے۔ اور بسا اَوقات اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی ملاقات پر اِس قدر اِکرام کا معاملہ فرماتے کہ شرم آنے لگتی تھی، یہ آپ کی اعلیٰ درجہ کی تواضع کی دلیل تھی۔ آپ کا دل آئینہ کی طرح صاف، اور زبان بہت محتاط تھی۔

آپ کو اپنے اَکابر اور اَساتذہ سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا، بالخصوص اُستاذِ معظم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا تذکرہ آجاتا تو ایک خاص کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ دورانِ درس جب حضرتؒ کا تذکرہ فرماتے تو یہ الفاظ کہتے تھے: ''میرے حضرت شیخ الاسلام''۔ اور اِن الفاظ میں ایسی مٹھاس ہوتی جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

الغرض آپ کی ذات سلفِ صالحین کی جیتی جاگتی تصویر تھی، آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ آسانی سے پر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور اُمت کو اپنے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔

آپ نے کل ۸۸؍سال کی عمر پائی، ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں جگدیش پور ضلع اعظم گڈھ (موجودہ مئو) یوپی میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ۶؍سال کی عمر میں آپ کے والد محترم جناب محمد عمر صاحبؒ کا انتقال ہوگیا تھا، جس کی بنا پر ضلع جونپور کے ایک بڑے عالم حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ نے آپ کی کفالت فرمائی، جو علامہ ماجد علی مانوی جونپوریؒ کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں حاصل کی، جس کے بانی عالم ربانی حضرت شاہ عبدالغنی پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ بیت العلوم میں شرحِ وقایہ تک پڑھنے کے بعد دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں داخل ہوئے، اور موقوف علیہ تک وہاں تعلیم حاصل کی۔

بعد ازاں ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا، اور بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف جلد اول شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، اور مسلم شریف حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے، اور ابوداؤد شریف اور ترمذی جلد ثانی شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی قدس سرہ سے پڑھی، اور دیگر اَساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔

علاوہ ازیں آپ کو محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ، حضرت شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ اور حضرت مولانا عبدالغفار مئویؒ وغیرہ سے بھی حدیث کی خصوصی اجازت حاصل تھی۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ مطلع العلوم بنارس، مدرسہ حسینیہ جونپور، مدرسہ عربیہ گریڈیہہ (بہار) اور دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں درسِ نظامی کی اکثر کتابیں پڑھائی۔

بعد ازاں ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں آپ کا تقرر ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں ہوا، اور یہاں مسلسل ۳۵؍سال دیگر اعلیٰ کتابوں کے ساتھ بخاری شریف جلد ثانی کی تدریس کا شرف

حاصل ہوا۔ اِس دوران ہزار ہا تشنگانِ علوم نبوت نے آپ سے اِستفادہ کیا، جو دنیا کے مختلف حصوں میں خدمتِ دین میں مشغول ہیں، اور اُن کی خدمات یقیناً آپ کے لئے بھی صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آپ اوائل سعید بن سنبل اور مسلسلات کی اِجازت بھی دیا کرتے تھے، اِس حوالے سے بھی آپ سے اِستفادہ کرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں، آمین۔

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، ۶/صاحب زادے اور ۳/صاحب زادیاں باحیات ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۷ء)

آہ! شیخ عبدالحق صاحب اعظمیؒ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

۱۳۴۷ھ......۱۴۳۸ھ، مطابق ۱۹۲۸ء......۲۰۱۶ء

مولانا مفتی محمد شاکر صاحب قاسمی مدنی اُستاذ تخصص فی الحدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم
بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڈھ

دیر سے بیٹھا ہوں ہاتھوں میں لئے اپنے قلم
کیا لکھوں، کیسے لکھوں، دل پر ہے طاری شامِ غم

عالی مرتبت، عالی صفات، عالی مقام، نمونہ اسلاف، فنافی اللہ، زہد فی الدنیا کے عملی پیکر، جامع کمالات وصفات حمیدہ، استاذ الاساتذہ، حضرت شیخ الحدیث، بندۂ ناچیز کے خسر حضرت اقدس مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہٗ، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ۳۰/ ربیع الاول کے اختتام اور یکم ربیع الثانی کے آغاز ۱۴۳۸ھ مطابق ۳۰/دسمبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب تقریباً سوا سات بجے دیوبند کے مشہور ڈاکٹر ڈی، کے، جین کے اسپتال میں اپنے تمام متعلقین کو روتا بلکتا چھوڑ کر مولائے حقیقی سے جا ملے۔ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ ''إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَه، مَا أَعْطٰى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَه، بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ''.

موت وحیات کا فلسفہ درحقیقت خالق کائنات کی قدرت کاملہ کے اظہار اور بندوں کی عاجزی کا غماز ہے، اسی سے مخلوقِ خدا کا فانی ہونا ثابت ہوتا ہے، خواہ وہ اپنے مقام ومرتبہ اور جاہ ومنصب میں کتنا ہی بڑا ہو، بہرصورت اس کو قضا وقدر کا فیصلہ قبول کرنا ہی ہے، اس دنیا میں جو بھی آنکھیں کھولتا ہے، وہ ایک نہ ایک دن بند بھی ضرور کرتا ہے، خدائی اعلان ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ

ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (ہرنفس کوموت کا مزہ چکھنا ہے)، یہ روزانہ کا معمول ہے نہ جانے کتنے لوگ ہر روز اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں اور دوسروں کی زندگی معمول کے مطابق چلتی رہتی ہے ؛لیکن جو لوگ حق شناس، خداترس اور عالم باعمل ہوتے ہیں، ان کی رحلت پر اپنوں کے ساتھ زمانہ بھی روتا ہے، زمین روتی ہے، آسمان روتا ہے، حضرت شیخ علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال پر ہر کوئی زبانِ حال سے کہہ رہا ہے:

اے خطۂ فردوس کے راہی تو پلٹ آ

رحلت پہ تری غلغلۂ آہ و فغاں ہے

راقم الحروف تادم تحریر (پندرہ روزہ بعد) بھی اس حادثۂ جانکاہ سے متاثر وغم زدہ ہے، کیا لکھوں اور کس طرح لکھوں! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے؛ لیکن لوگوں کے اصرار کی وجہ سے حضرت کی خودنوشت کی روشنی میں ذہن ودماغ پر زور ڈال کر کچھ لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

حضرت والا سے گھریلو تعلقات

۱۹۷۸ء میں راقم الحروف کے والدین فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے ''نور جہاں'' نامی آبی جہاز سے حرمین شریفین تشریف لے گئے، اسی جہاز میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بھی رفیق سفر تھے؛ لیکن پہلے سے تعارف نہ ہونے کی وجہ سے دورانِ سفر باقاعدہ ملاقات نہ ہوسکی، حرمین شریفین میں قیام کے دوران والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مختلف حضرات کو اپنے یہاں کھانے کے لئے مدعو کیا کرتے تھے، حاجی اسماعیل صاحب لونیہ ڈیہہ اعظم گڈھ جن کا نانی ہال ہمارے آبائی گاؤں منجیر پٹی میں تھا، انہوں نے والد صاحبؒ کی حضرت والا سے ملاقات کرائی، والد صاحب نے اپنے ساتھ کھانا کھانے کی پیشکش کی، حضرت نے بخوشی قبول فرمایا۔ اس سفر حج میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ استاذِ گرامی قدر بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم بھی تھے، بعد میں والد صاحبؒ نے پورے سفر اپنے ساتھ کھانا کھانے کی درخواست کی اور آپ نے شرف قبول بخشا؛ چناں چہ پورے سفر حج میں چند اوقات کو چھوڑ کر ساتھ ہی کھانا

کھاتے رہے۔ اُس وقت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ مشرقی یوپی کی عظیم دینی درس گاہ دار العلوم مئو میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے، تعلیمی سلسلہ جاری رہے اور طلبہ کا زیادہ نقصان نہ ہو؛ اس لئے واپسی کی تاریخ آپ نے پہلے کروالی، ان چند ہی ایام کی ہمراہی میں ان کے درمیان آپسی تعلق اتنا مضبوط ہوگیا کہ واپسی کے وقت حضرت والا اور والد صاحب رحمہما اللہ آبدیدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، آئندہ ملتے ملاتے رہنے کے عہد و پیمان کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوئے، اسی مبارک سفر اور مبارک سرزمین سے ہمارے گھرانہ تعلقات کا آغاز ہوتا ہے، پھر حرمین شریفین کی یہ دوستی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا، جب ۳۰؍دسمبر ۲۰۰۷ء کو حضرت والا نے اپنی چھوٹی بیٹی کو راقم الحروف کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک فرما کر دوستی کے اس رشتہ کو رشتہ داری میں تبدیل فرمادیا، اللہ تعالیٰ اس رشتہ کو محبت و مودت کے ساتھ قائم و دائم رکھے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال فرمانے اور بندہ کے شفقت پدری سے محروم ہوجانے کے بعد اس رشتہ کی وجہ سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ والد صاحبؒ کی طرح محبت وشفقت فرماتے رہے؛ اور آج رشتۂ نکاح کے ٹھیک نو سال بعد (۳۰؍دسمبر ۲۰۱۶ء کو) یہ سایۂ محبت و ہمدردی بھی ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

ذیل میں حضرت والا علیہ الرحمہ کے کچھ حالات سپردِ قرطاس کئے جاتے ہیں:

نام ونسب

شیخ عبد الحق بن محمد عمر بن کریم بخش بن محمد علی۔

خاندان

آپ خاندانی طور پر شیخ برادری سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے آباء واجداد شیرازِ ہند ضلع جونپور کے موضع ظفرآباد سے ہجرت کرکے اعظم گڈھ کے موضع ''بسہی اقبال پور'' آئے، پھر

وہاں سے ضلع اعظم گڈھ کے مشہور قصبہ ''پھولپور'' سے متصل موضع ''جگدیش پور'' آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔

ولادت

۶؍رجب المرجب ۱۳۵۱ھ (بحوالہ خودنوشت؛ لیکن خودنوشت کی دیگر مندرجات اور معاصرین کے بقول، نیز انگریزی سنہ ۱۹۲۸ء کی وجہ سے آپ کا ہجری سنہ پیدائش ۱۳۴۷ھ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے) مطابق ۱۷؍دسمبر ۱۹۲۸ء بروز دوشنبہ آپ کی پیدائش ہوئی۔

جائے پیدائش

ضلع اعظم گڈھ کے جن علاقوں نے علم وعمل کی دنیا میں اپنا نام روشن کیا، ان میں سرِفہرست آپ کی جائے پیدائش ''جگدیش پور'' کا نام نامی بھی ہے، اس سرزمین سے بہت سے نامور علماء، صلحاء اور اہم شخصیات اٹھیں، اور دنیا کو اپنے علمی وروحانی فیضان سے سیراب کر گئیں۔ نیز اس سرزمین سے اٹھنے والی تین اہم شخصیات کا بیک وقت از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ مناصب پر فائز ہونا بھی اس کا طرۂ امتیاز ہے: (۱) حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث۔ (۲) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی اُستاذ حدیث۔ (۳) حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب مدظلہ العالی سابق صدر القراء۔

نشوونما

آپ نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سایۂ عاطفت میں اپنی زندگی کی ابھی ۶؍بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ والد صاحبؒ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ یتیم ہو گئے، تربیت واصلاح اور پرورش ونگہداشت کی ساری ذمہ داری والدہ محترمہ کے سر آپڑی، جس کو وہ بحسن وخوبی انجام دیتی رہیں، بعد میں آپ کی والدہ کا نکاح آپ کے پھوپھی زاد بھائی چودھویں صدی ہجری کے چند نامور علمائے کرام میں سے ایک بڑے عالم، حضرت مولانا ماجد علی صاحب جونپوری

رحمہ اللہ کے شاگرد خاص، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا ابوالحسن محمد مسلم صاحب نور اللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم مئو وشیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ سے ہوگیا، اورانہوں نے آپ کو اپنے زیر عاطفت پوری توجہ کے ساتھ تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ وپیراستہ کیا، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بار باران کا تذکرہ فرماتے کہ میں جو کچھ بھی ہوں، اللہ کی رحمت کے بعد حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ کی تعلیم وتربیت ہی کا اثر ہے۔

حضرت کے بھائی بہن

حضرت کے والد ماجد جناب محمد عمر صاحب علیہ الرحمہ کا پہلا عقد موضع راجہ پور سکرور میں ماموں کی لڑکی سے ہوا، ان سے ایک لڑکی زہریٰ پیدا ہوئیں، پھر دوسرا عقد موضع مسلم پٹی میں ہوا، ان سے بھی ایک لڑکی زہیرا پیدا ہوئیں، تیسرا عقد موضع کشنی پور متصل مہوارہ میں ہوا، ان سے دولڑکے عبدالقادر اور عبدالعلی اور ایک لڑکی زبیدہ پیدا ہوئیں، چوتھا عقد جگدیش پور (گاؤں ہی) میں ہوا، جو حضرت کی والدہ تھیں، ان سے تین لڑکیاں: محمودہ، سیدہ، زاہدہ اور ایک لڑکے عبدالحق (حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ) پیدا ہوئے، محمودہ سب سے بڑی تھیں، سیدہ اور زاہدہ حضرت سے چھوٹی تھیں۔

ابتدائی تعلیم

دیہاتی ماحول کے مطابق حضرت والا نے بھی تعلیم کا آغاز گاؤں کے مکتب ''مدرسہ امدادالعلوم'' سے فرمایا اور جناب حافظ محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد استاذ القراء حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی سابق صدر القراء دارالعلوم دیوبند) سے ناظرہ قرآن کریم اور معمولی ابتدائی اردو کی تعلیم حاصل کی۔

بیت العلوم میں داخلہ

حضرت والا تعلیمی سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے اپنے علاقہ کے مشہور دینی ادارہ مدرسہ

اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ میں یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ (بحوالہ رجسٹر داخلہ مدرسہ بیت العلوم، اور بحوالہ خودنوشت ۱۳۶۵ھ میں) داخلہ لیا، اور عارف باللہ شیخ طریقت حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سیرت خاتم الانبیاء، صفائی معاملات، پندنامہ، تیسر المبتدی، گلزار دبستاں، پنج گنج، علم الصیغہ، نورالایضاح، نحومیر، شرح مأۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، قدوری اور شرح وقایہ وغیرہ کتابیں اور حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آمدنامہ، فارسی کی پہلی، گلستاں باب ششم، میزان منشعب، مالابدمنہ، منتخب النفائس، شرح جامی بحث اسم وفعل، سراجی اور تلخیص المفتاح وغیرہ اور حضرت مولانا محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نائب ناظم سے فارسی کی دوسری اور اخلاق محسنی وغیرہ، اور حضرت مولانا فیض الرحمٰن صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بقیہ گلستاں، بوستاں مکمل، اور مفتاح القواعد، جناب ماسٹر عین الحق صاحب سے حساب، سفینۂ اردو اور رحمتِ عالم وغیرہ کتابیں، ۱۸؍شعبان ۱۳۷۱ھ تک پانچ سال چار ماہ کی مدت میں پڑھیں، مدرسہ میں اساتذہ کے نورِ نظر اور ممتاز طلبہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

دارالعلوم مئو میں داخلہ

اوپر گذر چکا ہے کہ آپ کے والد صاحب کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی تعلیمی اور اخلاقی تربیت کے ذمہ دار جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد مسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو مدرسہ دارالعلوم مئو میں شیخ الحدیث تھے، انہوں نے مزید تعلیمی سلسلہ کو اپنی نگرانی میں آگے جاری رکھنے کے لئے دارالعلوم مئو میں بلالیا، چنانچہ ۱۳۷۲ھ (خودنوشت کے مطابق ۱۳۷۱ھ) میں دارالعلوم مئو میں داخلہ لے کر متعدد عبقری علمی شخصیات کے چشمۂ علم وعمل سے خوب خوب سیراب ہوئے، اس زمانہ میں آپ نے اپنے مشفق مربی جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد مسلم صاحب جون پوری رحمۃ اللہ علیہ سے کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، مرقات، قطبی، سلّم العلوم، ملاّ حسن، ہدیہ سعیدیہ، میبذی، مسلم الثبوت، حمد اللہ، شمس بازغہ اور ہدایہ جلد اوّل وثالث ورابع ودیگر کتب معقولات ومنقولات پڑھیں، اور حضرت

مولانا مفتی نظام الدین صاحب علیہ الرحمہ (جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی ہوئے) سے ہدایہ ثانی اور سراجی، حضرت مولانا قاری ریاست علی صاحب بحری آبادی غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ (جو بڑے قاری صاحب کے نام سے مشہور تھے) سے مقامات حریری اور جلالین شریف، حضرت مولانا محمد امین صاحب سے مشکوٰۃ شریف، حضرت مولانا حکیم منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نائب ناظم سے نورالانوار اور حضرت مولانا محمد مصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خلاصۃ البیان وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

اَز ہر ہند مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے علم وعمل کے بحر ناپیدا کنار سے علمی غواصی اور عالمی علمی وروحانی شخصیات سے نور نبوت کو حاصل کرنے کے لئے حضرت والا نے ۵؍شوال المکرّم ۱۳۷۳ھ کو سرزمین علم وعمل دیوبند کے لئے رختِ سفر باندھا اور دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لے کر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی، حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح مسلم، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنن ابی داؤد اور شمائل ترمذی، حضرت مولانا فخرالحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی، موطا امام مالک اور شرح معانی الآثار، حضرت مولانا ظہور احمد صاحب سے سنن ابن ماجہ اور حضرت مولانا محمد جلیل صاحب سے موطا امام محمد پڑھیں، دارالعلوم دیوبند میں بھی اساتذہ کے نورنظر رہے۔ چناں چہ ۲۸؍شعبان ۱۳۷۴ھ کو شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے ہمراہ وطن مالوف واپسی ہوئی، حضرت مدنی علیہ الرحمہ ''اکبر پور'' اتر گئے اور آپ شاہ گنج تک آکر جگدیش پور تشریف لائے۔

مختلف مشائخ سے اجازت حدیث

دارالعلوم دیوبند کے دورہ حدیث شریف کے تمام اساتذہ کے علاوہ آپ کو مندرجہ ذیل حضرات سے بھی اجازت حدیث حاصل ہے:

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی علیہ الرحمہ سے صحاح ستہ اور مسلسلات کی اجازت۔

(۲) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے مسلسلات کی اجازت۔

(۳) ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب محدث اعظمی علیہ الرحمہ سے مکہ مکرمہ میں صحاح ستہ اور اوائل سنبل کی اجازت۔

(۴) حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سے تین مرتبہ حدیث کی اجازت حاصل ہے۔

تدریسی سرگرمیاں

رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد "بَلِّغُوا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً" پر عمل کرتے ہوئے آپ نے خالص درس وتدریس کے میدان میں قدم رکھا اور کسب معاش کے لئے تجارت وغیرہ کسی ذریعہ کو کبھی آزمایا تک نہیں۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے اپنی زندگی میں تدریس کے علاوہ کوئی دوسرا مشغلہ نہیں اپنایا، اور میری خواہش ہے کہ اسی طرح پڑھتے پڑھاتے محبوب حقیقی سے جاملوں"۔ چناں چہ اللہ ربّ العزت نے آپ کی دعا حرف بحرف قبول فرمائی، اور مختلف اعذار وامراض کے باوجود آپ نے کبھی درس کو ترک نہیں فرمایا، اور آخری مرتبہ طلبہ سے فرمایا تھا کہ سنیچر کو درس دوں گا؛ لیکن جمعہ ہی کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے راہی ملک بقا ہوگئے، اللہ اپنی شایانِ شان بہتر سے بہتر بدلہ عنایت فرمائے۔

شیخ الحدیث مطلع العلوم بنارس

جب آپ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد وطن مالوف تشریف لائے، تو ارباب مطلع العلوم بنارس کی نگاہِ انتخاب آپ پر پڑی، اور محرم ۱۳۷۵ھ میں بحیثیت شیخ الحدیث آپ کی

تقرری ہوئی، بخاری شریف کے علاوہ کئی اور اہم کتابوں کا درس آپ سے متعلق تھا، دوسال یہاں درس دینے کے بعد بغرض مزید تعلیم اراکین کے نہ چاہتے ہوئے آپ نے استعفادے دیا اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لے گئے، مگر ندوہ جانے کے بعد معلوم ہوا کہ پڑھی ہوئی کتابیں دوبارہ پڑھنی ہیں اور ماحول بھی رأس نہ آنے کی وجہ سے ندوہ کی تعلیم ترک فرمادی، اربابِ مطلع العلوم بنارس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑے ہی اصرار کے ساتھ چھ ماہ بعد دوبارہ بحثیت صدرالمدرسین آپ کو واپس لے آئے۔

اسی زمانہ میں بنارس میں حضرت کے پیٹ کا آپریشن ہوا، اور سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا، مسلسل پچیس روز تک داخل اسپتال رہے، استاذ گرامی قدر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی جگدیش پوری مدظلہ العالی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند (جو اس وقت مطلع العلوم بنارس میں حضرت سے شرح جامی وغیرہ پڑھتے تھے) خدمت میں بیس بائیس روز تک رہے، نہانے اور کپڑے بدلنے کے لئے بھی وہاں سے نہ ہٹے۔ بقول حضرت ''عزیزی مولوی حبیب الرحمٰن سلمہ نے پوری خدمت کی''۔ (خودنوشت)

شیخ الحدیث مدرسہ حسینیہ بہار

ماہِ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ میں بغرض تبدیلی آب وہوا رخصت لے کر صوبہ بہار (جھارکھنڈ) کے ضلع گریڈیہہ کے موضع ''کول ڈیہا'' کے مدرسہ حسینیہ تشریف لے گئے اور وہ وہاں نو ماہ تک علمی لعل وجواہر لٹائے، پھر شعبان ۱۳۸۳ھ میں تعطیل کلاں کے موقع پر جب وطن مالوف تشریف لائے تو اربابِ مطلع العلوم بنارس پھر بڑے ہی اصرار کے ساتھ مطلع العلوم واپس لے گئے۔

شیخ الحدیث دارالعلوم مئو

غالباً ۱۳۸۸ھ ماہِ شوال المکرّم مطابق ۱۹۶۹ء میں اربابِ دارالعلوم مئو کے سخت اصرار کی بناء پر مطلع العلوم بنارس سے ایک سال کی رخصت لے کر دارالعلوم مئو میں بحثیت شیخ الحدیث،

صدرالمدرسین اور ناظم کتب خانہ تشریف لے گئے، پھر ۱۳۸۹ھ میں حضرت مولانا قاری ریاست علی صاحبؒ کے انتقال کے بعد صدرالمدرسین بنائے گئے، دارالعلوم مئو میں آپ سے متعلق بخاری شریف مکمل، ترمذی شریف مکمل، ہدایہ ثالث اور دیگر فنون کی اہم کتابوں کے درس کے علاوہ دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے ذمہ تھی، تیرہ ہزار سے زائد سوالات کے جواب آپ نے تحریر فرمائے، آپ کے فتاویٰ عموماً مفصل اور مدلل ہوتے تھے، اور بڑی ہی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، تقریباً ۱۴؍سال آپ مئو کو اپنے علمی فیضان سے سیراب کرتے رہے، اہل مئو آپ سے قابل رشک تعلق رکھتے تھے، جو وفات تک برقرار رہا۔

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

۱۴۰۲ھ میں بخاری شریف کے درس کے لئے اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی نظر انتخاب حضرت والا پر پڑی، چناں چہ دارالعلوم کے لئے فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی علیہ الرحمہ نے براہِ راست درخواست کی، پھر اربابِ شوریٰ نے آپ کے نام خط بھی بھیجا، جب دارالعلوم مئو کے ذمہ داران کو یہ خبر ملی تو بے چین ہوگئے اور آپ کو روکنے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کی، تین مرتبہ جگدیش پور وفد آیا، ایک مرتبہ موقع پاکر آپ کی والدہ کو سمجھایا کہ آپ کو دیوبند جانے سے منع فرمادیں؛ کیوں کہ مئو قریب ہے، ہر ہفتہ آپ سے ملاقات ہوجاتی تھی، اگر دیوبند چلے گئے، تو کئی کئی مہینہ بعد گھر واپس آئیں گے، چنانچہ آپ کی والدہ نے سختی سے منع کردیا؛ لیکن آپ نے اپنی والدہ سے فرمایا کہ میں وعدہ کرچکا ہوں، اگر نہیں گیا، تو وعدہ خلافی اور بڑی بدنامی ہوگی، تو آپ کی والدہ نے اجازت مرحمت فرمائی اور آپ ۹؍ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ سے دارالعلوم دیوبند میں استاذ حدیث وفقہ وتفسیر مقرر ہوئے۔ پہلے سال بخاری شریف جلد ثانی، ہدایہ ثالث، موطأ امام مالک، مشکوٰۃ شریف جلد ثانی، نخبۃ الفکر، الاشباہ والنظائر اور تفسیر مظہری کا سبق آپ سے متعلق رہا، اور ''شیخ ثانی'' کے نام سے اس طرح مشہور ومعروف ہوئے کہ اسی نام سے آپ علمی دنیا میں جانے اور پہچانے جاتے تھے۔

پھر ۱۴۰۳ھ میں دارالعلوم مئو کے ناظم اعلیٰ صاحب دیگر ارکان مدرسہ کے ساتھ دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت کو واپس لانے کے لئے ارباب دارالعلوم دیوبند سے بڑی کوشش کی اور حضرت بھی ایک مدت تک مئو میں رہنے کی وجہ سے انس کی وجہ سے واپس جانا چاہتے تھے، لیکن دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران کسی طرح واپس بھیجنے پر راضی نہ ہوئے، پھر آپ مسلسل ۱۴۰۲ھ سے ۱۴۳۸ھ تک دارالعلوم میں پوری آب وتاب کے ساتھ درس دیتے رہے اور اپنی خواہش کے مطابق خاکِ دیوبند کے پیوند بن گئے۔

وسعتِ مطالعہ وقوتِ حافظہ

حضرت بلا کے ذہین اور قوی الحافظہ نیز وسیع مطالعہ کے مالک تھے، استاذ گرامی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ العالی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ ''میں نے دو بجے رات سے پہلے کبھی سوتے ہوئے نہیں دیکھا، جب دیکھو کتاب کے مطالعہ میں غرق رہتے تھے''۔ آپ کو مختلف کتابوں کی عبارتیں زبانی یاد تھیں اور بوقت ضرورت بالفاظہٖ پڑھ جاتے تھے، چنانچہ اس کی ایک جھلک ایک واقعہ سے دکھانا چاہوں گا۔

ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالبر صاحب تراویح پڑھا رہے تھے، مقتدیوں میں حضرت والا کے ساتھ یہ ناچیز بھی تھا، دورانِ تلاوت سورۂ انعام کی آیت نمبر (۱۰۰) ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَاءَ الْجِنَّ﴾ میں لفظ ''الجنّ'' کو نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا، چوں کہ ناچیز حافظ نہیں ہے؛ اس لئے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ ''الجنّ'' شاید نون کے فتحہ کے ساتھ ہے، قرآن پاک میں دیکھ لیں، کسی اور نے تائید کی، تو مولانا عبدالبر صاحب نے کہا کہ ہاں ''جَعَلُوا'' کا مفعول ثانی ہے، اور ناچیز نے کہا کہ ''شُرَکَاءَ'' سے بدل ہے، حضرت والا نے خاموشی سے سن کر فرمایا: سامنے الماری سے جلالین نکالو! صاحب جلالین نے دونوں وجہ لکھی ہیں، جلالین نکال کر دیکھا، تو دونوں احتمال مذکور تھے، ہم لوگوں کے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ تقریباً ۵۰ / سال قبل جلالین کا آپ نے درس دیا تھا، اور ابھی تک آپ کے حافظہ میں یہ بات محفوظ تھی۔

علمی کارنامے

حضرت والا کو قدرت نے لکھنے کا بہترین سلیقہ عنایت فرمایا تھا، چنانچہ تیرہ ہزار سوالات (جو سب افتاء سے متعلق تھے) کے جواب میں یہ بات خوب واضح نظر آتی ہے، آپ کے جواب فقہی انداز میں مفصل اور مدلل ہوا کرتے تھے، آپ کے یہ فتاویٰ جناب مولانا عبیداللہ شمیم صاحب قاسمی زید مجدہٗ (داماد حضرت والا) مرتب کررہے ہیں، ابھی دارالعلوم مئو کے ذمہ داران سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم مئو میں اور فتاوے ہیں، اللہ ربّ العزت جلد از جلد مکمل طبع ہونے کی صورت پیدا فرمائے، اسی طرح حضرت والا کو اپنے مربی جامع المنقول والمعقول حضرت مولانا محمد مسلم صاحب علیہ الرحمہ سے ''شرح تہذیب'' کے متن ''تہذیب'' کا آخری حصہ جو فن کلام سے متعلق ہے اس کا مخطوطہ ملا تھا، اور کبھی طبع نہیں ہوا تھا، حضرت اس کی تحقیق کی بڑی خواہش رکھتے تھے، لیکن مختلف امراض اور مشغولیوں کی وجہ سے موقع نہیں مل رہا تھا تو بندہ کو اپنی نگرانی میں اس کی تحقیق کا مکلّف کیا اور الحمدللہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰۱۰ء میں تصنیف سے تقریباً ۵۰۰ سال بعد بنام تہذیب الکلام طبع ہوئی، حضرت بہت ہی خوش ہوئے کہ میری خواہش پوری ہوئی، بہت ساری دعاؤں سے نوازا اور تمام اساتذۂ دارالعلوم دیوبند اور عالمی علمی شخصیات کو ہدیہ میں پیش کیا، اسی طرح صحیح بخاری کے حاشیہ پر قیمتی نوٹس اور جامع ترمذی اور شمائل ترمذی کے حل کے لئے عمدہ تعلیقات بھی آپ کے قلم سے وجود میں آئیں، اللہ تعالیٰ طبع ہونے کی کوئی شکل پیدا فرمائیں، ان تمام کے علاوہ آپ کے لاتعداد شاگرد بھی علمی کارنامے میں شمار ہوں گے جو پوری دنیا میں قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کررہے ہیں۔

اعظم گڈھ کے سب سے پہلے قاضی

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ افتاء وقضا کے نصاب کو نہیں پڑھا تھا، لیکن اپنی خداداد صلاحیت اور یگانۂ روزگار اساتذۂ کرام سے خصوصی استفادہ کی وجہ سے ہر فن میں مہارتِ تامہ

رکھتے تھے، نیز آپ کے اساتذہ کو آپ پر مکمل اعتماد بھی تھا، چنانچہ اس زمانہ میں آپ کے علاقہ میں کوئی محکمۂ شرعیہ یا دارالقضاء نہیں تھا، جس کی وجہ سے پیچیدہ مسائل کے حل میں کافی دشواریوں کا سامنا تھا، انھیں مسائل میں سے مفقود الخبر (جس عورت کا شوہر لا پتہ ہو جائے، اس کے نکاح کو باقی رکھنے) کا مسئلہ تھا، مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اور حضرت والا علیہ الرحمہ کے استاذ خاص شیخ طریقت حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں کافی فکر مند تھے، چنانچہ اس مسئلہ کے حل کے لئے مدرسہ ہذا کے سالانہ جلسہ میں حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دعوتِ شرکت دی؛ لیکن کسی وجہ سے وہ شریک نہ ہو سکے، دوسرے سال پھر دعوت دی اور مدرسہ ہذا کے لائق وفائق سپوت حضرت مولانا محمد اقبال صاحب سیوانی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ سراج العلوم تیلہٹہ سیوان کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ قاضی صاحب کو جلسہ میں لے کر آئیں، چنانچہ قاضی صاحب تشریف لے آئے اور نکاح وطلاق کے موضوع پر عمدہ تقریر فرمائی، پھر خصوصی مجلس میں حضرت مولانا سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے مفقود الخبر وغیرہ مسائل کے حل کے لئے قاضی صاحب کے سامنے تجویز پیش کی، تو انھوں نے فرمایا: ایک دارالقضاء بنایا جائے، اس کے کچھ ممبران ہوں، اور قاضی آپ (مولانا سجاد صاحبؒ) ہوں گے؛ لیکن آپ نے اس عہدے کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار فرما دیا، پھر اتفاق رائے سے آپ کے شاگرد خاص حضرت والا علیہ الرحمہ کو قاضی بنایا گیا، اور حضرت مولانا سجاد صاحب، حضرت مولانا افتخار احمد صاحب جگدیش پوری (استاذ ونائب ناظم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم، سرائے میر، وشیخ الحدیث دارالعلوم مئو، وجامع العلوم کانپور، ومفتاح العلوم بھیونڈی) اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سرائے میری رحمہم اللہ اس کمیٹی کے ممبر بنائے گئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطۂ اعظم گڈھ میں سب سے پہلے قاضی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔

وعظ وخطابت

حضرت والا گوناگوں خصوصیات کے ساتھ فن خطابت پر بھی قدرتِ تامہ رکھتے تھے، آپ

کے اندر ایک اچھے واعظ اور ماہر ومشاق خطیب کے جملہ اوصاف موجود تھے، درس وتدریس کے زمانۂ آغاز سے مجالس وعظ وتذکیر میں جلوہ آرا نظر آتے تھے، ایک ایک رات میں کئی کئی جلسوں میں شرکت فرماتے، اور رات کی نیند وآرام کو قربان کر کے تھکن اور تھکاوٹ کے باوجود اللہ کے بندوں تک اللہ کے دین کو پہنچانے کے لئے "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" اور "بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً" پر کمال درجہ عمل پیرا تھے۔

آپ کے وعظ میں عجیب جاذبیت اور کشش ہوتی تھی، کوئی آپ کے وعظ میں تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا تھا کیونکہ آپ کا کلام "كَلِّمِ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ" کی مثال ہوا کرتا تھا، یعنی اگر مجمع میں عوام ہوتے تو آپ بالکل عام فہم گفتگو فرماتے تاکہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکے، لیکن اگر اہل علم کی مجلس ہوتی تو آپ کے خطاب کا رنگ کچھ اور ہی ہوتا، خالص علمی اور تحقیقی گفتگو فرماتے، جس سے آپ کے وسیع مطالعہ کا پتہ چلتا تھا۔

غیر مسلمین کا قبولِ اسلام

حضرت والا اپنے اوصاف وکمالات کو حد درجہ پوشیدہ رکھتے تھے، اپنے کچھ حالات کو ایک ڈائری میں آپ نے لکھ رکھا تھا؛ لیکن وہ ڈائری کسی کو دیکھنے نہیں دیتے تھے، حتیٰ کہ گھر والوں سے بھی چھپا کر رکھتے تھے، حضرت والا کی رحلت کے بعد جب وہ ڈائری ہم لوگوں نے دیکھی تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہریانہ، مظفر نگر، میرٹھ، چندی گڑھ، مہاراشٹر، گورکھپور، غازی آباد، بڑہل گنج، بنارس، مئو اور اعظم گڈھ وغیرہ مختلف جگہوں کے تقریباً پچاس غیر مسلمین آپ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے، ان کے علاوہ اور حضرات بھی ہیں، جن کا نام درج نہیں، ان شاء اللہ یہی لوگ آپ کی نجات اور بلندیٔ درجات کے لئے کافی ہیں۔

نمایاں خصوصیات

حضرت والا تو جلالتِ شان، علو مرتبت، فہم وفراست، عظمت وعبقریت، زہد وتقویٰ اور

علم وعمل کا پیکر مجسم تھے، اسی وجہ سے ان کے مداحوں اور ثنا خوانوں کی ایک قطار نظر آتی ہے، ہر ایک سچے دل سے ان کے تفوق کا قائل تھا، جو بھی ملتا گرویدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا، ہر کوئی ان کا شیفتہ ودلدادہ تھا، اور یہ سمجھتا تھا کہ حضرت سب سے زیادہ مجھ سے محبت کا تعلق فرماتے ہیں، اپنے تمام شاگردوں کو حقیقی اولاد کی طرح بہتر مشورہ دیتے، ان کے پڑھانے کے لئے مناسب جگہوں کا انتخاب فرماتے، گرچہ قدرت کی فیاضی نے آپ کو بہت سی خصوصیات سے مالا مال فرمایا تھا، لیکن ان تمام اوصاف میں حضرت کا مستجاب الدعوات ہونا ظاہر وباہر ہے، اور دوسری بڑی خصوصیت جس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں وہ ناچیز کے علم کے مطابق یہ ہے کہ ہندوستان میں مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے لے کر آج تک آپ کے علاوہ کوئی دوسرا بخاری شریف کا اتنے لمبے زمانہ تک درس دینے والا نہیں ملتا، چنانچہ آپ نے مسلسل ۶۴ سال تک اس اہم کتاب کا درس دیا۔

سادگی

آپ کی زندگی میں کوئی تکلف نہیں تھا، سادگی میں آپ کی مثال دی جاتی تھی، دنیاوی ٹھاٹ باٹ اور مصنوعی وضع سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا، عیش نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں، بڑے بڑے مہمانوں کے لئے عام چادر ہی بچھی رہتی تھی، حضرت کے حجرہ کی زینت یہ شعر تو ہر اس شخص کو یاد ہوگا جس نے بھی آپ کے کمرہ کی زیارت کی ہوگی:

ہم غریبوں کی یہی ہے کائنات
بوریا حاضر ہے شاہوں کے لئے

بیعت وسلوک

حضرت والا اپنے استاذ گرامی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے تعلیم کے ساتھ ساتھ روحانی اور تربیتی رہنمائی لیتے رہے اور بعد میں شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور انھیں کے زیرِ تربیت رہ کر سلوک کی بہت سی منزلیں طے کیں۔

حضرت شیخ الاسلام مدنی علیہ الرحمہ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے جناب مولانا پیر محمد طلحہ صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی نے اعزازی خلافت سے سرفراز فرمایا، ان دونوں حضرات کے علاوہ اور حضرات نے بھی اعزازی خلافت سے نوازا تھا، لیکن اس حوالہ سے حضرت والا زیادہ باتیں بتانے سے گریز فرماتے تھے۔ لوگوں کو بیعت بہت کم فرماتے تھے، اکثر کسی بزرگ کے یہاں بھیج دیتے تھے، اسی طرح اپنے مریدین میں بہت ہی مخصوص لوگوں کو خلافت سے نوازا ہے۔

متقی ہونے کی یقینی علامت

انسان کے متقی ہونے کی سب سے بڑی علامت یہی ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو اس سے محبت ہو، اور عام مسلمانوں کے دل بھی اس کی طرف اس طرح کھنچتے ہوں، جیسے آہن پارے مقناطیس کی طرف۔ اور ہر انسان کو اس کی صحبت سے انسیت محسوس ہو؛ بلکہ ہر آدمی اس کو اپنا جگری دوست تصور کرتا ہو، چنانچہ بخاری شریف (الأدب / المِقَةُ مِنَ اللّٰهِ رقم: ۵۸۰۵) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں، تو جبرئیل علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں، تم بھی کرو، پھر جبرئیل علیہ السلام ملائکہ میں بھی اعلان کر دیتے ہیں کہ فلاں بندہ اللہ کا محبوب ہے، تم لوگ بھی اس سے محبت کرو، پھر دنیا والوں کے دل میں بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے؛ لہٰذا حضرت والا میں یہ وصف بھی بدرجۂ اتم ہونے کی وجہ سے خدائے کریم کے کرم سے امید کامل ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے گا، اور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے جوار میں انھیں جگہ دے گا اور یہی لوگ بہترین ساتھی ہیں۔

اَزواج واَولاد

حضرت کا پہلا نکاح بیساں پورہ نورم میں شیخ محمد احمد عرف سکندر صاحبؒ کی بڑی لڑکی اُم الہدیٰ سے ہوا، آپ کی عمر اس وقت ۱۶ر سال تھی اور خود نوشت کے مطابق ۱۴-۱۵ر سال تھی، ۱۶ر سال ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ آپ کا داخلہ مدرسہ بیت العلوم کے رجسٹر کے مطابق بعمر ۱۴ر سال ہوا، اور حضرت کی شادی داخلہ کے دو سال بعد (جب آپ مالا بدمنہ وغیرہ کتابیں پڑھتے تھے) ہوئی تھی۔

حضرت کی اس بیوی سے دو لڑکیاں: سیدہ، انیسہ اور ایک لڑکے عبدالحکیم پیدا ہوئے، ۴ر محرم الحرام ۱۳۸۳ھ بروز جمعہ بوقت ۹ر بجے دن آپ کی اہلیہ اُم الہدیٰ کا انتقال ہوگیا۔

پھر تقریباً پانچ ماہ بعد دوسرا عقد شمسیہ خاتون بنت مولانا رفیق احمد صاحبؒ موضع نند اؤں سے ہوا، نکاح مولانا محمد ادریس صاحب نے پڑھایا، یہ نکاح گریڈیہہ کے زمانہ تدریس میں ہوا۔

حضرت کی اس اہلیہ سے ایک بیٹی امۃ اللہ اور ایک لڑکے ابوالحسنات عبدالحی پیدا ہوئے، لڑکے دو سال بعد ۲۱ر صفر ۱۳۹۰ھ برور دوشنبہ بوقت ۸ر بجے شب داغ مفارقت دے کر ذخیرۂ والدین بن گئے۔

۱۲ر جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ کو ایک اور بیٹی اُم الخیر پیدا ہوئیں؛ لیکن ان کی ولادت میں ماں کا انتقال ہوگیا اور ڈیڑھ گھنٹہ بعد اُم الخیر بھی اپنی ماں کے ساتھ دار خیر کی طرف کوچ کر گئیں۔

اہلیہ ثانی کے انتقال کے ۶ر ماہ ۲۳ر دن بعد ۱۹ر محرم الحرام ۱۳۹۱ھ کو آمنہ خاتون بنارسی سے عقد ہوا، جو کہ راقم الحروف کی خوش دامن ہیں، اللہ ان کے سایہ کو تادیر صحت وعافیت کے ساتھ باقی رکھے۔ یہ نکاح فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی علیہ الرحمہ نے پڑھایا تھا۔

حضرت کی اس اہلیہ سے سب سے پہلے ایک لڑکی ''امۃ العزیز'' پیدا ہوئیں اور ۸ر یوم بعد انتقال کر گئیں، اس کے بعد ۲۶ر شعبان ۱۳۹۳ھ کو ایک لڑکے عبدالبر سیّج اعظمی (تاریخی نام) پیدا ہوئے، جو بہترین حافظ قرآن اور جید الاستعداد عالم ہیں، تقریباً بیس سال سے مختلف علوم

وفنون کی دورۂ حدیث شریف تک کی کتابوں کا کامیاب درس دے رہے ہیں، آپ کا درس طلبہ میں بے حد مقبول ہے، حضرت والا علیہ الرحمہ خود اُن کے شاگردوں سے پوچھتے تھے کہ عبدالبر کیسا پڑھاتا ہے؟ جب طلبہ کہتے کہ بہت اچھا تو حضرت کہتے: صحیح بتاؤ! پھر طلبہ کہتے حضرت واقعی بہت اچھا درس دیتے ہیں، تو کافی خوش ہوتے اور مزید ترقی کے لئے خوب دعائیں دیتے، اللہ حضرت والا کی ہر دعا کو قبول فرمائے۔

۲۹رمحرم الحرام ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۰رجنوری ۱۹۷۷ء بروز جمعرات دوسرے بیٹے عبدالتواب کی پیدائش ہوئی، پھر ۲۴رذی قعدہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء کو تیسرے بیٹے عبدالمنعم پیدا ہوئے، یہ بھی بہترین حافظ قرآن اور باصلاحیت عالم ہیں۔

۱۴۰۲ھ ماہ رمضان جمعۃ الوداع مطابق ۱۹۸۲ء کو چوتھے بیٹے عبدالمتعال کی پیدائش ہوئی اور ۲۷رمحرم الحرام ۱۴۰۴ھ مطابق ۴رنومبر ۱۹۸۳ء بروز شنبہ پانچویں بیٹے عبدالمقتدر کی پیدائش ہوئی، اس کے بعد ۸رذی قعدہ ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۶رجولائی ۱۹۸۶ء بروز بدھ دوسری بیٹی احمدی امۃ الحق پیدا ہوئیں اور یکم ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء کو تیسری بیٹی محمدی امۃ الرحمٰن پیدا ہوئیں، اس کے بعد ۳رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۱رنومبر ۱۹۹۰ء بروز جمعرات آخری بیٹے محمد احمد کی پیدائش ہوئی۔

اس طرح حضرت کی اولاد کی کل تعداد پندرہ ہے، جن میں ۸ربیٹے اور ۷ربیٹیاں ہیں، جن میں سے اس وقت سات بیٹے اور پانچ بیٹیاں بقید حیات ہیں، اللہ ہر ایک کو صحت وسلامتی سے رکھے اور اپنے والد کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ (آمین)

مرض الوفات

زندگی کا سفر خواہ کتنا ہی طویل ہو جائے آخرش ایک دن موت کی دہلیز پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے، زندگی فانی ہے اور فنا ہی اس کا مقدر ہے، بس موت کوئی بہانہ ڈھونڈتی ہے اور موقع پاتے ہی اپنا لقمہ بنا لیتی ہے، چناں چہ حضرت والا تو بہت دنوں سے ضعیفی کے ساتھ معمولی امراض سے

گھرے ہوئے تھے، رات میں طبیعت میں کچھ گرانی محسوس ہوئی اور کئی مرتبہ قے بھی ہوئی، جس کی وجہ سے کافی کمزوری ہوگئی، ہاتھ پیر کام نہیں کر رہے تھے، جمعہ کی نماز کا وقت ہوا تو خادم (مولوی ابوبکر قاسمی ومولوی انعام الحق قاسمی جزاہما اللہ خیر الجزاء) سے فرمایا کہ مسجد لے چلو، ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کس طرح نماز پڑھیں گے؟ بہت کمزوری ہے، فرمایا کہ سوکر بھی تو نماز پڑھ سکتے ہیں، مسجد میں مجھے لٹادو اور پیر قبلہ کی طرف کردو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آپ نے جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کی اور حالت عذر میں جماعت کے ساتھ نماز کا عملی نمونہ بھی پیش فرما گئے، عصر سے قبل طبیعت مزید بگڑتی نظر آئی تو لوگ ڈاکٹر کے پاس لے گئے، چیک اپ وغیرہ کے بعد ڈاکٹر نے کہا کوئی تشویش کی بات نہیں، سب نارمل ہے، حضرت ہوش وحواس میں قرآنِ پاک کی تلاوت سماعت فرما رہے تھے، فرمایا کہ مجھے بیٹھادو، پھر فرمایا کہ اب لٹادو، اور نہایت ہی خاموشی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگئے، اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی، کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے بتایا کہ حضرت نہیں رہے، یہ کہنا تھا کہ پوری دنیا میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی، ہندو پاک اور بنگلہ دیش وغیرہ دیگر کئی ممالک میں کہرام مچ گیا، حضرت والا تو رخصت ہوگئے؛ لیکن وہ زبانوں، دلوں اور تذکروں میں زندہ ہیں، آنکھوں سے اوجھل ہونے کے باوجود ان کی یاد ایک امت کو رُلا رہی ہے اور بے چین کئے ہوئے ہے، وہ ذات جو گاؤں، شہر اور مختلف محفلوں کی نور تھی، جو دینی اداروں اور علمی درس گاہوں اور روحانی مجلسوں کی آبرو تھی، جو حضور میں تھی، اب وہ غیاب میں ہے، سب اسے ڈھونڈ رہے ہیں اور بار بار یہ کہہ رہے ہیں:

تیرے بغیر رونق دیوار و در کہاں
شام وسحر کا نام ہے، شام وسحر کہاں

لیکن ہم نے سنا نہیں؛ شاید وہ زبان حال سے یہی کہتے ہوئے رخصت ہوئے ہیں:

ملنے کو نہیں؛ نایاب ہیں ہم

اور جب کوئی نایاب چیز کھو جائے تو حزن وملال اور رنج والم کا ہونا فطری بات ہے، اور

اسی فطرت کی ترجمانی جگر مرادآبادی کے اس شعر میں نظر آتی ہے:

جان کر من جملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

نماز جنازہ اور تدفین

انتقال کے بعد آپ کا جسد خاکی احاطہ مولسری دارالعلوم دیوبند لایا گیا، حضرت کے چار صاحبزادے، راقم الحروف اور مولانا عبیداللہ شمیم صاحب اعظم گڈھ میں تھے، اور جنازہ میں شرکت کے لئے بذریعۂ کار گھر سے نکل چکے تھے؛ اس لئے ذمہ دارانِ دارالعلوم کی طرف سے دوسرے دن بعد نمازِ ظہر نماز جنازہ کا اعلان کیا گیا، حضرت کے اولیاء کی طرف سے آپ کے اُستاذ خاص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے جانشین، اُستاذ گرامی قدر حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ العالی سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی گئی، تقریباً ساڑھے تین بجے دوپہر نماز جنازہ ادا کی گئی، دارالعلوم دیوبند واطراف کے مدارس میں امتحانِ ششماہی کی تعطیل کے باوجود نماز جنازہ میں ایک جم غفیر (ایک اندازہ کے مطابق تیس ہزار لوگوں) نے روتے ہوئے شرکت کی۔

لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے بڑی مشکل سے راقم الحروف تھوڑی دیر کاندھا دے سکا، عشاق کے کاندھوں پر آپ کو علماء وصلحاء کے مدفن ''مزارِ قاسمی'' لے جایا گیا، آپ کے صاحبزادے عبدالمتعال ومولانا عبیداللہ شمیم (داماد) ومولوی ابوبکر وانعام الحق (خادم خاص) کی مدد سے راقم الحروف اور مولانا عبدالبر صاحب نے آپ کی آخری آرام گاہ میں سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرىٰ﴾ پڑھ کر قبلہ رو لٹادیا، اور آپ اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق اپنے استاذ گرامی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی آرام گاہ کے مقابل چند گز کے فاصلے پر محوِ خواب ہوگئے۔ ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً. فَادْخُلِيْ

فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

حضرت والا اپنے رب کریم وغفور کی جوار رحمت میں جا چکے ہیں، ان کی زندگی بھر کی حسنات، نماز جنازہ میں علماء وصلحاء کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، ملک وبیرون ملک ان کے لئے استغفار وایصال ثواب کے اہتمام اور لاتعداد لوگوں کی طرف سے آپ کے لئے عمرہ کی ادائیگی کے سبب قوی امید ہے کہ وہ اپنی جنت نشاں قبر میں جنت کے مزے لے رہے ہوں گے، اولاد اور تلامذہ کی شکل میں جو صدقہ جاریہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں، اس پر ملنے والا اجر ان سب پر مستزاد رفع درجات کا ذریعہ ثابت ہوگا، ان شاء اللہ۔

اللّٰهُمّ اغْفِرْ لَهُ، وَارْحَمْهُ، وَعافِه، وَاعْفُ عنْهُ، وَأكْرِمْ نُزُلَهُ، وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الخَطَايَا كمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الأبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ. آمين.

(ندائے شاہی مارچ/اپریل ۲۰۱۷ء)

طالبِ علم کے آداب

تحریر: اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

ترتیب: مولانا مفتی عبیداللہ شمیم قاسمی جامعہ اِسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ

اُستاذ الاساتذہ حضرت الاستاذ مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند موقع بموقع طلبہ کو قیمتی نصائح سے مالا مال فرمایا کرتے تھے، خاص طور پر درس کے آغاز میں نیز ختم بخاری شریف کے پروگراموں میں طلبہ اور علماء سے متعلق ضروری ہدایات بہت مؤثر انداز میں پیش فرماتے تھے۔

یہ بات قابلِ شکر ومسرت ہے کہ حضرتؒ کے عزیز جناب مولانا مفتی عبیداللہ شمیم قاسمی زید علمہ کے ذریعہ سے ہمیں ''طالب علم کے آداب'' سے متعلق حضرت والا کی درج ذیل گراں قدر تحریر موصول ہوئی، جو حرزِ جاں بنائے جانے کے لائق ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ اصل تحریر میں عربی عبارات کے ترجمے نہیں تھے، اُن کا بین القوسین اِضافہ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: (مرتب)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد:

طالب علم کے لئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے

(۱) حسن نیت وتصحیح نیت اور اخلاص للہ اور اجتناب واحتراز عن غرض الدنیا۔ چنانچہ ابوداؤد وابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: **مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغِيْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ لاَ يَتَعَلَّمُهٗ إِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.** (سنن أبي داود ۲/۵۱۵ رقم: ۳۶۶٤، سنن ابن ماجة: ۲۵۲) (یعنی جو شخص ایسے علم کو جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے، صرف دنیا کے مفاد کے لئے سیکھے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا)

حضرت حماد بن سلمہؒ فرماتے ہیں: مَنْ طَلَبَ الْحَدِيْثَ لِغَيْرِ اللّٰهِ مَكَرَ بِهٖ. (جو شخص علم حدیث اللہ کی رضا کے علاوہ کسی اور مقصد سے حاصل کرے تو وہ دھوکہ میں ہے)

ایک شخص نے یہ حدیث سنی: "مَنْ أَخْلَصَ لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَجَرٰى يَنَابِيْعَ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ". (جو شخص اِخلاص کے ساتھ ۴۰ر دن تک کوئی نیک عمل کرے تو حکمت کے چشمے اُس کے دل سے زبان پر جاری ہوجاتے ہیں) پھر اُس نے حکمت کے حصول کی نیت سے ۴۰ر دن تک کوئی عمل کیا مگر حکمت سے محروم رہا، تو خواب میں کسی نے ندا دی کہ "تو نے یہ عمل حکمت کے لئے کیا، اس لئے اخلاص کے مفقود ہونے سے اس کا ثمرہ مفقود ہوگیا"۔ لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى.

(۲) اللہ جل شانہ سے علم کی توفیق اور آسانی اور اس پر اعانت کی درخواست ودعا وسوال برابر کرتا رہے۔

(۳) طالب علم کو چاہئے کہ اخلاق حمیدہ اور آداب مرضیہ کو ہمہ وقت ملحوظ رکھے اور اپنی زندگی میں اس کا استعمال برابر کرتا رہے۔

حضرت ابو عاصم نبیلؒ فرماتے ہیں: جو شخص علم حدیث کا طالب ہے وہ اُمور دین میں سب سے بہتر اور بلند شیٔ کا طالب ہے اس لئے اس کو سب سے بلند اور بہتر (کیرکٹر) کردار کا ہونا ضروری ہے؛ تاکہ بہتر شی بہتر جگہ پر رہ کر بہتر اثرات ونتائج پیدا کریں، حدیث میں وارد ہے: مَنِ ازْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ يَزْدَدْ وَرْعًا لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا بُعْدًا. (جو شخص زیادہ علم حاصل کر کے ورع وتقویٰ میں زیادتی نہ کر پائے وہ اللہ سے اتنا ہی زیادہ دور ہوجائے گا)

(۴) طالب علم کو چاہیے کہ تحصیل علم کے لئے اپنے کو جملہ اُمور دنیویہ سے فارغ ہوکر اپنی کوشش کو تحصیل علم ہی میں خرچ کرے، وقت اور موقع کو غنیمت خیال کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مسلم شریف میں مروی ہے: اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجِزْ. (صحيح مسلم: ٢٦٦٤) (اپنے لئے نفع بخش چیز کے مشتاق رہو، اور اللہ سے مدد چاہو اور عاجز مت بنو)

حضرت یحییٰ بن کثیرؒ فرماتے ہیں: **لاَ یُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ.** (مسلم شریف / کتاب الصلوٰۃ) (یعنی جسمانی راحت کے ساتھ علم (کی برکات) نصیب نہیں ہوتیں)

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: **لا یفلح من طلب هذا العلم بالتملل وغنی النفس؛ ولکن من طلبه بذلة النفس وضیق العیش وخدمة العلم أفلح، ولله در القائل:**

یغوص العلم من طلب اللآلي ❖ ومن طلب العلی سهر اللیالي.

(جو شخص علم دین کو اُکتاہٹ اور بے نیازی کے ساتھ حاصل کرے وہ کامیاب نہیں ہوسکتا؛ البتہ جو شخص ذلت نفس، تنگ عیشی اور علم کی خدمت کے جذبہ کے ساتھ اُسے حاصل کرتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا: ''موتیوں کا طلب گار علم کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے، اور جو سر بلندی کا طالب ہے وہ راتوں کی نیند قربان کرتا ہے'')

(۵) طالب علم کو اولاً مبادی یعنی نحو صرف وغیرہ کا پڑھنا ضروری ہے، اس واسطے کہ اس علم شریف یعنی حدیث پاک کی تلاوتِ عبارت میں بغیر نحو وصرف کے غلطیاں واقع ہوجائیں گی، اور بقول امام اصمعیؒ زبردست اندیشہ ہے کہ کہیں قاری اس وعید کا مستحق نہ ہوجائے جو واضعین حدیث کے بارے میں حضرت نے فرمائی ہے: ''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ'' (جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) کیوں کہ جو عبارت یہ پڑھ رہا ہے وہ عبارت حضرت کے دہن مبارک سے نہیں نکلی ہے، اس لئے طالب حدیث پر واجب ہے کہ اتنی نحو وصرف ولغت ضرور جانے جس سے لحن وتحریف سے محفوظ ہوجائے۔

(۶) اولاً اپنے شہر و دیار کے علماء کبار سے درجہ بدرجہ اس علم کو حاصل کرے، پھر دیگر بلاد کے علماء ومحدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرے، کیوں کہ بقول خطیب بغدادیؒ سفر سے مقصود دو چیزیں ہوتی ہیں: ایک علوسند، دوسرے حفاظ محدثین سے ملاقات اور ان سے استفادہ ومذاکرہ علمی، اور جب اپنے شہر میں یہ غرض پوری ہورہی ہے اور دوسری جگہ یہ غرض پوری نہیں ہورہی ہے

تو سفر کرنا بے فائدہ ہوگا، اور اگر دوسری جگہ ایسے افراد ہیں تو اولاً اپنے دیار کے شیوخ سے علم حاصل کرے پھر دوسری جگہ کا قصد کرے۔

(۷) تحملِ حدیث میں کسی قسم کی حرص اور تساہلی مانع نہ بنے۔

(۸) جہاں جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے صلوٰۃ وسلام کا التزام کیا جائے، اور جہاں کہیں صحابی کا نام آئے وہاں ترضی کو لازم پکڑے، اور جہاں کہیں علماء ومشائخ کا ذکر ہو اس جگہ ترحم ضروری سمجھے، کاہلی اور تساہلی کو راہ نہ دے۔

(۹) جو احادیث عبادات وآداب وفضائل اعمال سے متعلق ہوں ان پر خواہ ایک ہی مرتبہ عمل کر لینے سے وہ احادیث محفوظ ہو جاتی ہیں، اور یہی ان کی زکوٰۃ ہے۔

حضرت عمرو بن قیس ملائیؒ فرماتے ہیں: **إذا بلغک شيء من الخبر فاعمل به ولو مرة تكن من أهله** ۔(اگر تم کو کسی نیکی کے بارے میں کوئی بات پہنچے تو اُس پر ایک ہی مرتبہ سہی؛ عمل کرلو، تو تم اُس نیکی کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے)

اور حضرت وکیعؒ بھی یہی فرماتے ہیں: **إذا أردت أن تحفظ الحديث فاعمل به** ۔(اگر تم حدیث یاد کرنا چاہتے ہو تو اُس پر عمل کرو)

حضرت ابراہیم بن اسماعیل بن مجمعؒ کا ارشاد ہے: **كنا نستعين على حفظ الحديث بالعمل به** ۔(ہم عمل کے ذریعہ حدیث یاد کرنے پر مدد چاہا کرتے تھے)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ ارشاد فرماتے ہیں: **ما كتبت حديثًا إلا وقد عملت به حتى مرّ بي أن النبي ﷺ احتجم وأعطى أبا طيبة دينارًا فاحتجمت وأعطيت دينارًا**. (جو بھی حدیث میں نے لکھی اُس پر میں نے عمل کیا، یہاں تک کہ میرے سامنے یہ بات آئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا اور ابوطیبہ (جنہوں نے پچھنا لگایا تھا) کو بطور اُجرت ایک دینار عطا فرمایا، تو میں نے بھی پچھنا لگوا کر ایک دینار دیا)

(۱۰) طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے استاذ کا احترام کرے، استاذ کی تعظیم در حقیقت علم کی تعظیم ہے، اور یہ علم کے نفع کا سبب ہے، مغیرہؒ فرماتے ہیں کہ ہم ابراہیم نخعیؒ کی عظمت

وہیبت اس طرح محسوس کرتے تھے جیسے بادشاہ کی عظمت وہیبت محسوس کرتے ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں: **ما رأیت أوقر للمحدثین من یحیی بن معین**۔(میں نے یحییٰ بن معین سے زیادہ باوقار محدث کسی کو نہیں دیکھا)

امام بیہقیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے: **تواضعوا لمن تعلمون منه**۔(جن سے تم علم حاصل کرو، اُن کے سامنے تواضع اختیار کیا کرو)

حضرت ابوعبید بن القاسمؒ نے فرمایا: **ما دققت علی محدث بابه قط، لقوله تعالی:** ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ﴾. (الحجرات:) (میں نے کسی بھی محدث کے دروازہ کو نہیں کھٹکھٹایا؛ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اگر وہ صبر کرتے تا آں کہ آپ اُن کے پاس خود نکل کر تشریف لاتے تو اُن کے لئے بہتر ہوتا'')

(۱۱) دوسرے علماء کے احترام کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ واستاذ کی عظمت وافضلیت علی الغیر کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ علامہ خلیلی نے کتاب الارشاد میں حضرت امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے: **من لا یعرف لأستاذه لا یفلح**. (کتاب الارشاد: ۵٦٩/۲) (جو اپنے اُستاذ کی فضیلت سے واقف نہ ہو وہ فلاح نہیں پا سکتا)

(۱۲) استاذ کی رضا جوئی ہمہ وقت ملحوظ رہے، اس کے غضب وغصہ سے برابر اجتناب کرتا رہے۔

(۱۳) اس کی مجلس میں بغیر اس کی رضا کے طویل قیام اور طویل کلام نہ کرے جس سے اس کی طبیعت پر گرانی ہو، بلکہ جس قدر انشراح قلب اور نشاط طبع سے بیان کرے اسی پر قناعت کرے، کیوں کہ گرانی طبع افہام وتفہیم میں تغیر پیدا کرنے والی چیز ہے اور بدخلقی اور نرم طباع کو سخت بنا دینے والی چیز ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اسماعیل بن خالدؒ جو احسن الناس خلقاً تھے، لوگوں کے ان کی مجلس علم میں ڈٹے رہنے کی وجہ سے اور ہر وقت سوالات علمیہ کرنے کی وجہ سے ان کے اندر سختی اور بدمزاجی پیدا ہوگئی تھی، حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں: ایسے طالب علم پر عموماً استاذ وشیخ کی صحبت سے محرومی اور غیر منتفع بہ ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، چنانچہ انہوں نے امام

زہریؒ سے نقل کیا ہے کہ: **إذا طال المجلس كان للشيطان فيه نصيب.** (جب مجلس لمبی ہوتی ہے تو اُس میں شیطان کا حصہ ہوجاتا ہے)

(۱۴) اور طالب علم استاذ سے اپنے ہر امور میں مشورہ وصلاح لیتا رہے کہ کس طرح سے مطلوبہ علم کو حاصل کرے، اس کے حصول کی کیا صورت ہوگی، اور استاذ پر بھی ضروری ہے کہ تلمیذ کی خیر خواہی پیشِ نظر رہے اور جب وہ ایک مقدار علم حاصل کرلے تو پھر دوسرے کی طرف رہنمائی کرتا رہے اور علوم کو تلامذہ سے مخفی نہ رکھے ورنہ اس کا علم نفع بخش نہیں ہوگا، کیوں کہ علوم کی برکت بالخصوص علم حدیث کی برکت اس کی نشر واشاعت اور تعلیم وتعلم ہی سے ہے۔

مشہور محدث یحییٰ بن معینؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کا قول مشہور ہے: **من بخل بالحديث و كتم عن الناس لم يفلح** ۔(جو شخص اَحادیث بیان کرنے میں بخل کرے، اور لوگوں سے چھپائے تو وہ کامیاب نہ ہوگا)

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں: **من بخل بالعلم ابتلي بثلاث: إما أن يموت فيذهب علمه أو ينسى أو يتبع السلطان** ۔(جو شخص علم میں بخل کرتا ہے تو وہ تین میں سے کسی ایک بات میں مبتلا ہوجاتا ہے: (۱) یا تو اُس کی موت ہوجاتی ہے اور اُس کا علم ضائع ہوجاتا ہے (۲) یا وہ علم بھول جاتا ہے (۳) یا سرکاری حکام کا دریوزہ گر بن جاتا ہے) (نعوذ باللہ منہ)

اسی سے ملتی جلتی بات حضرت سفیان ثوریؒ سے بھی منقول ہے، اور اُس میں یہ اضافہ ہے کہ ایسے شخص کی تحریرات اور کتابیں ضائع ہوجاتی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ مرفوعاً ارشاد فرماتے ہیں: **إخواني تناصحوا في العلم، ولا يكتم بعضكم بعضًا فإن خيانة الرجل في علمه أشد من خيانته من ماله** ۔ (میرے بھائیو! علم میں خیر خواہی کرو، اور آپس میں علم نہ چھپاؤ؛ اِس لئے کہ علمی خیانت مالی خیانت سے بڑھ کر ہے)

بعض مشائخ سے کتمان کا ثبوت ملتا ہے تو ان حضرات کا منشاء نا اہلوں سے کتمان ضروری ہے ورنہ بجائے صلاح کے فساد پیدا ہوگا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دینی کتب بطور عاریت نہ دینا کتمان علم ہے، مگر نا کارہ عبدالحق ایک قید یہاں بھی لگاتا ہے کہ ان نا اہلوں کو جو کتابوں کی حفاظت نہ کر سکیں، اور کتابوں کے ضیاع کا اندیشہ ہو، ایسے کو کتاب نہ دینا یہ کتمان علم میں داخل نہیں ہے۔

حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **أول بركة الحديث إعارة الكتب** ۔(علم حدیث کی پہلی برکت کتابوں کو عاریت پر دینا ہے)

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ اور اعارت کتب اہم ماعون میں سے ہے، اور مستعیر کو چاہئے کہ جب حاجت پوری ہو جائے تو فوراً واپس کردے۔ امام زہریؒ کا مقولہ ہے: **إِيَّاکَ وَغُلُوْلَ الْكِتَابِ.** (کتاب کی خیانت سے بچتے رہو)

(۱۵) شرم و تکبر علم کے حصول سے مانع ہرگز ہرگز نہ بنے خواہ اپنے سے کمتر سے ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت مجاہدؒ کا مقولہ ہے: **لاَ يَنَالُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيِيٌّ وَلاَ مُسْتَكْبِرٌ** ۔(شرمیلا اور متکبر شخص علم حاصل نہیں کرسکتا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے: **مَنْ رَقَّ وَجْهُهٗ دَقَّ عِلْمُهٗ.** (جو شخص اپنے چہرہ کی عزت کو (علم کی تحصیل میں) قربان کرے گا اُس کا علم گہرا ہوگا)

(۱۶) کتابوں کی تقریر کو غور سے سننا، شوق اور کوشش پیدا کرنا، خواہ کسی کے حرص دلانے سے ہی ہو۔

(۱۷) طالب علم کو چاہئے کہ دقائق علوم میں ہمہ وقت غور اور فکر کرے، کیوں کہ غور وفکر سے آدمی دقائق کو حاصل کرتا ہے اور کسی بات کے کہنے سے پہلے غور وفکر ضرور کرے، تا کہ اس

کے کلام میں استواری اور درستگی ہو؛ کیوں کہ کلام کی مثال تیر کی سی ہے، تیر کی طرح اس کو درست کرنا ضروری ہے تا کہ اپنے کلام میں وہ مصیب ہو، اُصولِ فقہ کی ابتدا کی ایک اصل میں ذکر کرتے ہیں: **وَهُوَ أَنْ يَكُوْنَ كَلاَمُ الْفَقِيْهِ الْمُنَاظِرِ بِالْمُقَابِلِ.** (وہ یہ ہے کہ بحث کرنے والے فقیہ کا کلام بالکل درست ہونا چاہئے (جس پر کوئی انگلی نہ رکھ سکے)

(۱۸) طالبِ علم کو تورع اور تقوی اختیار کرنا ضروری ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **مَنْ لَمْ يَتَوَرَّعْ فِيْ تَعَلُّمِهِ ابْتَلاَهُ اللّٰهُ بِإِحْدى ثَلاَثَةِ أَشْيَاءَ: إِمَّا أَنْ يُّمِيْتَهُ فِيْ شَبَابِهٖ، أَوْ يَدْفَعُهُ فِي الرَّسَاتِيْقِ، أَوْ يَبْتَلِيْهِ فِيْ خِدْمَةِ السُّلْطَانِ.** (جو شخص علم حاصل کرنے میں ورع وتقویٰ اختیار نہیں کرتا اُس کو اللہ تعالیٰ تین میں سے کسی ایک بات میں مبتلا فرمادیتے ہیں: (۱) یا تو جوانی میں اُس کو موت دیدیتے ہیں۔ (۲) یا اُس کو دیہاتوں (گمنام جگہوں) میں ڈال دیتے ہیں۔ (۳) یا سرکاری حکام کی خدمت میں اُسے لگادیتے ہیں) طالب علم جس قدر متقی ہوگا اس کا علم اتنا ہی زیادہ نفع بخش ہوگا، اور ورع سے مراد کثرتِ کلام لایعنی اور کثرتِ نوم سے بھی احتراز ہے۔

(۱۹) طالبِ علم کو بازاری کھانوں سے احتراز کرنا چاہئے؛ کیونکہ بازار اکثر **أَقْرَبُ إِلَى النَّجَاسَةِ وَالْخِيَانَةِ** ہے اور ابعد عن ذکر اللہ تعالیٰ ہے اور **أَقْرَبُ إِلَى الْغَفْلَةِ** ہے، فقراء، غرباء کی نگاہیں ان کھانوں پر پڑتی ہیں اور اس کے خریدنے کی ان کو قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کی برکت ختم ہوجاتی ہے۔ **وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد و آله أجمعين.**

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۷ء)

رئیس المحدثین

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب نور اللہ مرقدہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہِ اعلیٰ، جامعہ فاروقیہ کراچی کے بانی اور شیخ الحدیث، انتہائی مؤقر اور معتبر بزرگ عالم دین، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ مؤرخہ ۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء بروز اتوار رات تقریباً ۱۰؍بجے ۹۶؍سال کی عمر میں کراچی کے ایک اسپتال میں انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت موصوف اَکابر واَسلاف کی زندہ یادگار تھے، طویل عمر میں بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے اِستفادہ فرما کر اُنہیں کے رنگ میں اپنی زندگی کو پوری طرح رنگین کرلیا تھا۔ جرأت وحق گوئی اور بلاخوفِ لومۃ لائم فرقِ باطلہ کی سرکوبی کے ساتھ ساتھ ملی اِجتماعیت اور مدارسِ اسلامیہ کی سرپرستی میں آپ کا روشن کردار ہمیشہ یادرکھا جائے گا۔

تدریس حدیث میں آپ کی امتیازی شان علماء عصر میں نمایاں تھی، تقریباً ۵۰؍سال جامعہ فاروقیہ کراچی کے شیخ الحدیث رہے، اور ہزار ہا ہزار تشنگانِ علوم نبوت کو اپنے علم غزیر سے سیراب فرمایا۔ آپ کی اَمالی پر مشتمل بخاری شریف کی شرح ''کشف الباری'' ۱۲؍جلدوں میں بخاری کی اُردو شروحات میں ممتاز مقام کی حامل ہے، جس سے آپ کی علمی گیرائی کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ کی پیدائش ۲۵؍دسمبر ۱۹۲۶ء میں وطن مالوف حسن پور لوہاری مظفر نگر ہندوستان میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں حضرت شاہ مسیح اللہ خاں صاحبؒ کی

سرپرستی میں حاصل کی۔ یہاں قیام کے دوران حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زیارت وصحبت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ بعد ازاں ۱۹۴۲ء میں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور ۱۹۴۷ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خصوصی تلامذہ میں شامل تھے۔ فراغت کے بعد آپ نے ۸/سال مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، اُس کے بعد آپ مع اہل خانہ کراچی منتقل ہوگئے، اور اولاً دارالعلوم ٹنڈ والہ یار میں ۳/سال، پھر دارالعلوم کراچی میں ۱۰/سال، اور جامعہ بنوری ٹاؤن میں ایک سال درس دیا، بعد ازاں ۲۳/جنوری ۱۹۶۷ء میں کراچی ہی میں ''جامعہ فاروقیہ'' کی داغ بیل ڈالی، اور تادمِ آخر اِسی اِدارہ کی سربراہی فرماتے رہے۔

آج یہ اِدارہ پاکستان کے مرکزی دینی مدارس میں شمار ہوتا ہے، اور اِس کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہوچکا ہے۔

۱۹۸۰ء میں آپ کو پاکستان کے عربی مدارس کے وفاق کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا، جب کہ ۱۹۸۹ء سے تادمِ حیات آپ وفاق المدارس کے منصب صدارت پر فائز رہے۔ نیز آپ مختلف مسالک کے مدارس کی مشترکہ تنظیم ''اِتحادِ تنظیماتِ مدارس'' کے صدر بھی تھے۔ آپ کے دورِ صدارت میں مدارس کی حفاظت وترقی کے حوالہ سے عظیم الشان خدمات انجام دی گئیں۔

بلاشبہ موجودہ نازک ماحول میں آپ کا وجود ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک سایہ دار شجر کی حیثیت رکھتا تھا، اِس خلا کو تادیر محسوس کیا جائے گا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور آپ کے چھوڑے ہوئے کاموں کی غیب سے حفاظت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۷ء)

علماءوخطباءاورائمہ مساجد کے نام

مرجع العلماء،اُستاذ الاساتذہ،شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ کا خاص مکتوب اَہم وصیت اور زندگی کی آخری تحریر

شیخ المشائخ،استاذ الاساتذہ،رئیس المحدثین حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے چند روز قبل علماء،خطباء اور ائمہ مساجد کے نام درج ذیل تحریر جاری فرمائی تھی، جس کا ایک ایک لفظ لائق مطالعہ اور ایک ایک ہدایت قابل تقلید ہے۔علم دین سے وابستہ حضرات کو چاہئے کہ وہ حضرت کی اس روشن تحریر کو بار بار پڑھیں اور اُس پر عمل کی ہر ممکن کوشش کریں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں،آمین۔(مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ ونصلي علىٰ رسوله الكريم،

أعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم. بسم الله الرحمٰن الرحيم.

قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ [ال عمران، جزء آیت: ۱۱۰]

وقال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [التوبة، جزء آیت: ۷۱]

گرامی قدر..السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

ایک عرصہ سے دل میں خیال پختہ ہو رہا تھا کہ آں جناب کی خدمت میں ایک عریضہ

ارسال کیا جائے، اس عریضہ کے ذریعہ آپ کی خدمت میں اپنے دلی جذبات کا اور عمومی طور پر ہمارے دینی احوال پر اپنی فکرمندی کا اظہار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم نبوت کا وارث وامین بنایا ہے اور منبر ومحراب کے ذریعہ دین حق کے بیان اور تبلیغ واشاعت کے لئے منتخب فرمایا ہے، یہ ایک بہت بڑا اعزاز بھی ہے اور ذمہ داری بھی، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاس منبر ومحراب اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے طاقتور ذریعہ ہے اور اس ذریعہ سے امت مسلمہ کے لئے دینی خدمات کا فریضہ کافی حد تک انجام دیا جا رہا ہے؛ لیکن اگر معاشرہ میں پھیلے فساد وبگاڑ کے ساتھ اپنی سعی وکاوش کا موازنہ کیا جائے تو غالباً ہمیں خود پر شرمندگی ہوگی۔

آج کے دور میں معاشرتی بگاڑ جس قدر بڑھ گیا ہے، اس کا احاطہ کرنا شاید ممکن نہ ہو، پہلے یہ بگاڑ اپنے اثرات کے اعتبار سے محدود ہوتا تھا، بعض مخصوص اَذہان وافراد یا مخصوص طبقات ہی اس کا شکار ہوتے تھے، مگر اب ایسا نہیں ہے، اس بگاڑ نے ہمارے ان طبقوں کو، افراد واشخاص کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جو امت کے مقتدا اور پیشوا ہیں۔ اخلاقیات کے باب میں وہ تمام برائیاں جن کا تصور کیا جا سکتا ہے ہمارے معاشرے میں پائی جا رہی ہیں، منکرات ومحرمات کا شیوع بڑھ گیا ہے، مسلمانوں کو بے دینی، اخلاقی بے راہ روی اور بدعقیدگی میں مبتلا کرنے کے لئے باطل ہر رنگ وروپ میں اپنی تمام سائنسی ایجادات اور آلات ووسائل کے ساتھ مصروف ہے۔ باطل کے پاس ٹیکنالوجی بھی ہے اور حکومت وقانون کی لاٹھی بھی، وہ اپنے نصاب تعلیم وتربیت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے دماغوں کو بدل رہا ہے، اور ہمارے معاشرتی نظام میں پوری قوت کے ساتھ شگاف ڈال رہا ہے۔ اگر آپ اس سلسلے میں کچھ جاننا چاہیں تو صرف ایک دن کے اخبارات اٹھا کر دیکھ لیجئے، آپ کو اپنی قوم کے اخلاقی دیوالیہ پن اور باطل کی کامیاب محنتوں کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ ماہ نامہ ''وفاق المدارس'' ربیع الاول ۱۴۳۸ھ کے شمارے میں ہم نے متحدہ امریکہ کے کمیشن برائے بین الاقوامی مذہبی آزادی کے تعاون سے

شائع ہونے والی رپورٹ ''پاکستان میں عدمِ برداشت کی تدریس'' کا جائزہ پیش کیا تھا، یہ رپورٹ ہم سب کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ باطل نے نہایت مسرت کے ساتھ بتایا ہے کہ اس کا پیغام پورے اثرات کے ساتھ ہر ہر جگہ پہنچ رہا ہے، باطل اپنی محنت سے اس قدر پراُمید ہے کہ اَب وہ دِیدہ دلیری اور دَریدہ دہنی کے ساتھ ہمیں کہہ رہا ہے کہ خاکم بدہن، العیاذ باللہ ہم اِسلام کو سچا دین سمجھنا چھوڑ دیں۔

اِس کے بعد ذرا ہم اپنی ذمہ داریوں اور اپنی مساعی کا جائزہ لیں تو معاف فرمایئے گا بہت حوصلہ شکن صورتِ حال سامنے آئے گی۔ مجھے کہنے دیجئے کہ ہم میں سے اکثریت، جس کا علومِ نبوت پر دسترس کا دعویٰ ہے وہ محض جمعہ کے بے روح بیان پر قانع ہیں یا پانچ وقت کی نماز پڑھا کر خود کو اپنے فرائض سے سبک دوش خیال فرماتے ہیں، حالانکہ وارثِ علمِ نبوت ہونے کے ناطے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُمت میں خیر و بھلائی کا حکم کریں اور منکرات کی نکیر کریں۔ دیکھئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس جزم کے ساتھ اور کس وعید کے ساتھ خیر و بھلائی کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں:

وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذَنَّ عَلٰى يَدِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطُرَنَّهُ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا، أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ، ثُمَّ لَيَلْعَنَكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ. (سنن أبي داؤد / كتاب الملاحم ٥٩٥/٢)

ایک دوسری حدیث شریف میں یوں ارشاد ہے: **عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ تَزَالُ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا وَتَرُدُّ عَنْهُمُ الْعَذَابَ وَالنَّقْمَةَ مَا لَمْ يَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّهَا، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْاِسْتِخْفَافُ بِحَقِّهَا؟ قَالَ: يَظْهَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِيْ اللّٰهِ، فَلاَ يُنْكَرُ وَلاَ يُغَيَّرُ.** (الترغيب والترهيب للمنذري رقم: ٣٥٤٠ بيت الأفكار الدولية)

موجودہ دور میں پھیلے بے پناہ شر و فساد اور بگاڑ کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے لئے کسی اور کو نہیں آپ علماء کو ہی آگے بڑھنا ہے، مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کے لئے جس تڑپ،

دل سوزی، لگن اور محنت کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے۔ آج کا ماحول ہر ہر عالم سے حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی، حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ جیسے کردار کا تقاضا کرتا ہے۔

آپ ماشاءاللہ عالم دین ہیں، آٹھ دس سال لگا کر آپ نے جس مدرسہ یا دارالعلوم میں دینی تعلیم کی تکمیل کی، اس کے بعد تو آپ پر خود بخود ''بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً'' کے مصداق معاشرے کی صلاح واصلاح کی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔ آپ پر لازم ہو جاتا ہے کہ جس دین کو آپ نے آٹھ دس سال لگا کر پڑھا اور سیکھا، وہ نہ صرف آپ کے کردار وعمل اور افکار وخیالات سے جھلکے بلکہ اہلیت واستعداد کے مطابق اپنے گھر، محلے اور مسجد ومدرسہ کے ماحول میں اس کے بیان وتبیان کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر بہت بڑا فضل فرمایا ہے، آپ کسی مدرسہ کے مہتمم ہیں یا استاد! آپ کسی مسجد کے اِمام ہیں یا خطیب!...... آپ پر لازم ہے کہ تواصی بالحق کا فریضہ بہرصورت انجام دیتے رہیں، منبر ومحراب آپ کے پاس بہت طاقتور ذریعہ ہے۔ الحمدللہ ہم دین کی تعلیم وتبلیغ اور نشر واشاعت کے لئے سائنسی آلات یا ٹیکنالوجی کے محتاج نہیں، دینی تعلیمات میں معمولی غور وفکر سے بھی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح اسلام کا مقصد معلوم ومتعین ہے، اسی طرح حصولِ مقصد کے لئے وسائل واسباب بھی معلوم ومتعین ہیں۔ اسلام ٹیکنالوجی کے سہاروں کے بجائے براہِ راست مخاطب کی باطنی وقلبی اور اخلاقی وروحانی تبدیلیوں کا دَاعی ہے، یوں بھی بسا اوقات ٹیکنالوجی کے ذریعہ دین کی تبلیغ واشاعت کے اثرات نہ صرف محدود ہوتے ہیں؛ بلکہ منفی نتائج بھی دیتے ہیں۔

ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اور دعوت کے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقے متوارث چلے آرہے ہیں، یقین فرمایئے ان طریقوں کو ان کی روح

کے مطابق عمل میں لایا جائے تو دیرپا اثرات کے حامل نظر آئیں گے......اور وہ حسب ذیل ہیں:

- منبر و محراب کے ذریعہ خطبہ و خطابات۔
- انفرادی اور شخصی ملاقاتوں کے ذریعہ دینی دعوت، دینی تعلیم اور تزکیہ نفس کی کوششیں۔
- مکاتیب (خطوط) کے ذریعہ تبلیغ دین کا اہتمام۔
- صُفّہ (یعنی مدرسہ) کے ذریعہ اجتماعی تعلیم دین۔

الحمدللہ یہ تمام مسنون طریقے ہماری دسترس میں ہیں، مگر فرق یہ پڑ گیا ہے کہ بوجوہ ہم ان طریقوں کو اپنانے سے گریزاں ہیں۔ ہاں! ان طریقوں کو اپنانے کے لئے ﴿لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ﴾ پر یقین واعتماد لازم ہے۔

ہماری آپ سے درخواست ہے کہ موجودہ معاشرتی بگاڑ کو ہلکا خیال نہ فرمائیں، چاروں جانب باطل نے اپنے فتنہ وفساد کی آگ دَہکا رکھی ہے۔ اس آگ کو فرو کرنے میں آپ سے جو بن پڑتا ہے کر گذریں، یہ موجودہ وآئندہ نسلوں پر آپ کا احسان ہوگا۔ آپ مسجد کے امام ہیں یا خطیب، تو خود کو صرف نماز پڑھانے اور جمعہ کا بیان کرنے تک محدود نہ رکھیں، ممکن ہو سکے تو مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کرنے کی سعی فرمائیں:

درس قرآن مجید

روزانہ، ورنہ ہفتے میں ایک دن ضرور مقرر کر کے اہل محلّہ کے لئے عمومی درس قرآن مجید کا اہتمام فرمائیں، اس سلسلے میں خاص طور پر تیاری بھی کریں۔ کتب تفسیر وحدیث سے رجوع کریں؛ البتہ ایک بات کا خیال رکھیں کہ عمومی درس قرآن میں صرفی نحوی ترکیبوں اور خالص علمی اسلوب اختیار نہ کریں؛ بلکہ علیٰ قدر عقولہم پیرایۂ گفتگو اختیار کریں۔ رات کے اخیر پہر رب کریم سے اپنی اور اہل محلّہ کی ہدایت کی مخلصانہ دُعائیں آپ کی محنت کو ثمرآور کر دیں گی۔

درس حدیث

پانچ وقت نمازوں میں سے کسی ایک نماز کے بعد کم از کم پانچ منٹ کا درس حدیث ضرور دیں۔ اس سلسلہ میں کتاب الاخلاق، کتاب البر والصلہ، کتاب الرقاق، کتاب المعاشرۃ والمعاملات، کتاب اشراط الساعۃ کو خاص طور پر مدنظر رکھیں۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''معارف الحدیث'' آپ کی بہترین رفیق ہوسکتی ہے۔

فقہی مسائل کا بیان

کسی ایک نماز کے بعد دعا سے قبل نمازیوں کو روزانہ صرف ایک مسئلہ بتانے کا اہتمام فرمائیں، ایسے روزمرہ پیش آمدہ مسائل جن میں عوام مبتلا ہوتے ہیں مختصر اور عمومی انداز میں شرعی راہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ ''بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا'' کی ہدایت کے ساتھ حکمت ودانائی کو پیش نظر رکھتے ہوئے الفاظ اور جملوں کے انتخاب میں احتیاط برتی جائے۔ فرقوں یا افراد کے ناموں کے ساتھ تنقید کے بجائے صحیح مسائل کو سامنے رکھا جائے۔

اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ آپ کی مسجد میں پہلے سے جو تعلیمی، تبلیغی اور خانقاہی سلسلے جاری ہیں وہ بالکل متأثر نہ ہوں، دیگر دینی کاموں میں رفیق وحلیف تو بنیں فریق ہرگز نہ بنیں۔ اگر کوئی شخص یا جماعت آپ کے کام میں مزاحم ہو تو دل گرفتہ نہ ہوں، محبت اور شفقت سے سمجھائیں۔ دعوت دین کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ آپ کے پیش نظر رہے گا، ہمدردی، دل سوزی، دینِ حق کے بیان کا جذبہ کارفرما رہے گا تو اِن شاءاللہ کامیابی ملے گی۔

جمعہ کا بیان

جمعہ کا بیان بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہونگے کہ جمعہ کے دن ہمارے یہاں لوگ عموماً بیان کے آخر میں مسجد پہنچتے ہیں؛ لیکن جہاں کہیں کوئی خطیب بھرپور تیاری کے ساتھ جمعہ کا بیان کرتا ہے وہاں لوگ ذوق وشوق کے ساتھ آغاز خطاب

میں پہنچنا شروع ہوجاتے ہیں۔ یہ رویہ اِس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ لوگ بھلائی کی بات سننا چاہتے ہیں، فرق صرف انداز بیان کا ہے، جتنا جاندار اسلوبِ بیان ہوگا، از دل خیزد بر دل ریزد کی کیفیت ہوگی اسی قدر لوگوں کی حاضری زیادہ ہوگی۔ جمعہ کے دن لوگوں کی حاضری کو اللہ پاک کی عنایت سمجھئے، اس موقع کو سرسری بیان میں ضائع مت کیجیے، جمعہ کے بیان کے لئے کوئی موضوع سوچ کر ہفتہ بھر اس کے لئے محنت کیجئے، محض فضائل کے بیان پر اکتفاء نہ کیجئے؛ بلکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق ادا کیجئے، اسلامی اعتقادات، اُسوۂ رسول، اسلامی اخلاق ومعاشرت، صحابۂ کرام کے مقام ومرتبہ، صحابہ کے طرز معاشرت کا بیان، عصر حاضر میں پھیلے گمراہ کن جدید فتنوں سے آگاہی، خصوصاً جدیدیت کے طوفان سے امت کو بچانے کی فکر کریں۔ بدعات ورسوم کی بیخ کنی کے لئے بھی لسانی جدجہد کریں۔ افسوس کی بات ہے کہ آج کئی دین دار اور اکابر کے نام لیوا بھی بدعات کا ارتکاب کرتے نظر آتے ہیں، اس سلسلہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروانہ کریں، احقاقِ حق کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔

ہماری یہ درخواست اپنے تمام محبین کے لئے ہے؛ اَلبتہ خصوصیت کے ساتھ ہمیں اپنے تلامذہ سے قوی اُمید ہے کہ وہ اپنے کہنہ سال اُستاذ کی عرض کی گئی باتوں کو ضرور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

آخری بات یہ کہ آپ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے توفیق بھی چاہیں کہ وہ پروردگار آپ کو اس مبارک عمل کے لئے منتخب فرمالیں، تضرع، زاری، تبتل اور دُعا اس راہ کا بہترین توشہ ہے...... اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو اور اپنی رضا کے مطابق کام لے لیں۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۷)

شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی نور اللہ مرقدہٗ

مؤرخہ ۱۷ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۶رجنوری ۲۰۱۷ء بروز پیر کورات میں یہ اَلمناک خبر آئی کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چہیتے اور منظورِ نظر شاگرد اور خلیفہ مجاز شیخ طریقت حضرت مولانا الحاج ملک عبدالحفیظ مکی رحمۃ اللہ علیہ جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن کے قریب ''سینٹ پیٹرس برگ'' میں حرکت قلب بند ہونے سے اچانک انتقال فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف افریقہ کے اصلاحی اور تبلیغی دورے پر تھے، وہیں یہ حادثہ پیش آیا، جنازہ مدینہ منورہ لایا گیا، اور ۲۰ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز جمعرات فجر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور جنت البقیع میں تدفین کی سعادت حاصل ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

موصوف ایک جلیل القدر عالم دین، کامیاب مدرس اور صاحبِ دل، صاحبِ نسبت صوفی اور بزرگ تھے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں آپ کے اصلاحی اور تربیتی اسفار کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اور بے شمار لوگ آپ کے متوسلین میں شامل تھے۔ آپ نے مکہ معظّمہ میں تجارتی کتب خانہ ''مکتبہ امدادیہ'' کے نام سے قائم فرمایا، اور عالم عرب میں اَکابر مظاہر ودیوبند کے علوم کو پھیلانے میں عظیم کردار اَدا کیا۔ آپ ہی کی توجہ سے ''الکنز المتواری فی شرح صحیح البخاری'' (۲۴رجلدیں) کے نام سے ضخیم ترین کتاب شائع ہوئی، جو اکابر علماء دیوبند کے قیمتی اِفادات پر مشتمل ہے۔

اِسی طرح آپ نے عالم عرب میں تصوف کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے پر بھی کافی محنت کی، اور قرآن وسنت سے ماخوذ تصوف کو اُجاگر کرنے کے لئے قیمتی کتابیں شائع فرمائی۔ نیز آپ نے فاضل گرامی قدر جناب مولانا لطیف الرحمٰن صاحب قاسمی بہرائچی کے علمی تعاون سے ''مسند الامام الطحاویؒ'' اور ''مسانید اِمام ابوحنیفہؒ'' اور دیگر قیمتی کتابیں شائع کرکے عام فرمائیں، جن سے اہل علم برابر فائدہ اُٹھارہے ہیں۔

علاوہ ازیں آپ نے فتنہ قادیانیت کے خلاف ''انٹرنیشنل ختم نبوت مئومنٹ'' کے نام سے تنظیم قائم فرمائی، جس کے ذریعہ سے دنیا کے مختلف خطوں میں قادیانیت کی سرکوبی کی خدمات انجام دی گئیں۔

مولانا موصوف کی ولادت ۱۹۴۶ء میں امرتسر میں ہوئی، آپ کا آبائی خاندان تو کشمیر سے تعلق رکھتا ہے؛ لیکن آپ کے آباء واَجداد بعد میں صوبہ پنجاب کے مشہور شہر امرتسر میں مقیم ہوگئے تھے، اور تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان کے شہر فیصل آباد کو اپنا وطن بنایا، یہیں پر آپ نے تعلیم کا آغاز فرمایا؛ لیکن اِسی دوران ملکی حالات خراب ہونے کی وجہ سے آپ کے والد جناب ملک عبدالحق صاحب نے ۱۹۵۳ء فیصل آباد سے مکہ معظّمہ ہجرت فرمالی، اور حسن اتفاق کہ ۱۹۶۰ء میں آپ کے والد صاحب کو سعودی شہریت مل گئی، اور مکہ معظّمہ میں اطمینان کے ساتھ رہنے کے مواقع فراہم ہوگئے۔

مولانا موصوف نے اولاً مدرسہ صولتیہ اور بعد ازاں مدرسہ سعدیہ میں داخل ہوکر سعودی حکومت کے نصاب کے اعتبار سے متوسط درجات تک تعلیم حاصل کی، اور ۱۳۸۷ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تعلیم کے لئے آپ نے مظاہر علوم سہارنپور کا رخ کیا، اور شیخ الحدیث، قطب العالم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر اَساتذۂ مظاہر علوم سے علمی اِستفادہ کا موقع ملا، اِسی سال حضرت شیخ نے آپ کو بیعت واِرشاد میں خلافت سے بھی نوازا۔

آپ حضرت شیخ کے انتہائی چہیتے خلفاء میں تھے، آپ بیتی میں جابجا آپ کا ذکر ملتا ہے۔ آپ پوری زندگی اپنے شیخ سے حاصل کردہ اَمانت عالم میں عام کرنے کے لئے تگ ودو فرماتے رہے۔ مکہ معظّمہ میں آپ کا دولت خانہ آپ کی فیاضی اور مہمان نوازی میں مشہور رہا۔ موقع بموقع ذکر کی مجالس کا اہتمام بھی آپ فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وجاہت کے ساتھ ساتھ حسن خلق کی دولت سے بھی نوازا تھا، جو بھی آپ سے ملاقات کرتا، وہ آپ کے اخلاق سے ضرور متأثر ہوتا تھا۔ آپ نے اپنی ہمہ گیر مصروفیات کے ساتھ ساتھ علمی مشغلہ بھی جاری رکھا اور مدرسہ صولتیہ میں عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ بلاشبہ آپ کی وفات سے ایک عہد کا خاتمہ ہوا۔ (ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۷ء) ❍❖❍

حضرت قاری سید مرغوب حسین صاحب امروہویؒ

جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے سابق اُستاذ تجوید اور امروہہ کے صاحب نسبت بزرگ حضرت قاری سید مرغوب حسین صاحبؒ گذشتہ ۵ / ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۴ / جنوری ۲۰۱۷ء بروز بدھ وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاری صاحب موصوف کا شمار ملک کے ممتاز اَساتذۂ تجوید وقرأت میں ہوتا تھا، آپ کے کئی اہم شاگرد ملک و بیرون ملک تجوید کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ موصوف بڑے خود دار، باوضع، بارعب اور باوجاہت شخصیت کے مالک تھے۔ راقم الحروف کو بھی حضرت مرحوم سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کا اصلاحی تعلق مشہور نقشبندی بزرگ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ پاکستان سے تھا۔

اِدھر کئی سالوں سے آپ بالکل خلوت گزیں ہوگئے تھے، اپنے دولت کدہ پر ہی خانقاہ میں مقیم تھے، وہیں وفات ہوئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۷ء)

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب بلگرامیؒ

وسط یوپی کے مشہور ومعروف صاحبِ فیض عالم دین، نمونۂ سلف، اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب جامعی بلگرامی نور اللہ مرقدہٗ خلیفہ اجل حضرت مولانا انوار احمد صاحب صدر مدرس جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جاجمئو کانپور گذشتہ ۱۲/رجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۰/اپریل ۲۰۱۷ء بروز پیر بوقت عصر وفات پا گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف نہایت متقی، پرہیز گار، حلیم وبردبار، ذی علم اور خدمتِ دین میں ہمہ تن مشغول رہنے والے بزرگ تھے۔ سیکڑوں تلامذہ نے آپ سے استفادہ کیا، جو آج مختلف علاقوں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بالخصوص ہردوئی، اُناؤ اور کانپور کے اَطراف میں قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں میں آپ کا فیض جاری اور ساری تھا، اِن علاقوں میں تمام دینی سرگرمیوں کی آپ بذاتِ خود سرپرستی فرماتے تھے، شاید ہی کوئی ایسا جلسہ ہو جس کی آپ صدارت نہ فرماتے ہوں۔ آپ انتہائی خاموش طبع، کم گو اور سادہ شخص تھے؛ لیکن چہرہ ذکر خداوندی کے اَنوار سے منور رہتا تھا۔ گفتگو مختصر مگر جامع اور پراثر ہوتی تھی، سنت کی اِشاعت اور بدعتوں پر نکیر آپ کا خاص مشن تھا۔ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد اِس علاقہ میں آپ کی ذات کو مرجعیت حاصل تھی۔ اور آپ کو ''بڑے مولانا'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔

آپ کا آبائی وطن جرولی شیر پور تھا، ۱۹۳۸ء میں آپ کی پیدائش ہوئی، ناظرہ قرآنِ کریم آبائی وطن میں پڑھا، اس کے بعد بلگرام کی جامع مسجد اپر کوٹ کے مدرسہ میں داخلہ لیا اور اپنی طبعی ذہانت اور قوتِ حافظہ کی بدولت صرف ۱۱/مہینے ۲۹/دن میں تکمیل حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔

بعد ازاں مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں داخل ہوئے اور محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ کی سرپرستی میں تعلیمی سفر جاری رکھا، درمیان میں بعض اعذار کی وجہ سے تعلیم چھوڑ کر مختلف مکاتب ومدارس میں تدریس کی خدمت میں لگ گئے، اِسی دوران فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ (جو اُس وقت جامع العلوم پٹکا پور کانپور میں مقیم تھے) سے ملاقات ہوئی، تو حضرت آپ کو اپنے ساتھ کانپور لے گئے، چناں چہ آپ نے بقیہ درجات کی تکمیل کرتے ہوئے ۱۹۶۵ء میں جامع العلوم سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد متعدد مدارس میں خدمت انجام دیتے رہے؛ تا آں کہ ۱۹۸۴ء میں بلگرام کی قدیم مسجد ''غلام حسین عرف عطا میاں'' میں مدرسہ ''انوار العلوم'' کی داغ بیل ڈالی، اور تاحیات اسی اِدارے کی تعمیر وترقی میں مسلسل مشغول رہے۔

راقم الحروف سے حضرت مولانا مرحوم غیر معمولی اُنسیت ومحبت فرماتے تھے، اکثر اپنے علاقہ میں دینی پروگراموں میں حاضری کا حکم دیتے، اور اگر کسی جگہ کے بارے میں احقر کے حاضر ہونے کا علم ہوتا تو بنفس نفیس ملاقات کے لئے تشریف لاتے، اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔ بلا شبہ آپ کی ذاتِ عالی ہم جیسے اصاغر کے لئے ایک سایہ دار درخت کے مانند تھی، آپ کی جدائی کی کسک تادیر محسوس ہوتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

یوں تو آپ مضبوط قویٰ کے مالک تھے؛ لیکن کچھ عرصہ سے عمر کے تقاضے کی بنا پر علالت کا سلسلہ جاری تھا۔ وفات کے دن صبح طبعیت میں بشاشت تھی، فجر کی نماز کے بعد طلبہ کو اَذان واقامت کی تصحیح کرائی، اور ظہر سے قبل خود غسل فرمایا، نماز ظہر ادا کی، بعد ازاں بستر پر آرام فرمانے لگے، عصر کی اَذان ہوچکی تھی، جماعت کی تیاری تھی، اِسی دوران وقت موعود آپہنچا اور آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات کی خبر ملتے ہی ہر طرف کہرام مچ گیا، لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے

لگے، اگلے دن صبح سوا دس بجے شہر کے بغیہ میدان میں آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا قاری سید حبیب احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم نے پڑھائی، کم وبیش ۷۰؍ ہزار افراد جنازہ میں شریک تھے، جو آپ کی عند اللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔ بعد اَزاں آپ کو جرولی شیر پور کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کے پسماندگان میں ۲؍صاحب زادے (مولانا عبدالولی صاحب اور مولانا محمد حسان صاحب مظاہری) ہیں، جب کہ ۴؍صاحب زادیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں، آپ کی دینی خدمات کو قبول فرمائیں، اور اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔ (مرتب)

نوٹ:- حضرت کے بارے میں سوانحی معلومات مولانا یاسر عبدالقیوم کھجونوی اُستاذ جامعہ فرقانیہ سنڈیلہ سے حاصل کی گئی ہیں۔ **فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء.**

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۷ء)

مولانا قاری عطاء الرحمٰن صاحب دھامپوریؒ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے اُمور عامہ کے منتظم جناب مولانا قاری عطاء الرحمٰن صاحب دھامپوری گذشتہ ۱۹؍رجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۷؍اپریل ۲۰۱۷ء بروز پیر وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف مدرسہ کے بڑے مخلص، جفاکش، محنتی اور ہمدرد خادم تھے، اور سبھی اُمور مفوضہ کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے، اور ہمہ وقت مدرسہ کی خیرخواہی اور فلاح وبہبود میں مصروف رہتے تھے۔ موصوف کی پیدائش ۱۹۶۶ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم وطن مالوف دھام پور میں حاصل کی، بعدازاں جامع الہدیٰ مرادآباد میں موقوف علیہ تک پڑھا، اُس کے بعد ۱۴۱۱ھ میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سے فراغت حاصل کی، پھر اُسی سال جامعہ میں درجہ ناظرہ میں آپ کا تقرر ہوا، اُس کے بعد مدرسہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ۲۱؍محرم ۱۴۳۲ھ میں آپ کو منتظم بنایا گیا، اور تادم آخر اسی ذمہ داری کو انجام دیتے رہے۔

آپ کی صحت چند مہینوں سے ناساز تھی، تاآنکہ معدہ میں کینسر کی تشخیص ہوئی، مگر اُس وقت تک مرض اِتنا بڑھ چکا تھا کہ کوئی علاج کارگر نہ تھا، بالآخر یہی مرض جان لیوا ثابت ہوا۔ اُسی دن عشاء کے بعد عوام وخواص کے کثیر مجمع نے مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی، اور نم آنکھوں سے سپرد خاک کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائیں، بچوں کی غیب سے کفالت فرمائیں اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ قارئین سے بھی اِیصالِ ثواب کی گذارش ہے۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۷ء)

❍❖❍

حضرت مولانا محمد اَزہر صاحب رانچیؒ

(خلیفۂ حضرت شیخ الاسلامؒ)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد رشید، خادمِ خاص اور خلیفہ مجاز، دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ اور جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر حضرت مولانا محمد اَزہر صاحب مہتمم وبانی مدرسہ حسینیہ کڈرو رانچی نوراللہ مرقدہٗ گذشتہ ۱۶ر شعبان ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۳ر مئی ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ دن میں ڈھائی بجے طویل علالت کے بعد انتقال فرماگئے۔ اگلے روز ہزاروں اَفراد نے حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی مدظلہ کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ پڑھ کر قریبی قبرستان میں سپردِ خاک کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت موصوف بڑے جفاکش، کم گو، صاحبِ نسبت، بافیض اور باوقار شخصیت کے مالک تھے، ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، اُس کے بعد چند سال اپنے پیرومرشد اور اُستاذِ معظم شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی خدمت میں سفر وحضر میں ساتھ رہے۔ حضرتؒ کی وفات کے بعد ۱۹۵۸ء میں شہر رانچی کے ایک مضافاتی علاقہ کڈرو (حسین آباد) میں ''مدرسہ حسینیہ'' کے نام سے ایک مرکزی اِدارے کی بنیاد رکھی، اور خاص طور پر علاقہ کی مسلم دیہی آبادی میں دینی تعلیم کے فروغ میں نمایاں کردار اَدا کیا، اِس وقت بھی ابتدائی دینیات اور تحفیظ القرآن میں اِس مدرسہ کو علاقہ میں اِمتیازی مقام حاصل ہے۔

آپ کو ۱۹۹۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن بنایا گیا، نیز آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے بھی ملی وسماجی خدمات انجام دیں۔

آپ عرصۂ دراز تک رمضان المبارک میں شہر ممبئی میں قیام فرماتے رہے، اور بھنڈی بازار کی شافعی جامع مسجد میں اَحناف کے وتر کی اِمامت کی ذمہ داری آپ کے سپرد رہی، جسے آپ نے صحت کے زمانہ تک بحسن وخوبی نبھایا۔

چند دنوں سے آپ گردے اور قلب کی تکلیف میں مبتلا تھے، بالآخر وقت موعود آپہنچا، اور مؤرخہ ۱۶ر شعبان ۱۴۳۸ھ کو دوپہر میں واصل بحق ہوگئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی دینی خدمات کو قبول فرمائیں، اور آپ کے لگائے ہوئے دینی گلشن کو آباد اور شاداب رکھیں، اور ہر قسم کے داخلی وخارجی شرور سے محفوظ رکھیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۷ء)

○

گوشۂ ریاست علی

حضرت مولانا ریاست علی ظفؔر صاحب بجنوریؒ

اُستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

(پیدائش: ۱۳۵۹ھ-۱۹۴۰ء وفات: ۱۴۳۸ھ-۲۰۱۷ء)

حضرت الاستاذ

مولانا ریاست علی ظفؔر بجنوری نوراللہ مرقدہٗ کی یاد

جس وقت دارالعلوم میں صدسالہ عالمی اِجلاس ہوا، اور اُس کی افتتاحی نشست میں پوری شان وشوکت کے ساتھ دارالعلوم کا ترانہ: ''یہ علم وہنر کا گہوارہ، تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے ❖ ہر پھول یہاں ایک شعلہ ہے، ہر سرو یہاں مینارہ ہے'' پڑھا گیا، تو سننے والا ہر شخص جھوم اُٹھا، اور ہر طرف اِس ترانہ کی دھوم مچ گئی، الفاظ کی چست بندش، تاریخ کے تناظر میں معانی کی جامعیت، اَشعار کی صورت میں فکرِ دیوبند کی بھرپور ترجمانی اور دارالعلوم سے وابستہ بلند مرتبہ شخصیات کے

پاکیزہ اور برمحل تذکرے نے اِس ترانہ کو جو قبولیت عامہ عطا کی، اس کی نظیر نہیں ملتی، ہم جیسے کتنے ہی لوگوں کے لئے حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحبؒ سے تعارف کا ذریعہ یہی ترانہ بنا۔ وہ ہمارا بےشعوری کا زمانہ تھا، اور ہم مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں زیرِتعلیم تھے، مگر اسی وقت سے اس ترانہ کے ذریعہ صاحبِ ترانہ سے اُنسیت دل میں پیدا ہو چکی تھی۔ پھر ۱۴۰۲ھ میں جب دارالعلوم کی چہار دیواری میں قدم رکھا، تو صد سالہ کے بعد کے بلاخیز طوفان کے بعد دارالعلوم ترقی کی نئی منزلوں کی طرف گامزن تھا، تعلیم سمیت تمام شعبوں میں اصلاحات کا عمل تیزی سے جاری تھا، گویا اِس تاریخی ورثہ کی تزئین وتحسین کا مشن چل رہا تھا۔ اندازہ ہوا کہ اس مشن میں جن حضرات کو فعالیت کا درجہ حاصل ہے، اُن میں اور حضرات کے ساتھ حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحبؒ کا کردار بھی خاصا نمایاں تھا۔

دارالعلوم میں طلبہ کی انجمنیں اُن کی صلاحیتیں نکھارنے میں اہم کردار اَدا کرتی ہیں، اُن میں ''مدنی دارالمطالعہ'' اپنی الگ شان رکھتا ہے، دارالعلوم میں اس کی ذمہ داری جب رفیق محترم مولانا معزالدین احمد (حال ناظم امارتِ شرعیہ ہند) اور اِس ناکارہ کے سرآئی، تو اُس کے سرپرستوں میں حضرت الاستاذ بھی شامل تھے، اِس بہانے حضرت کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضری ہونے لگی، حضرت والا مدنی دارالمطالعہ کی سرگرمیوں میں خوب دلچسپی لیتے اور اُس کے پروگراموں پر دل کھول کر حوصلہ افزائی فرماتے۔

ایک مرتبہ ہم لوگوں نے حضرتؒ کی صدارت میں ''ردِ مودودیت'' پر دارالحدیث تحتانی میں ایک خصوصی پروگرام منعقد کیا، حضرت از اول تا آخر شریک رہے، اور بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اِس ضمن میں ایک واقعہ ہم لوگ کبھی بھول نہیں سکتے، ہوا یہ کہ ''مدنی دارالمطالعہ'' کے سالانہ اختتامی اجلاس میں ایک سال کافی تاخیر ہوگئی، رجب کا مہینہ شروع ہو چکا تھا، اور طلبہ کی توجہ امتحان کی تیاریوں کی طرف ہوگئی تھی، ایسے میں اجلاس کو کامیاب بنانا اور طلبہ کی شرکت کو یقینی

بنانا بڑا دشوار تھا، اِس لئے ذہن میں یہ بات آئی کہ مکالمہ کا کوئی ایسا دلچسپ پروگرام رکھا جائے، جو طلبہ کی رغبت کا سبب بن سکے، چناں چہ ایسے ہی ایک مکالمہ کی تیاری کر لی گئی، اور اعلان کر دیا گیا۔ مخدوم محترم حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ (حال صدر جمعیۃ علماء ہند) اجلاس کے صدر تھے، اور حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحبؒ مہمانِ خصوصی تھے۔ اجلاس میں دیگر پروگراموں کے ساتھ بڑا دلچسپ مکالمہ بھی پیش ہوا، جو ''مفتی اور مستفتی'' پر مشتمل تھا، مگر مکالمہ ختم ہوتے ہی شریک طلبہ جلسہ سے اُٹھ کر چل دئے، اور دارالحدیث فوقانی آدھے سے زیادہ خالی ہوگئی، اور ایک عجیب وغریب صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ اَناؤنسر نے اِسی دوران حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحبؒ کے نام کا اعلان کیا، حضرت مائک پر تشریف لائے، اور مختصر خطبہ کے بعد بھر پور خطابی اُسلوب میں یہ جملہ فرمایا: ''میں کیا کہوں، جن سے کہنا تھا وہ تو جا چکے'' یہ جملہ کچھ ایسے پراثر انداز میں آپ نے فرمایا کہ باہر نکلنے والے جس طالب علم کے کان میں پڑا وہ فوراً واپس لوٹ آیا، اور پھر دارالحدیث بھر گئی۔ اس کے بعد آپ نے اور آپ کے بعد صدر اجلاس حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ نے ڈرامائی مکالموں پر سخت تنبیہ فرمائی، اور اس طرز کے مفاسد بیان فرمائے۔

اِس کے بعد سے دارالمطالعہ کے پروگراموں میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ کوئی بات اکابر کے طریقہ کے خلاف نہ ہو۔

۱۴۰۹ھ سے ہمیں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں خدمت کا موقع ملا؛ تاہم دیوبند آتے جاتے وقت حضرت الاستاذ سے راہ ورسم برقرار رہی، جب بھی ملاقات ہوتی نہایت مسرت کا اظہار فرماتے، اور فرماتے کہ: ''تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے''۔ ایک مرتبہ مدرسہ شاہی کے آٹھ سالہ اجلاس دستار بندی میں آپ کو دعوت دی گئی، شاہی مسجد میں اجلاس جاری تھا، نظامت احقر

کے سپرد تھی، ایک واعظ صاحب نے دورانِ بیان سیرت کا ایک واقعہ بیان کیا، جو بظاہر غیر مستند تھا۔ ایک ساتھی کے توجہ دلانے پر احقر نے اپنی حماقت میں اُن کے بیان کے بعد اس واقعہ کی برملا تردید کردی، جو بہرحال اس انداز میں مناسب نہ تھی۔ (اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں) حضرت والا مجلس میں موجود تھے، اور اگلا بیان آپ ہی کا تھا، آپ نے بیان کا آغاز کچھ اس طرح فرمایا کہ: ''میرے لئے اِس ماحول میں تقریر کرنا مستقل امتحان ہے، جہاں تقریر کے ساتھ لگے ہاتھوں تصحیح بھی ہورہی ہو'' پھر آپ نے مشفقانہ انداز میں نصیحت کی کہ کسی بات کی تردید اور تصحیح میں بھی نرم پہلو پیش نظر رہنا چاہئے، کہ دوسرے کو ناگوار نہ گذرے۔ حضرت کی اس نصیحت سے احقر مارے شرم کے پانی پانی ہوگیا، اور بعد میں مذکورہ واعظ صاحب سے ندامت کے ساتھ بہت معذرت کی، اور موصوف نے بھی بڑائی کا ثبوت دیتے ہوئے دل سے معاف کردیا، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔

آپ ندائے شاہی کے مستقل قارئین میں شامل تھے؛ بلکہ ایک عرصہ تک پابندی سے اس کا زر سالانہ بھی باصرار ادا فرماتے تھے۔ احقر اپنی کوئی تالیف پیش کرتا تو اس کی بھی بڑی قدر فرماتے اور اس کا مطالعہ بھی فرمایا کرتے تھے، کئی تالیفات پر آپ نے گراں قدر تقریظ بھی لکھ کر مرحمت فرمائی، جو احقر کے لئے باعث فخر وسعادت ہے۔

حضرت والا گوناگوں اَوصاف وخصوصیات سے متصف تھے، بالخصوص سادگی، اِنسانی ہمدردی، حلم وبردباری، وقار وخودداری میں اپنے ہم عصروں میں خاص امتیاز کے حامل تھے۔ اور تواضع تو آپ کی طبعیت میں ایسی رچ اور بس گئی تھی کہ آپ سے ملنے والا آپ سے پہلی ہی ملاقات میں بآسانی محسوس کرلیتا تھا، کسی بھی معاملہ میں اپنا امتیاز آپ کو طبعًا پسند نہ تھا؛ بلکہ اس سے بڑی کوفت ہوتی تھی، قادر الکلام خطیب ہونے کے باوجود آپ وعظ وخطابت سے حتی الامکان گریز فرماتے تھے۔ کوئی شاگرد بہت ہی تقاضا کرتا تو اُس کی دل داری کی خاطر پروگرام

میں شرکت منظور فرما لیتے تھے؛ لیکن گفتگو مختصر، پرمغز اور جامع فرماتے تھے، جو حشو وزوائد سے پاک ہوتی تھی۔

یہی حال آپ کے درس کا بھی تھا، آپ جو بھی کتاب پڑھاتے، اُس کا پورا حق اَدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے، اور درس کا انداز ایسا پیارا اور دل موہ لینے والا ہوتا تھا کہ ہر طالب علم آپ سے قریب اور مانوس ہو جاتا، اور آپ کی گفتگو سے محظوظ ہوتا تھا۔

عصر کے بعد آپ کے یہاں عام مجلس لگتی تھی، جس میں ہر شخص کو شرکت کی اِجازت تھی، حاضرین کی چائے سے تواضع کی جاتی، ہلکی پھلکی ظرافت سے آپ کی مجلس زعفران زار بنی رہتی تھی، حالاتِ حاضرہ پر آپ کے برمحل اور بروقت بے تکلف تبصروں سے حاضرین خوب لطف اندوز ہوتے۔

فہم وفراست اور ذکاوت آپ کے چہرے بشرے سے عیاں تھی، اِصابت رائے اور فکر کی پختگی ایسی تھی کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، وہ آپ کو مرعوب نہ کرسکتا تھا۔ مردم شناسی بھی بلا کی تھی، کسی آدمی کے صرف ظاہر کو دیکھ کر آپ کبھی متأثر نہ ہوتے، خوشامد اور چاپلوسی کا آپ کی زندگی میں گذر نہ تھا، محض مال کی وجہ سے بڑے سے بڑے سرمایہ دار کا خاص اکرام کرتے ہوئے آپ کو نہیں دیکھا گیا۔ اس کے برخلاف اہل صلاح اور اہل علم کی تعظیم اور قدر دانی میں کوئی کمی نہ فرماتے؛ بلکہ اُن کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے تھے۔

حضرت والا کا خاص کر اپنے چھوٹوں اور شاگردوں کے ساتھ عجیب وغریب شفقت کا معاملہ تھا، اُن کی دینی خدمات اور سرگرمیوں پر دل کھول کر شاباشی دیتے اور بالکل ایک حقیقی باپ کی طرح مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔ اکثر آپ کے شاگرد اپنی تالیفات پر آپ سے تقریظ لکھوانے کے متمنی رہتے تھے، چناں چہ آپ حوصلہ افزائی کی خاطر کسی شاگرد کی درخواست کو رد نہ فرماتے، اور نہایت نپے تلے انداز میں تقریظ تحریر فرما کر ہمت افزائی کرتے تھے۔ بلاشبہ سیکڑوں کتابوں اور رسائل میں آپ کی تقریظات شائع شدہ ہیں۔

آپ کی پیدائش ۹ / مارچ ۱۹۴۰ء کو علی گڈھ میں ہوئی، جہاں آپ کے والد منشی فراست علی صاحب بسلسلہ ملازمت مقیم تھے، آپ کا اصل وطن قصبہ ''حبیب والا'' ضلع بجنور ہے، اور سلسلہ نسب میزبانِ رسول سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ابھی آپ کی عمر کل پانچ سال کی تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا، آپ نے شروع میں وطن ہی میں پرائمری اسکول میں تعلیم حاصل کی؛ لیکن والد محترم کی وفات کی وجہ سے گذر بسر کا معقول انتظام نہ تھا، اس مایوسی کے عالم میں آپ کے پھوپھا حضرت مولانا سلطان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند نے ۱۹۵۱ء میں اللہ کی توفیق سے آپ کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری لی، اور آپ کو اپنے ساتھ دیوبند لے آئے۔ اور دیوبند میں گھر پر رکھ کر آپ کی بالکل سگی اولاد کی طرح مکمل کفالت فرمائی؛ تا آں کہ آپ نے ۱۹۵۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے اول نمبر سے تعلیم مکمل فرمائی، بعد میں ۱۹۶۴ء میں حضرت مولانا سلطان الحق صاحبؒ نے اپنی لختِ جگر سے آپ کا نکاح بھی کردیا۔ حضرت والا؛ مولانا سلطان الحق صاحب مرحوم کے احسانات کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے، اور اُن کی بڑی قدر فرماتے تھے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد بھی آپ نے اپنے خاص اُستاذ اور مربی فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی مجالس اور دروس میں شرکت اور اِستفادہ کا سلسلہ جاری رکھا، اور حضرت کے درسی اِفادات کو ''اِیضاح البخاری'' کے نام سے شائع کرنا شروع فرمایا، جس کی اب تک الحمدللہ ۹ / ضخیم جلدیں شائع ہوچکی ہیں اور مقبول ہیں۔ بخاری شریف کی اُردو شروحات میں اِس شرح کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کی تکمیل کے لئے بطور معاون دارالعلوم کے جواں سال اُستاذ فاضل گرامی حضرت مولانا مفتی فہیم الدین صاحب بجنوری زید علمہ کو ذمہ داری سپرد کی تھی، جسے موصوف بخوبی انجام دے رہے ہیں، اور اُمید ہے کہ جلد ہی اِس شرح کی مکمل اِشاعت ہوجائے گی، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

دارالعلوم سے فارغ ہونے کے بعد چوں کہ معاش کا کوئی بظاہر ذریعہ نہ تھا، اِس لئے کچھ دن دہلی میں الجمعیۃ پریس اور بک ڈپو میں ملازمت کی، پھر دیوبند آ کر کتابت کو ذریعہ معاش بنایا، اور اپنے ہاتھوں سے ''ایضاح البخاری'' کے ابتدائی اجزاء اور ''تاریخ اسلام'' (نجیب آبادی) کی کتابت کر کے اُنہیں خود ہی شائع کیا، اور اس سے کسی طرح گذر بسر ہوتا رہا۔ پھر حروفِ مقطعات والی چاندی کی انگوٹھی کا کام شروع کیا، اس میں اللہ نے خوب برکت دی، اور کچھ فراوانی ہوئی، آپ نے زندگی کا بڑا حصہ محلّہ لال مسجد کے ایک تنگ مکان میں گذارا، جو ''کاشانۂ رحمت'' کہلاتا تھا؛ تاہم آپ کے حسنِ انتظام اور کفایت شعاری کی بدولت اخیر میں محلّہ ''خانقاہ'' میں اللہ تعالیٰ نے وسیع مکان کا انتظام فرمادیا۔ احقر سے کئی مرتبہ بڑے تأثر سے فرمایا کہ: ''بیٹا! کام کرو تمہارے لئے راستے کھلے ہوئے ہیں، ہم تو جن حالات سے گذرے ہیں اُن کی وجہ سے کتنے اِرادے دل ہی میں رہ گئے''۔

۱۹۷۲ء میں دارالعلوم میں درجہ عربی ابتدائی میں آپ کا تقرر ہوا، پھر ۱۹۷۶ء میں درجہ وسطیٰ ب میں ترقی ہوئی، ۱۹۸۲ء میں درجہ وسطیٰ الف کا گریڈ ملا، اور ۱۹۸۴ء میں درجہ علیا کے اُستاذ بنائے گئے۔ اِسی کے ساتھ مجلس تعلیمی کے نائب ناظم کے منصب پر بھی فائز ہوئے، اور ۱۹۸۵ء میں باقاعدہ ناظم مجلس تعلیمی مقرر کئے گئے۔ آپ کے دورِ نظامت میں تعلیمات کے شعبہ میں کافی سدھار ہوا، بالخصوص امتحانات کا صاف شفاف نظام قائم کیا گیا جو اَب تک جاری ہے۔ اِسی دوران آپ نے دو سال تک ماہنامہ ''دارالعلوم'' کی اِدارت کی ذمہ داری بھی نبھائی، اور بعد میں ''شیخ الہند اکیڈمی'' کے نگراں کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ آپ نے ''شوریٰ کی شرعی حیثیت'' کے نام سے ایک مدلل تالیف بھی فرمائی، جو اپنے موضوع پر ایک معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اجتماعی معاملات میں آپ ہمیشہ اِدارے کا مفاد مقدم رکھ کر مشورے دیا کرتے تھے، چناں چہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہٗ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اہم معاملات میں آپ سے مشورے لیتے تھے، اور آپ کی رائے کو وقعت دیتے تھے۔ موجودہ

انتظامیہ کے ساتھ بھی آپ کا رویہ ناصحانہ اور خیرخواہانہ تھا۔

اکابر واَسلاف کے فکر پر آپ مضبوطی سے قائم تھے، اور جادۂ حق سے معمولی انحراف بھی آپ کو پسند نہ تھا۔

جمعیۃ علماء ہند اور اُس کی فکر سے آپ بچپن سے وابستہ رہے، تا آں کہ عمر کے آخری دس سالوں میں جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی نائب صدر کے منصب پر بھی فائز رہے۔ اور جب ''مباحث فقہیہ جمعیۃ علماء ہند'' کے فقہی اجتماعات کا سلسلہ شروع ہوا، تو جب تک صحت رہی اُن کی نظامت کی ذمہ داری آپ کے سپرد ہوتی تھی، جسے آپ پوری کامیابی سے انجام دیتے تھے۔

آپ کو شعر واَدب کا صاف ستھرا ذوق بھی عطا ہوا تھا، جو آپ کی فطری ذہانت وذکاوت سے ہم آہنگ تھا، جس کو اُستاذ الشعراء حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمیؒ کی رفاقت نے دو آتشہ بنادیا تھا؛ چنانچہ آپ کے قلم سے ایسے بلند پایہ پاکیزہ اَشعار صادر ہوئے جو زباں زدِ خاص وعام ہوگئے۔ بالخصوص دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کا بہترین ترانہ آپ کی یادگار ہے، اُن کے علاوہ آپ نے جو نعتیں یا غزلیں لکھیں، اُن سے آپ کی فکری لطافت اور حسن ذوق کا بآسانی اَندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ سب تخلیقات ''نغمۂ سحر'' کے نام سے ۱۴۴ر صفحات پر مشتمل کتاب میں شائع کردی گئی ہیں۔ باذوق حضرات اُس سے محظوظ ہوسکتے ہیں۔

زندگی میں عام طور پر آپ صحت مند رہے، گٹھے ہوئے بدن اور چست اور جفاکش طبعیت کے مالک تھے؛ لیکن اخیر میں شوگر کے عارضہ نے جسم کو گھلا کر رکھ دیا تھا، اِسی کے ساتھ قلب اور گردے بھی شدید متأثر ہوگئے تھے۔ بالآخر یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی، اور آپ نے ۲۳ر شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰ر مئی ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ بوقت سحر داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اور اپنی حسنات لے کر بارگاہِ رب العالمین میں حاضر ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اُسی دن بعد نماز ظہر امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ صدر جمعیۃ علماء ہند واُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی اقتداء میں احاطۂ مولسری میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، اور

مزار قاسمی میں نم آنکھوں سے آپ کو سپرد خاک کیا گیا، عوام وخوص کا بڑا مجمع شریک جنازہ تھا، اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ:

جان کر من جملۂ خاصانہ مے خانہ تجھے
مدتوں رویا کے جام و پیانہ تجھے

آپ کے تین صاحب زادے ہیں: مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی، مولانا قاری محمد عدنان صاحب قاسمی مقیم حال دارالعلوم شکاگو امریکہ اور مولانا مفتی محمد سعدان صاحب قاسمی اُستاذ معہد اَنور دیوبند۔ ماشاءاللہ تینوں دارالعلوم سے فارغ ہیں، اور خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کے درجات بلند فرمائیں، متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۷ء)

حضرت مولانا ریاست علی صاحب ظفر بجنوریؒ

۲۸ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ-۲۳ شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(۱) عالم دین کی فضیلت اور مقام

الحمد لله الذي أورث الكتاب من عباده العلماء، والصلاة والسلام علىٰ شمس الهداية واليقين، أما بعد!

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللّٰه أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(صحيح مسلم ۱/۲۲۰ رقم: ۶۰۱، سنن الترمذي ۲/۱۹۹ رقم:۳۵۹۲، المعجم الكبير ۲/۱۳۵ رقم: ۱۵۷۰)

احقر کے سرپرست حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفرؒ بجنوری نور اللہ مرقدہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کا سانحۂ ارتحال ایک عجیب وغریب اور سبق آموز عبرت ناک واقعہ ہے، جو ۲۲ شعبان جمعہ اور ۲۳ شعبان ہفتہ ۱۴۳۸ھ کی درمیانی شب میں پیش آیا ہے۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے ایک مایۂ ناز استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ مرجع العلماء بھی تھے، اور عصر کے بعد آپ کے یہاں بلا ناغہ علماء کی مجلسیں جمی رہتی تھیں۔

راقم الحروف کا حضرت مولانا موصوفؒ کے ساتھ غایت درجہ خصوصی تعلق تھا جو حلقۂ علماء میں مشہور ہے۔ راقم الحروف دیوبند سے لگ بھگ ۱۷۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر حضرت اقدس

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے قائم کردہ دوسرے مدرسہ ''جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد'' میں افتاء اور تدریسی خدمت پر مامور ہے۔

جمعہ کا دن گذر کر رات میں حضرت مولانا مرحوم کا سانحۂ ارتحال پیش آیا، اسی جمعہ کی صبح کو ایک پروگرام سے فارغ ہونے کے بعد راقم الحروف کے دل میں اتفاقاً یہ داعیہ پیدا ہوا کہ آج ہی دیوبند چلیں گے، چنانچہ اسی دن شام کو دیوبند حاضری ہوئی، حضرت مولانا موصوف سے دیر رات تک گفتگو رہی اور ساڑھے دس اور گیارہ بجے کے درمیان حضرتؒ کے پاس سے نکلنا ہوا۔

دارالعلوم کے مہمان خانہ میں رات میں قیام کرنا طے ہوا؛ اس لئے کہ راقم الحروف کے ساتھ کئی افراد رفقاء سفر کے طور پر تھے۔ حضرت موصوف نے صبح کو چھ بجے ناشتے میں حاضری کے لئے فرمایا، اور دورانِ گفتگو بہت ساری باتیں ہوئیں، اُن میں سے کچھ خاص باتیں اس مضمون کے آخر میں درج کی جائیں گی۔

صبح کو چھ بجے ناشتہ کے لئے جانے کے بجائے اُن کی وفات کے بعد صورت دیکھنے کے لئے جانا نصیب ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا موصوف کے مختصر حالات حضرت اَقدس مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ نے رسالہ ''ندائے شاہی'' شمارہ جولائی ۲۰۱۷ء میں مختصر اور خوب صورت انداز سے تحریر فرمائے ہیں، جس میں حضرت مولانا مرحوم کے پیدائش سے لے کر وفات تک کے مختصر حالات پر روشنی ڈالی ہے، اس لئے احقر مولانا مرحوم کی دورِ تعلیم اور پھر فراغت کے بعد کن کن مشاغل میں مصروف رہے، اور پھر کس سن میں آپ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا ہے، ان سب پر روشنی نہیں ڈالے گا؛ بلکہ مختصر طور پر ان کی زندگی کے چند نکات اور ان کے مزاج سے عبرت حاصل کرنے کے لئے چند باتیں تحریر کرے گا۔

چنانچہ احقر اس مضمون میں دو باتوں کو موضوع بنا کر کچھ سمع خراشی کرے گا:

(۱) مضمون کا پہلا موضوع اور پہلا حصہ ''ایک عالم دین کی کیا فضیلت ہے؟ اور اللہ کے یہاں ان کا کیا مقام ہے؟'' اس سے متعلق ہوگا۔

(۲) مضمون کا دوسرا موضوع اور دوسرا حصہ ''کچھ یادیں اور کچھ مشاہدات'' سے متعلق ہوگا۔

(۱) علماء کی فضیلت اور اُن کا مقام

اللہ کے یہاں علماء کا کیا مقام اور ان کی کیا فضیلت ہے؟ اس سے متعلق شروع میں ایک آیت شریفہ پھر اس کے بعد چند حدیثوں کے ذریعہ سے روشنی ڈالی جائے گی۔ سب سے پہلے سورۂ فاطر کی یہ آیت ملاحظہ فرمایئے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ، وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ، وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ. (الفاطر، آیت: ۳۲)

پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا ہے جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن چن کر منتخب کیا ہے، پھر میرے ان بندوں میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس پر ظلم اور زیادتی کرنے والے ہیں اور کچھ وہ لوگ ہیں جو میانہ روی اختیار کرنے والے ہیں اور کچھ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے حکم سے خیر وصلاح اور خوبیوں کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں، یہی اللہ کی طرف سے بہت بڑی فضیلت کا اعلیٰ مقام ہے۔

اس آیت شریفہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو اپنی کتاب کا علم عطا فرمایا ہے وہ تین قسموں پر ہیں:

(۱) اللہ کے وہ بندے جنہوں نے اپنی زندگی کو کتاب وشریعت کا پابند نہیں بنایا اور اپنے آپ کو گناہوں اور منکرات کا بھی شکار بنایا ہے، انہوں نے لاپرواہی کی زندگی گذاری ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۲) اللہ کے وہ بندے جنہوں نے اپنی زندگی کو میانہ روی پر قائم رکھا ہے اور اعتدال

ومیانہ روی ہر موقع اور ہر موڑ پر ان کی زندگی کا اول حصہ ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ﴾ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۳) اللہ کے وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل وتوفیق سے ہر بھلائی اور خیر وصلاح اور نیکیوں اور خوبیوں میں آگے بڑھتے رہتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے ﴿وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت مولانا موصوف کی زندگی اعتدال اور میانہ روی سے ایک شاندار عبارت ہے اور ﴿سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ﴾ میں بھی مولانا ہر اعتبار سے آگے تھے، جن کو دنیا خوب جانتی ہے، بیسیوں بے سہارا اور یتیموں اور رانڈ بیواؤں کی حضرت مولانا نے کفالت فرمائی ہے۔ علماء کے حلقہ میں مالی اعتبار سے تنگی کے باوجود اتنا بڑا مہمان نواز دنیا نے بہت کم دیکھا ہوگا۔

اعتدال اور میانہ روی کا عجیب نمونہ

حضرت مولانا موصوف مرحوم کی عملی شخصیت حلقۂ علماء میں مسلم تھی، بڑائی اور خود پسندی ان کی زندگی میں کبھی بھی کسی نے محسوس نہیں کی، نہ اپنے لئے پسند کرتے تھے اور نہ ہی اپنے متعلقین کو ان برائیوں میں ملوث دیکھنا پسند کرتے تھے، مردم شناسی، سنجیدگی اور متانت ان کے چہرے سے ٹپکتی تھی اور تواضع وسادگی ان کے وجود سے خود بخود ظاہر ہوتی تھی اور غصہ کو ضبط کرنے کا عجیب ملکہ تھا، کبھی مغلوب الغضب نہیں دیکھا گیا۔

ایک دفعہ فرمانے لگے: کہ مولوی شبیر یہ تو بتاؤ کہ جو لوگ مغلوب الغضب ہوجاتے ہیں اور زبان کو بھی بے لگام کر لیتے ہیں اور بعد میں آگے چل کر شرمندہ ہوتے ہیں، کیا پہلے ہی یہ بات سوچ نہیں سکتے کہ آپے سے باہر ہونے سے کیا فائدہ؟ بعد میں لائن پر آنا ہی ہے۔ معاشرتی زندگی میں اعتدال سے ہٹنے والے کو انتہائی حکمت عملی اور تدبر سے لائن پر لے آتے تھے۔

ابھی چند سال پہلے دارالعلوم حیدرآباد میں مباحث فقہیہ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ملک گیر فقہی اجتماع ہوا اور جتنے مقالہ نگار تھے، اُن میں سے چند حضرات کو چھوڑ کر سبھی حضرات حضرت

مولانا مرحوم کے شاگرد تھے اور کچھ نوجوان فضلاء بھی تھے، جو چند سال پہلے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کئے ہوئے تھے۔ پروگرام میں مقالہ یا اپنی رائے پیش کرنے میں اکثر حضرات کی زبان سے یہ بات نکلتی رہی کہ میری رائے یہ ہے اور میری رائے یہ ہے، ہر چھوٹے بڑے کی زبان سے میری رائے کی گردان حضرتؒ کو پسند نہیں آئی، اور ایک نشست میں حضرتؒ کی صدارت تھی۔ آخر میں صدارتی کلمات کے لئے جب آپ کو دعوت دی گئی، تو شروع ہی میں ایک عجیب انداز سے فرمانے لگے کہ بھائی! یہاں تو سبھی اصحابِ رائے ہیں، مجھے ایسا لگا کہ میں ہی اس سے محروم ہوں، میں ان اصحابِ رائے کے سامنے کیا بات کروں، میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے؟ ان کے اس اندازِ گفتگو سے سب کی اصلاح ہوگئی، خود کی عاجزی وانکساری اور تواضع کے ساتھ اپنے متعلقین کو بھی تواضع کے ساتھ متصف دیکھنا چاہتے تھے، ان کے اندازِ گفتگو سے بڑے بڑوں کی اصلاح ہوجاتی تھی۔ اور خود کسی کی گفتگو اور دلائل سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے تھے، مجال نہیں تھی کہ حدِ اعتدال سے ذرا سا بھی اِدھر سے اُدھر ہوجائیں۔

علماء ہی انبیاء کے حقیقی وارث

صاحبِ علم اور علماء کی عظمت واحترام ہر مسلمان پر لازم اور ضروری ہے، اور جو اہلِ علم اور علماء کرام کی بے ادبی اور گستاخی کرے گا، اور ان کی حقارت کرے گا، وہ اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کرے گا۔

اور مشہور حدیث میں حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زبانِ مبارک سے علماء کی حیرت انگیز فضیلت بیان فرمائی ہے، کہ عابد وزاہد لوگوں کے مقابلہ میں علماء کا مقام اتنا اونچا ہوتا ہے، جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کی روشنی تمام ستاروں کی روشنی پر غالب ہوتی ہے، اور حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزید فرمایا کہ روئے زمین میں علماء کو انبیاء کی نیابت اور وراثت حاصل ہے، علماء کے علاوہ کوئی انسان حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وارث نہیں بن سکتا؛ اس لئے حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی تاکیدی الفاظ

کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ علماء ہی انبیاء کے نائب ہوسکتے ہیں، اور وہی انبیاء کے صحیح وارث ہوسکتے ہیں، اس لئے علماء کا اعزاز و اکرام کرنے والا مسلمان بہت زیادہ خوش نصیب انسان ہوگا، اس نے اپنی دنیا وآخرت دونوں کو سنوار لیا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۲) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِؓ (حديث طويل) قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِيْنَارًا وَلا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ. (أبوداؤد شريف ٢/ ٥١٣ رقم: ٣٦٤١، ترمذي ٩٧/٢ رقم: ٢٦٨٢، صحيح ابن حبان ١١٠/١ رقم: ٨٨)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ بے شک عالم کی فضیلت عابد کے مقابلہ میں ایسی فائق ہے، جیسے چودھویں رات کے چاند کی روشنی تمام ستاروں کی روشنیوں پر غالب ہوتی ہے، اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں، اور یقیناً انبیاء درہم ودنانیر کا وارث کسی کو نہیں بناتے، اور بے شک انبیاء علم کا وارث بناتے ہیں؛ لہٰذا جس نے علم حاصل کرلیا ہے، یقیناً اس نے بہت بڑی چیز حاصل کرلی ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا تذکرہ ہوا، ان دونوں میں سے ایک عالم تھا اور دوسرا عابد، جب ان دونوں کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا کہ فلاں بڑا عابد وزاہد ہے، دن رات عبادت میں لگا رہتا ہے، اور فلاں عالم ہے اتنی عبادت نہیں کرتے ہیں جتنی وہ عابد صاحب کرتے ہیں، تو اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عابد کے مقابلہ میں عالم کی فضیلت ایسی ہے، جیسی میری فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ امّتی پر غالب اور فائق ہے؛ لہٰذا علماء کا احترام اور ان کی عزت ایسی ہے، جیسا کہ ایک

نبی کی عزت واحترام ہوتا ہے؛ اور علماء کی اہانت اور توہین ایسی ہے، جیسا کہ نبی کی توہین کی جاتی ہے؛ اس لئے ہر مسلمان کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ کسی عالم کی بے حرمتی نہ ہونے پائے۔ اور حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے، کہ عالم دین کے لئے اللہ تعالیٰ اور ملائکہ رحمت اور آسمانوں کی مخلوق اور زمین کی مخلوق سب کے سب رحمت کی دعا کرتے ہیں، حتی کہ زمین کی چیونٹیاں اپنے بلوں میں رہ کر اور مچھلیاں سمندروں کے پانی میں رہ کر بھی عالم دین کے لئے رحمت کی دعا کرتی ہیں؛ لہٰذا جو شخص کسی عالم کی حقارت اور اہانت کرے گا، اس کے لئے آسمان وزمین کی تمام مخلوق بددعا کرے گی۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۳) عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ البَاهِلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلانِ، أَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالآخَرُ عَالِمٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى أَدْنَاكُمْ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ وَمَلائِكَتَهُ، وَأَهْلَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِيْنَ حَتّٰى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا، وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ. (ترمذی ۹۸/۲ جدید رقم: ۲٦٨٥)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا تذکرہ ہوا، دونوں میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم تھا، حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد کے اوپر ایسی غالب ہے جیسا کہ میری فضیلت تم میں سے ادنی شخص پر ہوتی ہے، پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان وزمین والے حتی کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور سمندر کی مچھلیاں بھی اس عالم دین کے لئے خیر کی دعا کرتی ہیں، جو لوگوں کو علم دین سکھاتا ہے۔

اور ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عابد زاہد آدمی کتنا ہی عبادت گذار اور دیندار کیوں نہ ہو شیطان اسے آسانی سے اپنے جال میں پھانس سکتا ہے، اور اسے اس کی عبادت پر احساس دلا کر خوش فہمی میں مبتلا کر سکتا ہے، جس سے آسانی کے ساتھ کسی بھی عنوان سے گمراہی کا شکار بن سکتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی ساری عبادتیں رائیگاں جاسکتی ہیں، مگر کسی عالم دین کو اپنے جال میں نہیں پھانس سکتا؛ اس لئے حضرت سید الکونین علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک عالم ایک فقیہ ایک مفتی ہزار عابدوں کے مقابلہ میں شیطان پر بھاری ہوجاتا ہے کہ شیطان کے لئے ہزاروں عابدوں کو گمراہی کا شکار بنانا اس کے ہاتھ کا کھیل ہے؛ لیکن ایک عالم دین کو گمراہی کا شکار بنانا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَقِيْهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ. (ترمذي شريف ٩٧/٢ جديد رقم: ٢٦٨١، ابن ماجة ص: ٢٠، جديد رقم: ٢٢٢، شعب الإيمان ٢٦٧/٢ رقم: ١٧١٥)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ ایک عالم فقیہ شیطان کے اوپر ایک ہزار عابدوں کے مقابلہ میں زیادہ بھاری ہے۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علمائے کرام کے واسطے رحمت اور مغفرت کی دعا فرمائی، اور علماء سے وہی علماء مراد ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو امت کے درمیان عام کرتے ہوں، اور ان کا درس دیتے ہوں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ کے ساتھ فرمایا، کہ یہی علماء ہمارے نائب اور ہمارے خلیفہ ہیں، جو میری حدیث اور میری سنتیں لوگوں کو سکھاتے ہیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَاءَ نَا قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ خُلَفَاؤُكُمْ؟ قَالَ: الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ، يَرْوُوْنَ أَحَادِيْثِيْ وَسُنَّتِيْ، وَيُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ. (المعجم الأوسط ٢٣٩/٤ رقم: ٥٨٤٦، مجمع الزوائد ١٢٦/١)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَاءَ نَا" اے اللہ! ہمارے خلفاء اور نائبوں پر رحمت اور مغفرت کا معاملہ فرما، تو ہم نے پوچھا یارسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے خلفاء اور نائب وہ ہیں جو میرے بعد دنیا میں آئیں گے، اور میری حدیثوں اور سنتوں کو روایت کر کے پھیلائیں گے، اور لوگوں کو سکھائیں گے۔

علماء کی مغفرت کا اعلان اور ان کا مقام

ایک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، اور حدیث شریف بھی حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کو ایک امتیازی شان عطا فرمائیں گے، چنانچہ جب اللہ تعالی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کے لئے بیٹھیں گے، تو علماء کے بارے میں اس طریقہ سے فرمائیں گے کہ میں علماء کی مغفرت کا اعلان کرتا ہوں، اور ان کی مغفرت کرنے میں میرے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، اور اللہ تعالی فرمائیں گے کہ میں تمہیں کیسے عذاب دے سکتا ہوں، جب کہ میں نے اپنا علم وحکمت اور دانائی تم کو عطا کر کے ایک عزت بخشی ہے، جاؤ میں نے تم سب کی مغفرت کردی ہے۔ قیامت کے دن جب سب لوگ پریشانی کے عالم میں ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علماء کرام کو مغفرت کی سند اور پروانہ مل جائے گا، تو جو آدمی علماء کے ساتھ بغض رکھے گا اور ان کی اہانت کرے گا، تو وہ اللہ کی مرضی کے خلاف در پردہ بغاوت کی آواز اٹھاتا ہے، اور اپنی دنیا وآخرت برباد کرتا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

(٦) عَنْ ثَعْلَبَة بن الحكمؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِلْعُلَمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا قَعَدَ عَلٰى كُرْسِيِّهِ لِقَضَاءِ عِبَادِهِ: إِنِّيْ لَمْ أَجْعَلْ عِلْمِيْ وَحُكْمِيْ فِيْكُمْ إِلَّا وَأَنَا أُرِيْدُ أَنْ أَغْفِرَ لَكُمْ عَلٰى مَا كَانَ فِيْكُمْ وَلا أُبَالِيْ. (المعجم الكبير للطبراني ٨٤/٢ رقم: ١٣٨١، مجمع الزوائد ١٢٦/١)

حضرت ابو ثعلبہ بن الحکم لیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب اپنے بندوں کے فیصلے کے لئے کرسیِ عدالت پر جلوہ افروز ہوں گے، تو علماء سے فرمائیں گے کہ بے شک میں نے اپنا علم اور حکمت ودانائی تم کو نہیں عطا کی ہے، مگر یہ کہ میں اس بات کا ارادہ کرتا ہوں کہ تمہارے علم وحکمت کی وجہ سے تمہاری مغفرت کردوں، اور اس میں میرے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

(٧) عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى الْأَشْعَرِيِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَبْعَثُ اللّٰهُ الْعِبَادَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يُمَيِّزُ الْعُلَمَاءَ، فَيَقُوْلُ: يَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ! إِنِّيْ لَمْ أَضَعْ فِيْكُمْ عِلْمِيْ وَأَنَا أُرِيْدُ أَنْ أُعَذِّبَكُمْ، إِذْهَبُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. (المعجم الأوسط جديد ١٨٤/٣ رقم: ٤٢٦٤، مجمع الزوائد ١٢٦/١)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن اپنے سارے بندوں کو زندہ کرکے اٹھائیں گے، پھر ان میں سے علماء کو الگ کرکے فرمائیں گے، اے علماء کی جماعت! بے شک میں نے تم کو اپنا علم اس لئے عطا نہیں کیا ہے، کہ میں تم کو عذاب دینے کا ارادہ کروں، جاؤ یقیناً میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے۔

علماء ستاروں کی طرح

حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علماء کرام کے بارے میں فرمایا، کہ اللہ نے علماء کو وہ شان اور بلند مقام عطا فرمایا ہے کہ روئے زمین میں علماء کی مثال اس طرح سمجھو جیسا کہ آسمانوں میں بڑے بڑے ستارے ہوتے ہیں، جس طرح ستارے آسمانوں کی زینت ہوتے ہیں، اسی طرح علماء روئے زمین کی زینت ہیں۔ آقاء نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عجیب وغریب حیرت انگیز تمثیلی مثال پیش فرمائی ہے، کہ پرانے زمانے میں راتوں کو سفر کرنے والے دو قسم کے لوگ ہوتے تھے:

(۱) اجنبی علاقوں میں خشکی کا سفر کرنے والے، جب قافلہ اندھیری رات میں جنگل اورصحراء میں چلتا تھا، پورب، پچھّم، جنوب، شمال چلنے کے لئے اپنا رخ ستاروں کے ذریعہ سے متعین کیا کرتا تھا، کہ جنوب کو چلنا ہے یا شمال کو، پورب کو چلنا ہے یا پچھّم کو، ستاروں کے ذریعہ سے اپنا راستہ متعین کرتا تھا، اس لئے کہ دور دراز جنگلات کے سفر میں صاف ستھرا راستہ نہیں ہوا کرتا تھا، اگر راستہ ہوتا بھی تو وہ راستہ کدھر کو جارہا ہے ستاروں کے ذریعہ سے اس کا رخ سمجھ میں آجاتا، اور قافلہ چلتا ہوا اپنی منزل مقصود تک پہنچ جایا کرتا تھا۔

(۲) دوسرا سفر سمندر کا ہوا کرتا تھا، اس زمانہ میں انجن والا جہاز سمندر میں نہیں چلتا تھا؛ بلکہ بادبان کے ذریعہ سے کشتیاں چلا کرتی تھیں، اور رات کے اندھیرے میں کشتی چلانے والے آسمان کے ستاروں کو دیکھ کر اپنے سفر کا رخ متعین کرتے تھے، اور یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا ہے، یہاں تک کہ آج کے زمانہ میں بھی ہزاروں کشتیاں چلانے والے رات کے وقت میں ستاروں کے ذریعہ اپنے سفر کا رخ متعین کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دے کر فرمایا کہ روئے زمین میں علماء کرام آسمانوں کے ستاروں کی طرح ہیں، جن ستاروں کے ذریعہ سے چلتا ہوا مسافر اپنے سفر کا صحیح رخ متعین کرتا ہے، اسی طرح علماء کرام روئے زمین کے ہر انسان کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے راہِ ہدایت کا صحیح رخ متعین کردیتے ہیں، جس پر

چلنے سے سفر آخرت کا قافلہ اپنی منزل مقصود تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے، اور خشکی اور سمندر میں سفر کرنے والوں کے سامنے سے جب ستارے اوجھل ہوجائیں، تو وہ صحیح رخ سے آسانی کے ساتھ بھٹک جاتے ہیں، اسی طرح جب عامۃ المسلمین کے درمیان علماء نہ ہوں گے، تو وہ ہدایت کے راستہ سے بہت جلد بھٹک جائیں گے، اور گمراہی کا شکار ہوجائیں گے، اس لئے حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام نے روئے زمین کے ایک ایک عالم دین کو آسمانوں میں چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح ہدایت کے ستارے بتلایا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

(۸) عَنْ أَبِيْ حَفْصٍ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍؓ يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِي الْأَرْضِ كَمَثَلِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَاءِ يَهْتَدِيْ بِهَا فِيْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، فَإِذَا انْطَمَسَتِ النُّجُوْمُ أَوْشَكَ أَنْ تَضِلَّ الْهُدَاةُ. (مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۱۵۷، جديد برقم: ۱۲٦۲۷، مجمع الزوائد ۱/ ۱۲۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک روئے زمین میں علماء کی مثال ایسی ہے، جیسے آسمانوں میں ستارے کہ بحر و بر یعنی خشکی اور سمندری سفر میں اندھیرے کی حالت میں ان ستاروں کے ذریعہ سے راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے (اسی طرح روئے زمین میں علماء کے ذریعہ سے راہِ حق کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے) پھر جب ستارے اوجھل ہوجائیں تو بہت ممکن ہے کہ راہ گیر صحیح راستہ سے بھٹک جائیں۔

علماء کی مجلسوں کا نور

حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ عامۃ المسلمین کو علماء کی مجلسوں میں کثرت کے ساتھ شرکت کرنی چاہئے، اور علماء کے پاس آنے جانے اور ان سے دین کی باتیں سننے سے قلوب میں جلا پیدا ہوتا ہے، اگر کسی کا دل گناہوں کی وجہ سے مردہ ہوچکا ہے، پھر وہ علماء اور مشائخ کی مجلسوں میں شرکت کرنے لگے تو اس سے اس کا مردہ دل ایسا زندہ ہوجائے گا، جیسا کہ بارش کی

بوندوں کی وجہ سے خشک زمین کی مردنی ختم ہوکر اس میں تازگی آ جاتی ہے، اور ہری بالیاں پیدا ہونی شروع ہوجاتی ہیں، چنانچہ حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امت کے سامنے حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ پیش فرمایا ہے، کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پیارے بیٹے! علماء کی مجلسوں میں شرکت کرنا دنیا وآخرت کی ترقی کا باعث ہے؛ اس لئے علماء کی مجلسوں میں لازمی طور پر شرکت کیا کرو، اور حکماء اور مشائخ سے علم وحکمت اور دانائی کی باتیں سننا اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھو، اور حکمت ودانائی کی باتوں کے نور سے گناہوں میں ملوث دلوں میں زندگی آ جاتی ہے، یعنی علماء اور مشائخ کی مجلسوں میں جانے کی وجہ سے گناہوں سے توبہ کا داعیہ اور اس کی توفیق ہوجاتی ہے، پھر سچے دل سے جب آدمی اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے، تو اس کے دل میں نورِ ایمانی کا نمایاں جلا پیدا ہوجاتا ہے، جس کے آثار اس کے جسم اور اس کے چہرہ سے نمایاں ہونے لگتے ہیں، اور گناہوں کے کاموں سے دور رہ کر نیک کاموں میں لگ جاتا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لُقْمَانَ قَالَ لِابْنِهِ: يَا بُنَيَّ! عَلَيْكَ بِمَجَالِسِ الْعُلَمَاءِ وَاسْتَمِعْ كَلَامَ الْحُكَمَاءِ، فَإِنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْقَلْبَ الْمَيِّتَ بِنُوْرِ الْحِكْمَةِ كَمَا يُحْيِي الْأَرْضَ الْمَيْتَةَ بِوَابِلِ الْمَطَرِ. (المعجم الكبير للطبراني ٨/ ١٩٩، برقم: ٧٨١٠، مجمع الزوائد ١/ ١٢٥)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ بے شک حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے پیارے بیٹے! علماء کی مجلسوں کو لازم پکڑو، اور حکماء اور علماء ربّانیین کی باتوں کو کان لگا کر توجہ سے سنا کرو، اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ علم وحکمت کے نور کے ذریعہ سے مردہ دل کو اس طریقہ سے زندہ کردیتا ہے، کہ جس طرح سے بارش کی بوندوں کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ اور تر وتازہ کردیتا ہے۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ جلیل القدر صحابی حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ مشائخ اور بزرگوں کی مجلسوں میں کثرت کے ساتھ جا کر بیٹھنا چاہئے، ان کی صحبت سے انہی کا رنگ تمہاری زندگی میں نمایاں ہو جائے گا۔ اور فرمایا کہ ایسے علماء جو حکمت و دانائی کے بھی حامل ہیں ان کے ساتھ گھل مل کر رہنا چاہئے، اور گھل مل کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے خادم بنتے جاؤ اور ان کی زندگی کی ہر ادا تمہاری زندگی میں بھی آ جائے گی، جب ہر وقت حکمت و دانائی کی باتیں سامنے آتی رہیں گی، تو آدمی کے اندر ان باتوں کا کچھ نہ کچھ حصہ منتقل ہو جائے گا۔ اور اسی طرح دینی مسائل اور شریعت کی باتیں علماء سے پوچھا کریں، اور ہر مسئلہ پر علماء اور مفتیوں سے معلوم کر کے عمل کیا کریں، جن باتوں کو علماء جائز اور حلال کہیں ان کو اختیار کیا جائے اور جن کو حرام کہیں ان سے اپنے آپ کو دور رکھا کریں، ورنہ حرام میں مبتلا ہو کر گمراہی کا شکار بن سکتے ہیں۔ روایت ملاحظہ فرمائیں:

(۱۰) عَنْ أَبِيْ جُحَيْفَةَؓ قَالَ: جَالِسُوا الْكُبَرَاءَ وَخَالِطُوا الْحُكَمَاءَ وَسَائِلُوا الْعُلَمَاءَ.

(المعجم الكبير للطبراني ۲۲/ ۱۳۳، برقم: ۳۵٤، مجمع الزوائد ۱/ ۱۲۵)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشائخ اور بڑے لوگوں کی مجلسوں میں شرکت کیا کرو، اور حکمت و دانائی کی بات کرنے والے علماء ربانیین کے ساتھ گھل مل کر رہا کرو (ان کے خادم بن جاؤ) اور علماء اور مفتیان کرام سے مسائل معلوم کر کے عمل کیا کرو۔

علماء کی قیادت

روایات میں تین باتوں کے بارے میں خاص طور سے توجہ دلائی گئی ہے:

(۱) اَلْمُتَّقُوْنَ سَادَةٌ:- کہ متقی لوگوں کو قوم کا سردار اور سربراہ قرار دیا گیا ہے، ہر انسان ان کی عزت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، ہر مسلمان کو متقی لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۲) اَلْعُلَمَاءُ وَالْفُقَهَاءُ قَادَةٌ:- علماء اور فقہاء کو قوم کا قائد اور دینی راہ نما قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا ہر مسلمان کو علماء کی قیادت کو قبول کرنا چاہئے، اور امور دینیہ کے ہر مسئلہ میں اور ہر قدم پر علماء اور مفتیان کرام سے راہ نمائی حاصل کرنا لازم ہے، اور جو لوگ علماء کی قیادت کو قبول کر کے ہر معاملہ میں علماء کی طرف رجوع کرتے ہوں وہ دینی ترقیات کے ساتھ ساتھ دنیاوی ترقیات میں بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ اور جو لوگ علماء کی حقارت اور ان سے نفرت کرتے ہوں، اور ان سے قریب ہونے کے بجائے ان سے دور رہتے ہوں، وہ دینی اعتبار سے انتہائی درجہ کے کورے اور ناہنجار ہوتے ہیں، اور محض نام کے مسلمان کہلاتے ہیں، اور ان کی اور غیر مسلموں کی زندگی اور معاشرہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔ اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے ایسے لوگوں کو سخت لہجہ میں امت کا منافق کہا ہے، جو اس حدیث میں واضح طور پر موجود ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی حقارت امت کا منافق ہی کر سکتا ہے۔

(۳) وَمُجَالَسَتُهُمْ زِيَادَةٌ:- علماء کی مجلسوں میں کثرت کے ساتھ شرکت کرنا اور ان کی صحبت میں بیٹھنا دین و ایمان میں زیادتی اور اضافہ کا سبب بنتا ہے، دنیا نے ہزاروں ایسوں کو دیکھا ہے، جن کی دنیا افسوس ناک انداز سے بے دینی کی راہ پر چل رہی تھی، مگر علماء اور اہل علم کے یہاں کثرت کے ساتھ آنے جانے اور ان سے گھل مل کر رہنے کی وجہ سے ان کی زندگی کی کایہ پلٹ چکی ہے۔ اس حدیث کو حضرت امام طبرانیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

(۱۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: اَلْمُتَّقُوْنَ سَادَةٌ، وَالْفُقَهَاءُ قَادَةٌ، وَمُجَالَسَتُهُمْ زِيَادَةٌ. (المعجم الكبير ۱۰۵/۹ رقم: ۸۵۵۳، مجمع الزوائد ۱۲۵/۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ متقی لوگ قوم کے سردار ہیں، اور فقہاء علماء قوم کے قائد ہیں، اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنا علم دین میں زیادتی کا سبب ہے۔

اس روایت کو کنز العمال میں حضرت عائشہؓ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

(۱۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ: اَلْمُتَّقُوْنَ سَادَةٌ، وَالْعُلَمَاءُ وَالْفُقَهَاءُ قَادَةٌ أُخِذَ عَلَيْهِمْ أَدَاءُ مَوَاثِيْقِ الْعِلْمِ، وَالْجُلُوْسُ إِلَيْهِمْ بَرَكَةٌ، وَالنَّظْرُ إِلَيْهِمْ نُوْرٌ. (كنز العمال جلد ثاني جزء ۳/ ٤٢ رقم: ٥٦٥٠)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ متقی حضرات قوم کے سردار ہیں، اور علماء اور فقہاء قوم کے قائد ہیں، انہیں سے علوم دینیہ کے دستاویز حاصل کئے جاتے ہیں، اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنا باعثِ برکت ہوتا ہے، اور ان کی طرف نظر جما کر دیکھنا آنکھوں کی روشنی اور نور کا سبب بنتا ہے۔

اور کنز العمال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

(۱۳) عَنْ عَلِيٍّ أَنَّه كَانَ يَقُوْلُ: اَلْمُتَّقُوْنَ سَادَةٌ، وَالْفُقَهَاءُ قَادَةٌ، وَالْجُلُوْسُ إِلَيْهِمْ زِيَادَةٌ، وَعَالِمٌ يُنْتَفَعُ بِعِلْمِه أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ. (كنز العمال جلد ثاني جز ۳/ ٤٢، رقم: ٥٦٥٠)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، کہ متقی لوگ قوم کے سردار ہیں، اور فقہاء قوم کے قائد ہیں، اور فقہاء کی مجلسوں میں بیٹھنا دین میں اضافہ کا سبب ہے، اور ایسا عالم جس کے علم سے نفع ہوتا ہے، وہ ہزار عابدوں سے افضل ہے۔

خود عالم بن جاؤ یا علماء سے محبت کرو!

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو مخاطب کر کے تاکیدی حکم فرمایا ہے، کہ چار قسم کے لوگوں میں سے کسی ایک قسم کے لوگوں کے زمرے اور جماعت میں شامل ہونا تم پر لازم ہے، اور ان چار کے علاوہ پانچواں نہیں بننا ہے، اگر ان چار کے علاوہ پانچواں بن جاؤ گے تو ہلاکت اور لعنت کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔

(۱) تم خود عالم دین بن جاؤ۔

(۲) اگر تم خود عالم نہ بن سکو تو متعلم بن جاؤ، علم دین کے سیکھنے والے طالب علم بن جاؤ۔

(۳) اگر طالب علم بننے کے لئے بھی موقع نہیں ہے تو علماء کی باتوں کو دلجمعی اور شوق کے ساتھ سننے والے بن جاؤ، کہیں بھی علماء کے وعظ وتقریر اور بیانات ہونے لگیں وہاں پہنچ کر شوق سے ان کی باتیں سن کر عمل پیرا ہو جاؤ، یا متبعِ شریعت عالمِ دین سے خاص تعلق رکھ کر ان سے فائدہ اٹھاؤ، اسی طرح علماء دین کی دینی کتابیں پڑھ کر بھی فائدہ اٹھایا کرو، اور علماء کی ہر بات کو قدر دانی کے ساتھ ایک بڑی نعمت سمجھ کر حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

(۴) اگر تم عالم بھی نہ بن سکو اور نہ ہی طالب علم اور نہ ہی علماء کی باتوں کو سننے کے لئے ان کی مجلسوں میں ان کے بیانات میں بار بار شرکت کے لئے موقع ہے، تو ایسی صورت میں کم از کم علماء سے خلوصِ دل کے ساتھ محبت رکھو۔

حدیثِ پاک میں آیا ہے: ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ''. (صحیح البخاري ۹۱۱/۲ رقم: ۵۹۳۰ ف: ٦١٦٩، سنن الترمذي ٦٤/٢ رقم: ٢٣٨٥) قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے ساتھ اٹھایا جائے گا جس سے دنیا میں محبت رکھا کرتا تھا؛ لہٰذا جو شخص علماء سے محبت رکھتا ہو میدانِ محشر میں اللہ اس کو علماء کے ساتھ اٹھائیں گے، اس لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم علماء کے ساتھ دل سے محبت رکھا کرو، اور جہاں تک ہو سکے ان کا تعاون اور مدد کیا کرو، اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَ'' ان چار قسم کے علاوہ تمہیں پانچویں قسم نہیں بننا ہے، اگر پانچویں قسم بن جاؤ گے تو لعنت اور ہلاکت کا شکار بن جاؤ گے، یعنی نہ عالم بن پائے اور نہ طالب علم بن پائے اور نہ ہی علماء کی باتیں سننے کے لئے زیادہ وقت دے پائے، اور نہ ہی علماء سے حقیقی محبت اور تعلق ہے؛ بلکہ ان سے نفرت اور چڑھ ہے تو سمجھ لو کہ انتہائی درجہ کی بدبختی اور محرومی کا شکار بن جاؤ گے، اور ایسوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون اور مردود کہا ہے، اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۱۴) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرَةَؓ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أُغْدُ عَالِمًا، أَوْ مُتَعَلِّمًا، أَوْ مُسْتَمِعًا، أَوْ مُحِبًّا، وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلِكَ.

(شعب الإيمان بيهقي ۲۶۵/۲ رقم: ۱۷۰۹، المعجم الأوسط ۴۹/۴ رقم: ۵۱۷۱، مجمع الزوائد ۱۲۲/۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم خود عالم بن جاؤ، یا علم دین کے طالب بن جاؤ، یا علماء سے علم دین کی باتیں سننے والے بن جاؤ، یا علماء سے محبت کرنے والے بن جاؤ، اور پانچواں مت بنو (اس لئے کہ پانچواں بن جاؤ گے) تو ہلاکت کے شکار بن جاؤ گے۔

اس کو ''المعجم الکبیر'' میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۱۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: أُغْدُ عَالِمًا، أَوْ مُتَعَلِّمًا، وَلَا تَغْدُ بَيْنَ ذٰلِكَ، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَأَحِبِّ الْعُلَمَاءَ وَلَا تُبْغِضْهُمْ.

(المعجم الكبير ۱۵۰/۹ رقم: ۸۷۵۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم خود عالم بن جاؤ، یا علم دین کے سیکھنے والے طالب علم بن جاؤ، اور اس کے درمیان کوئی اور مت بن جاؤ، پھر اگر تم سے نہ ہو سکے تو علماء سے محبت رکھنے والے بن جاؤ، اور علماء سے بغض وعناد ہرگز مت رکھو۔

اور ترمذی شریف وغیرہ میں سخت وعید کے ساتھ الفاظ وارد ہوئے ہیں، کہ دینا کے اندر عالم دین یا علم دین کے سیکھنے والے طالب علم یا اللہ کا ذکر کرنے والے بندے لعنت اور ہلاکت سے محفوظ ہوں گے، اور دیگر لوگ لعنت سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۱۶) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، کہ میں نے حضور اسے فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ خبردار ہو جاؤ کہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: أَلَا! إِنَّ الدُّنْيَا مَـلْعُوْنَةٌ ، مَعْلُوْنٌ مَا فِيْهَا إِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَـا وَالَاهُ وَعَـالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ. (سنن الترمذي ۵۸/۲ رقم: ۲۳۲۲، شعب الإيمان ۲۶۵/۲ رقم: ۱۷۰۸)

دنیا معلون ہے، اور دنیا کے اندر کی ہر چیز ملعون ہے، مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیز جس کو اللہ پسند کریں، یعنی جس کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالیں، اور عالم دین اور متعلم، یعنی علم دین کے طالب علم (یہ لعنت سے محفوظ ہیں، ان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے)

عالم کی موت پورے علاقہ کے لئے مصیبت اور موت

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی روایت کے آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وارد ہوا ہے، کہ ایک عالم کی اہمیت اللہ کے یہاں پورے عالم کی مخلوق سے بھی زیادہ ہے، اور انسانوں کے لئے ایک عالم کی عظمت اور اس کا احترام بھی اسی قدر ہونا چاہئے، اور ایک عالمِ دین کی موت پورے علاقہ اور پورے خطہ کے لئے ایک ایسی مصیبت ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکتی، اور ایک عالم کی موت پورے خطہ کے لئے ایک ایسا خلا ہوتا ہے جو کبھی پر نہیں ہوسکتا، اور یہ سمجھو کہ وہ اتنا بڑا سوراخ ہے جو سوراخ کبھی بند نہیں ہوسکتا، اور عالمِ دین کو ایسا سمجھو کہ وہ ایک عظیم الشان ستارہ ہیں، جس کی روشنی سے چلتا ہوا قافلہ اپنا راستہ متعین کرتا ہے، اور عالم کی موت ایسی ہے جیسا کہ ستارہ کی روشنی غائب ہوگئی ہے، جس سے اس ستارے کے ذریعہ راستہ چلنے والوں کا راستہ بند ہوجاتا ہے، اور سمندر میں اس کے ذریعہ رخ متعین کرکے کشتی چلانے والے کے لئے متعینہ رخ ختم ہوجاتا ہے، اب اس کے لئے بھٹکنے کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے بڑے قبیلوں کی موت ایک عالمِ دین کی موت کے مقابلہ میں آسان ہے، کہ پورے کے پورے قبیلہ ختم ہوجانے سے اتنا خلا نہیں ہوتا ہے جتنا کہ ایک عالمِ دین کی موت کی وجہ سے خلا پیدا ہوجاتا ہے، اسی لئے علماء کا اعزاز واحترام اور ان کے ساتھ محبت کرنا اور جتنا ہوسکے قدر دانی کے ساتھ ان سے دینی باتیں حاصل کرنا ہر

مسلمان پر لازم ہے، اور ان سے بغض وعناد رکھنا محرومی اور ہلاکت کا سبب ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

(۱۷) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَوْتُ الْعَالِمِ مُصِيْبَةٌ لَا تُجْبَرُ وُ ثُلْمَةٌ لَا تُسَدُّ، وَهُوَ نَجْمٌ طُمِسَ، مَوتُ قَبِيْلَةٍ أَيْسَرُ مِنْ مَوْتِ عَالِمٍ. (شعب الإيمان ٢/٢٦٤ رقم: ١٦٩٩)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ ایک عالم کی موت ایسی مصیبت ہے، جس کی تلافی نہیں ہوسکتی، اور اتنا بڑا سوراخ ہے جو کبھی بند نہیں ہوسکتا، اور وہ ایک عظیم ستارہ ہے، جو بجھ کر غائب ہوگیا ہے، ایک بڑے قبیلہ کی موت ایک عالمِ دین کی موت کے مقابلہ میں آسان اور معمولی ہے۔

علماء کی شفاعت

ایک حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں کو گناہ گار بندوں کے لئے شفاعت کی اجازت دیں گے:

(۱) حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ ہر نبی اپنے امتی کے لئے شفاعت کرے گا، اور حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو شفاعتِ کبریٰ حاصل ہوگی۔

(۲) علماء: کہ اللہ تعالیٰ علماء کو بھی شفاعت کا اختیار دیں گے، اور ایک ایک عالم ہزاروں گنہگار بندوں کی شفاعت کر کے اللہ کے حکم سے جنت میں داخل کریں گے۔

(۳) شہداء: اللہ تعالیٰ شہیدوں کو بھی یہ اختیار دیں گے کہ سینکڑوں گنہگار بندے جو جہنم کو جا رہے ہوں گے، ان کے لئے شفاعت کریں گے، اور اللہ کے حکم سے وہ گنہگار بندے بھی جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

(۱۸) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ: الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْعُلَمَاءُ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ. (ابن ماجة شريف ص: ٣٢٠، جديد رقم: ٤٣١٣)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے (۱) حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام (۲) پھر علماء کرام (۳) پھر شہداء۔

اس مختصر مضمون میں علماء کی عظمت کے بارے میں چند حدیثیں لکھ دی ہیں، ان سے عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، کہ ہم ہمیشہ علماء کا اعزاز واکرام کرتے رہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں، اور کہیں خدانخواستہ ایسی حرکت کا شکار نہ ہوں کہ علماء سے مقابلہ آرائی کریں، یا ان سے نفرت اور حقارت کرکے اپنے آپ کو محروم القسمت بنادیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں۔ آمین

تین قسم کے لوگوں کے اعزاز میں بیٹھنے کی جگہ پیش کرنا

تین قسم کے لوگوں کی عظمت شان کی وجہ سے ہر جگہ ان کا اعزاز کرنا سب پر لازم ہے، اگر اہل مجلس اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہوں اور ان تین عظیم شخصیات میں سے کوئی آجائے تو اہل مجلس پر لازم ہے کہ خود اٹھ کر کے ان عظیم شخصیات کے لئے جگہ بنا کر ان کو عزت سے بٹھائیں:

(۱) لِذِيْ سِنٍّ لِسِنِّهٖ: معمر اور بوڑھا آدمی اس کی عمر کی وجہ سے اس کا اعزاز کرنا دوسروں پر لازم ہے، جب ایسا آدمی مجلس میں آجائے تو دوسروں کو کھڑے ہوکر کے اس کو عزت سے بٹھانا ضروری ہے۔

(۲) ذِيْ عِلْمٍ لِعِلْمِهٖ: اہل علم اور علماء میں کوئی تشریف لے آئے تو اہل مجلس کو کھڑے ہوکر کے ان کے لئے جگہ بنا کر عزت سے بٹھانا لازم ہے۔

(۳) وَذِيْ سُلْطَانٍ لِسُلْطَانِهٖ: حاکمِ وقت اس کے حاکم اور سربراہ ہونے کی وجہ

سے اس کا اعزاز لازم ہے، جب وہ مجلس میں آجائے تو اہلِ مجلس پر لازم ہے کہ اس کے لئے جگہ بنا کر اعزاز کے ساتھ اسے بٹھائیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائے:

(۱۹) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُوَسَّعُ الْمَجْلِسُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ: لِذِيْ سِنٍّ لِسِنِّهٖ، وَذِيْ عِلْمٍ لِعِلْمِهٖ، وَذِيْ سُلْطَانٍ لِسُلْطَانِهٖ. (شعب الإيمان ٤٦٠/٧ رقم: ١٠٩٩٠)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مجلس میں توسع نہیں کیا جائے گا، مگر صرف تین قسم کے لوگوں کے لئے توسع کرنا لازم ہے: (۱) معمر آدمی کے لئے اس کی عمر کی وجہ سے (۲) اہلِ علم کے لئے اس کے علم کی وجہ سے (۳) حاکم و بادشاہ کے لئے اس کی سربراہی کی وجہ سے۔

اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرنے کی ضرورت ہے، اللہ پاک اپنے فضل سے ہم سب کو ان بڑے لوگوں کے اعزاز واحترام کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کی بے ادبی اور گستاخی اور ان کی نفرت اور ان کی حقارت سے ہماری حفاظت فرمائے۔

(۲) کچھ یادیں، کچھ مشاہدات

(۱) حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہ دارالعلوم دیوبند کی نشاۃ ثانیہ کے شروع میں ناظم تعلیمات رہے اور ان کی نظامت تعلیمات کے زمانہ میں پورے اسٹاف کے درمیان ایک عجیب وغریب محبت کا ماحول قائم رہا اور تقریباً سارے ہی اساتذہ ان سے خوش رہے، سب سے کام اپنی جگہ مکمل لیا کرتے تھے اور سب ہی لوگ بڑھ چڑھ کر خوش دلی سے کام کرتے تھے۔

راقم الحروف اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت پر مامور تھا، امتحان گاہ میں سارے ہی اساتذہ وقت سے پہلے تشریف لے آیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک استاذ دیر میں آئے، تو ان ہی کے سامنے فرمانے لگے کہ بعض اکابر اونچا سنتے ہیں، اس پر وہ اُستاذ بجائے برا ماننے کے خوب ہنسے۔

(۲) ان کی نظامت تعلیمات کے زمانہ میں مدرسہ شاہی سے ایک کمزور طالب علم کا امتحان داخلہ میں امدادی داخلہ ہوگیا، احقر کے سامنے مدرسہ شاہی کے بعض اساتذہ نے نشان دہی کر کے فرمایا کہ دارالعلوم میں داخلہ امتحان کا کوئی معیار نہیں رہا کہ فلاں طالبِ علم کا بھی امدادی داخلہ ہوگیا۔ احقر نے حضرت مولانا موصوف مرحوم سے تبصرہ کر دیا کہ ایک بدنامی کی بات سامنے آئی ہے کہ فلاں طالب علم جس کا نام احقر کو آج بھی یاد ہے وہ انتہائی کمزور درجہ کا طالب علم ہے، اس کا امدادی داخلہ کیسے ہوگیا؟ اس سے دارالعلوم بدنام ہوجائے گا، اس پر حضرت موصوف مرحوم نے اس طالب علم کے پرچوں کو نکلوایا۔ ''جلالین'' اور ''میبذی'' کے پرچوں کو نکلوا کر پرچہ جانچنے والے اساتذۂ کرام کو بلوایا اور ان اساتذہ کے سامنے فرمایا کہ بھائی ''میبذی'' کے بارے میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ میبذی میں نہیں سمجھتا؛ اس لئے اس کے پرچہ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا؛ لیکن ''جلالین شریف'' کے بارے میں مجھے شبہ ہے کہ شاید میں جلالین شریف سمجھتا ہوں، اور جلالین کا پرچہ بتلا رہا ہے کہ پچاس میں سے دس نمبروں کا بھی مستحق نہیں ہے، پرچہ جانچنے والے اساتذہ کرام حضرت کی اس گفتگو پر بڑے نادم ہوئے مگر حضرت کی گفتگو کسی نے برا نہیں مانا۔

(۳) حضرت مولانا موصوف مرحوم کی خودداری اور جرأت مندی کا حال یہ تھا کہ ایک دفعہ ''محمود ہال'' میں ایک پروگرام ہوا، اس میں حضرت اقدس فدائے ملت حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ دونوں موجود تھے اور ان کے علاوہ بڑے بڑے علمائے کرام موجود تھے، ان سب کی موجودگی میں حضرت مولانا موصوف مرحوم دوران بیان فرمانے لگے کہ یہ میرے اکابر تشریف فرما ہیں، میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں، مگر میں ان میں سے کسی کا خوشامدی نہیں ہوں؛ اس لئے میں کوئی بھی کام ان اکابر کو خوش کرنے کے لئے نہیں کرتا ہوں۔

(۴) جب مولانا موصوف مرحوم نے تعلیمات کی خدمت سے معذرت خواہی کر کے

علیحدگی اختیار کر لی اور دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم حضرت مولانا محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نواسہ تھے اور بڑے باوزن شخصیت تھے، دیوبند شہر میں بھی اور سرکاری انتظامیہ میں ان کا بڑا دبدبہ تھا، ان کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند کو نیابت اہتمام کے لئے ایک مناسب اور اہم شخصیت کی ضرورت تھی، اس ذمہ داری کے لئے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مولانا موصوف مرحوم کے پاس تحریر لکھی کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے ہماری نظر میں آپ زیادہ مناسب ثابت ہوں گے، اس زمانہ میں احقر دارالعلوم دیوبند سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں منتقل ہو چکا تھا اور یہاں سے دارالعلوم جاتا تو حضرت مولانا موصوف مرحوم کے یہاں قیام وطعام ہوتا تھا۔

ایک دفعہ مولانا موصوف مرحوم نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تحریر کو نکالا اور اپنی جوابی تحریر بھی نکال کر احقر کے سامنے رکھی اور فرمایا کہ تم بھی صاحب رائے ہو، تم مجھ کو اس بارے میں مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟ مجھے نیابت اہتمام کو قبول کرنے میں بہت زیادہ تردد ہے اور مولانا موصوف مرحومؒ نے جوابی تحریر لکھی وہ احقر نے پڑھی، اس کا حاصل یہ تھا کہ مولانا موصوف مرحوم نے اس تحریر میں عاجزی وانکساری اور انتہائی کمزور ہونے کو لکھا اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ میرے اندر انتظامی صلاحیت نہیں ہے، اور میرے مربی حضرت مولانا سلطان الحق فاروقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ریاست تمہارے اندر انتظامی صلاحیت نہیں ہے، تم کو کبھی کوئی بڑا انتظام اپنے ذمہ نہیں لینا ہے اور معذرت خواہی کے مختلف گوشے لکھنے کے بعد آخر میں یہ لکھا کہ ''العذر عند کرام الناس مقبول'' اور نیابت اہتمام سے معذرت کر لی۔

(۵) مولانا مرحوم کے سامنے کسی نے شکوہ کے طور پر فرمایا کہ فلاں کے لڑکے نے میرے لڑکے کو بگاڑ دیا ہے، تو موصوف نے فوراً فرمایا کہ آپ ایسا کیوں سمجھ رہے ہیں کہ اُن کے بیٹے نے آپ کے بیٹے کو بگاڑ دیا ہے؛ بلکہ آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ آپ کے بیٹے نے اُن کے بیٹے کو بگاڑ دیا ہے؛ اس لئے کہ جو آپ سمجھ رہے ہیں وہی وہ بھی تو سمجھ سکتے ہیں۔

(۶) ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا موصوف کے سامنے کسی دوسرے کی برائی کی، تو حضرت مولانا موصوف نے اتنی خوبصورتی کے انداز سے ان کو روکا، فرمایا کہ بھائی اس زمانہ کے نیک لوگ اپنی تعریف کیا کرتے ہیں، دوسروں کی برائی نہیں کیا کرتے۔

(۷) راقم الحروف جس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دے رہا تھا، اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند کے استاذ حضرت مولانا بلال اصغر صاحب کے یہاں جارہے تھے، ساتھ میں راقم الحروف بھی تھا، راستہ میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، جن سے راقم الحروف کے بھی بڑے مراسم رہے ہیں اور وہ دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا مرحوم کے زمانہ کے فارغ اور حضرت کے ہم عصر تھے؛ لیکن وہ صاحب دارالعلوم کے بحران کے زمانہ میں اختلاف رائے کے اعتبار سے حضرت مولانا مرحوم کی رائے سے اختلاف رکھتے تھے، اس دوران ایک بڑی شخصیت نے مظاہر العلوم سہارنپور کے بحران کے زمانہ میں مظاہر العلوم میں تشریف لے جا کر ایک بیان دیا تھا، تو ان صاحب نے فرمایا کہ فلاں صاحب وہاں جا کر بیان دے چکے ہیں، بھائی ریاست آپ بھی جائیے اور وہاں بیان دیجئے، تو حضرت مولانا مرحوم نے ان کا نام لے کر فرمایا کہ بھائی فلاں اگر آپ جائیں گے تو آپ کے ساتھ چلا جاؤں گا، تو ان صاحب نے جواباً فرمایا کہ بھائی ریاست آپ میرے ساتھ کہاں جائیں گے؟ اس پر مولانا مرحوم نے ان کا نام لے کر فی البدیہہ فرمایا کہ بھائی فلاں آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟ میں تو آپ کے ساتھ ہر جگہ جا سکتا ہوں علاوہ جہنم کے، پھر دبے الفاظ میں فرمایا کہ اگر اللہ نے آپ کے لئے وہاں جگہ متعین فرمائی ہے، اس پر وہ صاحب بجائے برا ماننے کے خوب زور سے ہنس پڑے۔

(۸) احقر کی شادی حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں سے حضرت مولانا سید محمود حسن صاحب سہارنپوریؒ کے یہاں ہوئی، ان کا گھر سہارنپور سے لگ بھگ ۲۰ رکلومیٹر کے فاصلہ پر ایک بڑے گاؤں میں واقع ہے، احقر کی شادی میں حضرت مولانا مرحوم اور حضرت مولانا بلال اصغر صاحب دیوبندی استاذ دارالعلوم دیوبند اور

حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی بانی دارالعلوم زکریا ٹرانسپورٹ نگر مرادآباد جواحقر کے ہم سبق ہیں، یہ تینوں حضرات احقر کے ساتھ چلے اور جب ہم لوگ مین روڈ سے گاؤں میں داخل ہونے لگے تو راستہ کے دونوں جانب لپٹس کے پیڑ کھڑے تھے، ذرا خوشنما سا منظر تھا، تو حضرت مولانا مرحوم فرمانے لگے کہ ارے واہ اب تو ہمیں ایسا لگ رہا ہے کہ ہم صدر جمہوریہ کی کوٹھی میں پہنچ رہے ہیں، پھر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد گاؤں کے کچھ لوگ اپنے اپنے گھروں میں لے جانے لگے، جہاں گئے وہاں دسترخوان پر طرح طرح کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں، تو حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا: ارے بھائی ہم کو معلوم نہیں تھا، ورنہ تو ہم کفن ساتھ میں لے کر آتے۔

(۹) دارالعلوم کی نشأۃ ثانیہ میں اساتذہ دارالعلوم میں سے چار حضرات پیش پیش تھے:

(۱) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ۔

(۲) حضرت مولانا وحیدالزماں صاحبؒ۔

(۳) حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ۔

(۴) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم۔

ان چاروں میں سے اول الذکر تین حضرات مرحوم ہو چکے ہیں اور نشأۃ ثانیہ کے اندر لوگوں میں اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ کی سر پرستی اور حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ کی فراست اور حضرت مولانا وحیدالزماں صاحبؒ کی زبان اور جوشیلے بیان، اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کا درس مشہور تھا، اور لوگوں میں نوک زبان رہا کہ ریاست کی فراست کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

(۱۰) اور نشأۃ ثانیہ میں حضرت فدائے ملت مولانا اسعد مدنی نوراللہ مرقدہ کی سر پرستی ہمیشہ رہی؛ لیکن دارالعلوم دیوبند کے اندرونی حالات کو بہتر انداز سے چلانے میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا تدبر اور حضرت مولانا ریاست علی صاحب کی فراست بہت زیادہ کارگر ثابت ہوئی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے خلیفہ حضرت مولانا معین الدین صاحبؒ سابق شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ مرادآباد فرمایا کرتے تھے کہ بجنور کے یہ دونوں حضرات دارالعلوم کے لئے جناحین ہیں، یعنی دارالعلوم کے دو پر ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کو اڑا کر لے جارہے ہیں۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے مشیر خاص حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ ہی تھے، کسی بھی اہم مسئلہ میں مہتمم صاحب انہیں سے مشورہ فرمایا کرتے تھے، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا تدبر اور مولانا ریاست صاحب کی فراست بے مثال ثابت ہوئی۔

چنانچہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے دور اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے تعلیمی اور تعمیری دونوں اعتبار سے حیرت انگیز ترقی کی ہے، جس کو دنیا نے اپنی نظروں سے دیکھ لیا ہے۔

(۱۱) اچانک وفات کا سانحہ

۲۰ر شعبان تک سارے مدارس دینیہ کی تعطیل کلاں ہوجاتی ہے اور تعطیل کے زمانہ میں عام طور پر دیوبند اور سہارنپور احقر کی حاضری ہوتی رہتی ہے اور ۲۲ر شعبان جمعہ کے دن راقم الحروف کو مرادآباد میں ایک مختصر پروگرام میں شرکت کرنی تھی؛ اس لئے ۲۳ر شعبان بروز سنیچر کو دیوبند سفر کا پروگرام بنالیا تھا؛ لیکن ۲۲ر شعبان جمعہ کے دن صبح کو مختصر پروگرام سے فراغت کے بعد طبیعت میں ایک عجیب داعیہ پیدا ہوا کہ آج ہی دیوبند چلتے ہیں اور مرادآباد سے دیوبند لگ بھگ پونے دوسو (۱۷۵) کلومیٹر کی دوری پر ہے اور راقم الحروف جب بھی دیوبند حاضر ہوتا رہا حضرت الاستاذ حضرت مولانا ریاست علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے یہاں ہمیشہ مہمان رہا اور یہ سلسلہ ۳۱ر سال تک جاری رہا؛ لیکن اس بار جناب مولانا مفتی محمد احسان صاحب دیوبندی استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی نے شام کا کھانا اپنے یہاں کھانے کے لئے دیوبند پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں وعدہ کروالیا تھا اور راقم الحروف سے یہ حماقت ہوئی کہ پہلے سے حضرت مولانا مرحوم کو اس کی اطلاع نہیں کی۔

چناں چہ جب شام کو حضرت مولانا مرحوم سے ملاقات ہوئی تو پہلی ہی گفتگو میں کھانے کے بارے میں پوچھا اور جناب مولانا مفتی احسان احمد صاحب بھی ساتھ میں موجود تھے، تو احقر نے جواباً کہا کہ کھانا مفتی احسان احمد صاحب کے یہاں طے ہوا ہے، تو اس پر حضرت مولانا نے جواباً فرمایا کہ ہاں بھائی پیرلوگوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ جب کہیں جاتے ہیں تو پہلے ہی سے متعلقین کو اطلاع کر دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم ہمارے لئے کھانے پینے کا اچھا انتظام کر لینا، تو راقم الحروف نے کہا حضرت ہوتا تو وہی ہے جو آپ فرما رہے ہیں، مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے، تو فرمانے لگے کہ ہاں مولویانہ تاویل کرتے رہو۔

فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہ نے ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۷۷ھ تک لگ بھگ ۴۷ ؍سال تک جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں پڑھایا اور ۳۷ ؍سال تک صدر المدرسین کی حیثیت سے بخاری شریف کا درس دیا، اس کے بعد جب ۱۳۷۷ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی وفات ہوئی تو دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنیؒ کی جگہ شیخ الحدیث کی حیثیت سے ان کا تقرر ہو گیا، یہ واقعہ درمیانی سال میں پیش آیا۔ اور اس کے ایک سال کے بعد دوسرے سال ۱۳۷۸ھ میں حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ کے دورہ حدیث شریف کا سال تھا، انہوں نے حضرت مولانا فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا درسِ بخاری اہتمام کے ساتھ قلم زد فرمایا جو ''ایضاح البخاری'' کے نام سے شائع ہوتی رہی، اسی سے استاذ وشاگرد کے درمیان بے مثال مناسبت پیدا ہوئی اور حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ موصوف حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے خادم خاص کی حیثیت سے سالہا سال تک ساتھ رہے۔ اب اس ملاقات پر حضرت مولانا موصوف نے ایک واقعہ سنایا:

فرمانے لگے کہ حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کو کہیں سفر میں جانا تھا تو میں نے کہا کہ حضرت فلاں کے یہاں ٹھہرنا ہے، پہلے میں ان کو خط لکھ دیتا ہوں تو اس پر حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ پیرلوگوں کا کام ہوتا ہے، تاکہ وہ خوب اچھا اہتمام کریں، خط لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، علماء کا رزق ان کے پیچھے پیچھے رہتا ہے۔

بہرحال اس گفتگو کے بعد پھر آپس میں بات چیت ہونے لگی، دوران گفتگو فرمانے لگے کہ اس مرتبہ تم بہت دنوں کے بعد آئے ہو، میں سوچ رہا تھا کہ میں تم کو فون کروں، تو راقم الحروف نے کہا کہ حضرت یہ تو بہت اچھا ہوگیا کہ احقر حاضر ہوگیا۔

احقر کچھ زیادہ مصروفیات کی وجہ سے سفر نہیں کرسکا، اب الحمدللہ احقر کو بھی ملاقات کی وجہ سے اطمینان ہوگیا، تو آخر میں فرمانے لگے کہ صبح کا ناشتہ یہیں کرنا ہے، چھ بجے ناشتہ کے لئے آجاؤ۔ لگ بھگ ساڑھے دس بجے کے دوران حضرت مولانا موصوف مرحوم کے یہاں سے اپنے رفقاء کے ساتھ نکلا اور دارالعلوم کے مہمان خانہ میں رات میں قیام رہا، صبح کو فجر کی نماز دارالعلوم کی مسجد قدیم میں پڑھنے کا اتفاق ہوا اور اس زمانہ میں فجر کی نماز پونے پانچ بجے ہورہی تھی اور نماز کے فوراً بعد دارالعلوم دیوبند کے عظیم استاذ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی اور ملاقات پر فوراً انہوں نے فرمایا کہ چلو میرے ساتھ، جب حضرت کی رہائش گاہ میں پہنچے تو فرمایا کہ کیا کھاؤ گے بتلاؤ، تم کو ہم ناشتہ کروا دیتے ہیں، احقر نے کہا کہ حضرت ہم ناشتہ وہاں کریں گے............رات میں کچھ جملے سننا پڑ گیا ہے، اب اگر ناشتہ یہیں کر لیتے ہیں تو مناسب نہیں۔

اِدھر کیا ہوا کہ ساڑھے تین بجے رات کو حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحبؒ کی طبیعت خراب ہوئی، اُنہوں نے فون کر کے بڑے صاحبزادے مولانا سفیان صاحب اور اُن کے بچوں کو اپنے پاس بیٹھک میں بلالیا، فرمانے لگے کہ میری طبیعت بگڑ رہی ہے، میرا سانس رک رک کر آنے لگا ہے، تو مولانا سفیان صاحب نے فرمایا کہ آپ ذرا کھانس لیجئے؛ لیکن وقت موعود آچکا تھا، مولانا کلمہ پڑھنے لگے، ایک دوبار پڑھنے کے بعد پورا پڑھا نہیں گیا، پھر آدھا کلمہ پڑھنے لگے، پھر چند منٹ میں چار بجے کے قریب روح پرواز ہوگئی۔ اُن کے چھوٹے صاحبزادے مولانا مفتی محمد سعدان صاحب خانقاہ تھانہ بھون کے مدرسہ امدادالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا نجم الحسن صاحب کے داماد ہیں، وہ اپنے بچوں کو سسرال لے کر گئے ہوئے تھے، اس وقت مولانا

سفیان صاحب نے اُن کو فون کیا، وہ فوراً وہاں سے چل پڑے اور فجر کی نماز دیوبند میں آ کر پڑھی اور مولانا سفیان صاحب نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ ابھی اعلان نہ کیا جائے، ورنہ بھیڑ ہو جائے گی؛ اس لئے چھ بجے تک لوگوں کو پتہ نہیں چلا۔

راقم الحروف نے حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم سے کہا کہ آپ کے یہاں ناشتہ تو نہیں؛ بلکہ آپ کے یہاں یہ جو خمیرہ رکھا ہے وہ کھلا دیجئے، اس کے بعد حضرت مولانا ریاست علی صاحب کے گھر کی طرف چل دئے، راستہ میں مدنی گیٹ پر مولانا نجم الحسن صاحب کے بیٹے مولوی حذیفہ نے ہاتھ دے کر گاڑی کو روکا، کہنے لگے کہ حضرت مولانا کا انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

احقر کو ایسا لگتا ہے کہ رات میں جو آپس میں گفتگو ہوئی ہے اس کے بعد دنیا میں حضرت مولانا کی گفتگو کسی سے نہیں ہو سکی، ہاں البتہ مولانا سفیان کی بیوی کے حوالے سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا نے ان کو اطلاع کی ہے کہ تم کو چھ بجے سے پہلے پہلے ناشتہ تیار کرنا ہے۔

عظیم صبر وضبط

فجر کی نماز کے لگ بھگ سوا گھنٹہ کے بعد چھ بجے کے قریب دارالعلوم کی مسجد قدیم اور مسجد رشید کے مائک سے حضرت والا کے سانحہ وفات کا اعلان ہوا تو ہر طرف سے دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران ہر چھوٹے بڑے اساتذہ اور طلبہ کی بھیڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا، مگر حضرت والا کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد سفیان صاحب کے چہرہ پر ذرا سا شکن بھی نہیں آیا، اس وقت دارالعلوم میں ظہر کی نماز تین بجے کے قریب ہو رہی تھی اور ظہر کی نماز کے بعد نماز جنازہ ادا کرنا طے ہوا، اور اس درمیان آس پاس کے مختلف اضلاع سے ہزاروں علماء نماز جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے، اور مولانا محمد سفیان صاحب کو تعزیت پیش کرنے کا سلسلہ جاری رہا؛ لیکن ان کے چہرہ پر ذرا سا بھی اثر ظاہر نہیں ہوا؛ بلکہ آنے والوں کو تسلی دے رہے تھے اور مزار قاسمی میں تدفین کے بعد دور دراز سے آنے والے مہمانوں کے کھانے کا

انتظام خود کیا اور تدفین کے بعد بجائے نڈھال ہوکر بیٹھنے کے بلا تکلف مہمانوں کو کھانا کھلایا اور مکمل انتظام میں لگے رہے۔ احقر نے اپنی زندگی میں سخت ترین صدمہ کے وقت دو آدمی کو عجیب وغریب انداز سے صبر کرتے ہوئے دیکھا ہے:

(۱) حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی صاحب علیہ الرحمہ ان کے گھر کے کئی افراد کی موت کے موقع پر ان کے صبر وضبط کی عجیب عبرت آمیز حالت ہوتی تھی، ایسا لگتا تھا کہ کوئی خاص واقعہ نہیں پیش آیا۔

(۲) حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد سفیان صاحب کو دیکھا کہ ایسے صبر وضبط کا پہاڑ بنے رہے کہ شروع سے آخر تک آنے والے مہمان کا خیر مقدم کرتے رہے اور چہرہ پر ذرا سا بھی شکن نہیں آنے دیا۔

حضرت سید الکونین علیہ السلام کا ارشاد: ”**إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰی**“. **الحديث** (بخاری ۱/ ۱۷۱، رقم: ۱۲۶۹، ف: ۱۲۸۳) کا مکمل نمونہ پیش فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان کو اس صبر پر شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا مرحوم کی کوئی مؤنث اولاد نہیں تھی، صرف تین صاحبزادگان ہیں:

(۱) حضرت مولانا محمد سفیان صاحب

(۲) مولانا قاری محمد عدنان صاحب

(۳) مولانا مفتی محمد سعدان جامعی صاحب

اللہ پاک حضرت مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی نومبر/ دسمبر ۲۰۱۷ء، جنوری ۲۰۱۸ء)

سونا سونا سا لگے ہے یہ چمن تیرے بغیر

(بیاد: اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا ریاست علی بجنوری نور اللہ مرقدہٗ)

مولانا مفتی محمد عبدالرزاق صاحب قاسمی اُستاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

کون تھے وہ؟ قد وقامت متوسط، جسم ہلکا پھلکا بیماریوں میں گھلا ہوا، چہرہ تابناک اور اس پر آثار معصومیت، رنگ نہایت اجلا، گھنی ڈاڑھی، جبیں کشادہ، آنکھیں بڑی جن سے بلا کی ذہانت ٹپکتی ہے، سر اور داڑھی کے بال سفید ونورانی، لباس اونچا کرتہ، اونچا پائجامہ اور دوپلی ٹوپی، حق گوئی وحق طرفی میں بے باک، نرمی وبردباری مانند حریر ودیباج، نفیس وپاکیزہ طنز ومزاح کے مالک، علم کا بحر زخار ہونے کے باوجود عاجزی وانکساری میں یکتا، گفتگو کریں تو شبنم کی ٹھنڈک اور شہد کی مٹھاس محسوس ہو، مجلس علم وتحقیق کی ہو یا شعر وسخن کی، محفل سیاست کی ہو یا علم وادب کی، آپ ہی میر مجلس، دانشوروں کی مجلس کے دانشور، جوہر شناس اور صلاحیتوں کے قدرداں، ہر چھوٹے کی حوصلہ افزائی اُن کا مشن، تنگ نظری وتنگ ظرفی سے کوسوں دور، خودنمائی وخودغرضی سے بالکل ناآشنا، اکابر کے علمی ذخیرہ کی اشاعت اور حفاظت کے بے پناہ شوقین وسچے امین، سادگی میں اسلاف کی تصویر، تلامذہ کی سادہ اور ہمدردانہ انداز میں نرالی تربیت کرنے والے، ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے محدثِ کبیر، طالبانِ علوم نبوت کے لئے بے پناہ مشفق، مہمان نوازی میں بے مثال، بڑے مہذب وپاکیزہ انسان، زیرک، سمجھدار اور حلقہ یاراں میں ابریشم کی طرح نرم...... اِن جیسے شمائل وخصائل، عادات واخلاق کو اپنے دل ودماغ کے نہاخانوں میں ترتیب دیں اور پھر جو تصویر آپ کے ذہن ودماغ میں اُبھرے، پھر اُس پر بلا کسی تامل کے لکھ دیں: **حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہٗ۔**

حضرت مولانا ریاست علی صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی از اول تا آخر درس وتدریس اور علم وتحقیق سے عبارت ہے، اگر عالم باکمال کے لقب سے آپ کو یاد کیا جائے تو بالکل بجا ہوگا، کیوں کہ حقیقی متبحر عالم وہی ہے جس سے گفتگو کرتے ہوئے انسان پر اپنا جہل واضح ہوجائے اور جن لوگوں نے آپ کو قریب سے دیکھا ہے اور آپ کی مجلسوں میں بیٹھنے اور استفادہ کرنے کا جن کو موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہ اِس کا مصداق تھے، مشکل سے مشکل مسئلہ کا حل اور اس کی روح تک پہنچ کر اس کی گرہ کشائی کا خاص ملکہ اللہ نے آپ کو عنایت فرمایا تھا۔

ابھی کل ہی کی بات محسوس ہوتی ہے کہ حضرت مرحوم کو دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث، موقوف علیہ اور عربی ادب کی درس گاہوں میں آتے جاتے صبح وشام دیکھا جاتا تھا، زمانۂ طالب علمی سے ہی حضرت والا کی ذکاوت وذہانت اور علمی رسوخ کے چرچے علماء کے حلقوں میں سنے تھے اور جوں جوں شعور بیدار ہوا تو اپنی مختصر سی زندگی میں اُن کا مشاہدہ کیا، جس نے بھی حضرت مرحوم کی وفات کی خبر سنی وہ سکتے میں آ گیا اور باوجود اِس یقین وایمان کے موت کسی کو کبھی بھی آسکتی ہے، اس خبر پر یقین کر لینا مشکل ہو رہا تھا؛ لیکن یہ مقررہ وقت ہی ہے کہ جب آجاتا ہے تو قضاء وقدر کا فیصلہ نافذ ہوجاتا ہے اور ساری دنیا کی طاقت اور دولت مل کر بھی اس مقررہ وقت کو آنے سے نہیں روک سکتی۔

حضرت مولانا مرحوم نے بلاشبہ قابل رشک زندگی پائی، علم دین کی خدمت میں اپنا پورا وقت شوق وجذبہ کے ساتھ گذارا، اور یہ اتنی بڑی سعادت اور فضیلت ہے کہ الفاظ کا جامہ پہنانا ممکن ہی نہیں، علوم کتاب وسنت کے خدام میں کہیں جگہ مل جانا وہ عظمت ہے جس پر دنیا کا بڑے سے بڑا منصب اور بڑے سے بڑا اعزاز قربان کیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت آپ کو نصیب فرمائی۔

زندگی ایک سفر ہے اور انسان عالم بقاء کی طرف رواں دواں ہے، ہر سانس عمر کو کم اور ہر قدم انسان کی منزل کو قریب کر رہا ہے۔ عقل مند مسافر اپنے کام سے فراغت کے بعد اپنے گھر کی طرف واپسی کی فکر کرتے ہیں، وہ نہ پردیس میں دل لگاتے ہیں اور نہ اپنے فرائض سے بے

خبر رنگینیوں میں اُلجھتے ہیں، کیا ہم نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر بات وحی الٰہی کے مطابق فرماتے تھے، انہوں نے فرمایا ہے: ''میری اُمت کے لوگوں کی اوسط عمریں ساٹھ سے ستر برس ہوں گی''۔ میں نے بار بار اُستاذ مرحوم کی زبانِ مبارک سے یہ سنا ہے کہ بیٹا ہماری عمر تو اَب ۶۳ رسال پوری ہوگئی ہے، اب تو جو کچھ ہے انعام باری (لبھاؤ) ہے، ایسا لگتا ہے کہ آپ کا یہ کہنا بھی سنتِ رسول کے موافق تھا۔

حضرت مرحوم اپنے شاگردوں کی تربیت عجیب وغریب ہمدردانہ طریقہ سے فرمایا کرتے تھے، اس طالب علم اور شاگرد سے بے پناہ محبت کا اظہار فرماتے جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم کا شوقین ہے، تربیت کا انداز یہ ہوتا ہے کہ انسان شرمسار بھی ہوتا اور اثر بھی قبول کرتا۔ احقر جب بھی امروہہ سے دیوبند حضرت کی خدمت میں جاتا تو کچھ حقیر ساہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کرتا اور حضرت بڑی بشاشت سے اُس کو قبول بھی فرماتے تھے، اور تربیت کا انداز دیکھئے کہ ایک مرتبہ میں حضرت کی خدمت میں جار ہا تھا، ہاتھ میں ایک معمولی ساہدیہ تھا، مسجد رشید کے پاس میرے خالہ زاد بھائی: عزیزم مولوی محمد اشرف سلمہ جو مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے اور اُس وقت دارالعلوم دیوبند میں سالِ ہفتم میں زیرِ تعلیم تھے، اب حضرت کے پاس جاتے ہوئے اُنہوں نے میرے سے کہا کہ بھائی صاحب یہ سامان میں لے لوں؟ میں نے وہ ہدیہ کا سامان اُن کے ہاتھ میں دے دیا، اور اسی حالت میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوے، جیسے ہی حضرت کی نظر پڑی، تو آپ کے چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہونے لگے، اور یہ کہے بغیر آپ سے رہا نہ گیا کہ: ''عبدالرزاق تم کب سے اتنے بڑے ہوگئے''، یعنی حضرت کو یہ بات انتہائی ناگوار لگی کہ کوئی آدمی کسی کام کو خود کرسکتا ہے تو پھر دوسرے کا سہارا کیوں لیا جارہا ہے؟

حضرت کا معمول یہ تھا کہ وہ اپنا کام خود کرنا ہی پسند کرتے تھے، دوسروں سے خدمت لینے کو برا جانتے تھے، اور بدنی خدمت لینے سے تو آپ کوسوں دور تھے، بدنی خدمت لیتے ہوئے ہم نے نہ تو آپ کو کبھی دیکھا ہے اور نہ کسی نے ہم سے بتایا؛ بلکہ جتنے حضرات سے بھی ہم نے سنا ہے تو یہی کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت مولانا علیہ الرحمہ بدنی خدمت نہ لیتے ہیں اور نہ ہی اس کو پسند کرتے ہیں۔

اکابر کے علمی ذخیرے کی اشاعت اور حفاظت کے اس قدر شوقین کہ اب سے پانچ سال پہلے حضرت مرحوم نے احقر سے فرمایا: بیٹا عبدالرزاق! میری ایک خواہش ہے کہ حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی علیہ الرحمہ کی ایک قیمتی تفسیر ''خلاصۃ التفسیر'' کے نام سے ہے جو غیر محقق ہے، اس میں تحقیق ومراجعت کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ یہ تفسیر اپنی اصل کے اعتبار سے ایسے رموز ونکات اور قیمتی مضامین پر مشتمل ہے جو دوسری تفاسیر میں نظر نہیں آتے، بعض مضامین پر تو ایسی بحثیں مصنف علیہ الرحمہ نے فرمائی ہیں کہ اُن کا جواب نہیں، اس لئے تم اس تفسیر پر تحقیق وتعلیق کا کام کردو۔ احقر اولاً تو اپنی کم علمی کی وجہ سے درخواست گذار رہا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں؛ لیکن ایک دن حضرت نے یہ فرمایا کہ: ''تم اس کام کو انشاء اللہ کرلوگے،'' آپ کے اس ارشاد کے بعد معذرت پیش کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی، احقر نے حضرت سے ہی کتاب کا قدیم نسخہ حاصل کیا، اسی طرح حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ بستوی اُستاذ دارالعلوم دیوبند سے ایک نسخہ اور حضرت نے دلوایا اور فرمایا کہ تھوڑا سا کام کرکے دکھلاؤ، حسب الحکم تقریباً ایک سو پچاس صفحات پر تحقیق وتعلیق کا کام کرکے خدمت میں پیش کیا، تو آپ نے پسندیدگی اور اطمینان کا اظہار فرمایا۔

اس کام کے حوالے سے پانچ سال کا یہ عرصہ تو ایسا گزرا کہ بار بار آپ سے فون پر بھی مراجعت کی سعادت ہوئی اور گاہے گاہے زیارت کے لئے بھی حاضری ہوتی، سال گذشتہ ماہِ محرم ۱۴۳۸ھ میں آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس سال شعبان سے پہلے پہلے یہ کام مکمل ہوجائے، چنانچہ آپ کی توجہ کی برکت سے جمادی الاخریٰ ۱۴۳۸ھ میں تحقیق وتعلیق کا یہ کام مکمل ہوگیا، سارا کام لے کر حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی، تو آپ نے اسی دن مولانا فہیم الدین بجنوری اور مولانا اشتیاق احمد دربھنگوی اساتذہ دارالعلوم دیوبند کو بھی بلایا اور اس کتاب کی طباعت کے متعلق ضروری مشورہ کیا، مشورہ میں یہ بھی طے پایا کہ اس کتاب کی ایک تفصیلی فہرست بھی بنادی جائے تو استفادہ زیادہ آسان ہوگا، چنانچہ احقر نے فہرست سازی کا کام شروع کردیا، تقریباً ۱۶؍ پاروں کی تفصیلی فہرست تیار ہوچکی تھی کہ حضرت والا اپنے رب حقیقی

سے جا ملے، آج جب حضرت اس دارِ فانی سے رُخصت ہوکر دارِ خلد جا چکے ہیں، تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ آپ کے مشن کو پورا کریں اور آپ کو اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰکِھُوْنَ. ھُمْ وَاَزْوَاجُھُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَی الْاَرَآئِکِ مُتَّکِئُوْنَ. لَھُمْ فِیْھَا فٰکِھَةٌ وَّلَھُمْ مَا یَدَّعُوْنَ. سَلٰمٌ قَوْلاً مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ﴾ (یس آیت: ۵۵-۵۸)

ترجمہ:- اہل جنت بے شک اس دن اپنے مشغلوں میں خوش دل ہوں گے، وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، ان کے لئے وہاں ہر طرح کے میوے ہوں گے، اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا، اُن کو پروردگار کی طرف سے سلام فرمایا جاوے گا۔ (ترجمہ: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ)

خدا تعالیٰ کی مذکورہ نعمتوں کے وہی حق دار ہوں گے، جو دنیا میں اپنی خواہشوں کو رب ذوالجلال کے تابع کردیں گے، اور ہر زمانہ میں اللہ رب العزت کے ایسے خاص بندے رہتے ہیں جو باری تعالیٰ کی ان نعمتوں کے مستحق وحق دار بن ہی جاتے ہیں؛ کیوں کہ اُنھوں نے اپنی دنیا کی زندگی اس طرح گزاری ہوتی ہے کہ اللہ رب العالمین اُن کی طرف نظرِ عنایت فرما ہی دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی رحلت سے ایک ویرانگی چھا جاتی ہے، اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری علیہ الرحمہ ایسی ہی نابغہ روزگار شخصیت تھے، اللہ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۱۷ء)

مثالی اُستاذ اور باکمال اِنسان

(حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہ)

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہ ہمارے ان شفیق اساتذہ میں سے تھے، جن سے ملاقات بڑی حوصلہ بخش اور ہمت بندھانے والی ہوا کرتی تھی، اسی لئے آپ کی مجالس میں شرکت کا داعیہ برابر رہتا۔ دیوبند قیام کے دوران تو یہ سعادت بکثرت میسر آتی؛ لیکن تدریسی ذمہ داریوں کی وجہ سے جب دیوبند سے دور جانا پڑا تو جب بھی دیوبند آنا ہوتا، آپ کی خدمت میں نیازمندانہ حاضری کی کوشش کی جاتی۔

ہم کوئی بھی حرکت کرتے یا کسی نئے کام میں ہماری شمولیت ہوتی اور حضرت مولانا کو اس کا علم ہوتا تو آپ سے ملاقات کے وقت انتظار رہتا تھا کہ دیکھیں کیا تبصرہ سننے کو ملتا ہے، قابل اصلاح بات ہوتی تو بڑے لطیف پیرایہ میں اس طرح تنبیہ فرماتے کہ محفل بھی زعفران زار ہو جاتی اور مبتلا بہ کو اپنی غلطی کا احساس بھی ہو جاتا۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن بعد نماز عصر خدمت میں حاضری ہوئی، دیکھتے ہی اپنے مخصوص انداز میں فرمانے لگے: ''آؤ بھائی، آج تو خطبہ میں تم نے ہم لوگوں کو بہت ڈانٹ پلائی، تم نے بھی سوچا ہوگا کہ موقع اچھا ہے، کہہ لو جو کہنا ہے، سب کو خاموشی سے سننا ہی پڑے گا''۔ مجھے تو اندازہ تھا کہ حضرت ضرور کچھ فرمائیں گے، اس لئے یہ جملے تعجب خیز نہیں تھے؛ بل کہ توقع کے عین مطابق تھے؛ کیوں کہ حضرت کا کچھ نہ فرمانا خلافِ توقع تھا، بہرحال سن کر سر جھکا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ غلطی کہاں ہوئی؟ حضرت نے پھر

تعریفی کلمات بھی ارشاد فرمائے، بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور نصیحت فرمائی کہ بڑوں کی موجودگی میں اس طرح کے مواقع پر خطاب کی ضمیروں اور صیغوں کے بجائے جمع متکلم کے صیغے اور ضمائر کا استعمال مفید اور مؤثر ہوتا ہے۔

بڑائی اور خود پسندی کا بھوت نکالنا آپ بہت اچھی طرح جانتے تھے، ان برائیوں سے خود بھی پاک تھے اور اپنوں کو ان برائیوں میں ملوث بھی دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ مردم شناسی کا ملکہ قدرت نے خوب عطا کیا تھا، ایک نگاہ میں تاڑ لیا کرتے تھے کہ کون کس مقصد سے آیا ہے، کیا کہنا چاہتا ہے اور کس چیز کے لئے تمہید باندھ رہا ہے؟ جانتے سب کچھ تھے، لیکن اپنے آپ کو انجان باور کراتے تھے، زیرکی، عقل مندی، اور فطانت نگاہوں سے ٹپکتی تھی، خاموشی کے ساتھ چہرے پڑھ لیا کرتے تھے، مجلس مشورہ میں بہت کم گو تھے، سب کی سننے کے بعد اخیر میں جس رائے کا اظہار فرماتے وہ سب پر بھاری ہو جاتی اور حاضرین کے لئے اس کو نظر انداز کرنا ممکن نہ ہوتا۔

بڑے خوددار اور فکر و نظر کے پختہ واقع ہوئے تھے، دلائل و شواہد کی بناء پر خلوص نیت کے ساتھ جو نظریہ قائم فرماتے، اس پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہتے اور اپنے فیصلہ پر ایسا اعتماد ہوتا کہ پھر کوئی اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب نہ ہوتا، خودداری کا یہ عالم کہ ابتدائی زندگی بڑی عسرت اور تنگی میں گزری، کتابت کر کے اور چھوٹی موٹی ملازمت کے ذریعہ گزر بسر کرتے رہے، مگر مجال ہے کہ کسی کے سامنے حرف شکایت زبان پر لائے ہوں یا اپنے حالات کا اظہار کیا ہو، سخت سے سخت حالات کا ہنستے مسکراتے مقابلہ کیا اور اپنے وقار و متانت اور سنجیدگی پر آنچ نہ آنے دی۔

آپ بلند کردار کے مالک تھے، معاملہ کی صفائی آپ کا وطیرہ تھا، غصہ کو ضبط کرنا جانتے تھے، کبھی مغلوب الغضب نہیں دیکھا گیا، مخالف ماحول کے دباؤ میں نہیں آتے تھے، مشکل حالات سے نکلنے کی راہ جانتے تھے، ہر شخص کے لئے خیر کا جذبہ اپنے دل میں پنہاں رکھنے والے تھے، بیماروں کی مزاج پرسی اور مرحومین کے اہل خانہ سے تعزیت میں دوسروں پر سبقت لے جانے والے تھے، عشاء کے بعد جلدی سو جانا اور رات کے آخری پہر میں اٹھ کر بارگاہ الٰہی میں

راز و نیاز کرنا آپ کی عادات میں شامل تھا، ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود باجماعت نمازوں کی پابندی کا حد درجہ اہتمام فرماتے تھے۔

عملیات وظائف میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا محض خدمت اور رضاء الٰہی کے جذبہ کے ساتھ اس عمل کو انجام دیتے، آپ کی لکھی ہوئی حروف مقطعات والی چاندی کی انگوٹھی اور نومولود کے گلے میں ڈالی جانے والی چاندی کی تختی نے بڑی شہرت حاصل کی اور اس کے استعمال سے لوگ برابر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

خوش خطی میں بھی آپ طاق تھے، موٹے قلم کی کتابت ہو یا باریک، آپ کی تحریر کا توڑ نہیں تھا، عام طور پر باریک سے باریک نب والا قلم استعمال فرماتے اور بغیر لائن والے کاغذ پر بھی سیدھی لائن کے ساتھ اتنا نفیس لکھتے کہ جیسے موتی جڑ دیے گئے ہوں اور کمال یہ کہ بڑے زود نویس تھے، جو لکھتے وہ حرف آخر ہوتا، نظر ثانی میں کانٹ چھانٹ کی ضرورت بہت کم پڑتی تھی۔

باوزن شخصیت

آپ کی شخصیت علمی، ادبی اور سماجی حلقوں میں بڑی وزن دار اور لائق اعتبار تھی، تواضع اور سادگی کا گرچہ آپ پیکر مجسم تھے، لیکن بزرگوں کے فیض صحبت اور علمی و عملی کمال کے نتیجہ میں سامنے والے پر آپ کا ایسا رعب پڑتا کہ وہ بچھتا چلا جاتا، کسی بڑے سے بڑے ماہر فن یا اپنے میدان کے مہارتی سے مرعوب و متأثر نہ ہوتے اور نہ ہی کسی پر اپنا رعب جمانے کی کوشش کرتے۔

ہم جب شعبہ افتاء میں زیر تعلیم تھے تو شام کے ایک نوجوان عالم دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور طلبہ میں ان کا بیان بھی ہوا، بہت عالمانہ اور محققانہ گفتگو انھوں نے کی، اہل علم متأثر ہوئے اور معلوم ہوا کہ کئی ہزار احادیث سند و متن کے ساتھ موصوف کو یاد ہیں، جس سے ان کے غیر معمولی قوت حافظہ کا بھی پتہ چلا، شام کو حضرت مولانا کی مجلس میں بھی ان کا تذکرہ رہا، حضرات اساتذہ نے ان کی علمی لیاقت اور خاص طور پر یادداشت کے مثالی ہونے کو بڑا سراہا،

حضرت الاستاذ نے بھی ان کی قابلیت کا اعتراف کیا؛ لیکن جو حضرات محض ان کے قوت حفظ سے ضرورت سے زیادہ متأثر تھے، ان سے فرمایا: ''یہ ان کے ذوق کا کمال اور نتیجہ ہے، جس کا جو ذوق ہوتا ہے، وہ اس میدان میں محنت کر کے دوسروں پر فائق ہو جاتا ہے، غالبًا ان کے علاقہ میں متن احادیث کو سند کے ساتھ یاد کرانے کا رواج ہوگا ـــــ اور حقیقت بھی یہی تھی، اس زمانہ میں شام میں مرد تو مرد عورتوں میں بھی حفظ احادیث کے باقاعدہ حلقے قائم تھے ـــــ اسی کے مطابق انھوں نے بھی یاد کر لیا، ہمارے یہاں بھی جن علماء کا جو ذوق اور فن ہے وہ اس میں اپنی مثال آپ ہیں''۔

یہ تھا حضرت کا مزاج، بہت جلدی آپ گہرائی تک پہنچ جاتے تھے، ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ کر اس کی قیمت کا تعین نہیں فرماتے تھے، بڑی سوجھ بوجھ، میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ کسی کے بارے میں رائے قائم فرماتے، اس لئے کہ وہ ان اکابر اور جبال علم کی تربیت میں رہ چکے تھے جن کے فضل وکمال، علم وعمل، صلاح وتقوی اور پارسائی وپرہیزگاری کے مقابلہ میں بعد والے تمام تر ممکنہ کمالات کے حامل ہونے کے باوجود کوتاہ قد دکھائی دیتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر سے اسی والہانہ اور پرخلوص عقیدت کی وجہ سے کوئی اور ان کی نگاہ میں جچتا نہیں تھا۔

تکلف سے احتراز

تکلف، تصنع اور بناوٹ سے کوسوں دور تھے، جو بات معلوم نہ ہوتی، اس کا اقرار بہت جلد نہایت واضح الفاظ میں کرتے اور وعدہ کرتے کہ تحقیق کے بعد بتائیں گے، جب بات منقح ہو جاتی تو بڑی وضاحت وبشاشت سے اپنی تحقیقات کے نتائج بتاتے، ضرورت ہوتی تو دوسروں سے پوچھ لینے میں خواہ وہ ان سے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، مطلق تأمل نہ فرماتے۔

ایک مرتبہ احقر نے تصوف کی بعض اصطلاحات کے سلسلے میں حضرت الاستاذ سے استفسار کیا، اولاً لاعلمی کا اظہار کیا، پھر غور کرنے کے بعد کچھ سرسری مفہوم بتایا، اس کے بعد دارالعلوم کے کتب خانہ میں موجود ایک فارسی کتاب کی رہ نمائی کی کہ اس میں تفصیل مل جائے

گی؛ لیکن وہ کتاب بھی دستیاب نہ ہوسکی، درمیان میں معلوم فرماتے رہے کہ مسئلہ حل ہوا یا نہیں، ہفتہ عشرہ کے بعد ایک دن حاضر خدمت ہوا، تو ڈیکس پر رکھی ہوئی ایک پرانی سی کتاب کھولی اور فرمانے لگے کہ اسی دن سے میں جستجو میں تھا، میرے ہی پاس یہ کتاب مل گئی، اس میں تفصیل موجود ہے، پھر ایک ایک اصطلاح کو واضح فرمایا۔ اللہ اکبر

ہجوم کار کے باوجود ایک ادنیٰ سے طالب علم کے معمولی سے سوال کے جواب پر اتنی توجہ کہ کئی روز گزرنے کے بعد بھی جب تک ڈھونڈھ نہ نکالا، مطمئن نہ ہوئے، اللہ حضرت کی قبر کو منور فرمائے۔ فخر ہے ہمیں حضرت الاستاذؒ کی ان شفقتوں اور عنایتوں پر۔

کسی مقام پر آپ اپنے لئے کوئی امتیاز نہیں چاہتے تھے، لباس، پوشاک، عادات و اطوار، رفتار و گفتار سب سے سادگی جھلکتی تھی، کسی موقع پر چاہنے والے اگر آپ کے اعزاز میں کچھ اہتمام کرتے تو اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں ایک پروگرام میں ہم لوگوں نے آپ کو مدعو کیا، آپ کی آمد پر اہل مدرسہ بہت شاداں اور فرحاں تھے، عربی درجات کے تقریباً تمام ہی اساتذہ آپ کے شاگردوں میں سے تھے، اور اسی رشتہ کی بناء پر طبیعت کی ناسازگی کے باوجود آپ نے دعوت قبول فرمالی تھی، جب کہ عام طور پر جلسوں میں شرکت سے آپ دور رہا کرتے تھے اور غالباً یہی آپ کا امروہہ کا پہلا اور آخری سفر بھی تھا۔ بہر حال آپ کے اعزاز میں کچھ دور تک سڑک کے دونوں جانب طلبہ کو کھڑا کردیا اور مزاج کو دیکھتے ہوئے یہ تاکید کردی گئی کہ کسی طرح کا کوئی نعرہ نہ لگایا جائے، لیکن جب حضرت گاڑی سے اترے تو چہرے سے انقباض کے آثار ظاہر تھے، اس وقت تو ضبط کیا، کچھ نہیں فرمایا، مہمان خانہ تشریف لے گئے، پھر سمجھایا کہ مجھے معلوم ہے تم لوگوں نے میری محبت اور تعلق میں بچوں کو میرے اعزاز میں کھڑا کردیا، میں اس تعلق کی قدر کرتا ہوں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجھے یہ چیزیں بالکل پسند نہیں، تم یہ سمجھ رہے ہوگے کہ لمبا چوڑا استقبال کریں گے تو ''ریاست'' خوش ہوجائے گا، حالاں کہ ان چیزوں سے میری طبیعت بہت متأثر ہوتی ہے اور دل پر بوجھ ہوجاتا ہے، چلو خیر اب آئندہ اس کا خیال رکھنا۔

اسی طرح کہیں ناظم جلسہ نے اگر آپ کو بلانے میں کچھ مبالغہ سے کام لیا تو اس کی اچھی کلاس لیتے تھے، مزاج میں تعلّی وتفوق نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور نہ دوسروں میں اس کو پسند فرماتے تھے، چھوٹوں میں سے کسی کے انداز سے اگر تعلّی کی بو محسوس کرتے تو بہت اچھے طریقے سے اس کو سمجھاتے، اصلاح فرماتے، کسی کی گفتگو اور طرز وانداز سے تفوق مزاجی جھلکتی تو بڑے دلچسپ انداز میں تبصرہ کرنے سے بھی دریغ نہ فرماتے۔

باکمال اِنسان

استاذ محترم کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ بہت اچھے انسان تھے، ہر طرح کے لوگوں سے ان کے خوشگوار روابط تھے اور سب کا دل رکھا کرتے تھے، خاموشی کے ساتھ کتنی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا وہ ماہانہ تعاون کیا کرتے تھے، اللہ جانتا ہے، صاحبزادگان بتاتے ہیں کہ ایسا بھی ہوا کہ عید کے موقع پر قلت سرمایہ کی وجہ سے اہل خانہ کے لئے کپڑے نہ بن سکے، لیکن جن پریشان حال لوگوں کا تعاون فرماتے تھے، قرض لے کر ان کی ضرورتوں کو پورا کیا اور کسی پر اس کو ظاہر بھی نہ ہونے دیا۔

مولانا محمد یوسف خاں صاحب (ناظم دفتر جمعیۃ علماء ہند) نے تو حضرت مولانا کے حوالے سے عجیب بات ذکر فرمائی جس کو سن کر اندازہ ہوتا ہے کہ خیر خواہی، ہمدردی اور سخاوت کا کیسا عظیم جذبہ تھا جو اللہ نے آپ کو ودیعت فرمایا تھا۔ معاشی اعتبار سے کمزور بعض طلبہ کی آپ کفالت فرمایا کرتے تھے، حالاں کہ ابتداء میں آپ کی زندگی بھی بڑی عسرت میں گزر رہی تھی، طلبہ کے تعاون کا طریقہ کار یہ تھا کہ اگر کوئی شخص تعویذ کے لئے آپ کے پاس آتا تو اس سے فرماتے کہ اس پتے پر اتنے روپے منی آرڈر کر دو اور اپنی ضرورت لکھ دو، عمل بتا دیا جائے گا، پھر اس طالب علم کو اس عمل سے باخبر کر دیتے، وہ پیسے وصول کرتا اور جواباً عمل ارسال کر دیا کرتا تھا۔

وضع داری اور رواداری تو مانو آپ کی گھٹی میں پڑی تھی، جس سے ایک مرتبہ خلوص کے مراسم ہو گئے تمام عمر کے لئے اس پر مہر لگ گئی، رشتے ناطوں کا پاس ولحاظ اور اہل تعلق سے برابر

رابطہ میں رہنا، ان کے دکھ درد میں شریک ہونا، ان کی فرمائشوں کو حتی الامکان قبول کرنا اور ان کی سفارشات پر توجہ دینا اخیر عمر تک آپ کے مشاغل کا حصہ رہا۔ ان چیزوں کا خیال رکھنا بڑی اہم چیز ہے، ورنہ عام طور پر آدمی جب بلندیوں کو چھوتا ہے تو پھر اسے پرانے تعلق دار کہاں یاد رہ جاتے ہیں، وہ تو اپنے معیار کے لئے نئے دوست تلاش کر لیتا ہے؛ لیکن حضرت مولانا کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے پرانے رابطوں کو پرانا نہ ہونے دیا؛ بل کہ اخیر اخیر وقت تک ان کو زندہ رکھا۔

ہمارے گھرانے سے بھی حضرت مولانا کے قدیم مراسم تھے، ہمارے تایا جان حافظ محمد موسیٰ صاحب مرحوم آپ کے ہم مجلس لوگوں میں سے تھے، ان کے سسر جناب عرفان صاحب مرحوم بھی محلّہ لال مسجد دیوبند میں آپ کے پڑوس میں رہا کرتے تھے، قریب کے سالوں میں گرچہ ملاقات کا اتفاق کم ہوتا تھا؛ لیکن برابر حال چال دریافت فرماتے تھے، وہ پچھلے کئی سالوں سے بیمار رہے تو مزاج پرسی کے لئے بھی گئے، تقریباً سات مہینے پہلے انتقال کی خبر ملی تو بیماری اور کمزوری کے باوجود جنازہ میں شرکت کے لئے مظفر نگر تشریف لے گئے۔

حضرت اقدس والد صاحب مدظلہ العالی کی اصول پسندی اور زمانۂ طالب علمی سے محسوس کی جانے والی شرافت اور یکسو ہو کر اپنے کام میں اشتغال کا موقع بہ موقع ذکر فرماتے، جس سے آپ کے قلبی لگاؤ اور دلی رجحان کا اندازہ ہوتا تھا۔

ہمیں بھی باضابطہ آپ کی شاگردی اختیار کرنے کا موقع گرچہ اس وقت ملا جب ہم سال ہفتم میں پہنچے اور مشکوٰۃ شریف اول، نخبۃ الفکر اور مقدمہ شیخ عبدالحق نامی کتابیں آپ کے متعلق درس ہوئیں؛ لیکن آپ کے گھر آنا جانا اور شفقتوں سے لطف اندوز ہونے کا سلسلہ بہت پرانا ہے، جب کہ آپ محلّہ لال مسجد دیوبند میں ایک کرائے کے مکان کے بالائی حصہ میں سکونت پذیر تھے اور نیچے ایک کمرہ میں آپ کی نشست گاہ تھی، جس پر ''کاشانۂ رحمتؒ'' کا بورڈ لگا ہوا تھا، پھر آپ کا قیام چھتہ مسجد کے قریب واقع دارالعلوم کی عمارت افریقی منزل قدیم میں ہو گیا، یہاں آ کر ایک گونہ پڑوس بھی آپ کا حاصل ہوا؛ کیوں کہ ہم لوگ بھی چھتہ مسجد سے متصل بالائی

حصہ میں رہتے تھے۔ آپ کے چھوٹے صاحبزادہ محترم مولانا سعدان جامی صاحب حفظ کے زمانہ سے ہی ہم درس تھے، اور مجھے یاد ہے کہ تکمیل حفظ کے موقع پر ایک تہنیتی نظم بھی حضرت الاستاذ نے تحریر فرمائی تھی جس کو گھر کی ایک مجلس میں مولانا سعدان صاحب نے پڑھا بھی تھا، افسوس کہ اسے مکمل طور پر محفوظ نہ رکھا جا سکا، چند اشعار درج ذیل ہیں:

زمانہ آفریں کہتا ہے عفاں تیری ہمت کو ❖ نہ کیوں ہم داد دیں آخر تری عمدہ ذہانت کو

فلک بھی جھوم جاتا ہے، ملک بھی رقص کرتے ہیں ❖ فرشتے سنتے آتے ہیں تری پیاری تلاوت کو

بے مثال استاذ

مقدمہ شیخ عبدالحق کی دل نشیں تشریح، نخبۃ الفکر کی پھیلی ہوئی بحثوں کا جامع خلاصہ اور نچوڑ، مشکوۃ شریف، سنن ابن ماجہ اور سنن ترمذی کی روایات پر پورے گھنٹے بے تکان، مسلسل اور جاندار گفتگو اور پھر تکمیل ادب میں البلاغۃ الواضحہ پڑھانے کا نرالا اور دل چسپ انداز میرے استاذ محترم کا ایسا تھا کہ بھلائے نہیں بھلایا جا سکتا۔

درس گاہ میں پورے سال بلا ناغہ اور بر وقت حاضری آپ کی مثالی تھی، گھنٹہ بجتے ہی مشکوٰۃ شریف کی درس گاہ میں تشریف لاتے اور روزانہ حاضری لیتے، نام گزرنے کے بعد اگر کوئی طالب عالم آتا تو اس کی حاضری شمار نہ کی جاتی جس کی غیر حاضری لگ گئی، لگ گئی، اب اس پر قلم نہیں چلے گا۔ ایک بار کسی طالب علم نے رجسٹر میں درج اپنی غیر حاضری کو حاضری بنانے کی کوشش کی، اگلے دن جب حضرت کی نظر اس پر پڑی تو جلال میں آ گئے اور ایسے غضبناک ہوئے کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی آپ کو اتنے غصہ میں نہیں دیکھا۔ فرمایا: ''تمہاری ہمت کیسے ہوئی رجسٹر چھونے کی؟ آج تم غیر حاضری کو حاضری بنا رہے ہو، کل کسی کے دستخط کی نقل اُتارو گے، اپنی خامیوں کو چھپانے کے لئے ناجائز طریقوں کو اختیار کرو گے، خبردار! اگر آئندہ سے کسی نے رجسٹر کو ہاتھ لگایا تو خیر نہیں ہوگی''۔ خلاف معمول حضرت کی یہ کیفیت دیکھ کر طلبہ تو سہم گئے اور پورے گھنٹہ خاموشی چھائی رہی، درس کے اختتام پر حضرت نے پھر سمجھایا کہ

اب قُویٰ پہلے جیسے نہیں رہے، سرد وگرم کو برداشت کرنے کی عادت ختم ہوگئی، شوگر کے مرض کی وجہ سے ناگوار امور کو دیکھ کر غصہ بھی بہت آنے لگا، تم لوگ کیوں ایسی حرکت کرتے ہو، جس سے میری طبیعت متأثر ہو، پھر اس طالب علم کو معاف کیا اور تشریف لے گئے، شروع سال ہی میں غیر حاضری پر آپ کے اس نوٹس کا اثر یہ ہوا کہ پورے سال وقت سے پہلے طلبہ کی حاضری یقینی ہونے لگی اور کسی نے سال بھر رجسٹر پر قلم چلانے کی ہمت نہ کی۔

بہترین مشیر

معاملہ فہمی اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کے حل میں آپ طاق تھے، آپ کے مشورے بھی بہت موزوں ہوا کرتے تھے، کتنے لوگ ایسے تھے، جو اپنے خانگی، کاروباری اور دیگر مسائل میں بھی حضرت والا کے مشورے پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ ایک صاحب کسی علاقہ میں امام اور مدرسہ میں مدرس تھے، لیکن اس علاقے کے لوگ مولانا صاحب سے مطمئن نہیں تھے اور ان کو برطرف کرنا چاہتے تھے، مگر دشواری یہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند کے مؤقر اساتذہ کے توسط سے موصوف وہاں آئے تھے جس کی وجہ سے کوششیں بارآور نہیں ہو پارہی تھیں، ذمہ داران حضرت مولانا ریاست علی صاحب مرحوم سے ملے، حالات بتائے، لوگوں کے رجحانات کا ذکر کیا اور پھر اپنی بےبسی بھی بتائی کہ ہم کوششوں کے باوجود ان کو علیحدہ نہیں کر پارہے ہیں، آپ مسئلہ کا حل بتائیے حضرت نے فرمایا: یہ کون سا مشکل کام ہے، تمھیں ان سے یا ان کے اساتذہ سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں، مدرسہ میں ان سے زیادہ قابل کسی آدمی کا تقرر کرلو، سارے مسائل حل ہو جائیں گے، چنانچہ یہی ہوا، ایک دوسرے صاحب کا تقرر کیا گیا، انھوں نے محنت سے کام کیا، نتیجتاً سابقہ مولانا صاحب ازخود وہاں سے تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں ایک طالب عالم کا پاسپورٹ چوری ہوگیا، اسے اپنے ساتھی پر شک ہوا اور اس نے پاسپورٹ کی تلاشی میں اس کی الماری کا تالا توڑ دیا، ساتھی نے دارالاقامہ میں شکایت کی اور تالا توڑنے والے پر چوری کا کیس درج ہوگیا، فریقین کے بیانات

لے لئے گئے، فائل تیار ہوگئی اور فریق اول کا اخراج تقریباً طے ہوگیا، اس کے والد صاحب نے حضرت مولانا کے سامنے سارے حالات رکھ کر مشورہ طلب کیا، اب کیا کرنا چاہیے، کون سی ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے اخراج سے بچا جاسکے۔ حضرت مولانا نے باہم تنازع کرنے والے دونوں طالب علموں کو بلایا اور آپس میں صلح کرادی، پھر اس طالب علم سے ایک استفتاء لکھوایا، جس میں یہ پوچھا گیا تھا کہ جب فریقین باہم صلح صفائی کرلیں تو کوئی شرعاً سزا کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ دارالافتاء دارالعلوم کی طرف سے جواب آیا کہ ایسی شکل میں کسی کو سزا دینے کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ پھر اس فتویٰ کی بنیاد پر حضرت مولانا نے ذمہ داران دارالاقامہ سے سفارش فرمائی کہ مذکورہ طالب علم کے اخراج کا فیصلہ واپس لے لیا جائے؛ کیوں کہ دونوں معاملہ رفع دفع کرچکے ہیں اور دارالعلوم کا فتویٰ بھی آچکا ہے، اور فتویٰ پر اگر ارباب دارالعلوم ہی عمل نہ کریں گے تو کون کرے گا۔ بہرحال ذمہ داران نے آپ کی سفارش قبول فرمائی اور داخلہ بحال ہوگیا، کوئی قانون شکنی بھی نہ ہوئی اور بحسن وخوبی معاملہ سلجھ گیا۔

ادبی مقام

شعروسخن کے باب میں بھی حضرت مولانا کا مقام بہت بلند تھا، ظفر تخلص رکھتے تھے، قدیم اساتذہ کی سوچ وفکر کے حامل تھے، تمام اصناف سخن پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ تغزل اور نعت گوئی میں خاص قدرت رکھتے تھے۔ آپ کا مجموعہ کلام ''نغمہ سحر'' تو محض ایک جھلک ہے، ورنہ فی البدیہہ مختلف مواقع کی مناسبت سے آپ نے جو اشعار کہے ہیں، ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔'' ترانہ دارالعلوم دیوبند'' اور ''ترانہ جمعیۃ علماء ہند'' اس میدان میں آپ کے عظیم شاہ کار ہیں

مولانا محمد یوسف خاں صاحب فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ دیوبند میں مولانا محمد عثمان صاحب سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند وچیئر مین نگر پالیکا دیوبند کے مکان میں ایک شعری نشست ہوئی جس میں جگر مرادآبادی بھی تشریف لائے، حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے بھی حضرت مولانا عثمان صاحب کاشف الہاشمیؒ کے ساتھ اس پروگرام میں شرکت کی، جگر

صاحب نے ایک شعر پڑھا:

تم بھی نہ سن سکو گے صدائے شکست دل
جب خامشی ہی شرط محبت ٹھہرگئی

مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی صاحب نے فرمایا، اس میں مبالغہ کم ہوا ہے، پہلا مصرعہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ:

ہم بھی نہ سن سکیں گے صدائے شکست دل
جب خامشی ہی شرط محبت ٹھہر گئی

حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے لقمہ دیتے ہوئے فرمایا، اب بھی مبالغہ پورا نہیں ہوا، پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہئے:

دل بھی نہ سن سکے گا صدائے شکست دل
جب خامشی ہی شرط محبت ٹھہر گئی

ادب نوازوں کا مجمع حضرت مولانا کے ذہن کی اس رسائی پر سر دھنتا رہا اور حضرت جگر کو بھی آپ کی صلاحتیوں کا اعتراف کرتے ہوئے داد دینے پر مجبور ہونا پڑا۔

اردو کی طرح فارسی زبان میں بھی اشعار کہنا آپ کے لئے مشکل نہ تھا حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ سابق صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند کے سفر حج سے واپسی کے موقع پر آپ نے بزبان فارسی ایک منظوم کلام تحریر فرمایا تھا، جس کا آخری شعر یہ تھا:

شوق خواہد کہ دو چشمان ترا بوسہ دہد
اے کہ در دیدہ تر گنبد خضراء داری

شاعرانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ آپ کا نثر بھی بڑا سلیس اور شیریں تھا، خوبصورت ادبی تعبیرات سے مزین جملے آپ کا رواں قلم لکھتا چلا جاتا تھا، علمی موضوعات پر لکھتے تو انداز تحقیقی اور استدلالی ہوتا۔ ''شوریٰ کی شرعی حیثیت'' نامی کتاب میں اس کا بخوبی اندازہ لگایا

جا سکتا ہے، کسی کا سوانحی خاکہ یا حالات حاضرہ پر تبصرہ مقصود ہوتا تو پھر نثر کا رنگ کچھ اور ہی ہوتا۔ ماہنامہ دارالعلوم کی ادارت کے زمانہ میں آپ کے گہربار قلم سے نکلنے والے اداریے اس کے شاہد ہیں۔

علمی سرمایہ

حضرت الاستاذ نوراللہ مرقدہ کا تذکرہ ایضاح البخاری کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوگا یہ آپ کی سالہا سال کی محنتوں کا خلاصہ اور نچوڑ اور اپنے استاذ محترم کو بہترین خراج عقیدت ہے۔ بخاری شریف کی یوں تو متعدد اردو شروحات (ناقص و مکمل) بازار میں دستیاب ہیں؛ لیکن موضوع کی جامعیت، تراجم ابواب پر محققانہ کلام، امام بخاریؒ کے رجحان کی وضاحت، کتاب کے کامیاب حل اور مسلک حنفیہ کی تشریح و ترجمانی کی حیثیت سے ''ایضاح البخاری'' کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ کتاب کے باوزن اور معتبر ہونے کے لئے صاحب افادات حضرت شیخ فخر الدینؒ سے انتساب ہی کافی ہے۔ پھر سونے پر سہاگے کا کام حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا، آپ ایک کہنہ مشق استاذ فن اور ماہر حدیث، پختہ قلم کار اور باذوق انشاء پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقتاً صاحب افادات کے مزاج شناس، ذوق علمی کے امین و سچے وارث اور ان کے علوم و معارف کے شارح اور ترجمان ہیں۔ آپ نے دو سال (۱۳۷۷ھ و ۱۳۷۸ھ) حضرت شیخ کے درس بخاری میں شرکت فرما کر افادات کو قلم بند کرنے کا اہتمام فرمایا اور ہزاروں صفحات پر مشتمل گنجینۂ علم سپرد قرطاس کر کے محفوظ کر دیا اور طالبان علوم نبوت کو حضرت شیخ کے علوم سے کسب فیض کا موقع فراہم کیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ نے دونوں سالوں کی تقاریر سامنے رکھ کر حضرت شیخ کے زمانے ہی میں ترتیب کا کام شروع کر دیا تھا۔ حضرت نے حرفاً حرفاً اصلاح بھی فرمائی، ترتیب و نہج پر خوشی و مسرت کا اظہار بھی کیا اور دعائیں بھی دیں۔ حضرت شیخ کی زندگی میں ۱۳۰۰ (تیرہ سو) صفحات مرتب ہو کر طبع ہو چکے تھے۔

صاحب افادات کی علمی جلالت شان تو اپنی جگہ مسلم ہے ہی لیکن استاذ مرحوم کے حسن

سلیقہ، انداز تفہیم اور باب سے متعلق مستند کتابوں سے مواد کی فراہمی نے شروح بخاری کا ایسا نچوڑ پیش کر دیا ہے کہ اب ایضاح البخاری کی حیثیت محض درسی افادات کی نہیں بلکہ ایک مکمل اور جامع شرح کی ہوگئی ہے۔

اب تک بفضلہٖ تعالی ایضاح البخاری کی دس جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں، جلد ششم کی ترتیب سے حضرت مولانا محمد فہیم الدین صاحب بجنوری زید علمہ استاذ دارالعلوم دیوبند کی شکل میں آپ کو ایک ایسے جواں سال، ذی علم، باصلاحیت اور قابل قدر رفیق کار مل گئے تھے جنھو ں نے نہ صرف حضرت الاستاذ کے متعین کردہ طرز ترتیب و تالیف کو ملحوظ رکھا ہے بلکہ خوب سے خوب تر بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ باری تعالی کی ذات سے امید قوی ہے کہ یہ علمی سلسلہ جاری رہے گا اور جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے گا (ان شاء اللہ)

جمعیۃ علماء ہند سے ربط

حضرت مولانا ریاست علی صاحب کو جمعیۃ علماء ہند سے فکری وابستگی شروع ہی سے رہی، حضرت مولانا سلطان الحق صاحب فاروقیؒ جو آپ کے پھوپھا تھے، پھر خسر بھی بنے اور جن کی سرپرستی میں آپ نے از اول تا آخر نہایت کامیابی کے ساتھ تعلیمی مراحل اور ترقی کے منازل طے کئے۔ وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے خاص مسترشد اور ان سے گہرا تعلق رکھنے والے تھے اور اس کا اثر پورے گھرانے پر تھا۔ پھر حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند جن سے خصوصی تلمذ کا شرف حضرت الاستاذ کو حاصل رہا، وہ بھی جمعیۃ علماء ہند کے صدر باوقار تھے، اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی تحریکات اور سرگرمیوں سے دلچسپی آپ کو برابر رہی اور حسب موقع پروگراموں میں شرکت بھی ہوتی رہی اور اسی تعلق کے نتیجہ میں آپ نے جمعیۃ علماء ہند کا ترانہ بھی تخلیق فرمایا۔

۱۰ / مئی ۲۰۰۸ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا مؤقر رکن آپ کو نامزد کیا گیا، پھر اہتمام کے ساتھ آپ مجالس عاملہ میں شرکت بھی فرماتے رہے۔ ۶-۷ / مارچ ۲۰۱۱ء مسجد عبد النبی میں منعقد

ہونے والی مرکزی مجلس منتظمہ میں نیابت صدارت کے لئے آپ کا نام نامی پیش کیا گیا جس کو بالاتفاق منظور کرلیا گیا اور تا حیات جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر کے منصب پر آپ فائز رہے۔

حادثہ فاجعہ

۱۴۳۸ھ ماہِ شعبان کی ۲۳ تاریخ فجر کی نماز سے قبل حضرت الاستاذ کے اچانک سانحہ ارتحال کی خبر سن کر طبیعت پر بڑا اثر ہوا، آپ کا سراپا، خوش اخلاقی، خوردنوازی، ظرافت، کسرِ نفسی اور محبت بھرا انداز نظروں میں گھوم گیا، وہ بیٹا عفان، بیٹا عفان کہہ کر مخاطب کرنا معمولی معمولی باتوں پر حوصلہ افزائی کے وقیع کلمات ارشاد فرما کر ہم جیسے نا کاروں کی ہمت بندھانا اور ساتھ ہی قابلِ اصلاح چیزوں پر شفقت بھری تنبیہ کی ایسی یادیں ستانے لگیں کہ دل بے قابو ہوگیا، ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہہ پڑے۔

یہ تصور بے چین کئے دے رہا تھا کہ سفر میں ہونے کے باعث اپنے استاذ محترم کے آخری دیدار سے بھی محرومی رہے گی، رفیق محترم مولانا سعدان جامی صاحب سے ٹیلیفون پر رابطہ ہوا، تعزیت مسنونہ پیش کی، کچھ ڈھارس بندھی اور پھر مسجد نبوی میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک پر اپنے شفیق ومہربان اُستاذ گرامی کے لئے دعائے مغفرت کی، اللہ پاک کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں اور آپ کی زریں خدمات کا اپنے شایان شان بدلہ مرحمت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۷ء)

حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب ظفرؔ بجنوریؒ

بے مثال اُستاذ اور باکمال مربی

مولانا محمد شاہد اختر کھرساوی (جھارکھنڈ) فاضل دارالعلوم دیوبند

راقم الحروف سال ہفتم عربی میں دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم تھا کہ اس سال دارالعلوم دیوبند کے دو بزرگ مایہ ناز شخصیت اور استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ریاست علی صاحب ظفر بجنوری رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ششماہی امتحان کے بعد شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمیؒ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور سالانہ امتحان کے بعد بعض طلبہ اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے، ۲۰؍شعبان کے بعد حضرت مولانا ریاست علی صاحب ظفر بجنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی چل بسے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان دونوں حضرات کی جدائی سے طبقہ علماء میں رنج وغم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور یہ میری بدقسمتی ہے کہ ان دونوں حضرات سے تلمذ کا شرف حاصل تو نہیں ہوا؛ لیکن بہت قریب سے دیکھا اور ان کی شخصیت کے بارے میں بہت کچھ اساتذہ سے سنا۔ ایک غم کا دور ابھی مندمل ہی نہیں ہوا تھا کہ دوسری شخصیت کی محرومی سے ہم سب کو دوچار ہونا پڑا۔ آئندہ سال ان دونوں حضرات سے حدیث شریف پڑھنے کی خواہش تھی کہ وقت سے پہلے ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔

حضرت مولانا ریاست علی صاحب ظفر بجنوری نور اللہ مرقدہٗ کی علمی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلمیذ رشید تھے۔ ایک زمانہ سے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی وحدیثی خدمات انجام دے رہے تھے،

طبقہ علماء میں آپ کا ایک امتیازی مقام تھا۔ حضرت مولانا انتہائی ذہین وفطین عالم دین تھے۔ آپ کی ذہانت مشہور تھی، دارالعلوم دیوبند کے تئیں آپ مخلص تھے، رسالہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر رہے، اس کی مجلس ادارت میں بھی آپ کا نام شامل تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' بھی آپ کے زیر درس رہی۔

اندازِ درس

حضرت مولانا کا درس بے انتہاء مقبول تھا، طلبہ شوق سے آپ کے درس میں بیٹھتے تھے، انداز درس بھی نرالا تھا۔ مسند پر تشریف فرما ہتے تو محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ حدیث میں اتنی گہری نظر ہے؛ لیکن جب کلام کرتے تو جامع و مانع مختصر اور مدلل کرتے، مسلک حنفیہ کو ترجیح دینے کے وقت اپنے مخصوص لب و لہجہ اور انداز میں فرماتے تھے کہ بتایئے امام ترمذی صاحب اتنے بڑے آدمی یہ فرمارہے ہیں یقین نہیں آرہا ہے پھر کلام کو مدلل کرنے کے بعد حضرت آگے بڑھ جاتے۔

بے مثال مشیر

اللہ نے آپ کو بے پناہ خصوصیات سے نوازا تھا، بہترین مشیر تھے، اس معاملہ میں آپ کی مثال دی جاتی تھی، دارالعلوم دیوبند میں انتظامیہ کی تبدیلی کے بعد حضرت والا اولاً نائب ناظم تعلیمات اور پھر ناظم تعلیمات بنائے گئے۔ آپ کا دور نظامت تاریخ دارالعلوم دیوبند میں انتہائی ممتاز اور شاہکار رہا ہے، مجلس تعلیمی میں آپ کی رائے انتہائی وقیع اور وزنی ہوتی تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس تعلیمی میں آپ کی رائے کی قدر تھی، مجلس میں سب سے اخر میں اراکین کی رائے کے بعد مشورہ دیتے تو وہ حتمی فیصلہ ہوتا تھا اور حضرات اراکین حضرت کی رائے پر اتفاق کرلیتے اور ویسے بھی کسی معاملہ میں کبار اساتذہ آپ کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہٗ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اہم امور میں آپ سے مشورہ کرتے تھے۔

علمی مجلسیں

آپ کی مجلس دارالعلوم کے اس وقت کے اساتذہ میں سے مقبول ترین مجلس سمجھی جاتی

تھی، ہر ایک فرد مجلس میں شریک ہوتا اور ہر ایک کو اپنی بات رکھنے کی مکمل اجازت تھی، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی، حضرت الاستاذ مولانا محمد جمال صاحب بلند شہری رحمہما اللہ کے علاوہ بحرالعلوم استاذ گرامی قدر حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ العالی حضرت مفتی محمد راشد صاحب اعظمی مدظلہ العالی، پیر طریقت میرے مشفق استاذ مکرم حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر تمام اساتذہ آپ کی مجلس کے حاضر باش لوگوں میں سے تھے اور ہر ایک اپنی بات حضرت کے سامنے رکھتے اور حضرت مولانا ہر ایک کا جواب خندہ پیشانی سے دیتے۔ روحانی مجلس تھی، بڑے بڑے عالمی مسائل آپ کی مجلس میں حل ہوا کرتے تھے۔ مختلف امور پر لوگ گفتگو کرتے آپ بغور سماعت کے بعد حل بیان فرماتے۔ آپ کی مجلس میں روزانہ حضرات علماء کرام کا ہجوم رہتا تھا اور ہر کوئی اپنے اپنے مسائل لے کر حاضر خدمت ہوتا۔

تصنیف وتالیف

بیماری جیسے اعذار وعوارض، تلامذہ کی تربیت اور دیگر کاموں کی وجہ سے تصنیف وتالیف کا موقع تو زیادہ نہیں ملا؛ لیکن آپ نے حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادیؒ کی بخاری شریف کی درسی تقریر کو اپنی نگرانی میں شائع فرمایا ہے جو صرف حضرت مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے درسی تقاریر ہی نہیں تھی بلکہ وہ ایک مکمل شرح کی حیثیت ہے، کیونکہ آپ نے ایک سال درسی تقریر کو ضبط فرمایا اور دوسرے سال مکمل تقریر کو حرف بہ حرف کاپی سے ملایا۔ بعد کے مراحل میں حضرتؒ نے مسائل کو مدلل کیا۔ حوالہ جات اور مآخذ اور مراجع کا التزام فرمایا۔ مسائل کے ربط میں خاص توجہ فرمائی۔ اسی طرح مسلک حنفیہ کی توضیحات وترجمانی عمدہ اسلوب کے ساتھ کی۔ دارالعلوم کے قضیہ کے بعد آپ دو سال تک رسالہ دارالعلوم کے مدیر رہے اور شیخ الہند اکیڈمی کی نگرانی بھی فرمائی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے شوریٰ کی ''شرعی حیثیت'' کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی جو بہت مقبول ہوئی۔ اس وقت درس نظامی کی معروف کتاب تسہیل الاصول

جو عامۃً مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اس کی ترتیب میں حضرت الاستاذ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ العالی کے ساتھ آپ کا بھی حصہ ہے۔

حضرت مولاناؒ کو شعر وشاعری سے بھی کافی دلچسپی تھی، بلکہ اس فن میں بھی آپ کو مکمل عبور تھا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل ترانۂ دارالعلوم ہے، اس سے آپ کی شعری وادبی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

اور اس سلسلہ میں استاذ الشعراء حضرت مولانا محمد عثمان صاحب کاشف الہاشمی کی معیت نے سونے پر سہاگا کا کام کیا۔ آپ کی نعتیں اور غزلیں جو آپ کے گوہر بار سے وجود میں آئیں ''نغمۂ سحر'' کے نام سے مرتب ہو کر شائع ہوئی۔

ترانۂ دارالعلوم دیوبند نگاہوں کے سامنے موجود ہو تو بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور کیا لطف آتا ہے، جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ایک مصرعہ اتنا بھاری بھرکم ہے کہ اگر اس پر خامہ فرسائی کی جائے تو اس کے لیے لمبا وقت درکار ہوگا۔ اس کے معانی ومفاہیم اور پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اس پر نگاہ ڈالی جائے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم المرتبت رفیع الشان اور رفعت وعظمت اور علمی شخصیت کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ ایک مصرعہ لکھ ہی دیا جائے:

عابد کے یقین سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل
اِمداد و رشید کا یہ قلزم عرفان پھیلے گا — یہ شجر طیب پھیلا ہے تا وسعت امکاں پھیلے گا

حضرت مولاناؒ کو اس بات کی خواہش تھی اور فکرمند تھے کہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادیؒ کی سوانح حیات مرتب ہو جائے اس کے لیے آپ نے کوشش بھی فرمائی، ایک دفعہ آپ نے میرے قابل قدر استاذ حضرت مولانا مفتی ریاست علی صاحب رام پوری استاذِ حدیث ومفتی مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ سے فرمایا کہ تم اس کام کو کر دو اور لکھنا شروع کر دو اور جو کچھ بھی لکھو مجھے دکھا دیا کرو۔ حضرت الاستاذ نے ابتدائی کچھ حالات قلمبند بھی کیے اور حضرت مولاناؒ کو دکھائے؛ لیکن اس کے بعد ہی حضرت مولانا انتقال فرما گئے تو پھر یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

خردوں کے ساتھ شفقت ومحبت

حضرت مولانا کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ اپنے چھوٹوں پر شفیق ومہربان تھے۔ایک باپ کی طرح آپ اپنے تلامذہ اور چھوٹوں کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے،شفقت ومحبت کے پیکر مجسم تھے،آپ کی بولی میں البیلاپن تھا اور انداز بھی نرالا تھا،کوئی بھی انسان پہلی ملاقات میں ہی آپ پر فریفتہ ہوجاتا تھا، چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے،انتہائی نرم دل انسان تھے، اپنی ذات سے دوسروں کی ضرورت کو پوری کرتے جہاں تک ان سے ہوسکتا،عجیب انکوھا انداز تھا،بار بار جی چاہتا ہے کہ کسی کی زبانی حضرت کا تذکرہ سنتا رہوں۔

پہلے مدارس اسلامیہ میں مختصر المعانی سے پہلے تلخیص المفتاح جو متن ہے، وہ پڑھائی جاتی تھی،اس کے پڑھنے سے مختصر المعانی سے ایک گونا مناسبت پیدا ہوجاتی ہے؛ لیکن اب تو عامۃً مدارس میں تلخیص المفتاح کی جگہ دروس البلاغہ نصاب میں داخل ہے اور یہی پڑھائی جاتی ہے۔

ایک دفعہ دروس البلاغہ کے درس میں حضرت استاذ محترم مولانا مفتی محمد مزمل صاحب بدایونی استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ سے مجلس میں کہا کہ حضرت پہلے مختصر المعانی سے پہلے تلخیص المفتاح پڑھائی جاتی تھی تو اس کے پڑھنے سے پہلے طلبہ کو مختصر المعانی سے مناسبت پیدا ہوجاتی تھی؛ لیکن اب دروس البلاغہ کے پڑھنے سے مختصر المعانی سے مناسبت پیدا نہیں ہوتی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں حضرت الاستاذ سے مختصر انداز میں فرمایا کہ بیٹا تمہاری رائے ٹھیک ہے؛ لیکن تم جب بڑے ہوجاؤ گے تو تمہاری بات سنی جائے گی،ابھی تم چھوٹے ہو،حضرت الاستاذ درس میں بار بار آپ کی ذہانت،حاضر جوابی اور علم وحلم کا تذکرہ فرماتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری

اس ناچیز کو حضرت مولاناؒ سے صرف دو ہی مرتبہ ملنے کا موقع ملا،ایک دفعہ آپ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری مدظل العالی کے گھر کی طرف ہاتھ میں عصاء لیے ہوئے ٹک

ٹک زمین پر رکھتے ہوئے نگاہ نیچے اور سامنے دیکھتے ہوئے قدم بڑھا رہے تھے۔ مجھے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں کچھ معلوم کرنا تھا اور میں یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الادب کے تلامذہ میں سے ہیں، خیر میں نے سلام کیا حضرت جواب دیتے ہوئے فوراً کھڑے ہوگئے، مجھے جو معلوم کرنا تھا اپنی بات کہہ دی تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے حضرت شیخ الادب سے پڑھا تو نہیں البتہ انہیں دیکھا ہے، فرمانے لگے کہ کہاں کے ہو، کیا پڑھتے ہو، میں نے بتلایا پھر حضرت نے فرمایا کہ کچھ باتیں یاد ہیں، کسی وقت گھر پر آجانا بتلا دوں گا۔

اسی روز عصر کے بعد حضرت کے پاس گیا اور معلوم کیا تو حضرت نے کچھ قیمتی باتیں بتلائیں، عجیب حضرت کی شخصیت تھی کہ ایک چھوٹا اور مجھ جیسا کم تر طالب علم کے ساتھ حضرت اس طرح شفقت کے ساتھ پیش آئے اور کھڑے ہوکر پوری بات سنی اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے، معلوم ہی نہیں ہوا کہ واقعی حضرت مولانا ہی ہیں، یا کوئی اور شخص۔

خودداری و بے نیازی

حضرت مولانا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کی نمایاں صفات میں سے ایک وصف خودداری، استغناء و بے نیازی کا تھا۔ آپ اپنی ذات سے دوسروں کی بھلائی چاہتے تھے اور مصیبت کو دور کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے، خود کو پریشانی میں ڈال کر دوسروں کی خیر خواہی چاہتے تھے، دنیوی اسباب کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے، جو کچھ آیا پاس میں جو کچھ رہتا سب کو غریبوں، ضرورت مندوں اور محتاجوں کے درمیان تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔

اسی صفت کے تعلق سے حضرت مولانا ومفتی ریاست علی صاحب رام پوری مدظلہ العالی استاذِ حدیث ومفتی مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ راقم السطور سے فرمایا کہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب قدس اسرارہم کا معمول تھا کہ دیوبند کے غرباء، فقراء ومساکین کی ضرورت کو اپنے جیب سے پوری کرتے تھے، اس کے لیے حضرت مولانا نے طریقہ یہ اپنایا تھا کہ تمام غرباء

اور ضرورت مندوں کی فہرست مرتب فرمائی تھی اور مہینہ کے آخر میں ان حضرات تک رقم بھجوا دیا کرتے تھے اور بعض آتے تو ان کے حوالہ کر دیتے، اکثر و بیشتر آپ اس صفت کریمانہ کی وجہ سے مقروض رہتے تھے جو آتا تقسیم فرما دیتے، بچا کر رکھنے کی عادت نہیں تھی۔

حضرت مولانا کا گھرانہ کاشت و زراعت، اور جائیداد والا گھرانہ تھا؛ لیکن آپ نے تعلیم وتعلم میں پوری زندگی بسر کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی و علمی، تربیتی، اصلاحی، تدریسی جیسے اہم اُمور کی انجام دہی کے لیے منتخب فرمایا جو بہت کم لوگوں کی زندگی میں یہ چیزیں میسر آتی ہیں۔

بقول حضرت استاذ گرامی قدر مفتی ریاست علی صاحب مدظلہ العالی کے کہ ایک دفعہ بجنور سے چند لوگ تشریف لائے اور حضرت مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد سعدان صاحب سے فرمایا کہ آپ کی کئی بیگھہ زمین لوگ قبضہ کر رکھے ہیں، اگر اجازت دیں تو اس زمین کو ان کے قبضہ سے لے کر کسی اور کام میں صرف کر دیں تو اچھی خاصی آمدنی ہوگی، اس بات کو مولانا محمد سعدان صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیان فرمایا تو جواب میں حضرت قدس اسرارہم نے فرمایا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ بیچارے غریب لوگ کما کھا رہے ہیں، زندگی گزار رہے ہیں، انہیں پریشان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دنیوی زندگی کی خواہشات کا نام ونشان بالکل بھی نہیں تھا، بس آخرت ہی آپ کے پیش نظر تھی۔

وسعت ظرفی

حضرت مولانا کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اپنے چھوٹوں اور تلامذہ پر خرچ کرتے تھے؛ لیکن اگر کوئی طالب علم یا حضرت سے عمر میں کم ہو وہ حضرت مولانا کے لیے کچھ لے آئے یا خرچ کرے تو حضرت مولانا بجنوریؒ یہ کہہ کر لوٹا دیتے تھے کہ تم چھوٹے ہو، میں عمر میں بڑا ہوں، میرا تم پر حق ہے۔ اس کی ایک انوکھی مثال بیان کرتا ہوں:

جمعیۃ علماء ہند اپنے خدمات کے سوسال مکمل کر لیے، اسی مناسبت سے ذمہ داران جمعیۃ

نے جمعیۃ علماء ہند کے بانیان اور معماران پر سیمینار کرنے کا فیصلہ کیا جو کہ ایک خوش آئند اقدام ہے اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب بہاری مؤرخ ملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی رحمہما اللہ (اس سیمینار میں راقم الحروف شریک تھا اور حضرت مولانا محمد میاں صاحب پر بندہ کا مقالہ بھی تھا) محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ پر سیمینار ہو چکے ہیں، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ۲۱،۲۲/ستمبر ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ، اتوار جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی میں دو روزہ سیمینار بہ عنوان ''حضرت مولانا محمد عبدالباری فرنگی محلی اور حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی: حیات وخدمات'' منعقد ہوا اس سیمینار میں استاذِ بزرگوار نواسۂ شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری استاذِ حدیث وصدرالمدرسین مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کی اجازت سے بندہ ناچیز بھی شریک تھا اور الحمدللہ دونوں شخصیات پر میرا مقالہ تھا، اول الذکر کے کنویز حضرت مولانا مفتی محمد عمران اللہ صاحب قاسمی اُستاذ دارالعلوم دیوبند اور ثانی الذکر کے کنویز حضرت مولانا عبدالملک صاحب رسول پوری تھے۔ اس سیمینار میں اساتذہ دارالعلوم دیوبند بھی تشریف لائے تھے، سیمینار کی آخری نشست حضرت الاستاذ مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیہ علماء ہند کی صدارت میں ہوئی اور حضرت ہی کی دعاء پر مجلس کا اختتام ہوا۔ اختتام مجلس کے بعد دفتر اخبار روزنامہ ''الجمعیۃ'' جانے کے راستہ پر بائیں جانب جو پہلا کمرہ ہے اس میں حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذِ گرامی قدر مولانا محمد ساجد صاحب ہردوئی، حضرت مفتی عمران اللہ صاحب اور حضرت مفتی محمد اللہ صاحب شعبہ انٹرنیٹ دارالعلوم دیوبند تشریف فرما تھے، مجھے حضرت مفتی عمران اللہ صاحب نے کسی کام کے لیے آواز دی، علیک سلیک کے بعد اساتذہ کرام کی خدمت کا موقع ملا۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ کی شخصیت اور تقویٰ وطہارت پر گفتگو ہورہی تھی، دوران گفتگو استاذی حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری مدظلہ العالی نے حضرت مولانا ریاست علی صاحب ظفر بجنوریؒ کی وسعت ظرفی، خودداری، وبے نیازی کے متعلق حضرت الاستاذ نے اپنے مخصوص انداز میں ایک واقعہ بیان

فرمایا جس سے حضرت مولانا بجنوریؒ کی انداز تربیت کا پتا چلتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری مدظلہ العالی حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ کے ہمراہ بلاسپور شہر (چھتیس گڑھ) کے سفر پر تھے۔ رائے پور ایرپورٹ پر بیٹھے تھے جو چھتیس گڑھ کی راجدھانی ہے اور بلاسپور میں پروگرام تھا تو حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ نے حضرت مولانا سلمان صاحب سے فرمایا کہ چائے ملے گی تو حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہ العالی جلدی سے یہ کہتے ہوئے چائے لانے کے لیے باہر گئے کہ جی ابھی لاتا ہوں؛ کیونکہ اگر حضرت مولانا محمد سلمان صاحب تاخیر کرتے تو خود ہی حضرت مولانا ظفر بجنوریؒ اپنے جیب سے پیسے نکال کر پہلے دے دیتے۔ خیر حضرت الاستاذ دامت برکاتہم العالیہ چائے لے کر آئے اور چائے پینے کے بعد حضرت مولانا ظفر بجنوری صاحبؒ نے فرمایا کہ چائے کتنے کی ہے، حضرت مولانا محمد سلمان صاحب نے سادگی سے بتادیا کہ چائے اتنے کی ہے اور حضرت الاستاذ دامت برکاتہم العالیہ نے یہ سوچا تھا کہ آج پیسے لوں گا ہی نہیں، خیر جیسے حضرت مولانا نے بتایا کہ اتنے کی ہے تو جیب سے حضرت مولانا ظفر بجنوریؒ نے پیسے نکالے، حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری مدظلہ العالی نے حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ سے کہا کہ اگر میں ہی دے دوں پیسے تو کیا حرج ہے تو حضرت مولانا ظفر بجنوری صاحبؒ نے دیتے ہوئے فرمایا کہ بیٹے میری مجبوری ہے کہ میں بڑا ہوں اور پیسے دے دئے پھر حضرت مولانا خاموش ہو گئے۔

عاجزی وانکساری

تو یہ تھا حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری کا مزاج، خود دیتے تھے، لیتے نہیں تھے۔ سادگی، ملنساری، خلوص وللّٰہیت، تقویٰ وطہارت، شفقت ومحبت، تواضع وانکساری یہ سب حضرت مولاناؒ کو اپنے اساتذہ واکابر سے ورثہ میں ملا تھا۔ بڑکپن کا ذرہ برابر بھی نام ونشان نہیں، بیماری اور اعذار وعوارض کے باوجود بھی شریعت مطہرہ پر کاربند رہتے، معلومات میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آنے دیتے تھے، ریاضت ومجاہدہ اور عبادات میں مصروف رہتے، آپ کا وقت ضائع نہیں ہوتا تھا۔

عاجزی کا یہ عالم تھا کہ مجلس میں بھی ذرہ برابر نمایاں ہونا پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت مولانا ظفر صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کی کمر میں تکلیف رہتی تھی، درد ہوتا تھا تو بیٹھنے میں پریشانی ہوتی تھی۔ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہ العالی کو اس کا احساس تھا کہ کوئی ایسی آرام دہ چیز مل جائے جس سے حضرت مولاناؒ مجلس میں سکون کے ساتھ بیٹھے رہیں؛ چنانچہ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری مدظلہ العالی نے راقم الحروف سے فرمایا کہ میں سعودیہ سے حضرت رحمۃ اللہ کے بیٹھنے کے لیے کرسی لایا تھا وہ نیچے ٹیک لگا کر بیٹھنے کی ہوتی ہے، تو حضرت لاستاذ دامت برکاتہم العالیہ نے حضرت مولاناؒ کو جب پیش کی تو حضرت مولاناؒ فرمانے لگے کہ چیز تو تم اچھی لائے ہو مگر اس پر بیٹھنا مشکل ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ تھا کہ مجلس میں بیٹھنے سے امتیاز سا ہوجائے گا اس وجہ سے حضرتؒ نے اس کرسی پر بیٹھنا پسند نہیں فرمایا۔ یہ تھا حضرت مولاناؒ کا مزاج اپنے کو جھکا کر رکھتے تھے۔ نام ونمود پوری زندگی آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکا۔ اپنے کو کسی بھی اعتبار سے کچھ نہیں سمجھتے تھے۔

اگر حضرت مولانا اس کرسی پر مجلس میں بیٹھتے تو نشست دوسروں سے تھوڑی ممتاز ہوجاتی، اس لئے آپ مجلس میں سب کی طرح بیٹھتے تھے، یہ تھا حضرت مولانا کا ذوق، تکیہ بھی عام تکیوں کی طرح ہوتا تھا جو آپ اپنے پاس رکھتے تھے، جیسے تکیے مجلس میں بہت سارے لوگوں کے پیچھے ہوتے تھے، اسی طرح آپ کے پیچھے بھی ہوتے تھے اور اس کے علاوہ کوئی ممتاز جگہ بھی نہیں بیٹھتے بلکہ مجلس میں ایک طرف کو کونے میں بیٹھے رہتے تھے، صرف اور صرف ممتاز ہونے کے ڈر سے۔

اندازِ تربیت

حضرت مولانا کی انداز تربیت سے ہر شخص اچھی طرح واقف ہے، جو حضرات آپ کے تربیت یافتہ ہیں وہ زندگی بھر آپ کے گن گاتے رہیں گے، تربیت کا انوکھا، نرالا اور البیلا انداز اور اصلاح وتربیت کا جو طریقہ اپناتے تھے، اور بات بات پر معمولی سی غلطی پر بھی ٹوکتے اور اس طرح پیار ومحبت سے اصلاح فرماتے کہ سامنے والے کو ذرہ برابر بھی برا محسوس نہیں ہوتا اور وہ

حضرت کے احسان مندر ہے۔

حضرت کے تربیت یافتہ افراد میں حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری مدظلہ العالی کا نام نمایاں ہے، حضرت استاذ محترم نے حضرت مولاناؒ سے خوب خوب فائدہ اُٹھایا اور بہت کچھ حضرت مولاناؒ کے قریب رہ کر انہیں سیکھنے کا موقع ملا۔

حضرت الاستاذ نے خود احقر سے فرمایا کہ میں نے تیس سال تک حضرت والا سے بہت کچھ سیکھا، حضرت مولانا علمی اعتبار سے جو چیز سکھاتے تھے، وہ یہ تھی کہ سلف پر پورا اعتماد اور بلاتحقیق کوئی بات نہیں کہی جائے، اصل حوالہ دیکھا جائے، مسلک اور فکر میں ہر اعتبار سے بڑوں پر مکمل اعتماد اور اس کی موافقت کی جائے اور تحقیق کے ساتھ تصلب یہ سب حضرت مولانا کا مزاج تھا۔ حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ لکھنے وغیرہ کے سلسلہ میں بھی حضرتؒ نے میری ہنمائی فرمائی، اس میں خاص چیز یہ ہوتی تھی کہ کون سا لفظ کہاں استعمال کرنے کا ہے، کون سا لفظ ثقہ ہے، کون سا لفظ ثقہ نہیں ہے، یہ خاص حضرت مولانا کا مزاج تھا اور حضرت مولانا ظفر بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خاص انداز یہ تھا کہ وہ لوگوں کو زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتے تھے کہ ایک انسان کو کس طرح زندگی گزارنی چاہیے، چنانچہ حضرت استاذ محترم نے اس حوالہ سے بھی بہت قیمتی باتیں بتائیں وہ یہ ہے کہ زندگی کے معاملات میں صحیح بات کہنا، نرمی سے کہنا اور سلیقہ سے کہنا۔ اللہ سے التجاء ہے کہ یہ تمام صفات بھی ہمارے اندر پیدا فرمادے۔

راقم الحروف کی حضرت الاستاذ سے درخواست

ایک دفعہ اس ناچیز نے حضرت الاستاذ سے درخواست کی کہ آپ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ کی سوانح حیات مرتب فرمادیں اور اس کام کے لیے آپ موزوں رہیں گے، جواب میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ جی حضرت کی زندگی کے حالات بھی میرے سامنے ہیں اور مواد بھی ہے؛ لیکن دعا کرو کہ جلد ہی یہ کام ہوجائے۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس پاکیزہ ومتبرک شخصیت کی زندگی کتابی شکل میں ہمارے سامنے آجائے تو اس سے لوگوں کو خوب فائدہ پہنچے گا۔

حسنِ تحریر

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر بھی بہت عمدہ تھی، حضرت مولانا کی تحریر میں نے دیکھی تو نہیں؛ لیکن اساتذہ سے بار بار سنا کہ حضرت مولانا کی تحریر انتہائی صاف ستھری، دیدہ زیب اور خوش خط تھی، آپ فن خطاطی میں معروف، ممتاز اور ماہر تھے، باضابطہ حضرت مولانا نے فن خطاطی وقت کے ماہرین سے شرف تلمذ حاصل کر کے سیکھا ہے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے زمانہ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند کے اصول و ضوابط وقوانین اور تجاویز کو قلم بند حضرت مولانا خود کیا کرتے تھے، حضرت مولانا کی ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر آج ریکارڈ میں موجود ہے۔

وفات، تجہیز وتدفین

حضرت مولانا شوگر کے مریض تھے، جس کی وجہ سے گردا بھی متاثر ہوا اور آپ ۲۳ رشعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰ رمئی ۲۰۱۷ء ہفتہ کے روز تہجد کے وقت اس دار فانی سے رخصت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد استاذ گرامی قدر حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند نے اِحاطہ مولسری میں نماز جنازہ اَدا کرائی اور مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اور قربانیوں کو قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں بہترین جگہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

آہ! حضرت مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری

از:- ڈاکٹر انظار الحق ساجدؔ فاروقی صاحب علی گڑھ

وہ بزم آرزو کا نگہباں چلا گیا ❖ اورنگ جستجو کا سلیماں چلا گیا
جس پھول کی مہک میں چھپا تھا سکونِ دل ❖ وہ گل مہک غزل کا گلستاں چلا گیا
اَب آنسوؤں کو جذب کریں تو کہاں کریں ❖ پھیلا ہوا خلوص کا داماں چلا گیا
آواز دیں تو کون سی محفل میں دشت میں؟ ❖ اپنوں کی عظمتوں کا ثنا خواں چلا گیا
پائیں گے کس سے داد زبان و بیان کی ❖ بزمِ سخن سے آج سخن داں چلا گیا
وہ راہِ ترمذی و بخاری کا سنگِ میل ❖ دینِ محمدی کا دبستاں چلا گیا
جن بے کسوں کے واسطے تھا وہ سکونِ زیست ❖ اُن بے کسوں کے درد کا درماں چلا گیا
شکوہ کسی کو تھا نہ شکایت کسی سے تھی ❖ اِک ایسا درمیان سے اِنساں چلا گیا
تارِ نفس سے توڑ کر اَب رشتۂ حیات ❖ دنیا سے ہائے غیرتِ ایماں چلا گیا
اُس کی سرشتِ پاک، شریعت کا آئینہ ❖ سر تا پا جشن فکرِ فروزاں چلا گیا

قائم تھا اُس کے دم سے جو محفل میں ارتباط
ساجدؔ وہ اِرتباطِ دل و جاں چلا گیا

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۷ء)

''کامل بامراد اِمامِ اَدب مولانا ریاست علی صاحبؒ''

۱۴۳۸ھ

نتیجۂ فکر:- مولانا مفتی اسرار احمد صاحب دانشؔ اِمام وخطیب اسٹیشن والی مسجد نجیب آباد

رخصت ہوئے جہاں سے ہیں ایک صاحبِ نظر ❖ فرقت میں اُن کی آج ہے ہر ایک چشم تر
لیں اگر اَدب سے نام، تو نکلے سنِ وفات ❖ کیا نام ہے ''جنابِ ریاست علی ظفرؔ''
۲۰۱۷ء

اپنی بے نوری پہ نرگس دُھن کے سر روتی ہے کیوں؟ ❖ ہر کسی کی آنکھ، غم میں تر بتر ہوتی ہے کیوں؟
آنسوؤں سے اپنا منہ روحِ بشر دھوتی ہے کیوں؟ ❖ چشم طوفاں خیز تھی جو پُر اثر ہوتی ہے کیوں؟

گلستاں سے کیا کوئی گلفام رخصت ہوگیا
کیا وہ جس کا تھا ''ریاست'' نام رخصت ہوگیا

کیا وہی جو دیوبند میں تھا اَدب کا تاجدار ❖ علم وفن شعر وسخن کا ایک گویا شاہکار
مادرِ علمی کا جس نے یوں چکایا کچھ اُدھار ❖ لے سے اپنی خوب کردی اُس کی دوبالا پھوار

ہند میں ''بجنور'' کا جس سے ہے سر اعلیٰ ہوا
اور ''حبیب والا'' کا رتبہ بھی دوبالا ہوا

گلستانِ قاسمی میں تھا جو فخرِ گلستاں ❖ علمی دنیا میں تھا فخرالدین احمد کا نشاں
ایک اُبلتا گویا شیریں آبشار اُس کی زباں ❖ نام تھا جس کا ریاست اُس کے جیسا اَب کہاں؟

اُن کے جیسا ہے اگر کوئی تو پھر دکھلایئے؟
اُولٰئِکَ آبَائِيُ دعویٰ ہے مرا جھٹلایئے؟

سادگی اور عجز ہو جس کی طبیعت، ہے کہیں؟ ❖ جس میں پاکیزہ سیاست ہو ودیعت، ہے کہیں؟
رند ہو اور ہو مثالی پاک طینت، ہے کہیں؟ ❖ ایسا کوئی ساقی جام شریعت، ہے کہیں؟

خوش اَدا بے مثل تھا وہ ساقی دارالعلوم
اُس کے طرز خوش اَدا کی ہے مچی ہر سمت دھوم

اَے شہِ علم و اَدب، یادِ سلف، عالی مقام ❖ فخر قوم و ملک و ملت، خوش بقاء اے خوش کلام
یاد رکھیں گے زمین و آسماں تجھ کو مدام ❖ روح کو پہنچے تری اے کاش دانش کا سلام

ہے دعا مرقد ترا جنت کا ایک گلزار ہو
حشر تک ہوں رحمتیں تجھ پر خدا کا پیار ہو

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۷ء)

❒❖❒

○

گوشۂ شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ

شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارن پور

(پیدائش: ۱۳۵۵ھ-۱۹۳۷ء وفات: ۱۴۳۸ھ-۲۰۱۷ء)

نمونۂ سلف، شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری نور اللہ مرقدہٗ سے وابستہ چند یادیں

جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے جلیل القدر شیخ الحدیث، برکۃ العصر حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ کے منظورِ نظر اور علمی جانشین، عالمِ اسلام کے عظیم محدث، دورِ حاضر میں فنِ حدیث شریف میں سند کی حیثیت رکھنے والے بلند مرتبہ عالمِ دین، شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری نوراللہ مرقدۂ مؤرخہ ۱۶؍شوال المکرّم ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱؍جولائی ۲۰۱۷ء بروز منگل صبح ساڑھے نو بجے رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن بعد نماز عصر مخدومِ گرامی حضرت اَقدس مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی زید مجدہم کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ اَدا کی گئی، جس میں اَطراف واَ کناف کے ہزارہا ہزار علماء، طلبہ اور عوام وخواص شریک تھے، جونم آنکھوں سے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کررہے تھے۔ کمال شاہ کے وسیع قبرستان میں بزرگوں کے جلو میں مغرب سے قبل آپ کو سپرد خاک کیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت موصوف اِس دور میں سلفِ صالحین کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ ورع وتقویٰ، زہد وقناعت اور اِنابت الی اللہ میں ممتاز مقام پر فائز تھے۔ علومِ حدیث پر نہایت گہری نظر تھی، سیکڑوں راویوں کے نام اور متنِ حدیث کی تشریح کے متعلق شارحین کے بےشمار اَقوال نوکِ زبان تھے۔ آپ نے تدریس ومطالعہ ہی کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا، اور دنیا کے سب علائق سے آزاد ہوکر صرف علمی مشاغل میں ہی اپنی زندگی گذاردی، اور بچپن ہی سے ضعف اور بیماریوں میں مبتلا رہنے کے باوجود تادمِ آخر علمی فیض رسانی میں مشغول رہے۔

آپ کی ولادت ۲۵؍رجب المرجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲؍اکتوبر ۱۹۳۷ء بروز دوشنبہ ہوئی، اصل وطن کھیتا سرائے مانی کلاں ضلع جون پور یوپی ہے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی، اُس کے بعد ۱۳؍سال کی عمر میں مدرسہ ''ضیاء العلوم'' مانی کلاں میں داخل ہوئے، اور فارسی سے لے کر نورالانوار تک تعلیم حاصل کی، جہاں حضرت مولانا ضیاء الحق صاحبؒ اور بعد میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ کی خصوصی توجہات حاصل رہیں۔ ۱۳۷۷ھ میں مظاہر علوم سہارن پور میں داخل ہوئے، اور ۱۳۸۰ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی، ۱۳۸۱ھ میں مظاہر علوم میں معین مدرس مقرر ہوئے، ۱۳۸۸ھ میں کل ۳۳؍سال کی عمر میں شیخ الحدیث بنائے گئے، اور تادمِ آخر مسلسل پچاس سال اِس منصب پر فائز رہے۔ ۱۳۸۷ھ میں جب پہلی مرتبہ آپ نے دورۂ حدیث شریف کی کتاب پڑھائی تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا

صاحبؒ نے آپ کے نام ایک رقعہ لکھا تھا جو شیخ کی طرف سے آپ پر اعتماد کی کھلی نشانی ہے، بطور برکت اِس رقعہ کا مضمون ذیل میں درج کیا جاتا ہے:''

ابھی کم سن ہیں وہ کیا عشق کی بات جانیں
عرضِ حالِ دلِ بے تاب کو شکوہ سمجھے

ابھی تدریس دورہ کا پہلا سال ہے، اور اِس سیہ کار کو تدریس دورہ کا اکتالیسواں سال ہے، اور تدریس حدیث کا سینتالیسواں سال ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں برکت دے، اور مبارک مشغلوں میں تادیر رکھے، جب سینتالیس پر پہنچ جاؤ گے، تو اِن شاء اللہ مجھ سے آگے ہو گے''۔ فقط

زکریا ۲۴ ر رجب ۱۳۸۷ھ

اِس پرچہ کو نہایت احتیاط سے کسی کتاب میں رکھیں، چالیس سال بعد پڑھیں''۔

آپ کے کثرتِ مطالعہ اور علمی گیرائی کی بنا پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اکثر علمی و تحقیقی سوالات آپ کے سپرد فرماتے تھے، اور آپ پوری تحقیق سے اُن کے حوالجات تحریر فرماتے تھے۔ اسی طرح ملک و بیرونِ ملک کے محقق علماء آپ سے رجوع فرما کر اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ اِس طرح کے قیمتی اِفادات کا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا، جو اَب ''نوارالفقہ'' اور ''نوادرالحدیث'' اور ''الیواقیت الغالیہ'' کے نام سے شائع ہوگیا ہے، جب کہ بخاری شریف کے حواشی ''نبراس الساری'' کے نام سے شائع ہورہے ہیں، اللہ تعالیٰ جلد تکمیل کے اسباب مہیا فرمائیں، آمین۔

آپ اگرچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے بیعت ہوئے تھے؛ لیکن اولاً حضرت اَقدس مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور نے آپ کو خلافت واجازت سے نوازا، اور بعد میں حضرت شیخ نے بھی اجازت مرحمت فرمائی، چناں چہ آپ نے اِس سلسلہ کو جاری رکھا اور ملک و بیرونِ ملک تک آپ کے متوسلین کا حلقہ وسیع تھا۔

ہم لوگ جب دیوبند میں زیرِ تعلیم تھے تو چھتہ مسجد میں حضرت فقیہ الامتؒ کی مجلس میں کبھی کبھار آپ تشریف لاتے، علمی گفتگو کا سلسلہ ہوتا، حضرت کی نازک مزاجی مشہور تھی، اِس لئے ہم جیسوں کو بات کرنے کی بھی ہمت نہ ہوتی، بس زیارت یا کبھی صرف مصافحہ پر اکتفاء کیا

جاتا؛ تا آں کہ دورۂ حدیث شریف کے سال یعنی ۱۴۰۷ھ میں رجب کی آخری تاریخوں میں بعض قریبی اَحباب کے ساتھ آپ کے ''ختم مسلسلات'' میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، اُس وقت حضرت شیخ مظاہر علوم (دار قدیم) کے ایک چھوٹے سے کمرے میں مقیم تھے، اور متصل ''مسجد کلثومیہ'' میں نماز اَدا فرماتے تھے۔ ہم لوگ رات ہی میں سہارن پور پہنچ گئے تھے، نماز فجر کے بعد طلبہ کی بھیڑ میں حضرت سے مصافحہ ہوا، اور مسلسلات کی عبارت پڑھنے کی اِجازت لی، حضرت نے عمومی اِجازت دے دی۔ صبح اشراق کے بعد دارالحدیث قدیم میں درس شروع ہوا، تو اندازہ ہوا کہ یہاں عبارت پڑھنے کا انداز مختلف ہے، یعنی دیوبند میں تو ذرا ٹھہر ٹھہر کر رواں عبارت پڑھی جاتی ہے، جس میں کچھ ترنم بھی شامل ہوتا ہے، جب کہ یہاں وہی طالب علم شیخ کی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے جو تیز سے تیز تر عبارت پڑھے۔ بہر حال جیسا تیسا پڑھا گیا، عبارت خوانی میں حصہ لیا، درس کے دوران کبھی کبھی بے خودی میں حضرت ''الا اللہ'' کی ضرب لگاتے، تو ایک بجلی سی کوند جاتی تھی، پوری جلالتِ شان کے ساتھ درس مکمل ہوا، اور دعا کے لئے مخدومِ گرامی حضرت اَقدس مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے، یہ نورانی مجلس ختم ہوئی، اور ہم لوگ دیوبند واپس آ گئے۔ بعد میں یہ خبر ملی کہ حضرت شیخ کو کسی نے ہمارے بارے میں خبر دی کہ وہ بھی شریکِ درس تھا، تو حضرت نے فرمایا کہ میں پہچان نہیں سکا اور بکمالِ شفقت یہ کہلوایا کہ اگلے سال احقر دوبارہ ختم مسلسلات میں شریک ہو، چناں چہ آئندہ سال بفضلہ تعالیٰ پھر حاضری ہوئی اور حضرت نے آگے بٹھا کر مسلسلات کی اکثر عبارت احقر سے پڑھوائی، فالحمد کلہ للہ۔

اُس کے بعد گاہے بگاہے سہارن پور خدمت میں حاضری ہوتی رہی، اور جب بھی حاضری ہوتی، نہایت بشاشت کا اظہار فرماتے، اور حسبِ حال قیمتی نصیحتوں سے نوازتے تھے، اور اکثر اپنی ابتدائی طالبِ علمی کے اَحوال خصوصاً اپنے مشفق اُستاذ حضرت مولانا ضیاء الحق صاحبؒ کے حالات بڑے ذوق وشوق سے سنایا کرتے تھے، اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا ذکر آ جاتا تو طبعیت کھل جاتی، اور دیر تک آپ سے عقیدت ومحبت کا اظہار فرماتے رہتے تھے۔ اِسی دوران ایک مرتبہ مراد آباد تشریف آوری ہوئی، تو احقر کی

درخواست پر مدرسہ شاہی میں بھی رونق افروز ہوئے، اور دعاؤں سے نوازا۔

اِدھر کئی سالوں سے حج کے سفر میں بھی زیارت وملاقات کا موقع ملتا تھا، متعدد مرتبہ دہلی سے ایک ہی جہاز سے سفر ہوا، اور مدینہ منورہ میں اکثر مجلس میں حاضری کی سعادت ملی، وہاں مسلسل عرب طلبہ وعلماء کا آپ کے اِردگرد اِجازتِ حدیث کے لئے جمگھٹا لگا رہتا تھا، اور دیارِ رسولؐ میں بھی آپ کا علمی فیض جاری رہتا تھا۔

تین سال قبل جب منیٰ میں حادثہ پیش آیا تو حج کے بعد آپ مکہ معظّمہ میں ''زمزم ٹاور'' میں مقیم تھے، احقر حاضر خدمت ہوا، تو توجہ سے حادثہ کا پورا حال سنا، پھر فرمایا کہ: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی محمد فاروق صاحبؒ تو چلے گئے، اَب واپس نہ آئیں گے''۔ پھر شفقت سے فرمایا: ''تو کیوں واپس آگیا، تو کیوں نہ چلا گیا؟''۔ حضرت مفتی محمد فاروق صاحبؒ کے بارے میں آپ نے جو فرمایا تھا، وہ بعد میں سچ ثابت ہوا، اور چند دن کے بعد اُن کی وفات کی تصدیق ہوگئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

بعد میں ایک ملاقات پر حضرت امام بخاریؒ کی ایک نایاب کتاب ''برالوالدین'' مرحمت فرمائی، اور فرمایا کہ: ''اِس کا میرے پاس صرف ایک نسخہ ہے، تو اِس کا فوٹو کراکے اپنے پاس رکھ لے''۔ چناں چہ حکم کی تعمیل کی گئی اور مذکورہ کتاب کا عکسی نسخہ حضرت کی یادگار کے طور پر احقر کے پاس موجود ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''دو چیزیں اِنسان کو ہدایت پر قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں: (۱) علم صحیح (۲) صحبت صالح''۔

ایک موقع پر نصیحت فرمائی کہ: ''اپنے قلم اور زبان کو حتی الامکان محفوظ رکھنا''۔

گذشتہ سال احقر حاضر ہوا، اپنی تالیف ''ایک جامع قرآنی وعظ'' پیش کی تو فرمایا: ''دیکھ سلمان! سن لے! اَب میں نے اُردو کی کتابیں پڑھنی بالکل چھوڑ دی ہیں، اَب میری عمر بہت کم رہ گئی ہے، اَب میں چاہتا ہوں کہ قرآنِ کریم اور حدیث شریف کے علاوہ کچھ نہ پڑھوں''۔

آپ چوں کہ فقہ سے زیادہ حدیث میں اشتغال رکھتے تھے، اِس لئے قدرتی طور پر آپ

فکر و عمل میں توسع کی طرف راغب تھے، اور عموماً درس اور ذاتی گفتگو میں بھی آپ کا یہ رنگ جھلکتا تھا؛ لیکن اِس بارے میں کسی تفرقہ بازی یا فتنہ انگیزی سے آپ کوسوں دور تھے۔ اکثر احقر جب حاضر ہوتا تو فرماتے: ''یہ آ گیا حنفیہ کا مفتی......'' کبھی فرماتے: ''دیکھ سلمان! ہم سے دوستی رکھنی ہے تو محمدی بن جا''، احقر دبی زبان سے عرض کرتا کہ: ''حضرت! اجتہاد تو آپ جیسے حضرات کی شان ہے، ہم اِس لائق کہاں؟''۔

اِس مرتبہ ۱۴۳۷ھ میں) ایک دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ حج کے بعد مدینہ منورہ میں آپ حرم کے قریب ''بن لادن کی عمارت'' میں مقیم تھے، ایک دن ظہر کے بعد احقر حاضر ہوا، تو آپ کی مجلس میں مسجد نبوی کے ایک مؤذن، بعض عرب علماء اور ایک فلسطینی شامی عالم بھی موجود تھے، حضرت نے عربی میں اُن حضرات سے احقر کا تعارف کرایا کہ: ''یہ حضرت مدنیؒ کا نواسہ ہے، اور اِسے مضمون لکھنے کا بھی خاص سلیقہ ہے، وغیرہ''۔ پھر فرمایا: ''مگر اِس میں ایک ہی خرابی ہے کہ یہ پکا حنفی ہے۔ اور میرا طریق تو یہ ہے کہ میں براہِ راست ظاہر حدیث پر عمل کرتا ہوں......الخ''۔ حضرت کی اِس گفتگو پر مجلس میں موجود عرب علماء بڑے محظوظ ہوئے، اور خوب تائید کی، احقر اَدباً خاموش تھا، اور جواب عرض کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی؟ اِسی درمیان فلسطینی عالم جو احقر کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، اُنہوں نے فرمایا کہ حضرت میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، پھر اُنہوں نے بڑی مدلل اور جامع گفتگو کی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ: ''ہم جیسے طالب علم جن کو ناسخ و منسوخ، راجح و مرجوح، صحیح و ضعیف کا کچھ اَتہ پتہ نہیں ہے، اگر آپ اُنہیں اِس طرح اپنے طور پر ظاہر حدیث پر عمل کرنے کی ترغیب دیں گے تو پھر دین تو اَناڑیوں کے ہاتھ میں مذاق اور کھلونا بن کر رہ جائے گا، ہر ایک تو آپ جیسا مخلص، محقق اور مجتہد ہو نہیں سکتا؛ لہٰذا عام آدمیوں کے لئے تو تقلید کے بنا چارۂ کار ہی نہیں ہے''۔ اُن عالم صاحب کی گفتگو سن کر حضرت مسکراتے رہے، اور کوئی رد و قدح نہیں فرمائی۔ بعد میں مذکورہ عالم صاحب نے احقر سے فرمایا کہ: ''میں نے تمہاری طرف سے ترجمانی کا فریضہ انجام دیا ہے''۔ جس پر احقر نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔

اسی سفر میں اپنی سب اَسانید کی قراءت کے بعد تحریری اِجازت بھی مرحمت فرمائی، جو احقر کے پاس محفوظ ہے۔ فالحمد کلہ للہ۔

وفات سے چندروز قبل سہارن پور حاضری ہوئی، برادرعزیز مولوی مفتی محمد عفان سلمہ اور بچے بھی ساتھ تھے، مغرب کے بعد اَوابین میں مشغول تھے، فراغت کے بعد متوجہ ہوئے اور بڑی بشاشت سے دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ اِسی دوران فرمایا کہ: ''تیرا اَصل میدان ''علم وفتاویٰ'' ہے تجھے کسی اور جانب زیادہ توجہ نہیں ہونی چاہئے''۔ اور فرمایا کہ: ''تم میرے فتاویٰ (علمی وتحقیقی سوال وجواب جو ''نوادرالفقہ'' اور ''نوادرالحدیث'' کے نام سے شائع شدہ ہیں) پرضرور نظر ڈال لینا''۔

اور چلتے ہوئے خلافِ معمول یہ فرمایا کہ: ''میں نے کبھی کچھ کہہ سن دیا ہوتو معاف کرنا''۔ یہ حضرت کی آخری زیارت تھی، اس کے چند روز کے بعد وفات کی جانکاہ خبر ملی۔ دوپہر میں مرادآباد سے روانہ ہوکر شام کو ساڑھے چار بجے سہارن پور پہنچے، دارالحدیث (دار جدید) کے دالان میں جنازہ رکھا ہوا تھا، پررونق چہرہ نورِ ایمانی سے دمک رہا تھا، زیارت کے لئے پروانوں کا ہجوم تھا، دورتک لائن لگی ہوئی تھی، عصر ہوتے ہوتے مجمع بے قابو ہوگیا، جدھر دیکھتے: اِنسانوں کا ایک سمندر نظر آتا تھا، تقریباً ایک گھنٹہ میں قبرستان کا ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے ہوا، اور مغرب سے آدھا گھنٹہ قبل نماز جنازہ ادا کی گئی، بعدازاں تدفین ہوئی، مجمع کی کثرت کی وجہ سے دیر رات تک مٹی دی جاتی رہی۔ بلاشبہ آپ کی وفات سے ایک زریں عہد کا خاتمہ ہوگیا، آپ اَکابر کے سلسلہ کے ایک یادگار فرد تھے، ہمارے طبقہ میں آپ کی وفات سے پیدا شدہ خلا آسانی سے پر نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور آپ کی حسنات کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، اور اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۷ء)

باتیں اُن کی یاد رہیں گی

بروفات حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

محدث دوراں، اپنے فن کے امام، عالم بے بدل اور صحیح معنوں میں فنافی العلم حضرت اَقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جونپوری نور اللہ مرقدہٗ و برد اللہ مضجعہ نظام قدرت کے مطابق ہزار ہا ہزار تشنگانِ علوم کو اپنے چشمۂ فیاض سے سیراب کرنے کے بعد ۱۶؍شوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱؍جولائی ۲۰۱۷ء بروز منگل اپنے رب سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ میں شریک علماء وعوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر حضرت شیخ کے مقبول عنداللہ و عندالناس ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ ماضی قریب میں حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کے بعد سب سے زیادہ مجمع شیخ کے جنازے میں ہی دیکھنے کو ملا۔

واقعہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی زندگی کو رضاء الٰہی کے حصول کی خاطر تج دیتا ہے پروردگار بھی اس کو ایسا چمکاتا ہے کہ دنیا رشک کرتی رہ جاتی ہے۔ آپ نے تحصیل علم اور پھر تبلیغ وتشریح دین کے لئے اپنے آپ کو ایسا وقف کیا کہ پھر دوسری چیزوں کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا، جب بھی آپ کے حجرے میں جانے کا اتفاق ہوا مطالعہ میں منہمک، کتابوں پر جھکے ہوئے، کچھ لکھتے ہوئے، لکھاتے ہوئے یا علمی گفتگو کرتے ہوئے پایا۔ زبان حال سے آپ یہی کہتے رہے:

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں میں ورق ہوگا کفن اپنا

خلاقِ عالم نے آپ کو ایک ایسی پُرکشش، بارعب اور جاذبِ نظر شخصیت کا حامل بنایا تھا کہ جو دیکھے دیکھتا ہی رہ جائے، شناسا اور جان پہچان کے لوگ تو مرعوب اور متأثر ہوتے ہی تھے، اَنجان لوگوں کی نگاہ بھی جب چہرہ پر پڑتی تو ایک دوسرے کی جانب سوالیہ نگاہ ڈالتے اور معلوم کرنے کی کوشش کرتے کہ یہ ذات والا صفات کون ہیں؟ زیارت و ملاقات کر کے دعا لینا اپنے لئے سعادت تصور کرتے۔

علمی قابلیت، تدریسی لیاقت، تحقیقی صلاحیت اور عملی مقبولیت آپ کی مسلم تھی، مزاجاً اگرچہ بالکل نرالے، بہت نازک اور صاف گو واقع ہوئے تھے، جو محسوس کرتے اُس کو فوراً بغرضِ اصلاح زبان پر لے آتے، چاہے مخاطب کو اچھا لگے یا برا؛ لیکن اُن کا یہی انداز دوسروں سے ممتاز کرنے والا اور لوگوں کی گرویدگی کا سبب بن جاتا تھا۔

طالبِ علمی کے زمانے ہی سے حضرت شیخؒ کی خدمت میں گاہے بگاہے حاضری ہوتی رہتی، حد درجہ تعلق کا معاملہ فرماتے، بڑی بشاشت کے ساتھ گفتگو فرماتے، تنبیہ بھی کرتے اور نصیحتیں بھی فرماتے، ایک مرتبہ فرمایا: ''مطالعہ بڑی گہرائی و گیرائی کے ساتھ کیا کرو سرسری اور کام چلاؤ مطالعہ کا مزاج مت بناؤ ورنہ سہل پسندی کے عادی بن جاؤ گے۔''

ایک مرتبہ حاضری ہوئی معمول کے مطابق مطالعہ میں مشغول تھے، احقر سلام کر کے بیٹھ گیا، آپ نے ہلکے سے جواب دیا اور سر نیچے کئے کئے پوچھا کون؟ میں نے کہا: ''عفان'' کچھ دیر بعد سر اُٹھایا اور بہت تڑک کر بولے ''چل بدبودار کہیں کے'' کس نے تیرا یہ نام رکھا ہے۔ احقر سہم گیا اور عرض کیا حضرت! نام میں کیا خرابی ہے؟ فرمایا: ''جا! دیکھ لغت میں ''عفن'' مادہ کے کیا معنی ہیں؟ احقر نے عرض کیا: ''حضرت عفان میں تو ''الف نون'' زائد ہے، مادہ کا نہیں ہے۔ اس کا مادہ تو ''عفّ'' ہے جس کے معنی ''پاک دامنی'' کے ہیں۔ یہ سن کر بہت ہنسے اور فرمایا ''اپنا نام صحیح کرنے کے لئے جس کو چاہو زائد مان لو''۔ پھر فرمایا: ''تیری تحقیق صحیح ہے میں تو دیکھ رہا تھا کہ تو اپنے نام کی حقیقت سے بھی واقف ہے یا نہیں''۔

۱۹۹۹ء میں ختم مسلسلات کے موقع پر مظاہر علوم جانا ہوا اور حضرت کے درس میں شرکت کا موقع ملا، احقر کی خوش نصیبی اور حضرت کی توجہ کہ شروع ہی میں فرمایا: ''چل عفان؛ تیز پڑھ'' پھر تو مسلسلات کا معتد بہ حصہ پڑھنے کا موقع ملا۔

اگلے سال پھر ملاقات ہوئی، فرمایا کہ اِس سال تو مسلسلات میں نہیں آیا، احقر نے عرض کیا: ''حضرت میں تو پچھلے سال پڑھ چکا'' تو خاموش ہو گئے۔ حضرت کے اس سوال کی وجہ سے آئندہ سال پھر ختم میں شرکت کے لئے حاضری ہوئی، تو غایت شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پھر عبارت خوانی کا حکم فرمایا۔

مدینہ منورہ میں ایک موقع پر حضرت والد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری ہوئی، ساتھ کھانا کھایا، دیر تک بیٹھنا ہوا، چلتے وقت والد صاحب کو مخاطب کر کے احقر کے سلسلے میں فرمانے لگے ''اس احمق سے کہا تھا کہ ایک سال میرے پاس رہ لے، اس نے کوئی توجہ ہی نہیں دی''۔

کئی سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مسجد نبوی کے قدیم حصہ میں حضرت کے ساتھ نماز مغرب پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ فرض سے فارغ ہونے کے بعد سنتوں میں قراءت طویل ہو گئی، سلام پھیرنے کے بعد حضرت شیخ نے پوچھا: ''اتنی دیر تک سنتوں میں تم نے کیا پڑھا؟'' میں نے عرض کیا: ''حضرت بالترتیب قرآن کی تلاوت کی۔'' فرمایا: ''سنتیں مختصر پڑھا کرو، فجر و مغرب کی سنتوں میں سورۂ کافرون، اور سورۂ اخلاص یا اس کے بقدر تلاوت بہتر ہے، اور یہی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول رہا ہے۔ ہاں! نوافل میں جتنی قراءت کرنا چاہو کرو کوئی تحدید نہیں ہے۔

تین سال پہلے کی بات ہے مسجد نبوی میں حضرت سے ملاقات ہوئی فرمایا: ''عشاء کے بعد میرے کمرے پہ آنا'' احقر نے پوچھا: ''حضرت کہاں قیام ہے؟'' آپ کے خادم مولانا یونس صاحب گجراتی نے پتہ بتا دیا ''باب مجیدی'' کے سامنے ''بن لادن'' کی عمارت میں حضرت کا قیام تھا، احقر عشاء کے بعد قیام گاہ پہنچ گیا، بہت سے لوگ موجود تھے، کچھ عرب علماء بھی تھے جن

سے حضرت بات چیت کررہے تھے، کچھ دیر میں وہ لوگ چلے گئے تو کھانے کے لئے دسترخوان لگایا گیا، اپنے قریب بٹھا کر کھلایا، بڑی خاطر مدارات کی، خدام لقمہ بنا بنا کر آپ کے منہ میں ڈال رہے تھے جو چیز پسند آتی فرماتے: ''اِس کی پلیٹ میں بھی نکالو'' کھانے کے بعد دیر تک روکے رکھا۔ احقر نے ایک دفعہ اجازت بھی چاہی تو فرمایا: ''کیا جلدی پڑی ہے، چلے جانا'' حضرت مدنی علیہ الرحمہ اور دیگر بزرگانِ دین اور اپنے ابتدائی اَساتذہ کے واقعات واَحوال سناتے رہے۔ جب نیند کا غلبہ ہونے لگا تو جانے کی اجازت دی۔ چلتے وقت بہت شاندار عطر کی بڑی شیشی اور کئی عربی کتب عنایت فرمائیں اور بڑی محبت سے ارشاد فرمایا ''روز آجایا کر''۔

حضرت مدنی علیہ الرحمہ سے عقیدت

بہت کم ایسا ہوا کہ شیخ کی خدمت میں جانا ہوا ہو اور آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا تذکرہ دیر تک بڑی والہانہ عقیدت کے ساتھ نہ کیا ہو۔

بار ہا یہ فرمایا کہ سب سے پہلے جس شخصیت کی عظمت وبزرگی کی دھاک میرے دل پر بیٹھی وہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی شخصیت تھی۔ اپنے بچپن کے واقعات سنایا کرتے تھے کہ ہمارے علاقہ میں جب ایک مرتبہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ تشریف لائے تو پورا گاؤں اور آس پاس کا علاقہ حضرت کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑا، بڑا مجمع بیعت ہوا اور لوگوں کی گرویدگی اور فدائیت قابل دید تھی، مرد تو مرد عورتیں اور بچے بھی مسرور اور نئے کپڑوں میں ملبوس دکھائی دے رہے تھے، مانو عید کا سا سماں تھا، علاقہ کے لوگوں میں کسی شخصیت کی آمد پر یہ جوش وخروش و وارفتگی میں نے شعور سنبھالنے کے بعد پہلی مرتبہ دیکھی تھی، اسی دن سے حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی عظمت کا سکہ ایسا بیٹھا کہ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ ان واقعات کو ایسی محبت اور عقیدت کے ساتھ ذکر فرماتے کہ بار ہا آواز بھرّا جاتی اور سننے والوں کی آنکھیں بھی بھیگ جاتیں۔

وفات سے ایک ہفتہ قبل ۹ر شوال ۱۴۳۸ھ بروز پیر بعد نمازِ مغرب برادر بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کی معیت میں مظاہر علوم سہارن پور میں حضرت شیخ کی

خدمت میں حاضری ہوئی، ضعف وکمزوری کے باوجود بڑے تپاک سے ملے، مختلف نصیحتیں فرمائیں، بڑے دلچسپ انداز میں اپنے اساتذہ اور حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے واقعات ذکر کئے۔ حسن اتفاق کہ احقر نے اس مجلس کی گفتگو کو ٹیپ کرلیا، جس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں:

فرمایا: ''تمہارے نانا کی برکتیں بھی عجیب تھیں، میں گزر رہا تھا گجرات میں ایک گاؤں سے، وہاں کے آدھے لوگ حضرت سے مرید ہوگئے؛ سب سنی ہیں، اور دوسرے آدھے نہیں مرید ہوئے؛ سب بدعتی رہے۔ عجیب بات تھی جتنے مخالف تھے کانگریس کے حضرت کے حق میں سب ٹھیک تھے۔ حضرت میں کیا خوبی تھی؛ کیوں نہیں بولتا تھا کوئی؟ یہ ان کا اخلاص تھا۔ یہ سب باتیں ابا سے میں نے صراحتاً سنی ہیں۔

ہمارے ماموں تو حضرت کے اتنے معتقد تھے کہ جب آپ جیل چلے گئے تو بہت متأثر ہوئے اور کہنے لگے ''انگریز لوگ ڈبہ میں بند کرکے حضرت کو بھیج دیئے'' ایک دن ماموں نے کہا: ''جانت ہے کاہے مولانا مدنی کو مولانا مدنی کہت ہیں، اٹھارہ سال اپنی ڈاڑھی سے حضور کی قبر کا جھاڑو دہن ہیں''۔ پتہ نہیں کہاں سے سنا ہوگا؟ ہم چھوٹے چھوٹے تھے۔ اتنا معتقد حضرت مدنی کے کہ کوئی حد نہیں۔ یہ بھی حضرت کی برکت تھی کہ سب اختلافات حضرت پر آکر اخیر میں ختم ہوگئے تھے۔ نہ وہاں لیگ کا جھگڑا تھا نہ کانگریس کا، مولانا مدنی جدھر ہیں وہی ٹھیک ہے۔

فرمایا: تیرے نانا میں وہ خوبی تھی کہ جس کی وجہ سے دنیا اُن کو مانتی تھی، حد سے زیادہ اخلاص ان کے اندر پایا جاتا تھا۔ کسی سکھ کی طرف سے کان پور میں ایک شکایت ہوئی مولانا مدنی کی کہ یہ نماز فجر کی قنوت میں ''والسک والمشرکین'' کہتے ہیں تو کلکٹر نے کہہ دیا وہ فوق القانون ہیں، مطلب یہ کہ سب ڈرتے تھے اُن سے، وہاں کسی کی چلتی ہی نہیں تھی؛ کیوں کہ سب نے دیکھا اور سنا تھا کہ انگریز فوج کے سامنے اسٹیج پر شیروانی کا گریبان کھول کر کون چڑھا تھا؟

ان کی قوتِ باطنیہ بہت زیادہ قوی تھی، کوئی سر نہیں اُٹھاتا تھا۔ انوار کریم کہتے تھے کہ حضرت کی گاڑی میرٹھ میں فسادیوں نے گھیر لی۔ حضرت مراقب تھے، کسی نے کہا حضرت گاڑی

گھر گئی ہے۔ فرمایا ''آئیں'' پھر کسی نے کہا: حضرت لوگوں نے گاڑی کا گھیراؤ کر لیا ہے۔ تو انوار کے الفاظ ہیں: حضرت نے دروازہ کھولا اور فرمایا: ''میں ہوں حسین احمد، آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ یہ کہنا تھا کہ سب بھاگ گئے''۔

فرمایا: میں نے ایک مرتبہ حضرت اقدس شیخ سے پوچھا کہ حضرت اقدس تھانویؒ اور حضرت اقدس مدنیؒ میں کیسا اختلاف تھا؟ فرمایا: اُن بزرگوں میں کوئی ایسا اختلاف نہیں تھا، چھٹ بھیوں نے اڑا رکھا تھا۔ حقیقت یہی تھی۔ کسی نے حضرت اقدس تھانویؒ کے ایک مرید کے بارے میں لکھا کہ ان کی کتاب نہیں چلی۔ حضرت مدنی نے جواباً لکھا: ''انھوں نے اپنے پیر حضرت اقدس تھانویؒ کی بے ادبی کی ہے، یہ اس کا نتیجہ ہے''۔

فرمایا: حضرت بہت محقق آدمی تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت برکت رکھی تھی۔ یہ خاص چیز تھی حضرت اقدس مدنی اور حضرت اقدس رائے پوریؒ میں اس آخری زمانہ میں، بس ان دو بزرگوں پر اختتام ہوجاتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان میں نفس نہیں تھا۔ اس کی پہچان کیا ہے؟ اُن کے یہاں یہ نہیں تھا کہ سلمان آیا تو رعایت کر دی، عفان آیا تو رعایت کر دی، دوسرا گیا تو نہیں کی، یہ انھیں دو بزرگوں کی خصوصیت تھی۔ خاندان واندان کی رعایت کچھ نہیں جو سچی اور صحیح بات تھی وہ کہہ دی۔

فرمایا: سال کے اخیر تک جب تک حضرت بول سکتے تھے خود ہی عبارت پڑھتے تھے، شیخ فرماتے تھے کہ تعجب ہوتا ہے کہ قسطلانی سے متن پڑھتے تھے اور مسلسل پڑھتے چلے جاتے تھے۔ قسطلانی کی تخصیص کیوں کی تھی؟ حضرت کی رائے یہ تھی کہ یہ دونوں شرحوں ''عمدۃ القاری'' اور ''فتح الباری'' کے اصل مضمون کا اجتماع ہے۔ یہ کیسے راز معلوم ہوا؟ شیخ نے پوچھا تھا حضرت مدنی سے جب کہ آپ نوعمر تھے اور تدریس بخاری کا آغاز تھا، تو حضرت مدنی نے یہ سبب بتایا تھا، میں نے زبانی یہ لفظ حضرت شیخ سے سنا ہے۔ پھر ہنستے ہوئے فرمایا: ''جانا لائق! میں نے یہ راز کھول دیا۔''

بچوں کی تربیت

بھائی صاحب (مفتی محمد سلمان صاحب) نے عرض کیا: ''حضرت! ان بچوں کے لئے دعا فرما دیجئے (ساتھ میں بھائی صاحب کے دو فرزند حافظ محمد عمر سلمہ، حافظ محمد عدی سلمہ اور فقیرزادہ محمد ہشام سلمہ تھے)

فرمایا: سختی، بالکل مت کرنا اور غفلت بھی نہ کرنا۔ تعلیم کے باب میں ہماری نانی صبح جیسے ہی ہمیں دیکھتیں بڑے زور سے کہتیں ''مدرسہ جاؤ''۔ باپ تو کرے نرمی اور ماں کرے سختی یا اس کا الٹا ہو۔ جیسے حافظ عبدالحئی علیہ الرحمہ گھر والے چھوٹا کمپنی کو ڈراتے تب کہتے ''ابا آوت ہیں'' یہ لفظ سنتے ہی پورا گھرانا ٹوٹ پڑتا تھا اُن پر، اُن کا رعب بے انتہاء تھا، اُن کا ہر نواسہ نواسی، پوتا، پوتی، نیز بیٹا، بیٹی سب سات سال میں حافظ ہو گئے، صرف دو بچے تھے جو گیارہ سال میں ہوئے۔ یہ کمال ہی تھا معلوم نہیں کہاں سے وہ درک فرمالیتے تھے کہ اس کے لئے تسہیل کا کیا طریقہ ہے۔ دیگر حافظ جی صاحبان کی طرح زیادہ نہیں مارتے تھے۔ میں نے اُن سے قاعدہ بغدادی پڑھا تھا، دو دن سبق نہیں سنایا جو سبق نہیں سناتا تھا پیٹا جاتا تھا۔ میں چھ سال کا تھا، فرمایا: ہاتھ پھیلاؤ، دوسرا پھیلاؤ بس ایسے مارا کہ ہاتھ گرم ہو گیا۔ اور گرم ہو کے ٹھنڈا ہو گیا۔ یعنی بچہ کو احساس تو ہو جاتا تھا مار کا؛ لیکن وہ احساس باقی نہیں رہتا تھا، نشان وغیرہ تو پڑتا ہی نہیں تھا۔

یہ تمہارے نانا جان سے بیعت تھے، اور بہت آگے نکل گئے تھے۔ جب جنازہ اُٹھا تو لوگوں کا ہجوم بے حساب تھا، بانس پہ بانس باندھے جا رہے تھے اور لوگوں کو کاندھا نہیں مل پا رہا تھا۔

حضرت کا یہ جملہ تھا کہ ''میں پتھر کو بھی پڑھا دوں'' پورا علاقہ حافظ ہو گیا تھا اور پورا علاقہ اُمڈ پڑا تھا۔ ہم لوگ نہیں گئے، اگر جاتے تو کچل جاتے، ایسی زبردست برکت دی تھی۔ لیکن تمہارے نانا کی برکت کیا تھی؟ یہ بہت بڑے عامل بھی تھے حافظ عبدالحئی، کوئی کیس بھی ناکام نہیں ہوا سحر کا ہو یا جن کا؛ لیکن مولانا حسین احمد مدنی کے دست مبارک میں ہاتھ دیا اور فوراً سب چھوڑ دیا۔ جنوں کی جماعت سے عہد لیا جو اُن کے قبضے میں تھے، نیک بچوں کو نہ ستانا قسم لی اور انھیں چھوڑ دیا۔

بصیرتِ علمی

حضرت شیخ کے ناصحانہ جملے بڑے نپے تلے اور جامع ہوا کرتے تھے، زبان بڑی شستہ وشائستہ اور انداز بڑا دل پذیر تھا، حافظہ تو غضب کا تھا، مختلف کتابوں کی عربی عبارات ازبر تھیں، استشہاد کے طور پر کوئی عبارت پیش کرتے، تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کتاب سامنے ہو یا ابھی دیکھ کر آئے ہوں، عربی زبان کا بھی بآسانی تکلم فرماتے اور اپنے عرب شاگردوں اور استفادہ کرنے والے علماء کو دیر تک عربی زبان میں سمجھاتے رہتے۔

فن حدیث تو آپ کا میدان تھا ہی؛ لیکن فقہ وفتاویٰ تفسیر واُصول تفسیر اور دیگر علوم شرعیہ میں بھی آپ کو رسوخ وکمال حاصل تھا۔ حدیث وفقہ، تفسیر وسیرت کے سلسلہ میں مختلف علمی سوالات کے جو بصیرت افروز تحقیقی جوابات آپ نے قلمبند فرمائے ہیں، اس سے آپ کے وسعت علمی، تبحر اور عمق کا اندازہ ہوتا ہے۔ خود فرماتے تھے کہ جب میں شرح وقایہ پڑھاتا تھا جو تدریس کا دوسرا سال تھا، جب سے میں نے جوابات لکھنے شروع کیے ہیں۔ علمی جوابات کا یہ ذخیرہ ''نوادر الحدیث'' اور ''نوادر فقہ'' اور ''الیواقیت الغالیۃ'' کی شکل میں مرتب ہو کر منظر عام پر آگیا ہے، جسے مولانا محمد ایوب سورتی اور مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی نے حضرت ہی کی ایماء پر مرتب فرمایا ہے۔

آخری ملاقات میں حضرت شیخ نے برادر محترم مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری سے غالبًا اسی مجموعہ کی جانب اِشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''میرے فتاویٰ ایک بار دیکھ ڈالنا اگر زندگی میں کوئی کمی سامنے آجائے گی تو اُس کو ممکن حد تک صحیح کیا جاسکتا ہے۔'' یہ آپ کی تواضع اور کسر شان نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی ضمن میں دوسری تحریرات کے سلسلہ میں فرمایا: ''تراجم پر جو لکھا گیا وہ مذہب نہیں ہے یعنی ہم نے کسی مذہب کی اس میں رعایت نہیں کی، کتاب کے اندر جو کچھ ہے بس اس کی ایضاح وتفصیل ہے؛ تاکہ پڑھتے وقت الجھن طاری نہ ہو۔ اس بات کو سامنے رکھنا کہ حنفیت کی

رعایت نہیں کی فلاں کی نہیں کی، درست نہیں، کسی کی بھی نہیں کی، ہم نے صرف مؤلف کی رعایت کی ہے۔

پھر فرمایا: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے کے بارے میں جو تفصیل لانی چاہئے تھی با قاعدہ طریقہ پر لائی گئی ہے؛ تاکہ تم جیسے بدعتی صوفیوں اور نالائقوں کی تردید ہو جائے''۔

یہ کہہ کر مسکرائے اور فرمایا: ''تم لوگ تو بدعتی نہیں ہو، یہ تو مزہ لینے کے لئے خواہ مخواہ کی چٹنی لگا دی'' پھر بڑے درد کے ساتھ فرمایا: ''تمہارے نانا جان کی کوئی اولاد بدعتی نہیں ہے، وہ تو جہاں سے گزر جاتے تھے بدعت کا خاتمہ ہو جاتا تھا''۔

تواضعانہ شان

ہم تو یہ سوچ کر گئے تھے کہ اگر حضرت شیخ سے فقط زیارت وملاقات اور مصافحہ ہو جائے گا تو بھی کافی ہوگا اور جانے کے بعد شروع میں لگ بھی ایسا ہی رہا تھا، ہم جب حجرے میں داخل ہوئے، تو آپ مصلیٰ پر تشریف فرما تھے، اور نوافل میں مشغول تھے، اور قریب میں بیٹھے ہوئے خادم پنکھا جھل رہے تھے۔ تقریباً دس منٹ تک ہم خاموش بیٹھے دیکھتے رہے، اس کے بعد آپ نے پوچھا کون ہے؟ تب تعارف ہوا۔ رفتہ رفتہ بشاشت آئی اور پھر سلسلہ کلام کافی دراز ہو گیا۔

اخیر میں رخصت کرتے وقت خلافِ معمول فرمایا: ''کبھی ڈانٹا کہا سنا ہو معاف کرنا، معاملہ صاف ہونا چاہئے، میں چاہتا ہوں ایسے جاؤں کہ کسی کا مطالبہ میرے سر نہ رہے''۔

کیا معلوم تھا کہ حضرت اب محض ایک ہفتہ کے مہمان ہیں، اور یہ وہ آخری جملے ہیں جو آپ کی مبارک زبان سے سنے جا رہے ہیں۔

اللہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی قبر کو بقعۂ نور بنائے اور اُمتِ مسلمہ خاص طور پر مظاہر علوم کو آپ کا نعم البدل عطاء فرمائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں، جو دنیا کے لئے نہیں جیتے؛ بل کہ آخرت کے لئے جینے کا ہنر جانتے ہیں، دنیا کی ساری دولتیں آپ کے قدموں میں تھیں؛ لیکن اس کی طرف التفات ذرہ برابر بھی محسوس نہیں ہوتا

تھا، سہارن پور میں جو ذاتی مکان تھا اُس میں رہنے کی نوبت بھی نہ آئی اور اُسے مدرسہ مظاہر علوم (وقف) کے نام وقف کر دیا، اور ذمہ دارانِ مدرسہ نے بھی اس کی ایسی قدر دانی کی کہ اس میں ''مدرسۃ الشیخ یونس لتحفیظ القرآن الکریم'' کے نام سے حفظِ قرآن کا ایک شعبہ قائم فرما دیا، جس نے شیخ مرحوم کے لئے صدقاتِ جاریہ میں ایک عظیم نام کا اضافہ کر دیا۔ **رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمةً واسعةً. وأسکنہ فسیح جنانہ مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین، وحسن أولٰئک رفیقًا.**

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۷ء)

شیخ الحدیث، عالم ربانی
حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہریؒ جوار رحمت میں

دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد کے شیخ الحدیث، مسجد تبلیغی مرکز پختہ سرائے کے اِمام وخطیب، جلیل القدر عالم دین، داعی الی اللہ، حامی سنت، ماحی بدعت حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری نوراللہ مرقدہٗ گذشتہ ۱۳؍شوال المکرّم ۱۴۳۸ھ مطابق ۸؍جولائی ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ بعد نماز عشاء معمولی علالت کے بعد انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت موصوف ایک جید عالم دین، کامیاب مدرس، مقبول واعظ وخطیب، قادرالکلام شاعر اور بہترین مصنف تھے۔ تقریباً نصف صدی تک آپ نے بالخصوص مرادآباد واطراف میں علم دین کی اِشاعت اور مسلک حق کی ترجمانی کا فریضہ پوری قوت سے انجام دیا۔

آپ کی صاف گوئی اور حق نوازی مشہور ومعروف تھی، اپنے بیانات میں آپ شرک وبدعات، فضول رسومات اور افکارِ باطلہ پر کھل کر نکیر فرماتے تھے، اور اِس بارے میں کسی لومۃ لائم کی پروانہ فرماتے تھے۔ تکلف وتصنع اور مداہنت کا گذر آپ کی زندگی میں نہ تھا، یہی رنگ آپ کی تالیفات اور اصلاحی اَشعار میں بھی نظر آتا تھا۔ حاضر جوابی ایسی تھی کہ کوئی چرب زبان آپ کے سامنے چل نہ پاتا تھا۔ وفات سے صرف دو روز قبل مرکز کی مسجد میں جمعہ سے قبل حسب معمول آدھا گھنٹہ بیان فرمایا، جس میں محبت رسول اور اُس کے تقاضوں پر بھرپور روشنی ڈالی، اور حسبِ عادت باطل نظریات کی مؤثر انداز میں تردید فرمائی۔

رسالہ ندائے شاہی سے آپ کو قلبی لگاؤ تھا، اکثر اس کا مطالعہ فرماتے، کبھی کبھی اپنی نعت یا نظم اِشاعت کے لئے اِرسال فرماتے تھے۔ جب ''نعت النبی نمبر'' کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا، تو

ایک ایک شعر پر نظر ڈالی اور بہت سی جگہ تصحیحات فرمائیں، اور بعض مفید مشورے دئے، جن کا اگلی اشاعت میں لحاظ رکھا گیا، **فجزاهم الله تعالیٰ أحسن الجزاء**۔

آپ کی پیدائش شعبان ۱۳۵۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۸ء میں وطن مالوف تھے پور ضلع بجنور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآنِ کریم اور دینیات وغیرہ اپنے وطن میں حاصل کر کے مدرسہ حسینیہ قاسم العلوم پہاڑی دروازہ دھامپور تشریف لے گئے، اور فارسی سے کافیہ تک تعلیم حاصل کی، جہاں آپ کے خاص اُستاذ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب تھے پوریؒ خلیفۂ حضرت شیخ الحدیثؒ مقیم تھے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۷۲ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے، اور ۱۳۷۷ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، خاص طور پر قطب العالم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سے استفادہ کیا۔

بعد اَزاں مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور میں ۶؍ ماہ قیام رہا، پھر ۶؍ سال مدرسہ رشیدیہ اشرف العلوم گنگوہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا، بعد اَزاں مدرسہ حیات العلوم میں ۶؍ سال، اس کے بعد ۳؍ سال تک مدرسہ امدادیہ مرادآباد سے وابستہ رہے، بعد ازاں مدرسہ شاہی میں ۳؍ سال مدرس رہے؛ اس کے بعد دار العلوم جامع الہدیٰ میں تشریف لائے، اور تادم آخر تقریباً ۴۲؍ سال اس اِدارہ میں رہ کر دینی وعلمی خدمات انجام دیں۔

اِسی دوران مرکز والی مسجد پختہ سرائے میں اِمام وخطیب بنائے گئے، اور مسلسل ۴۶؍ سال اِس منصب پر فائز رہ کر وعظ واِصلاح کا فرض ادا کرتے رہے، بڑی تعداد میں عوام وخواص آپ سے مانوس تھے، جمعہ کے بیان کو سننے کے لئے دیگر محلوں سے بھی لوگ مرکز میں حاضر ہوتے تھے۔ نیز عشاء کے بعد آپ نے اسی مسجد میں درسِ قرآنِ کریم کا مفید سلسلہ بھی جاری رکھا۔

آپ کو فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی اور نمونۂ سلف حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب تھے پوری رحمہم اللہ سے خلافت واجازت بیعت بھی حاصل تھی، اور آپ کا حلقۂ متوسلین دور تک پھیلا ہوا تھا۔

آپ نے کئی درجن چھوٹی بڑی کتابیں بھی تحریر فرمائیں، جن میں خاص طور پر ''درسی

تفسیر'' (پارہ ۲۹-۳۰) اور ''مرآۃ الانوار شرح مشکوٰۃ الآثار'' بہت مقبول ہوئیں۔ علاوہ ازیں ''تحفۃ النساء'' اور ''دلچسپ مکالمات'' (۲/جلدیں) اور بخاری شریف کی اول وآخری حدیث کی تشریح وغیرہ کتابیں بھی آپ کی یادگار ہیں، جن سے آپ کی علمی گیرائی کا پتہ چلتا ہے۔ نیز آپ کا شعری مجموعہ بھی مطبوعہ ہے۔

آپ نے دو نکاح فرمائے، جن سے کل ۱۵/اولادیں ہوئیں، ۶/صاحبزادے اور ۹/صاحبزادیاں، صاحبزادوں کے اسماء درج ذیل ہیں: مولانا نعیم احمد مظاہری امام وخطیب جامع مسجد یمنا وہار دہلی، مولانا فہیم احمد مظاہری امام وخطیب مدینہ مسجد مبارک پور دہلی، مفتی زعیم احمد قاسمی شیخ الحدیث جامعہ احسن البنات مرادآباد، مولانا قاری جسیم احمد نسیمی امام وخطیب مرکز والی مسجد پختہ سرائے مرادآباد، حافظ تمیم احمد نسیمی نامہ نگار روزنامہ ''انقلاب'' مرادآباد، مولوی نجیم احمد نسیمی متعلم دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد۔

عام طور پر آپ کی صحت بہتر رہی؛ تاہم اخیر میں گھٹنے بہت زیادہ متأثر ہوگئے تھے، ازخود چلنا پھرنا اور اُٹھنا بیٹھنا دشوار تھا، بقیہ اعضاء سب درست تھے۔ اِس رمضان میں تمام روزے اور تراویح وغیرہ سب عبادات بحسن وخوبی ادا فرمائیں، وفات کے دن بھی طبعیت بظاہر ٹھیک تھی، عشاء کے قریب عارضۂ قلب لاحق ہوا، اور تھوڑی دیر میں روح پرواز کرگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جس نے یہ خبر سنی وہ مرکز کی طرف چل پڑا، ابھی آپ کا جنازہ اسپتال سے واپس نہ آیا تھا کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ مرکز پر جمع ہوچکے تھے، ہر شخص کو غم تھا اور آنکھیں نم تھیں۔

اگلے روز صبح دس بجے عیدگاہ کے وسیع میدان میں آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے جناب قاری جسیم احمد صاحب کی اقتداء میں ادا کی گئی، پورا میدان حاضرین سے بھرا ہوا تھا، اور کرولہ اسلام نگر کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، ہزاروں علماء وعوام اور خواص جنازہ میں شریک رہے، جو آپ کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی مغفرت کے فیصلے فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی اگست ۲۰۱۷ء) ❍❖❍

متفرقات:

حضرت مولانا محمد یوسف کاویؒ (جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل)

جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات کے ہر دل عزیز باوقار اُستاذ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ۲/ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق یکم جنوری ۲۰۱۷ء بروز اتوار صبح تہجد کے وقت انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے جفاکش، نام ونمود سے دور اور تعلیم وتدریس میں اپنے کو فنا کردینے والی شخصیات میں شامل تھے، ایک طویل عرصہ تک گجرات کے مرکزی مدرسہ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل سے وابستہ رہ کر ہزار ہا تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب فرمایا، اور آپ کا علمی فیض دور دور تک پھیلا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور دینی خدمات کا بہتر صلہ عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۷ء)

حضرت مولانا محمد اسماعیل بدات (مدینہ منورہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا محمد اسماعیل بدات مہاجر مدنیؒ گذشتہ ۱۰/جولائی ۲۰۱۷ء بروز پیر کو مدینہ منورہ میں رحلت فرماگئے، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف عرصۂ دراز سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے، اور مسجد نبوی کے حاضر باشوں میں تھے۔ آپ کا زیادہ وقت تلاوتِ قرآنِ کریم میں گذرتا تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۷ء)

مولانا حکیم سید محمد الیاس صاحب مظاہری (سہارنپور)

کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور کے بانی و مالک، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے داماد حضرت مولانا سید محمد الیاس صاحبؒ گذشتہ ۱۸؍شوال المکرّم ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۳؍جولائی ۲۰۱۷ء بروز جمعرات کو تقریباً ۸۸؍سال کی عمر میں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے وضع دار، باوقار اور اُصول پسند شخص تھے، پوری زندگی علمی دینی کتابوں کی اشاعت میں گذاری۔ ۱۹۲۹ء میں پیدائش ہوئی، ۱۳۷۱ھ میں مظاہر علوم سے فارغ ہوئے، ابتداء حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے بیعت ہوئے، ۱۹۵۰ء میں حضرت شیخؒ کی صاحبزادی سے عقد ہوا۔ پسماندگان میں حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب امین عام جامعہ مظاہر علوم، مولانا محمد راشد صاحب مالک کتب خانہ امدادیہ، مولوی حافظ محمد سہیل صاحب، مولوی محمد ساجد اور تین صاحبزادیاں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۷ء)

حضرت مولانا عبدالناصر صاحب نائب مہتمم جامعہ کو صدمہ

نائب مہتمم جامعہ حضرت مولانا عبدالناصر صاحب کے والد ماجد جناب حافظ عبدالخالق صاحب (نگلیا عاقل رام پور) گذشتہ ۶؍ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۸؍اگست ۲۰۱۷ء بروز پیر کو رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نہایت سادہ اور دین دار شخص تھے، پوری زندگی زہد وقناعت اور دین پر استقامت پر گذاری، اور ناموافق ماحول میں بھی مسلک حق پر جمے رہے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں، اور حضرت نائب صاحب اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۷ء)

امیر شریعت حضرت مولانا مفتی اشرف علی باقویؒ (بنگلور)

جنوبی ہند کے معروف ومقبول عالم دین، جامعہ سبیل الرشاد بنگلور کے روحِ رواں حضرت مولانا مفتی اشرف علی باقوی قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ ۱۶/ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۵/ستمبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے بابصیرت اور بافیض عالم دین تھے۔ آپ امیر شریعت حضرت مولانا شاہ ابوالسعود صاحبؒ کے خلف الرشید اور جانشین تھے، زندگی بھر دینی وعلمی خدمات میں مشغول رہے۔ نیز آل انڈیا ملی کونسل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کی بھی سرپرستی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور آپ کی دینی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۷ء)

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند صاحبزادہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے منجھلے صاحبزادے تھے، نہایت باوقار، نرم خو اور مثالی کردار کے حامل تھے، تقریر وتحریر دونوں میں کمال حاصل تھا، بالخصوص سیرتِ طیبہ پر آپ کے بیانات عوام وخواص میں مقبول تھے، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۷ء)

حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب پھول پوریؒ

معروف اور بافیض عالم دین، نبیرۂ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھول پوریؒ وخلیفہ اجل محی السنہ، حضرت مولانا شاہ عبد اللہ پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۱۰/ربیع الاول ۱۴۳۹ھ مطابق ۳۰/نومبر ۲۰۱۷ء بروز جمعرات کو مکہ معظمہ میں مختصر علالت کے بعد ۵۸/سال کی

عمر میں وفات پا گئے، اور جنۃ المعلی میں سپرد خاک کئے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

موصوف مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے ناظم اعلیٰ تھے، اور اصلاح وتربیت اور بیعت وارشاد کے حوالہ سے آپ کا حلقۂ اثر ملک کے طول وعرض میں پھیلا ہوا تھا، بے شمار خلق خدا نے آپ کے مواعظ اور روحانی مجالس سے استفادہ کیا، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور امت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۸ء)

رفتـــــــگاں

۲۰۱۸ء

- حضرت مولانا محمد حسن بوڈھانویؒ والسال (یوکے)
- حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوریؒ
- حضرت مولانا حیات اللہ قاسمیؒ
- حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ
- رئیس العلماء حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ
- حضرت مولانا سمیع الحق صاحب حقانیؒ
- حضرت مولانا محمد اسرار الحق صاحب قاسمیؒ

حضرت مولانا محمد حسن بوڈھانویؒ والسال (یوکے)

برطانیہ میں مقیم صاحب معرفت عالم دین، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ اجل، حضرت مولانا محمد حسن بوڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۲۹؍دسمبر ۲۰۱۷ء مطابق ۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ شب جمعہ میں تقریباً ۹۰؍سال کی عمر میں وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف واقعۃً اِس دور میں سلفِ صالحین کے نقش قدم پر تھے، ذوقِ عبادت، شانِ عبدیت اور دین سے محبت رگ وپے سے نمایاں تھی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور اُن کے خانوادہ سے عشق کی حد تک تعلق تھا، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ اور اُن کے بعد قائد ملت حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ کے برطانیہ کے اسفار کا سارا نظام آپ ہی بناتے تھے۔

آپ نے اَولاً جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل سے فراغت حاصل کی، یہاں دیگر اساتذہ کے علاوہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمیؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، بعد اَزاں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور وہاں کے اَکابر اَساتذۂ کرام سے اکتسابِ فیض کیا، جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بھی شامل تھے، دیوبند سے فراغت کے بعد آپ گجرات کے قصبہ کوسامبا میں مکتب کی تعلیم دیتے رہے، آپ کی علمی استعداد بہت اعلیٰ تھی، طالب علمی کے زمانہ میں ہر درجہ سے اول پوزیشن لاتے رہے؛ لیکن ضرورت محسوس کرتے ہوئے آپ نے مکتب کی تعلیم میں اشتغال کو ترجیح دی۔

۱۹۵۷ء میں حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ برطانیہ کے شہر والسال میں مقیم

ہوگئے، اور وہاں رہ کر تعلیم وتعلم اور بیعت وارشاد کی خدمت میں مشغول رہے۔

گذشتہ کئی سالوں سے آپ صاحب فراش تھے، سانس کا مرض قدیم تھا، چند مہینہ قبل راقم الحروف والسال حاضر ہوا، تو طبعیت قدرے بہتر تھی، مل کر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا، اور دعاؤں سے نوازا۔ بعد میں طبعیت زیادہ ناساز ہوگئی؛ لیکن عجیب بات یہ رہی کہ ہر جمعہ کو وفات کی تیاری کیا کرتے کہ جمعہ کے دن وفات کا شوق تھا، جس کی فضیلت احادیث میں وارد ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح بندے کی یہ تمنا پوری فرمائی اور آپ کو جمعہ کی شب میں عشاء کی نماز کے بعد تسبیح پڑھتے پڑھتے حسن خاتمہ کی سعادت نصیب ہوئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

اگلے دن علماء اور صلحاء کے بڑے مجمع نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب زید مجدہم کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی، حسن اتفاق کہ صاحبزادۂ فدائے ملت حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی مدظلہ اس وقت برطانیہ کے سفر پر تھے، موصوف کو بھی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت ملی، بہرحال ایسے اللہ والے بزرگ کی کمی شدت سے محسوس کی جائے گی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۸ء)

حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوریؒ

جوارِ رحمت میں

خانقاہِ رائے پور کے مرشد ومتولی نمونۂ سلف حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوریؒ سابق مفتی واُستاذِ حدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور گذشتہ ۲۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۳؍فروری ۲۰۱۸ء بروز منگل صبح چھ بجے طویل علالت کے بعد جوار رحمت میں منتقل ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن سہ پہر ہزارہا ہزار افراد نے آپ کے جانشین جناب منشی عتیق احمد صاحب مدظلہ کی اقتداء میں نمازِ جنازہ اَدا کی، اورآخری آرام گاہ تک پہنچایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت موصوف انتہائی صاحب ورع وتقویٰ، زاہد فی الدنیا، کم گو اور کم آمیز بزرگ تھے، پوری زندگی نہایت یکسوئی کے ساتھ گذاری، اور ہر طرح کے فتنوں سے پوری طرح گریزاں رہے۔ گذشتہ تقریباً ۹؍سال سے بالکل صاحب فراش اور بے ہوشی اور استغراق کی کیفیت میں تھے۔

آپ کی ولادت ۱۹۳۲ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم وتربیت مدرسہ گلزار رحیمی رائے پور، پھر متوسط تعلیم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ اور مدرسہ سبحانیہ دہلی میں حاصل کی، بعد اَزاں اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، اور ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے بخاری شریف پڑھی، اورمظاہر علوم کے دیگر اکابر اَساتذہ سے اِستفادہ کیا، اورامتحانِ سالانہ میں

اعلیٰ درجہ سے کامیابی حاصل کی، پھر اگلے سال حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب اجراڑویؒ مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور کی نگرانی اور صحبت میں اِفتاء کی تعلیم حاصل کی۔ سہارنپور سے فراغت کے بعد چند سال مدرسہ خادم العلوم باغوں والی مظفرنگر میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد اَزاں ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۵ء تک مظاہر علوم میں اِفتاء اور تدریسی خدمات بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۵ء میں آپ کی یکسوئی پسندی نے اپنے پیرومرشد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے لگائے ہوئے گلشن ''مدرسہ گلزار رحیمی رائے پور'' میں منتقل ہونے پر مجبور کردیا۔ چناں چہ تادمِ آخر یہاں کی مبارک اور روحانی فضاؤں میں تشریف فرمارہ کر خلق خدا کی رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اور آخرت میں رفع درجات سے نوازیں، اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

نوٹ: حضرت مفتی صاحبؒ کے سوانحی حالات کے لئے مولانا محمد شعبان بستوی اُستاذ مدرسہ اسلامیہ سلیمانیہ کاندھلہ کے مضمون سے اِستفادہ کیا گیا ہے۔ **فجزاه اللّٰه تعالیٰ أحسن الجزاء.**

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۸ء)

مہتمم مدرسہ نور العلوم مسعودیہ بہرائچ
مولانا حیات اللہ قاسمیؒ کی یادوں کے نقوش

مولانا مفتی حارث عبدالرحیم فاروقی ایڈیٹر ماہنامہ نور العلوم بہرائچ

کار زارِ ہستی میں عز و جاہ کی دولت
بھیک میں نہیں ملتی آدمی کماتا ہے

مؤرخہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۳ جنوری ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ کوعلی الصباح قائدِ ملت، سالارِ جمعیت، مہتمم جامعہ نور العلوم بہرائچ حضرت مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی طویل علالت کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نمازِ فجر کے بعد شہر بہرائچ واطراف کی مساجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے مولانا کی رحلت کی خبر عام ہوئی، تو اگر چہ یہ خبر غیر متوقع نہیں تھی، لیکن جس نے جہاں سنا وہیں پر کچھ دیر کے لئے گم صم رہ گیا، یوں لگ رہا تھا کہ دل ودماغ قضاء وقدر کے اس فیصلے کو قبول نہ کر پا رہے ہوں، لیکن موت برحق ہے اور قدرت کے اس فیصلہ کو نہ صرف قبول کرنا بلکہ اس پر رضا مندی کا اعلان کرنا مؤمن کے ایمان کا حصہ ہے؛ لہٰذا اِس صداقت کو بھی چار و ناچار تسلیم کیا گیا، اور اب جب کہ ان کے انتقال کو تقریباً ایک ہفتہ گذر چکا ہے، تو ان کے محبین ومتعلقین کی صورت حال کچھ یوں ہے کہ۔

دل میں یادِ غم بیکراں رہ گئی
جانے والا گیا داستاں رہ گئی

حضرت مولانا حیات اللہ صاحب کے بارے میں اپنے ذاتی تاثرات وجذبات کے نقوش، ان کی شفقتوں وعنایتوں کے زیر سایہ مادر علمی نورالعلوم میں گذارے ہوئے ایام کی روداد، ان کے ساتھ اپنے ربط وتعلق کے انداز اوران کی قومی وملی خدمات کے سلسلہ میں جہد مسلسل کے چند نمونے سپر دقرطاس کرنے بیٹھا ہوں تو کیفیت یہ ہے کہ۔

ٹکڑے لئے بیٹھا ہوں یوں شیشۂ دل کے
جیسے کہ مسیحا کا پتہ بھول گیا ہوں

راقم الحروف نے ۱۹۹۷ء میں جب تعلیم وتربیت کے قابل اعتماد گہوارہ نورالعلوم میں داخلہ لیا، تو اس وقت ضابطہ کے اعتبار سے مولانا حیات اللہ صاحب جامعہ کے نائب مہتمم تھے، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا کلیم اللہ نوریؒ اس وقت بقید حیات تھے، اور وہ جامعہ کے کارگزار مہتمم، جب کہ بانی جامعہ حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن نامیؒ کے برادر زادہ حضرت مولانا افتخار الحق صاحبؒ مہتمم تھے۔ حضرت مولانا حیات اللہ صاحب اس وقت اگر چہ اپنے ان دونوں بزرگوں سے عمر وتجربے کے علاوہ مقام ومنصب کے اعتبار سے بھی کم تھے، لیکن اپنے پرجوش عزائم، ملک وبیرون ملک وسیع تعلقات، مؤثر ودل نشین طریقۂ کار، جامعہ کے فروغ کے تئیں غیر معمولی اخلاص، اور نفع رسانی میں فنائیت کی بنا پر نہ صرف پورے جامعہ پر چھائے ہوئے تھے، بلکہ اپنے ان بزرگوں کے ایسے معتمد ومنظور نظر بنے ہوئے تھے، کہ انھوں نے اپنے اختیارات بھی عملاً مولانا کو تفویض کر دیئے تھے، چنانچہ جب میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا عبد العلی صاحب فاروقی مدظلہ العالی کی انگلی تھامے پہلی مرتبہ نورالعلوم حاضر ہوا (جس کا سطور بالا میں ذکر ہوا) تو اس وقت بڑے والہانہ انداز میں اور بڑی اپنائیت کے ساتھ جس شخصیت نے والد صاحب مدظلہ کا استقبال کیا تھا، وہ مولانا حیات اللہ صاحب ہی تھے، اور پھر وہی والد صاحب کا ہاتھ پکڑے کتب خانے میں اپنے ہمراہ لے گئے تھے، داخلہ کی از اول تا آخر تمام کارروائی اپنی نگرانی میں مکمل کروائی، مجھ ناکارہ کو گھر سے کافی دور چھوڑ کر جانا تھا، لہٰذا والد ماجد مدظلہ شفقتِ

پدری کی وجہ سے ملول بھی تھے، اور فکرمند بھی، مولانا حیات اللہ صاحب نے حضرت والد صاحب سے دل بستگی اور اطمینانِ قلبی کے لئے کیا کچھ کہا وہ تو میں نہیں سمجھ سکا، لیکن والد ماجد مدظلہ کے جاتے ہی میری آنکھوں میں امڈتے آنسوں کو دیکھ کر مجھ سے کہا بے وقوف کیوں رو رہو؟ میں یہاں تمہارے والد کی جگہ پر ہوں اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر کہا آؤ چلو میں اپنے والد کے پاس تمہیں لے چلتا ہوں، پھر یوں مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی کی شفقتوں، محبتوں اور عنایتوں کا آغاز ہوا، اور یہیں سے میں نے مولانا کا جوش و جذبہ، حوصلہ واقدام کا ولولہ، ثقافتی وفکری بیداری، طلبہ کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے فکرمندی وعرق ریزی، اور افق نورالعلوم پر چھائے ہونے کو صاف محسوس کرنا شروع کیا، اور ایسا لگنے لگا کہ:

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

نورالعلوم کے دوسالہ دورِ طالب علمی میں کچھ ایسی ترتیب بنی کہ سب سے زیادہ کتابیں بھی مولانا حیات اللہ صاحبؒ سے ہی پڑھنے کا اتفاق ہوا، یوں نورالعلوم میں مولانا سے علمی استفادہ کا بھی خوب موقع ملا، پہلے سال میں مولانا سے دو تعلیمی گھنٹے، جب کہ دوسرے سال میں ایک گھنٹہ متعلق تھا، چوں کہ مولانا حیات اللہ صاحب کی اپنی تعلیم وتربیت، حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ جیسی عبقری شخصیت کے زیرِ سایہ ہوئی تھی، لہٰذا مولانا کے درس میں ان کا رنگ غالب رہتا تھا، فکرانگیز خیالات، بزرگوں کے گراں قدر ارشادات، برمحل اشعار درس کو پرکشش اور پرلطف بنا دیتے تھے، پھر کسی لفظ یا کسی واقعہ سے اگر ہم طلبہ کو اپنا مطلب نکالنے کا موقع ہاتھ لگتا، یعنی کسی چیز کے کھلانے پلانے کے مطالبہ کا تو کچھ دیر کی مصنوعی خفگی یا ظاہری ٹال مٹول کے بعد بالآخر طلبا کا مطالبہ پورا ہو ہی جاتا، اور مطلوبہ رقم بڑی بشاشت سے جیب سے نکال کر تھماتے ہوئے کہتے جاؤ تم لوگ بھی کیا یاد کروگے، اب مولانا رخصت ہوگئے، تو ان کی کمی سمجھ میں آرہی ہے، اور ان کی یاد کچھ اس طرح آرہی ہے کہ:

ہے عشق گریزاں کی طرح دل میں تری یاد
شعلہ پہ یہ سیماب ٹھہرتا بھی نہیں ہے

میں جن ایام کا ذکر کر رہا ہوں یہ وہ ایام تھے جب مولانا حیات اللہ صاحب کو اگرچہ شوگر وپتھری کی بیماریاں لاحق تھیں، لیکن عمر وجسم اور عزم وحوصلہ کے اعتبار سے وہ بھرپور جوان تھے، کثرت سے اسفار کر رہے تھے، نور العلوم کے پیغام کو ان حلقوں تک بھی پہنچا رہے تھے جہاں اب تک براہِ راست نور العلوم کا فیض نہیں پہنچ سکا تھا، مالیات کے اعتبار سے ارباب حل وعقد کو بے نیاز کر رکھا تھا، ضلع واطراف میں مقبول قائد، بہترین منتظم اور ملی مسائل کو سلجھانے والی سب سے قد آور شخصیت کی حیثیت سے متعارف ہو چکے تھے، ضلع انتظامیہ، سیاسی قائدین، اور ارباب بصیرت مولانا کی دور اندیشی ودور بینی کے نہ صرف قائل بلکہ دلدادہ ہونے کی وجہ سے اہم قومی معاملات میں ان سے مشاورت لازمی خیال کرتے تھے، ہائے افسوس۔

اِک لہجہ تھا منفرد جو یاد رہے گا مدتوں
اک آواز تھی پر اثر جو مٹی میں دب گئی

نور العلوم میں باضابطہ دو سالہ تعلیمی سلسلہ شروع ہو کر ختم ہوا تو راقم از ہر ہند دار العلوم دیوبند پہنچ گیا، دار العلوم دیوبند آ کر مولانا سے ربط وتعلق برابر برقرار رہا، بلکہ شعور وآگہی میں پختگی کے ساتھ مولانا مرحوم کی بے مثال صلاحیتوں، نور العلوم کے علاوہ دیگر میدانوں میں آپ کی بے لوث خدمات سے بھی واقفیت ہوئی، اور یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ دار العلوم دیوبند کے بہت سے اساتذہ کی نگاہوں میں بھی مولانا کی بڑی قدر ہے، وہ مولانا کی فکری استقامت وتوازن، تواضع وخاکساری، مہمانوں کی خدمت، بزرگانِ دین واکابرین عظام سے محبت، جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے ہر طرح کی خدمت کے لئے حاضر رہنے، قوم وملت کے لئے صعوبتیں گوارہ کرنے اور خانوادہ مدنی پر جان چھڑکنے کی انمول عادات واطوار کو بہت سراہتے ہیں، ہم طلبہ نے دار العلوم کے اساتذہ کی زبان سے جب مولانا حیات اللہ صاحب کی خدمات کے اعتراف کو نہ صرف سنا بلکہ بارہا سنا، تو مولانا کی عظمت شان اور دلی محبت مزید گہری ہوگئی۔

تیرے نفس سے ہوئی آتش گل تیز تر
مرغ چمن ہے یہی تیری نوا کا صلہ

اسی باہمی الفت ومحبت کا یہ نتیجہ تھا کہ میرے افتاء کے سال ہی میں مولانا نے مجھ پر اپنا خصوصی حق جتاتے ہوئے والدمحترم مدظلہ سے کسی ملاقات میں کہا کہ اگلے سال سے اِن شاء اللہ عزیزی حارث سلمہٗ میرے بیٹے بن کر نورالعلوم میں خدمت انجام دیں گے، اور آپ کو میری یہ بات ماننا ہی ہوگی۔ حضرت والدمحترم نے مولانا کے مخلصانہ اصرار پر مجھے تدریسی خدمت کے لئے مولانا کے حوالہ کردیا، مجھے نورالعلوم آئے تقریباً تیرہ سال کا اچھا خاصا عرصہ ہو چکا ہے، مولانا نے کئی مرتبہ یہ بات مجھ سے کہی کہ مفتی حارث میں تمہیں کسی طور پر اپنے بیٹے سعید اختر سے قربت کے حوالے سے کم نہیں سمجھتا اور کہنے سے زیادہ موقع بہ موقع عمل کرکے دکھایا، میری علمی ترقیات کے لئے ہمیشہ جویا رہے، تحریر سے رابطہ رہے؛ اس کے لئے ماہنامہ ''نورالعلوم'' نکالا تو اس کی ادارت کی ذمہ داری سونپی، بیان وتقریر کے لئے مواقع فراہم کئے، اور ہمیشہ حوصلہ افزائی کی، یکسوئی کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دے سکوں؛ لہٰذا مطالعہ کے لئے اندرونِ جامعہ پرسکون جگہ فراہم کرنے کے ساتھ تمام مطلوبہ کتابیں خریدنے کی خصوصی اجازت مرحمت کی، مشکوٰۃ شریف کی شرح ''فیض مشکوٰۃ'' (جوکہ الحمدللہ دس جلدوں میں چھپ چکی ہے) کی ترتیب واشاعت پر ہمیشہ ناصحانہ نگاہ رکھی، کام میں کسی وجہ سے تاخیر یا غفلت محسوس ہوئی تو حدیث کی عظمت واہمیت کے پیش نظر کام میں معمولی غفلت نہ برتنے کی تاکید کی اور کوئی رخنہ ہوا تو اس کا ازالہ کرکے رکا کام شروع کرایا، دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا تو مجھے نسائی وابن ماجہ جیسی اہم کتابیں پڑھانے کا موقع دے کر میرے حوصلوں کو جلا بخشی، حتی الامکان انھوں نے مجھے کاغذ وقلم اور درس وتدریس میں ہی مشغول رکھا، اضافی ذمہ داریوں سے بوجھل نہیں کیا؛ تاکہ ان امور میں خلل نہ پڑے، یہ مولانا کی مجھ پر خصوصی عنایت رہی، انسان ہونے کے ناطے لاپرواہیاں وکوتاہیاں مجھ سے بھی ہوئیں، لیکن نسبتوں کی قدر اور باپ دادا کے رشتوں کی بنا پر عفو

ودرگذر ہی سے کام لیا، مجھے یاد نہیں کہ کبھی پرشور تنبیہ یا غصے کا اظہار کیا ہو، ہمیشہ اپنائیت ومحبت کا ہی برتاؤ روا رکھا، شاید بشیر بدر نے ایسے ہی کسی محسن کے لئے کہا ہے۔

یہ نوازشیں یہ عنایتیں ترا شکر کیسے اَدا کروں

سرراہ پھول بچھا دئے میرے آنسوؤں کے جواب میں

تیرہ سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا، اس عرصہ میں مولانا کی رفاقت خوب رہی، چنانچہ مولانا کی شخصیت کو مختلف حالتوں میں دیکھنے اور محسوس کرنے کا خوب خوب موقع ملا، مہمانوں کے ساتھ خادمانہ سلوک کرتے بھی دیکھا، ماتحتوں پر گرجتے برستے بھی دیکھا، جامعہ کی ترقیات کو لے کر بے چینیوں وفکرمندیوں کی حالت میں بھی دیکھا اور جامعہ کی حصولیابیوں وکامرانیوں پر نازاں وفرحاں ہوتے بھی دیکھا، ملازمین ومدرسین کی خدمات کو سراہ کر انعام واکرام سے نوازتے بھی دیکھا، اور کوتاہیوں وغفلتوں پر چشم پوشی کے ساتھ بسا اوقات کڑی تنبیہات کرتے بھی دیکھا، مخالفین کی ریشہ دوانیوں کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے کامیاب منصوبے بنا کر ان کو روبہ عمل لاتے بھی دیکھا، اور محبین کو اپنے ہاتھوں سے کھانا پکا کر کھلاتے بھی دیکھا، سفر کی دوڑ دھوپ میں صعوبتیں ومشقتیں برداشت کرتے بھی دیکھا اور مہمان خصوصی کے طور پر پرجوش استقبال کے ساتھ سرِراہ پھول بچھائے جانے کو بھی دیکھا، دوستوں کے ہجوم میں بھی دیکھا معاندین کے نرغے میں بھی دیکھا، اور ان تمام مواقع کے مولانا کے تیوران کے رویہ، ان کی گفتگو کے نشیب وفراز، پیش آمدہ حالات کے پیچ وخم میں الجھنے اور الجھ کر نکلنے کے واقعات، کھٹی میٹھی یادوں کی شکل میں آج بھی ذہن کے نہاخانوں میں کافی حد تک محفوظ ہیں، ان واقعات کو اس تحریر میں نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے؛ لیکن ان واقعات کی روشنی میں مولانا کے کردار کی مختلف تصویریں ابھر کر سامنے آتیں ہیں جن کو سامنے رکھ کر فوری نتیجہ نکالنے والا اپنے ظرف کے اعتبار سے اچھا یا برا نتیجہ نکال سکتا ہے، مولانا سے غلطی ہوتی نہیں تھی، یا ان کا موقف کبھی غلط ہوتا ہی نہیں تھا، یا کبھی ان سے کسی کی دل آزاری ہوئی نہیں، ایسا قطعاً نہ تھا، وہ بھی ایک انسان تھے،

ان سے لغزشیں ہوئیں، اور انھوں نے بسا اوقات ان کا اعتراف بھی کیا؛ لیکن چوں کہ ان کی خوبیاں غالب رہیں اور انھوں نے ہم خردوں کے ساتھ استحقاق سے زیادہ نوازشوں کا سلسلہ رکھا، لہٰذا ان کی خوبیوں والے پہلو پر ہی نظر جمی رہی ہے، اور حقیقت کچھ یوں بھی ہے۔

میں نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

مولانا کے اوصاف میں ایک نمایاں وصف یہ بھی تھا کہ وہ خوب غور وفکر کے بعد فیصلے کرنے کے عادی تھے، عموماً مشتعل ہوکر عاجلانہ فیصلے سے گریز کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے عام طور پر فیصلے درست وصائب ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت کاملہ فرما کر ان کے چمن کوتا قیامِ قیامت آباد وشاداب رکھے۔ (آمین)

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۸ء)

خطیب الاسلام، یادگارِ اَکابر

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ کی رحلت

خانوادۂ قاسمی کے سرپرست اعلیٰ، یادگار اکابر، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند گذشتہ ۲۳؍رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ دوپہر ڈھائی بجے کے قریب دیوبند میں ۹۴؍سال کی عمر میں رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن بعد نماز عشاء دارالعلوم کے احاطۂ مولسری میں آپ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ اَدا کی گئی، جس میں ہزاروں طلبہ، علماء اور عوام وخواص شریک تھے۔ بعدازاں قبرستان قاسمی میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے پہلو میں نم آنکھوں سے آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت موصوفؒ واقعۃً اکابر واسلاف کی وراثتوں کے امین بالخصوص فکر قاسمی کے بہترین ترجمان تھے۔ آپ کا درس علوم ومعارف سے بھرپور اور مواعظ وخطبات شریعت کے اسرار اور رموز سے معمور ہوتے تھے، جب کسی موضوع پر کلام فرماتے تو بے تکان اور بلاتوقف روانی سے بولتے چلے جاتے تھے، گویا کہ سبک رفتاری سے چشمۂ فیض جاری ہو۔

آپ ذاتی طور پر اخلاقِ فاضلہ کے حامل اور خاندانی حلم ووقار سے آراستہ تھے۔ طویل عرصہ تک تدریس حدیث شریف کی خدمت میں مشغول رہے۔ علاوہ ازیں ملک وبیرون ملک

میں آپ کے اصلاحی بیانات کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اور بے شمار افراد نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔

آپ کی پیدائش ۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۸؍ جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعہ دیوبند میں ہوئی، آپ کا تعلق یہاں کے مشہور صدیقی خاندان سے تھا، والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نگرانی اور تربیت میں آپ پروان چڑھے، ۱۳۵۱ھ میں تعلیم کا آغاز ہوا، حفظ وناظرہ کی تکمیل کے بعد دارالعلوم دیوبند میں فارسی کا مکمل نصاب پڑھا، اُس کے بعد عربی تعلیم شروع فرمائی، اِسی دوران حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ سے تبرکاً ''میزان الصرف'' کے اَسباق پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی، اور جس وقت آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو حکیم الامتؒ کے براہِ راست تلامذہ میں آپ کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا۔

حضرت موصوف نے ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، اور آپ کے دورۂ حدیث کے اَساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی صاحب اور حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے فوراً بعد آپ دارالعلوم دیوبند کے اُستاذ مقرر ہوئے، اور ابتداء سے لے کر انتہاء تک درسِ نظامی کی کتابیں پڑھانے کی توفیق میسر آئی، اور ہزار ہا ہزار تشنگانِ علوم نبوت نے آپ سے سیرابی حاصل کی۔

اِجلاسِ صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیوبند میں پیش آمدہ قضیہ نامرضیہ کے بعد آپ نے ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم وقف دیوبند قائم فرمایا، جو اِس وقت ماشاء اللہ ایک تناور درخت بن چکا ہے، اور ملک کے مرکزی اِداروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۲۰۱۴ء تک تقریباً ۳۲؍ سال آپ اِس اِدارہ کے منصب اہتمام پر فائز رہے، بعد اَزاں اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے اِس عہدہ سے معذرت فرمالی؛ لیکن سرپرستی برابر فرماتے رہے۔

آپ کی زندگی کا نہایت خوش گوار پہلو یہ ہے کہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی حیات کے آخری دور (۲۰۰۵ء) میں آپ نے نہایت وسعت ظرفی اور عاقبت اندیشی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے دارالعلوم دیوبند سے اختلافات کے دروازوں کو بند کردیا، اور مصالحت کے طور پر تمام مقدمات واپس لے لئے۔ بالخصوص حضرت فدائے ملتؒ کے ساتھ سابقہ روابط بحال فرمالئے، جس سے پورے طبقہ علماء میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ بلاشبہ یہ بڑا عظیم الشان کارنامہ انجام پایا، جس پر مذکورہ دونوں اکابرؒ پورے طبقہ دیوبند کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تدریس وخطابت کے ساتھ ساتھ تحریر وانشاء پردازی سے بھی کافی دلچسپی رہی، متعدد مفید کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں۔ علاوہ ازیں تعلیم بالغان کے لئے آپ نے فاصلاتی کورس ''دینیات'' کے نام سے جاری کیا، جس کا فیض دور دور تک پھیلا، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

آپ نے متعدد پلیٹ فارم سے ملی خدمات بھی انجام دیں، تادمِ آخر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر رہے، اور ایک عرصہ تک ''مسلم مجلس مشاورت'' کی صدارت پر بھی فائز رہے۔ اِس کے علاوہ بھی بہت سے اِداروں کی سرپرستی فرماتے تھے۔

پسماندگان میں ۴؍صاحبزادے اور ۲؍صاحبزادیاں ہیں، جن میں سے دوسرے نمبر کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند آپ کے جانشین ہیں۔ اور ماشاءاللہ ''اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّأَبِیْهِ'' کا مصداق ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، حسنات کو قبول فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۸ء)

قابلِ تقلید شخصیت

(بیاد: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ)

مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری صدر المدرسین واُستاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ کی علالت اور دن بدن گرتی صحت کے بارے میں خبریں برابر موصول ہورہی تھیں اور انفرادی واجتماعی سطح پر ساری دنیا میں دعاءِ صحت کا اہتمام بھی ہورہا تھا کہ، شنبہ ۲۶؍رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء شام تین بجے کے قریب دورانِ سفر حضرت کے وصال کی افسوس ناک خبر موصول ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شب میں دس بجے جنازہ کی نماز ادا کی جائے گی۔ بندہ بذریعہ کار امروہہ سے کانپور ایک دینی جلسہ میں شرکت کی غرض سے جارہا تھا، اور اگلے دن صبح نو بجے لکھنؤ میں صوبائی دینی تعلیمی بورڈ کی مجلس عاملہ بھی طے تھی۔ انتقال پرملال کی اطلاع ایسے مقام پر ملی کہ وہاں سے اگر فوراً دیوبند کے لئے روانگی بھی ہوتی تو بھی نماز جنازہ میں شرکت ممکن نہ ہوپاتی، اس لئے بادل ناخواستہ سفر کو جاری رکھنا پڑا؛ البتہ اگلے دن کی میٹنگ کے ملتوی ہونے کی اطلاع ممبران کو دے دی گئی؛ کیوں کہ متعدد اراکین کی میٹنگ میں شمولیت نماز جنازہ میں شرکت کی بناء پر ممکن نہیں ہو پارہی تھی۔

حضرت مولانا جماعت دیوبند میں اس وقت سب سے بزرگ، نمونۂ اسلاف، خاندانی روایات کے امین اور پورے طبقہ کے لئے سایہ دار شجر کی حیثیت رکھنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا

رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت صرف اہل خانہ کے لئے ہی نہیں؛ بل کہ پوری جماعت کے لئے غیر معمولی رنج وغم کا باعث بنی اور ایسے خلا کو محسوس کیا گیا جس کا پُر ہونا بظاہر مشکل ہے، باری تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور خدمات جلیلہ کا اپنی شایان شان بدلہ مرحمت فرمائے۔

اس گنہگار کو براہِ راست حضرت مولانا مرحوم سے استفادہ کا موقع اگر چہ بہت کم ملا؛ لیکن آپ کی شخصیت کا وقار وعظمت دل کے اندر شروع ہی سے رہا؛ کیونکہ گھر میں ہم نے ہمیشہ آپ کا تذکرہ بہت قدر ومنزلت کے ساتھ ہوتا ہوا سنا۔ حضرت اقدس والدِ محترم دامت برکاتہم العالیہ کو چوں کہ آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور فنِ کلام کی مشہور کتاب ''شرح عقائد نسفی'' آپ سے پڑھی تھی، اس لئے عقیدت مندانہ انداز میں آپ کا ذکر خیر ہوا کرتا تھا۔

جوہر خطابت

طالب علمی کے زمانے میں پہلی مرتبہ آپ کی گفتگو سننے کا موقع اس وقت ملا جب آپ دیوبند کے ایک معزز گھرانے میں خاندان کے سرپرست کی وفات کے موقع پر بغرض تعزیت تشریف لے گئے اور اہل خانہ کی تسلی کے لئے کچھ دیر نصیحت فرمائی اور تعزیتی کلمات کہے مختصر سے وقت میں قرآنی آیات واحادیث سے مزین ایسی جامع پرتاثیر اور اعلیٰ درجہ کی گفتگو آپ نے فرمائی کہ سننے والے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

آپ کا کمال یہ تھا کہ اونچے، معیاری، نہایت بلیغ اور موزوں الفاظ اور جملوں کے استعمال کے باوجود بڑے تسلسل اور روانی کے ساتھ بے تکان گھنٹوں بولتے چلے جاتے تھے اور اس میں کسی طرح کے تصنع اور بناوٹ کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا بلکہ وہبی طور پر فطرتاً یہ کمال آپ کو من جانب اللہ ودیعت کیا گیا تھا اور غایت درجہ خلوص کی بات یہ کہ مجمع کی قلت وکثرت کا آپ کے انداز بیان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور پوری بشاشت کے ساتھ آپ علوم ومعارف کے دریا انڈیلتے رہتے تھے۔ جس مضمون کو بھی آپ بیان کرنا شروع فرماتے اس کا پورا حق اَدا کرتے ہوئے سیر حاصل گفتگو فرماتے۔

اَدیبانہ شان

تقریر کی طرح آپ کی تحریروں میں بھی بلا کا ادب، غضب کی چاشنی اور بھرپور علمی مواد پایا جاتا تھا۔ ''مردانِ غازی'' کے نام سے اسلام کی زریں تاریخ پر مشتمل ۲۴ر صفحات کا ایک رسالہ آپ کے گہربار قلم سے ایسے افسانوی انداز میں لکھا ہوا ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کرنے سے پہلے چھوڑنے کا جی ہی نہیں چاہتا۔ اس تحریر میں بڑے خوب صورت اور دل کو اپیل کرنے والے انداز میں یہ بتایا گیا ہے کہ ماضی میں وہ کیا اسباب تھے جن کی بناء پر مسلمان سارے عالم کے اندر چھاتے چلے گئے اور فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی رہی اور آج کیوں مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ عددی قوت کے باوجود ہزیمت در ہزیمت اور شکست کے بعد شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ذلت و خواری اور پستی ان کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہی ہے۔

ذرا اِس تحریر کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے، اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے زورِ قلم اور قوت بلاغت کی داد دیجئے:

''امیر جیش خالد بن ولید منصور من اللہ تین سو عسکریوں میں سے ساٹھ ہزار کے جم غفیر سے لڑنے کے لئے سپاہی انتخاب فرما رہے ہیں، اور ایک مسلسل خاموشی سے یہ کام ہو رہا ہے۔

چند منٹ میں یہ مہم طے ہوگئی اور تین سو میں سے تیس جانبازوں کا انتخاب فرما کر روانگی کے لئے تیار ہیں، پیکرِ حریت ابوعبیدہ نے سامنے آکر باادب عرض کیا: آپ اس وقت جس مہم کے لئے ہم میں سے جس کو منتخب فرمائیں اس کی اطاعت ہمارا ایمان اور سر دھڑ کی بازی لگا دینے میں ہم مسرور ہیں، آپ کا تدبر ہمارے لئے ہدایت ہے آپ کا تفکر ہماری فتح مندی ہے؛ لیکن صرف تیس آدمی اور ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا خودکشی کا مرادف نہ سمجھا جائے گا؟ بے بصیرت دنیا والوں کے لئے کیا یہ مضحکہ خیز نہ ہوگا؟ کیا خاکم بدہن اس جنگ کا ہمارے حق میں تاریک پہلو آنے والی نسلوں کو ہماری بداندیشی پر آٹھ آٹھ آنسو نہ رلوائے گا۔ امیر المجاہدین رحم فرمائیے، خدا کے لئے رحم فرمائیے اور فی الحال جنگ کو ملتوی فرمائیے اور...... یا کم از کم اس پوری قوم کو اجازت دیجئے تاکہ کسی کو ارمان نہ رہ جائے۔

اُمیر جیش خالد بن ولید نے فرمایا تم نے عہد و پیمان کیے تھے، تم جام شہادت کی جرعہ نوشی کی سچی طلب لے کر گھروں سے نکلے تھے، کیا اس وقت جب کہ یہ جام خود بخود تمہارے لبوں تک آنے کے لئے بے تاب ہے تم اسے پی جانے سے اعراض کرو گے؟ کیا تمہاری بداندیشی نہ ہوگی اور کیا آنے والی نسلوں کو یہ خون کے آنسو رلانے کے لئے کافی نہیں ہوگی؟ کیا یہ تمہاری جبین شجاعت پر ہمیشہ کے لئے کلنک کا ٹیکہ نہ لگ جائے گا کہ خدائی لشکر لڑے بغیر ہی اُلٹے پیر واپس ہوگیا، اس نے ہزیمت مان لی۔

ہاں ہمیں انسانی خون بہانا پسند نہیں؛ لیکن اسی کے ساتھ صدائے حق کو دنیا کے کانوں تک پہنچانا بھی ہے اور بتلانا ہے کہ سربلندی صرف خدا کے لئے ہے، اس کے سامنے سب کی گردنیں خم کرانی ہیں۔

ہمیں نہ اپنی عددی اقلیت کا غم ہے، نہ سامان حرب کی قلت ہمارے لئے سوہان روح ہے۔ نہ ہمیں اپنے تدبر پر گھمنڈ ہے۔

ہاں ہمیں ناز ہے تو اس امانت پر کہ جس کو خدائے قدوس نے ہمارے سینوں میں محفوظ فرمایا، ہمیں فخر ہے تو اس پیغام پر جو صادق مصدوق نے ہمیں دنیا کو سنانے کے لئے دیا ہے۔ اس کے لئے تیس تو تیس اگر ایک بھی ہو تو اسے ہزاروں کے سامنے ڈٹ جانے میں تأمل نہ ہونا چاہیے۔ بہرحال میں آپ کے خاطر ان تیس میں تیس کا اور اضافہ کرتا ہوں اور اس یقین کے ساتھ کہ ان میں سے ہر ایک، ایک ہزار کے لئے کافی ہے۔ امیر جیش خالد بن ولید نے اس ایمان پرور تقریر کے بعد تیس جانبازوں کا اور انتخاب فرمایا اور باقی ماندہ لشکروں کو ہدایات دیں یہ ساٹھ نفوس قدسیہ کا مقدس لشکر ساٹھ ہزار کے انسانی طوفان سے ٹکر لینے کے لئے روانہ ہوا''۔ (مردانِ غازی)

دیکھئے کیسے اچھوتے انداز میں حضرت مرحوم نے اس وقت کے منظر کی عکاسی کی ہے۔ آپ ہی بتایئے جب اس جذبہ کے ساتھ کوئی لشکر اپنے دشمن سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوگا تو اس کو غلبہ کیوں نہ نصیب ہوگا؛ چناں چہ ہوا بھی یہی عددی اعتبار سے اس معمولی مگر ایمانی جذبات سے لبریز جتھے نے دشمن کے گیارہ ہزار سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر بقیہ سب کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور ان کے صرف پانچ ساتھیوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اللہ والوں نے اللہ کا بول بالا کیا اور حمص پر اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔

حالات کے گرداب میں پھنسی امت مسلمہ کو اس واقعہ کے ذریعہ یہ پیغام دیا گیا کہ اگر اللہ سے رشتہ مضبوط ہو، عزم و ہمت بلند ہو، ہر کام میں مقصد اللہ کی رضا ہو تو قدم قدم پر نصرت خداوندی شامل حال ہوگی اور ذلت عزت سے، پستی بلندی سے اور ہزیمت فتح سے تبدیل ہوتی چلی جائے گی۔

مثالی تواضع

حضرت مرحوم میں تواضع کا وصف بڑا مثالی اور نمایاں تھا آپ کے قریب اور ماتحت رہنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ تمام تر اختیارات کے باوجود کبھی حضرت نے تحکمانہ انداز نہیں اختیار فرمایا، ہمیشہ بڑی شفقت و نرمی کا معاملہ فرمایا، بسا اوقات آپ کی نرمی سے لوگوں نے غلط فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی تو بھی اپنی طبعی سلامت روی کی وجہ سے آپ ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئے، بل کہ درگزر سے کام لیا۔

آپ کی مجلس باوقار اور سنجیدہ ہوتی تھی، کسی کی غیبت یا برائی سے آپ کی زبان محفوظ رہا کرتی تھی اور نہ اس عادت کے لوگوں کو آپ پسند فرماتے تھے۔ آپ کا در دولت ہر کس و ناکس کے لئے کھلا رہتا تھا اور سب سے پوری توجہ اور تعلق خاطر کے ساتھ ملاقات اور گفتگو فرماتے تھے معمولی سے معمولی آدمی بھی اگر خلوص کے ساتھ اپنے گھر مدعو کرتا یا کسی پروگرام میں بلاتا اور آپ کے پاس وقت ہوتا تو منع نہ فرماتے اور مشقت اُٹھا کر وقت مقررہ پر اس کے یہاں پہنچتے اور قیام و طعام یا پروگرام کی ترتیب میں خواہ کتنی ہی بدنظمی کیوں نہ ہو کوئی شکایت نہ فرماتے اور سب چیزوں کو خوش طبعی کے ساتھ برداشت فرمالیتے۔

تقریباً آٹھ سال پہلے کی بات ہے اچانک معلوم ہوا کہ حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب نوراللہ مرقدہٗ امروہہ تشریف لا رہے ہیں، تعجب ہوا کہ شہر میں کسی بڑے پروگرام کا کوئی علم نہیں اور اتنی بڑی شخصیت قدم رنجہ فرمانے والی ہے، داعی اور میزبان حضرات سے رابطہ کر کے معلوم کیا گیا کہ کس مناسبت سے حضرت کی تشریف آوری ہو رہی ہے؟ پتہ چلا کہ بازار میں ایک

صاحب جوتے کی چھوٹی سی دوکان کھول رہے ہیں، اُس کے افتتاح کے لئے حضرت تشریف لانے والے ہیں؛ چناں چہ اگلے دن حضرت تشریف لے آئے، وعدہ کے مطابق دوکان میں تشریف لے گئے، دعاء فرمائی، اور پھر جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں تشریف لائے۔ ہم لوگوں نے عرض کیا حضرت پہلے سے آپ کی آمد کا علم ہوتا تو ہم کسی پروگرام کا نظم کر لیتے، بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوجاتا۔ فرمایا مجھے بھی پروگرام کی تفصیلات معلوم نہیں تھیں، میرٹھ میں تعلق رکھنے والے ایک صاحب نے امروہہ کا یہ پروگرام لیا تھا، اسی کے مطابق آنا ہوگیا، یہاں آکر محسوس ہوا کہ مجھے مغالطہ میں رکھا گیا؛ محض کھانا کھانے کے لئے یا کسی دوکان کا افتتاح کرنے کے لئے اتنا لمبا سفر جب کہ اس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو؛ طبیعت پر بوجھ بنتا ہے؛ لیکن مدرسہ میں آکر اور طلبہ سے گفتگو کر کے میری طبیعت بہت ہلکی اور خوش ہوگئی، اور میرا یہ سفر کامیاب ہوگیا۔ کئی گھنٹہ مدرسہ میں قیام رہا، اساتذہ اور طلبہ کو نصیحت فرمائی اس کے بعد واپس دیوبند تشریف لے گئے۔

سب لوگ حیرت میں تھے اس پیرانہ سالی میں ایک متعلق کا دل رکھنے کے لئے آپ نے اتنا طویل سفر کیا اور زحمت برداشت کی۔

بڑے لوگوں کی شان بھی بڑی ہوا کرتی ہے، آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے؛ لیکن آپ کا یہ علمی ذوق، بلند اخلاق، سادگی اور راست بازی وہ عظیم ورثہ ہے جو آپ کے بعد رہ جانے والے لوگوں کے لئے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نسبتاً طویل عمر گزارنے کے بعد دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ ہر شخص آپ کے حسنِ عمل کا معترف اور پاکیزہ زندگی سے متأثر ہے اور یہی وہ صفت ہے جو انسان کو رب ذوالجلال کی نگاہ میں بہترین بنادیتی ہے۔

اللہ پاک ہمیں بھی ان صفات کو اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۸ء)

حضرت مولانا حافظ محمد طیب صاحبؒ (نابینا)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے شاگرد اور خلیفہ مجاز، علم دوست عالم دین اور گوشہ نشین بزرگ حضرت مولانا حافظ محمد طیب صاحب فیض آبادی نور اللہ مرقدہٗ (مالک کتب خانہ نعمانیہ دیوبند) گذشتہ ۱۹؍شوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۴؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز بدھ دیوبند میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن بعد نماز عشاء اِحاطہ مولسری دار العلوم دیوبند میں حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم العالیہ کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور قبرستانِ قاسمی میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت حافظ صاحبؒ بہت سی خوبیوں کے حامل تھے، بینائی سے معذوری کے باوجود علم بڑا مستحضر تھا، آپ کے اکثر اَوقات یا تو تلاوتِ قرآنِ کریم میں گذرتے یا دینی کتابوں اور رسائل کے سننے سنانے میں صرف ہوتے تھے۔ سماعت کے دوران آپ پوری طرح متوجہ رہتے، اور مصنف کے بیان یا تحریر میں کوئی باریک سے باریک قابل غور بات ہوتی تو اُس کی پوری تحقیق فرماتے تھے۔ اَکابر واَسلاف کے طریق پر پوری زندگی قائم رہے، اور اُن کی مجالس سے بھرپور اِستفادہ فرماتے رہے۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے آپ کو بڑی اُنسیت تھی، اور حضرت کے دیوبند کے قیام کے زمانہ میں بلاناغہ عصر کے بعد اور عشاء کے بعد کی مجلس میں آپ شرکت فرماتے تھے؛ بلکہ آپ کے برمحل سوالات اور استفسارات سے حاضرین مجلس کو بہت سے علمی وتحقیقی اِفادات سے اِستفادہ کا موقع میسر آتا تھا، جو حاضرین حضرت سے بذاتِ خود کوئی بات پوچھنے کی ہمت نہ کرپاتے تھے؛ اُن کی ترجمانی حضرت حافظ صاحبؒ بخوبی فرمایا کرتے تھے۔

اِسی طرح فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کی مجلس میں بھی آپ حاضری کی کوشش فرماتے، اور آپ کے تکلم کی وجہ سے مجلس میں گفتگو کا سلسلہ تادیر جاری رہتا تھا۔

علم دوستی، طلبہ کی حوصلہ افزائی اور ذہن سازی آپ کی زندگی کا گویا کہ مقصد تھا۔ دارالعلوم کے صدر گیٹ کے قریب آپ کا کتب خانہ نعمانیہ صرف ایک مکتبہ ہی نہ تھا؛ بلکہ بہت سے اہل علم کی نشست گاہ کی بھی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ مکتبہ اگرچہ ایک ذریعہ معاش تھا؛ لیکن اُس کے پس پشت بھی زیادہ تر طلبہ اور علماء کے ساتھ خیر خواہی اور نصیحت کا جذبہ کار فرما تھا، اور آپ طلبہ اور علماء کو زیادہ سے زیادہ رعایت دینے اور اُن کی ضرورت کی کتابیں مناسب قیمت پر مہیا کرانے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ کتب خانہ سے فارغ وقت میں آپ اکثر چھتہ مسجد میں ہی تشریف فرما رہتے، اور وہاں بھی قرآنِ پاک سننے سنانے یا بعض طلبہ کو کچھ کتابیں پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔

آپ نے پوری زندگی یکسوئی اور گوشہ نشینی میں گذاری، تواضع اور مسکنت کا حال یہ تھا کہ بہت سے لوگ تو آپ کو پورا عالم بھی نہ سمجھتے تھے، اِسی طرح کتنے ہی لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آپ حضرت شیخ الاسلامؒ کے خلفاء میں ہیں؛ لیکن جیسے جیسے آپ کی عمر میں اِضافہ ہوتا گیا، من جانب اللہ شہرت اور مقبولیت بھی بڑھتی گئی، بہت سے حضرات نے آپ سے اِصلاحی تعلق قائم کر کے راہِ سلوک کی تکمیل کی، جن میں مولانا مفتی سید معصوم ثاقب صاحب رائے چوٹی، مولانا محمد رضوان صاحب مکہ معظّمہ اور مولانا محمد ارشد صاحب فیض آبادی سفیر دارالعلوم دیوبند وغیرہم شامل ہیں۔ یوپی، گجرات، مہاراشٹر اور آندھرا پردیش کے بہت سے علاقوں میں آپ کے اِصلاحی اَسفار بھی ہوتے تھے، جن سے بے شمار لوگوں نے فائدہ اُٹھایا، کئی سال آپ نے رمضان میں ممبئی کی واکولہ جامع مسجد میں قیام فرما کر خلق خدا کو مستفیض فرمایا۔ اور آپ نے متعدد مرتبہ سفرِ حج کی بھی سعادت حاصل کی۔

ماہنامہ ندائے شاہی کے آپ قدیم قارئین میں سے تھے، ہر مہینے رسالہ کا انتظار فرماتے اور از اول تا آخر پورا رسالہ سنا کرتے تھے، اگر کوئی مضمون پسند آتا تو ملاقات پر اُس کا ذکر فرماتے، اور کوئی بات قابل اصلاح ہوتی تو اُس کی طرف بھی توجہ دلایا کرتے تھے۔ احقر مرتب سے بھی خاص لگاؤ

رکھتے تھے، جب بھی زیارت وملاقات ہوتی تو بہت ہی زیادہ مسرت اور بشاشت کا اِظہار فرماتے تھے۔

آپ کا وطن اَصلی قصبہ بھدرسہ ضلع فیض آباد تھا، جہاں ۱۹۳۵ء میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم اَولاً فیض آباد میں اُس کے بعد مدرسہ نور العلوم بہرائچ میں حاصل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۵ء میں فراغت حاصل کی۔ آپ کے اَساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے علاوہ حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ جب کہ ہمعصروں میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی، حضرت وحیدالزماں صاحب کیرانوی اور حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ بطور خاص قابل ذکر ہیں، فراغت ہی کے سال بانسکنڈی آسام میں حضرت مدنیؒ نے آپ کو اِجازتِ بیعت سے بھی سرفراز فرمایا۔

۱۹۶۵ء میں آپ نے دیوبند میں مکتبہ نعمانیہ قائم فرمایا، اور اُس کے ذریعہ سے بہت سی اَہم کتابوں کی اِشاعت فرماکر علمی خدمت انجام دی، اُن میں فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ردالمحتار'' یعنی ''فتاویٰ شامی'' اور ''طحطاوی علی المراقی'' بھی شامل ہیں۔

آپ پچھلے کئی مہینوں سے صاحبِ فراش تھے، احقر رمضان المبارک سے قبل گھر پر ملاقات کے لئے حاضر ہوا، تو شدید تکلیف میں مبتلا تھے، بار بار یہی فرماتے رہے کہ بس خیر کی دعا کرو، رمضان المبارک میں بھی طبیعت ناساز رہی اور دیوبند میں قیام فرما رہے۔

بالآخر وقت موعود آپہنچا اور ۸۳؍سال کی عمر میں اعمالِ حسنہ کا ذخیرہ لئے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہوگئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

آپ کے پسماندگان میں ایک صاحبزادے محمد فیضی سلمہ اور ایک صاحبزادی باحیات ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ صاحب کے درجات بلند فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ (ندائے شاہی اگست ۲۰۱۸ء)

رئیس العلماء حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

ملک کے مشہور و معروف صاحبِ فکر و نظر عالم دین، سیکڑوں علماء کے مربی اور سرپرست، سلفِ صالحین کی روایتوں کے اَمین، فخرِ گجرات، مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ ۲۵؍شوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۰؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز منگل اپنے وطن کاپودرا ضلع بھروچ گجرات میں تقریباً ۸۵؍سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُسی دن بعد نماز عشاء ہزاروں علماء اور عوام وخواص نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور خاندانی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

مولانا موصوف نہایت منتظم مزاج، باوقار، حلیم و بردبار، معاملہ فہم اور نفاست پسند عالم دین تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو قابل رشک اَخلاقِ فاضلہ سے نوازا تھا، آپ کی علمی اور اَدبی صلاحیت بھی بے نظیر تھی، عربی محاورات اور اشعار زبان زد تھے، مطالعہ کے بڑے شوقین اور کتابوں کے رسیا تھے، آپ کا خود اپنا عظیم الشان ذاتی کتب خانہ (جسے آپ نے وفات سے پہلے وقف کردیا تھا) آپ کے ذوقِ مطالعہ کا آئینہ دار ہے۔

آپ کی زندگی کا سب سے تابناک دور ''دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر'' کا زمانۂ اہتمام وریاست ہے، جو تقریباً ۲۸؍سال کو محیط رہا، اِس دور میں دارالعلوم فلاحِ دارین کو بے مثال عروج نصیب ہوا، اِنتہائی باصلاحیت اور قابل اَساتذہ دارالعلوم میں آپ کی توجہ سے جمع ہوئے، اور دارالعلوم کی بہترین تعلیم وتربیت کا شہرہ دور دور تک ہوگیا، اور یہ کہنا بالکل بجا ہے:

بہار جو اَب اِدارہ میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود اُنہیں کی لگائی ہوئی ہے

اِس دوران سیکڑوں طلبہ اِس اِدارہ سے فارغ ہوئے، جو آج ملک وبیرونِ ملک میں نمایاں دینی خدمات اَنجام دے رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ سب حضرت موصوف کے لئے آخرت میں رفعِ درجات اور تکثیرِ اَجروثواب کا ذریعہ بنیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

مولانا کو وعظ وخطابت کا بھی بہترین ملکہ حاصل تھا، آپ کے خطبات بڑے دل نشیں اور معلومات سے پُر ہوتے تھے، چناں چہ ''صدائے دل'' کے نام سے آپ کے خطبات کے کئی مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ اِسی طرح متعدد وقیع علمی واَدبی تصنیفات بھی آپ کے آثار وباقیات میں شامل ہیں۔ آپ نے شیخ علی بن محمد بن حسین البستی الشافعی (المتوفی ۴۰۰ھ) کے ایک نصیحت آموز عربی قصیدے ''مکارم الشیم'' کا اُردو میں بامحاورہ ترجمہ کرکے شائع فرمایا تھا، یہ قصیدہ بلاشبہ مواعظ وحکم کا بہترین گلدستہ ہے، خصوصاً علماء اور طلبہ کے لئے نہایت مفید ہے۔ اِسی بنا پر اِس قصیدہ کو ماہنامہ ''ندائے شاہی'' فروری اور اپریل ۲۰۰۶ء میں دو قسطوں میں شائع کیا گیا تھا۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سے آپ دیرینہ لگاؤ رکھتے تھے، سابق مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ اور موجودہ مہتمم حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مدظلہ سے گہرے مراسم تھے۔ ندائے شاہی ہر ماہ آپ کی خدمت میں بھیجا جاتا تھا، جس کا بہت دلچسپی سے مطالعہ فرماتے تھے اور انتظار میں رہتے تھے۔

اگست ۲۰۰۳ء میں بعض افریقی اَحباب کے ساتھ آپ مدرسہ شاہی میں تشریف لائے اور ایک رات قیام فرمایا، اسی موقع پر احقر کو پہلی مرتبہ حضرت کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوا، اور آپ کی مؤثر علمی گفتگو سے استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے اس وقت خصوصاً مدارس میں کتب خانہ اور لائبریری کے نظام کی درستگی کی طرف توجہ دلائی تھی اور اہل مدارس کو زیادہ سے زیادہ کتابیں فراہم کرنے کی تاکید کی تھی۔ حضرت موصوف اُس وقت ٹورنٹو (کنیڈا) میں اِقامت پذیر تھے، آپ نے مغربی اور یورپی ممالک میں لائبریریوں کے نظام اور تحقیق کرنے والوں کے لئے مہیا سہولتوں کا بالخصوص ذکر فرماتے ہوئے اپنے اداروں میں بھی

ویسا ہی ماحول قائم کرنے پر زور دیا تھا۔ الغرض حضرت کی گفتگو سے علمی عظمت کا جو نقش اول قائم ہوا تھا وہ وقت کے ساتھ اور گہرا ہوتا چلا گیا۔

احقر کے گجرات کے سفر کے دوران اگر آپ ''کاپودرا'' میں تشریف فرما ہوتے تو وقت نکال کر حضرت کی زیارت کا شرف حاصل کیا جاتا، حضرت والا بھی ذرہ نوازی فرماتے ہوئے بہت اکرام کا معاملہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ احقر کے سفر کنیڈا کے دوران آپ ٹورنٹو میں مقیم تھے، تو اپنے دولت کدہ پر آنے کی دعوت دی اور اپنی قریبی ''مسجد ابوبکر'' میں پروگرام رکھا اور بذاتِ خود اُس میں تشریف فرما رہے۔

چھوٹوں کے ساتھ شفقت اور اُن کے کاموں پر حوصلہ افزائی آپ کا امتیازی وصف تھا، اِسی لئے طلبہ اور علماء آپ پر جان چھڑکتے تھے، آپ کا وجود خصوصاً اہل گجرات کے لئے بسا غنیمت تھا، آپ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا اور بہت سے مدارسِ دینیہ کے سرپرست تھے، نیز دارالعلوم وقف دیوبند اور جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ سمیت متعدد اِداروں کے شوریٰ کے رکن تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدماتِ عالیہ کا بہتر صلہ آخرت میں عطا فرمائیں، آمین۔

آپ کی پیدائش ۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) میں برما کے شہر ''ہی ہو'' میں ہوئی، جہاں آپ کے والد ماجد تجارت کی غرض سے مقیم تھے، ابھی آپ ڈھائی ہی سال کے تھے کہ والد صاحب نے ہندوستان واپس آکر کاپودرا ضلع بھروچ میں رہائش اختیار فرمائی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے کاپودرا کے مکتب اور اسکول میں حاصل کی، پھر ۱۹۴۴ء میں ''جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل'' میں داخل ہوئے، اور ۱۹۵۳ء میں فراغت حاصل کی، درمیان میں ۲؍سال دیوبند بھی قیام رہا؛ لیکن علالت کی وجہ سے واپس ڈابھیل آکر تعلیم کی تکمیل کی۔ یہاں کے دورہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ اور مولانا عبدالرؤف صاحب پشاوریؒ قابل ذکر ہیں۔ ڈابھیل سے فراغت کے بعد آپ کو ۲؍سال مزید دیوبند میں رہنے کا موقع میسر آیا، اِس دوران آپ کو اَکابر دیوبند بالخصوص حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند،

حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب اور مصری مبعوث شیخ محمود طنطاوی رحمہم اللہ سے استفادہ کا موقع ملا، نیز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے سہارنپور جاکر مسلسلات کی سند حاصل کی، اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی مجالس سے مستفید ہوئے۔

۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک جامعہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیں، جب کہ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۵ء تک ''جامعہ فلاحِ دارین ترکیسر'' کے اہتمام کی ذمہ داری بخوبی نبھائی، اور ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۳ء تک رئیس الجامعہ کا عہدہ آپ کے سپرد رہا۔

بعد ازاں آپ نے انتظامی وتدریسی ذمہ داریوں سے بذاتِ خود سبک دوشی حاصل فرمالی، اور ٹورنٹو (کنیڈا) میں قیام فرمایا؛ تاہم ہندوستان بھی آمد ورفت جاری رہی، اور وعظ وخطابت اور مفید مشوروں کے ذریعہ اُمت کو فیض پہنچاتے رہے۔ اخیر کے چند سالوں میں کینسر کے موذی مرض میں مبتلا رہے؛ لیکن زبان پر ہمیشہ صبر وشکر کے کلمات جاری رہتے۔ بالآخر وقت موعود آپہنچا اور آپ نے روشن نقوش چھوڑ کر دارِ فانی کو الوداع کہا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

آپ کے پسماندگان میں سات صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں، صاحبزادگان کے نام درج ذیل ہیں: (۱) مولانا محمد صاحب مقیم ملائی (۲) جناب محمد یونس صاحب مقیم کاپودرا (۳) جناب محمد یوسف صاحب کاپودرا (۴) محمد سلیم صاحب کاپودرا (۵) مولانا محمد اسماعیل صاحب (جو ۳۰/سال سے انگلینڈ میں مقیم تھے اور گذشتہ ۸/سال سے حضرت مولانا کی علالت کی وجہ سے مسلسل حضرت کی خدمت میں رہتے تھے) (۶) حافظ محمد ابراہیم صاحب مقیم لندن (۷) محمد قاسم صاحب مقیم کنیڈا۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۱۸ء)

اللہ کی ایک نیک بندی کی یاد

(اہلیہ مرحومہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی مدظلہ کا تذکرہ)

تحریر: اُم احمد ہاشمی سہارن پور

صاحبزادۂ حضرت شیخ الحدیثؒ، پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی کی اہلیہ محترمہ گذشتہ ۳ رشوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۸ رجون ۲۰۱۸ء بروز منگل طویل علالت کے بعد انتقال فرماگئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوفہ حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم کی بڑی صاحب زادی تھیں، اور خاندانی نجابت وشرافت کے ساتھ ساتھ تلاوت وعبادت اور درود شریف میں کثرتِ اشتغال کے اعتبار سے امتیازی شان رکھتی تھیں، رمضان المبارک میں خود تلاوت کے علاوہ پوری رات مختلف حافظوں سے تراویح ونوافل میں قرآنِ کریم سننے کا معمول تھا۔ علاوہ اَزیں مہمانوں کی ضیافت اور اعزاء کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی کا وصف بھی نمایاں تھا، حرمین شریفین حاضری کا بھی بڑا شوق تھا، اکثر حرمین کے سفر میں آپ حضرت مولانا مدظلہ کے ساتھ رہتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحومہ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

دنیا میں آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے، مگر اللہ کے بعض مقبول بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے جانے پر زمانہ روتا ہے، آسمان وزمین روتے ہیں، ان ہی میں ایک پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ کی اہلیہ مرحومہ، میری ہمشیرہ صاحبہ بھی تھیں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

اَب تو باتوں اور یادوں کا نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ ہے، مرحومہ بہت متقی، پرہیزگار

خاتون تھیں۔ خاندان کے علاوہ کسی بھی آٹھ سال تک کے بچے کو گھر میں آنے کی اجازت نہیں تھی کہ بس وہ تو اب پردے کے قابل ہو گیا، کبھی اپنے لئے کوئی کپڑا وغیرہ نہیں خریدا، ہدیہ میں جو چیز آ جاتی وہ ہی استعمال کرتیں، اور گھر میں بھی کسی چیز میں کچھ ترمیم کرانا پسند نہ تھا کہ بس جیسا حضرت شیخ رحمہ اللہ (حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ) چھوڑ گئے، اسی میں گزارہ کریں گے،، بہت کم کسی چیز میں تغیر ہوا، وہی سادہ سا گھر، تخت اور چارپائیاں، مٹی کے بنے ہوئے چولہے، ہاتھ سے پانی کھینچنے والا نل، سادہ سا فرش، لباس بھی بہت ڈھیلا ڈھالا پہنتی تھیں۔

سنتوں کا اہتمام

سنتوں کا اہتمام بہت تھا، تین سال سے مستقل آکسیجن لگا ہوا تھا، دو لڑکیوں کے سہارے حمام جاتیں، اس کے باوجود سر ڈھانک کر جاتیں، سر میں تیل لگواتیں تو کہتیں کہ بیچ میں لگاؤ، کنگھا کراتیں تو فوراً کہتیں کہ داہنی طرف سے کرو، وضو میں مسواک ضرور کرتیں، رات کو سونے سے پہلے پابندی سے سرمہ لگاتیں، ہر جمعہ کو صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا معمول تھا۔ عصر بعد حزب الاعظم، چہل درود شریف اور قصیدہ بردہ شریف پڑھنے کا معمول تھا، درود شریف روزانہ کئی ہزار مرتبہ پڑھتیں، جمعہ کے روز عصر سے مغرب کے درمیان کسی سے نہ بولتیں، درود شریف پڑھتی رہتی تھیں اور سورۂ کہف تو حضرت شیخ کے کہنے کی وجہ سے روزانہ ہی پڑھتی تھیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بہت کثرت سے ہوتی تھی، ہر ہفتہ یا ہفتے میں کئی بار، مگر کسی کو نہ بتاتیں، بہت کم کبھی والد صاحب (حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم) کو سنا دیتیں، سن ۱۹۷۳ء میں پہلا حج کیا تھا، اس وقت سے تہجد بہت پابندی سے پڑھتی رہیں اخیر عمر تک۔

قرآن پاک سے شغف

قرآنِ پاک سے بہت زیادہ شغف تھا، عام دنوں میں قرآنِ پاک کی ایک منزل روزانہ تلاوت فرماتیں، اور رمضان المبارک میں روزانہ ایک ختم کرتیں، اس کے علاوہ تراویح میں

ہمیشہ ایک قرآن پاک پورا سنتیں، دھیان سے اور اتنا اچھا یاد تھا کہ سلام پھیر کر بتلاتیں کہ فلاں جگہ متشابہ لگ گیا، باقاعدہ حافظہ تو نہیں تھیں، لیکن اچھا خاصا یاد تھا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سے ہی مولانا محمد شاہد صاحب تراویح پڑھاتے تھے، ۱۴۲۶ھ تک انہوں نے ہی پڑھائی، پھر احمد سلمہ نے شروع کی اور ۱۴۳۷ھ تک پڑھائی، اس سال محمود سلمہ پہلی مرتبہ سنا رہے تھے، لیکن مقدر میں پانچ سپارے ہی تھے، پھر ہمشیرہ اسپتال چلی گئیں، تو واپس ہی نہیں آئیں، پوری رات نفلوں میں قرآن پاک سنتیں، اس کا طریقہ یہ تھا کہ ان کی سہ دری مسجد کی طرح رہتی، رمضان کی چاند رات کو پلنگ ہٹا دیے جاتے، پردے ڈال دیے جاتے اور فرش بچھ جاتا، خاندان کے بچے پہلے سے آکر کہنا شروع کر دیتے کہ ممانی میں سناؤں گا، تو اس طرح گرمی کی راتوں میں تقریباً چھ بجے اور سردی کی راتوں میں دس بارہ بجے قرآن پاک سناتے، آدھا آدھا گھنٹہ سب کا مقرر تھا، دو دو رکعت نفل میں دو یا ڈھائی پارہ سب کا الگ الگ مقرر ہوتا تھا، پہلے مفتی خالد صاحب، مولوی عمار صاحب، مولانا محمد صاحب وغیرہم سنایا کرتے تھے، بعد میں مولوی جعفر، عثمان، نعمان، سہیل، ساجد سلمہم نے سنایا، پھر مفتی صالح، عادل، عاصم، محمد، طارق، انس سلمہم نے بھی سنایا، غرض کہ خاندان کے چالیس پچاس حفاظ نے ان کو قرآن پاک سنایا، ماشاء اللہ حافظ تیار ہوتے رہتے تھے، اور سنانے والوں میں آتے رہتے، بڑوں کی چھٹی ہوتی رہتی اور چھوٹوں کا نمبر آتا، سنانے والوں کو بھی اتنا ہی شوق رہتا جتنا سننے والی کو، بارہ بجے نفلیں شروع ہوتیں اور سحری سے آدھا گھنٹہ قبل ختم ہوتیں، سننے والیوں میں اور بھی ایک دو عورتیں ہوتیں، یہ معمول حضرت شیخ کے زمانے سے تھا جو کہ اخیر تک رہا۔

سیکڑوں بچیوں کو قرآن پاک اور ترجمہ پڑھایا، ہمارے خاندان کی تقریباً سبھی بچیاں ان کی پڑھائی ہوئی ہیں، ترجمہ کے بعد بہشتی زیور، فضائل اعمال، اسلامی کورس، دینی تعلیم کے رسالے اور حسن معاشرت بچیوں کو پڑھاتیں، اردو لکھنا بھی سکھاتیں، اس کے علاوہ سلائی کڑھائی بھی سکھاتیں، گاؤں سے مستقل چار پانچ لڑکیاں ان کے پاس رہتی تھیں، چھوٹی عمر میں

آتیں پھر سب پڑھ لکھ کر، سارے کام، کھانا پکانا وغیرہ سیکھ کر اپنی شادی کے وقت ہی گھر جاتیں، پھر کچھ اور بچیاں آجاتیں اور یہ سلسلہ چلتا رہتا، بڑی عمر کی عورتیں بھی ان سے قرآن پاک اور ترجمہ پڑھنے آتی تھیں، ابھی وفات سے چار ماہ قبل ہی ایک خاتون کا ترجمہ پورا ہوا ہے، اور خاندان کے لڑکوں کو بھی قاعدہ پڑھاتیں، اس نیت سے کہ قرآن پاک حفظ کریں گے تو مجھے آخرت میں ثواب ملے گا، احمد سلمہ محمود سلمہ کو بھی قاعدہ انہوں نے ہی پڑھایا، میرے سب بچوں کی بسم اللہ ان کے گھر سے ہی ہوئی، بھائی میاں (پیر صاحب مدظلہ) نے کرائی۔

شوہر کی خدمت

اپنے شوہر (پیر صاحب، حضرت مولانا طلحہ صاحب دامت برکاتہم) کی تو ساری ہی ذمہ داری انہوں نے سنبھال رکھی تھی، عام طور پر جو کام مردوں کے ہوتے ہیں وہ بھی خود کرتیں، بھائی میاں کسی سفر پر جاتے تو ان کی مکمل تیاری کرنا، ان کا بیگ لگانا، خادموں کو تاکید کرنا کہ بد پرہیزی نہ ہونے پائے، جب حج پر تشریف لے جاتیں تو ویزا پاسپورٹ وغیرہ سب کی خیر خبر خود ہی رکھتیں، ان کی دواؤں کا بہت زیادہ اہتمام کرتیں، تینوں وقت کی دوائیں الگ الگ چھوٹی ڈبیہ میں کر کے کچے گھر میں بھائی میاں کے پاس بھیجتیں۔

زیارت حرمین کا شوق

زیارت حرمین اور حج عمرہ کا بہت زیادہ شوق اور تڑپ رہتی تھی، کم از کم تیس حج کیے ہوں گے، ایک حج بچپن میں والد صاحب کے ساتھ کیا تھا، پھر شادی کے دس سال بعد کیا، اس کے بعد سے سلسلہ شروع ہو گیا تھا، ہر سال جاتی تھیں اور آنے کے بعد سے ہی دوبارہ حاضری کی تیاری شروع ہو جاتی، وہ ہی بیگ دوبارہ تیار ہونا شروع ہو جاتا، سب اعزہ کے لئے اور حضرت شیخ ؒ کے مریدین کے گھر والوں کے لئے تحفے لے کر جاتیں، مدینہ منورہ یا حرمین شریفین کا ذکر سنتے ہی آنسو بہنے لگتے، اکثر حرمین کے شوق اور تڑپ میں اشعار گنگنایا کرتیں، دربار عالیہ میں روتی

ہوئی نظریں نیچے کیے ہوئے حاضر ہوتیں، کسی سے بات چیت نہ کرتیں، وہیل چیئر سے نیچے اتر کر بیٹھتیں، پہلے ہمیشہ اقدام عالیہ میں بیٹھتیں، اب تو وہاں عورتوں کا جانا بند ہوگیا ہے، بے شمار قرآن پاک اقدام عالیہ میں بیٹھ کر ختم کیے، کئی کئی گھنٹہ درود شریف پڑھتی رہتیں، مدینہ منورہ کے ادب میں وہاں بچوں تک کو کچھ نہ کہتیں، روزانہ مسجد نبوی میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ مراقبہ میں رہتیں۔

اپنے گھر کاندھلہ میں

ہم سب بہن بھائیوں میں چونکہ سب سے بڑی تھیں، اس لئے ہماری پرورش میں ان کا زیادہ حصہ تھا، والدہ صاحبہ گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تھیں، والد صاحب کے یہاں مہمان ہمیشہ سے بہت آتے تھے، انہیں بچپن سے ہی ہر کام کا بہت سلیقہ اور شوق تھا، اسی وجہ سے بہت ہی نفاست، سلیقہ، ڈھنگ، دین داری سب کچھ سکھایا، اصلاحی قصے بہت سناتی تھیں۔

ان کی شادی کے بعد والدہ مرحومہ نے ان کو پہلا خط لکھا، اور اس میں اشعار کے ذریعہ نصیحت کی۔

یہ تو سب کچھ ہے مگر اے نیک ❖ ذات دل لگا کر رہنا اے نیک
شیخ کے دم کو غنیمت جان لو ❖ ان کی خدمت کو سعادت مان لو
ان کی شفقت باپ اور ماں سے سوا ❖ قرب ان کا قلب مضطر کی دوا
ان کی خدمت میں مرا پہنچا سلام ❖ اور دعا کی التجا کرنا مدام

حضرت شیخ ابا (حضرت شیخ الحدیثؒ) کی خدمت

اہلیہ کی عمر تیرہ سال تھی جب شادی ہوئی، حضرت شیخؒ کی توجہ، التفات، شفقتیں، محبتیں بہت زیادہ تھیں اور وہ اہلیہ کی خدمت سے بہت خوش ہوتے تھے، اہتمام سے ان کا سالن، پتلی چپاتی بناتیں، سلیقہ سے بھیجتیں، رمضان المبارک میں حضرت شیخؒ سموسہ شوق سے تناول فرماتے، اس وقت سموسہ کی پٹی جو بازار میں بنی بنائی ملتی ہے کوئی جانتا بھی نہیں تھا، اہلیہ خود بیل کر بناتیں، حضرت شیخؒ بہت پسند فرماتے، جب تک حضرت شیخؒ سہارنپور میں رہتے، اپنے گھر کاندھلہ جانے

کا ارادہ بھی نہ کرتیں، چاہے کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو، انہوں نے حضرت شیخؒ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ زبیر، شاہد سلمہما وغیرہ مستقل گھر میں آنے والے بچوں سے پردہ کروں کیا؟ حضرت نے فرمایا کہ جس طرح تو دوپٹہ اوڑھتی ہے وہ کافی ہے۔

شیخ الحدیثؒ کا التفات

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں بہن کی رخصتی تھی، وہ مکہ مکرمہ جارہی تھی (بھائی حشیم ناظم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ کی اہلیہ) تو اس وقت ایک دن کے لئے کاندھلہ گئیں، اس وقت گھر میں کسی اور نے سموسے بنائے، حضرت شیخ نے فرمایا کہ اہلیہ طلحہ کے ہاتھ کے نہیں ہیں، شادی کے تقریباً دو سال بعد گھر کا انتظام سنبھال لیا تھا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ گھر سے کبھی کچھ منگوایا جاتا، کبھی کچھ، تو مولوی نصیر (شیخ کے خادم) کو ناگواری ہوتی کہ ایک دفعہ میں سب کچھ کیوں نہیں منگاتے، رات میں جب مستورات حضرت شیخ کے پاس گئیں تو شیخ نے اہلیہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تو اتنا نہیں کرسکتی کہ جو سامان چاہئے وہ سب لکھ کر بھیج دیا کرے؛ تاکہ سب سامان اکٹھا آجاوے، تو اہلیہ نے کہہ دیا کہ جی میں کردوں گی، اس کے بعد سے رفتہ رفتہ سب کام سنبھال لیا تو حضرت شیخ اور اُن کی اہلیہ بہت خوش ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں روزانہ تین مرتبہ یاسین شریف پڑھتا ہوں، ایک اپنے مشائخ کو پہنچاتا ہوں، ایک خادموں کو اور ایک اپنے گھر والوں کو، تو دونوں میں آ گئی، خادموں میں بھی اور گھر والوں میں بھی اور وصال کے بعد بھی ہر بات میں رہبری فرماتے، اہلیہ کو کوئی مسئلہ ہے یا کوئی پریشانی ہے تو فوراً خواب میں آکر بتادیتے۔

ایک مرتبہ اہلیہ نے ''مظاہر حق'' منگا کر پڑھی تو خواب میں آکر فرمایا کہ خریدنے کی کیا ضرورت تھی، اوپر کمرے میں رکھی ہے وہ کیوں نہ لی؟ اور فرمایا کہ متن بھی تو پڑھا کر۔ پڑوسیوں کا بہت خیال رکھتیں، اگر کبھی کچھ دینے دلانے میں بھول ہوگئی تو حضرت یاددلاتے کہ فلاں کو نہیں بھیجا۔

حضرت شیخؒ کے مکتوبات

شادی کے بعد پہلا رمضان نظام الدین میں گزرا، تو حضرت شیخؒ نے اپیہ کو خط لکھا، تمہارے نظام الدین جانے سے بہت ہی خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ تمہیں وہاں کی برکتوں سے مالا مال کرے، اس کی بہت ہی کوشش کرنا کہ مولانا یوسف کی تقریر غور سے سننا، فضول باتوں میں وقت بالکل ضائع نہ کرنا، دوسرے درجہ میں مولانا یوسف کے مہمانوں کی جو خدمت بھی تم سے ہو سکے، آٹا گوندھنے والی کی چاہے مکھیاں ہی اڑانے یا اس کے آٹے میں پانی ڈالنے، غرض چھوٹے سے چھوٹے کام کو بہت ہی غنیمت سمجھنا، رشتہ دار بن کر کسی کام کو بالکل نہ کرنا، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان سمجھ کر ثواب کی نیت سے جو ہو سکے اسے غنیمت سمجھنا، رمضان میں لکھنا بہت مشکل ہے۔

دوسرا مکتوب گرامی؛ خواب بہت مبارک ہے، تعبیر کا محتاج نہیں، اللہ مبارک کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے، حضور کے نقش قدم بہت ہیں اگر وصول کیا جائے، اور غیر ارادی طور پر صوفی جی (حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم) کے پاس پہنچ جانا یہ بھی ظاہر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں ان پر غیر متوقع طور پر بہت برس رہی ہیں، اللہ مبارک کرے اور ان کو صحت قوت کے ساتھ تادیر زندہ رکھے اور لوگوں کو مستفیض فرمائے۔

ایک مکتوب میں فرمایا: نظام الدین کا قیام بہت اہم اور ضروری ہے، بشرطیکہ اسے وصول کیا جائے، فضول باتوں میں وقت نہ ضائع کرنا، غیبت نہ کسی کی کرنا نہ سننا، ہر آنے والی عورت سے تبلیغ کی بات ضرور بتلاتی رہنا، جب موقع مل جائے تبلیغ کی کوئی کتاب بجائے سنانے کے اس سے سننے کی کوشش کرنا، باہر کی آنے والیاں تم سب کو ویسا دیکھنا چاہیں (جیسا انہوں نے ہمارے گھر کی خواتین کے بارے میں سن رکھا ہے) جیسا کہ میری غلطی کی وجہ سے علی میاںؒ نے چچا جان اور عزیز یوسف کی سوانح میں اپنی بڑیوں کے حالات لکھے ہیں (اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت

مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ کے گھرانے کی خواتین کے وہ حالات حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کی سوانح حیات میں تحریر کردئے تھے جو انہوں نے براہ راست حضرت شیخ سے سنے تھے، اس خط میں حضرت شیخ تواضعاً اَفسوس کا اظہار کررہے ہیں کہ میں نے وہ حالات علی میاں کو بتائے اور انہوں نے کتاب میں لکھ دئے۔) عورتوں کو یہ سمجھانا کہ جن کے یہ حالات ہیں وہ مرگئیں، اور نئی پود کو اس کا کچھ حصہ ملا نہیں، بہت مشکل ہورہا ہے، یہاں بھی ایک عورت بمبئی کی اس کا خط آیا، ایک دو ماہ تمہارے گھر رہ کر ان فرشتوں کی زندگی دیکھنا چاہوں جوان دو کتابوں میں پڑھی، اس کو تو میں نے لکھ دیا کہ جن کے حالات تم نے پڑھے وہ سب مرگئیں، مگر اس جواب سے شرم بہت آئی، کچھ نہ کچھ نمونہ تو بڑیوں کا گھر میں رہتا تو اچھا تھا، چچا جان کی سوانح عزیز یوسف کی سوانح امی بی اور ہارون کی دادی کے حالات اپنے یہاں سننے سنانے کا دستور رکھیو۔

حضرت شیخ یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت

حضرت شیخ ابا کی حیاتِ مبارکہ میں حضرت شیخ یونس صاحبؒ ان کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے، حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد سے اپیہ نے ان کا کھانا مدرسہ بھیجنا شروع کیا، اور شیخ یونس صاحبؒ چونکہ بہت نفاست پسند تھے، تو ان کے کھانے کا بہت ہی اہتمام کرتی تھیں، چھوٹے چھوٹے گرم ڈونگے (Hot Pot) ان کے لئے منگا کر رکھے ہوئے تھے، کھانا خود بناتیں، ان کے ذوق کی مکمل رعایت کرتیں، ان کا سالن اور دال علیحدہ بناتیں، کبھی سالن کے چمچہ کو دال کی ہانڈی میں نہیں ڈالتیں، کہ اس سے ان کی طبیعت میں گرانی ہوگی، مدرسہ کی چھٹی کے فوراً بعد بھیجتیں، چھوٹے چھوٹے پھلکے ان کے لئے بنتے، اہتمام سے ڈھانک کر بھیجتیں، شیخ یونس صاحبؒ اکثر کچے گھر آتے رہتے، اور گھر میں پردہ کرا کر اپیہ پر دم کر کے جاتے۔

مرض الوفات

بیس پچیس سال سے گردے کے مرض میں مبتلا تھیں، مگر صابر و شاکر رہتیں، تین سال قبل

طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تھی، تو میرٹھ کے آنند اسپتال کا علاج شروع ہوا، گردوں کا اثر پھیپھڑوں پر بھی آ گیا تھا اور دل بھی اس سے متاثر تھا، تو مستقل طور پر آکسیجن مشین لگانی پڑی، کئی مرتبہ ایڈمٹ بھی کرنا پڑا، ہفتہ عشرہ رہ کر طبیعت سنبھل جاتی تو گھر لے آتے، اخیر شعبان سے ٹانگوں پر ورم بہت بڑھ گیا تھا، چار رمضان المبارک گزار کر پانچ کی شب میں اسپتال لے جانا تجویز ہوا، کئی روز سے کھانا وغیرہ بالکل چھوڑ دیا تھا، رغبت نہیں ہوتی تھی، خیال تھا کہ صحیح علاج ہو کر طبیعت بحال ہوگی، مگر اللہ کی طرف سے کچھ اور ہی طے ہو چکا تھا، علاج سے اور زیادہ طبیعت بگڑ گئی، چوبیس گھنٹے سہارنپور کے اسپتال میں رہ کر میرٹھ لے گئے، ایک دن میرٹھ میں رہیں، مگر کچھ فائدہ محسوس نہیں ہوا، تو دہلی لے گئے (PSRI) اسپتال میں پندرہ دن علاج چلا، ہفتہ میں کئی بار ڈائی لیسز ہوتی مگر پھر کمزوری بڑھ جاتی، کچھ خاص فرق محسوس نہیں ہوا، تو واپس میرٹھ لے آئے، اس لئے کہ دہلی کے اسپتال میں پابندیاں زیادہ تھیں، اور انہیں اکیلے رہنے میں پریشانی تھی، ویسے ہوش حواس اخیر تک درست رہے، مگر کمزوری بے حد تھی، بلڈ پریشر بہت لو تھا، مگر سحری، افطاری، تراویح سب کچھ پوچھتی رہیں، سب طرح کی بات کرتی رہیں، اسی طرح رمضان بھی گزر گئے، عید بھی اور اس دن دوا چائے وغیرہ سب پی، عیدی دینے کا بھی ذکر آیا اور ہنستی رہیں، اور باتوں کا جواب دیتی رہیں، کلمۂ شہادت زور سے پڑھتی رہیں جو کہ اکثر ہی پڑھتی رہتی تھیں، دو سیکنڈ بھی نہیں لگے کہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعون**

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِيْ إِلىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ. وَادْخُلِيْ جَنَّتِي﴾

جاتے ہوئے کہتی ہیں قیامت کو ملیں گے
کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور؟

سب دیکھتے رہ گئے کہ ابھی تو باتیں کر رہی تھیں، خوش ہو رہی تھیں، ایک دم سے خاموش ہوگئیں۔

اپنے لئے تو الحمدللہ خوب کر کے لے گئیں، دو سال قبل اپنی زندگی سے کچھ ناامید سی ہوگئی تھیں تو چھوٹے بھائی بدرالحسن سے کہا کہ میں نے کچھ رقم جمع کی تھی کہ مدینہ منورہ میں گھر لوں گی، مگر اب تو شاید نصیب میں نہیں ہے، اپنی زندگی میں ہی اپنے بھائی بدرالحسن کے ذریعہ ایک چھوٹی سی مسجد کاندھلہ روڈ پر بنوائی، مسجد عائشہ کے نام سے، ان کے نام کے ساتھ عائشہ نام لگتا تھا، ویسے بھی وہ غریبوں، یتیموں، مسکینوں کی چپکے چپکے بہت مدد کرتی تھیں۔

بشارتیں

رمضان المبارک میں جب اسپتال میں تھیں تو کسی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے کاندھلے کے گھر میں حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا بیمار ہیں، خواب دیکھنے والے صاحب نے بڑے بھائی مولانا نورالحسن راشد صاحب کو فون کر کے پوچھا کہ آپ کے گھر میں کون بیمار ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ بڑی بہن بیمار ہیں، تب انہوں نے خواب سنایا، انتقال پر بھی عجیب عجیب باتیں پیش آئیں۔ ہمارے والد صاحب مدظلہ العالی کافی سالوں سے صاحب فراش ہیں، اس روز تہجد میں اٹھے تو فرمایا کہ اس کا انتقال ہوگیا، اس پر خدام پریشان ہوگئے اور کہہ رہے کہ وہ تو حیات ہیں، مگر والد صاحب نہ مانے اور قبر تیار کرنے کو فرمایا، اور میری والدہ کی قبر کے برابر میں نشان بھی بتادیا، پھر گھر آکر نماز سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام فرمایا، نو بجے کے قریب جاگے تو پھر فرمایا کہ دیکھو قبر تیار ہوگئی یا نہیں، اور بدر سے کہنا کہ رات میں مہمان زیادہ ہوں گے، کھانا زیادہ بنوانا، پھر فرمایا کہ حضرت شیخ تشریف لے آئے اور امی بی آگئیں، انہیں کہاں بٹھایا (امی بی والد صاحب کی دادی کو کہتے ہیں)۔

اسی رات میں بڑے بھائی جان کو زیارت ہوئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کاندھلے کے گھر میں تشریف فرما ہیں، اپیہ انتقال کے بعد بھی سب کو خواب میں بہت اچھے انداز میں نظر آرہی ہیں، کبھی ریاض الجنہ میں، کبھی حرم مکہ میں، وہ تو ان شاء اللہ بہت ہی مزے سے ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اور ہمارے بچوں کو ان کے جیسے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں

ان کا نعم البدل عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

ان کی ایک ڈائری جو ہمیشہ سب سے چھپا کر رکھتی تھیں، اس میں تقریباً چالیس خواب ایسے ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہے، ایک بار مسجد نبوی میں درود شریف پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی، ان دنوں سینے میں بہت تکلیف تھی، خواب میں ہلکی سی جھلک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھی کہ آپ نے دم کرنے کا اشارہ کیا، میں آگے کو جھکی تو آپ نے میرے چہرے اور سینہ پر دم کیا، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری کمر پر بھی دم کر دیں، آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں سے دم کرالے یا ان سے (پیر صاحب سے) پھر میری آنکھ کھل گئی تو تکلیف دور ہوگئی تھی۔

اہلیہ نے وفات سے تقریباً دوڈھائی ماہ پہلے خواب دیکھا کہ حرم نبوی میں اقدام عالیہ میں کھڑی ہیں اور خود بہت چھوٹی سی بچی ہیں تو بہت زار و قطار رو رہی ہیں، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: بیٹا کیا ہوا؟ اہلیہ نے کہا: یا رسول اللہ! بہت بیمار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہو جاؤ گی۔

اٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں
روئیے کس کے لئے کس کس کا ماتم کیجیے

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۱۸ء)

ایک باکمال شخصیت

(بیاد: حضرت الاستاذ مولانا عبدالرشید بستویؒ)

مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری صدر المدرسین واُستاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

اُستاذِ محترم حضرت مولانا عبدالرشید صاحب بستوی علیہ الرحمہ ۱۶؍صفر المظفر ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۵؍اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز جمعرات کو اَچانک داغ مفارقت دے گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ باری تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، اور پسماندگان ومتعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

حضرت الاستاذ کی ناگہانی خبر رحلت نے دل ودماغ کو غیر معمولی طور پر متأثر کردیا، وہاٹس اَیپ پر یہ اَفسوس ناک خبر پڑھنے کے بعد کچھ دیر تک تو یقین ہی نہ آیا، پھر جب ہر طرف سے تسلسل کے ساتھ خبر آنے لگی تو یقین کرنا ہی پڑا۔

حضرت الاستاذ سے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں عربی اَدب کے سال اگرچہ چند مہینے ہی اسالیب الانشاء پڑھنے اور عربی زبان واَدب کی تمرین کا موقع ملا؛ لیکن سب ساتھیوں کا یہ تأثر رہا کہ اِس دوران جو سیکھ لیا گیا، وہ ایسا قیمتی سرمایہ تھا جو تاعمر کام آتا رہے گا۔

سچی بات یہ ہے کہ آج تک آپ کا اچھوتا اندازِ درس، ٹکسالی ترجمہ، ہر ہر لفظ کی دلنشیں تحقیق وتشریح کا طریقہ اور اَسالیب الانشاء کی لغات لکھانے کا طرز (عربی اَلفاظ وکلمات کا ترجمہ اُردو کے ساتھ ساتھ مرادف وسہل عربی الفاظ میں) ذہن ودماغ پر ایسا نقش ہے کہ مٹائے نہیں مٹ سکتا۔

ایک ایک اُردو جملے کو مختلف اُسلوب میں عربی کا جامہ پہنانا، تمرین کی کاپی چیک کرتے وقت یا جملے سنتے وقت مخصوص انداز میں حوصلہ افزائی کے کلمات کہنا، بلا ناغہ اور پابندی وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے بھرپور تیاری کے ساتھ درس گاہ میں تشریف لانا اور پھر زبان و بیان، اَدب وانشاء کے جواہر پارے، عربی اُردو محاورات اور فصیح وبلیغ تعبیرات کو ذکر کرنا، اور اپنے ساتھ لائی ہوئی کاپی سے لکھوانا؛ وہ یادیں ہیں جو کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں۔

کاپیوں میں حضرت الاستاذ نے اُس وقت جو لکھوادیا تھا، آج بھی درس کے وقت اُس پر ایک نگاہ ڈال لینا انتہائی مفید معلوم ہوتا ہے۔

آپ انتہائی جید الاستعداد، وسیع العلم، کثیر المطالعہ اور علمی اعتبار سے نہایت اعلیٰ ذوق کے حامل تھے۔ عربی زبان میں ادیبانہ شان رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کو فارسی اور اُردو اَدب میں بھی عبور حاصل تھا، خاص طور پر ترجمہ نگاری میں آپ کا ثانی بآسانی دستیاب نہیں ہوسکتا۔

آپ کے درس کا کمال یہ تھا کہ اُس میں شمولیت کے بعد عربی اور اُردو دونوں زبانوں کے اَدب سے یکساں طور پر واقفیت ہوتی تھی، جملوں کی صحیح ساخت وبناوٹ، تعبیرات ومحاورات، اور اَمثلہ وحکم کو استعمال کرنے کے مواقع معلوم ہوتے تھے۔ وہ عربی عبارات کے اُردو ترجمے کو بھی بہت اہمیت کے ساتھ سمجھاتے تھے، اور پھر اُسے توجہ سے سنتے بھی تھے، معمولی سی غلطی بھی ہوتی تو اُس کو ٹھیک کرواتے یا کاپی میں اصلاح فرماتے۔ اُن کا یہ انداز طلبہ میں خود اعتمادی پیدا کردیا کرتا تھا، اور کچھ ہی دنوں میں عبارات کو از خود حل کرنے کی اور کسی بھی عنوان پر مضمون لکھنے کی صلاحیت پیدا ہوجایا کرتی تھی۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں جانے والے میں

دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی کے بعد فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری نوراللہ مرقدہٗ کی نظرِ رسا اور غایت شفقت نے آپ کو اپنی طرف مائل کیا، اور مکمل آزادی کے ساتھ تحقیق وتعلیق، تدریس وتصنیف کے اُس ماحول میں کام کرنے کا موقع فراہم کیا، جو

مولانا مرحوم کے مزاج سے ہم آہنگ تھا، مولانا نے بھی ہر میدان میں اپنے جوہر خوب دکھائے، معہد انور سے وابستہ ہو کر مختلف علمی و تحقیقی کارہائے نمایاں انجام دیتے ہوئے منصب تدریس وحدیث کو زینت بخشی اور مدرسہ کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا؛ تا آں کہ مدرسہ میں ایک قابل قدر مقام کے حامل ہو گئے۔

قدردانی کے اِس سلسلہ کو اپنے والد بزرگوار کی طرح جامعۃ الامام محمد انور شاہؒ کے موجودہ مؤقر مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری دامت برکاتہم نے باحسن وجوہ جاری رکھا، اور مولانا بھی پوری دلچسپی، تندہی اور کھلے پن کے ساتھ اُمور مفوضہ کو انجام دیتے ہوئے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنی آخری منزل کی جانب روانہ ہوئے، اور کاشانۂ اَنوری میں ہمیشہ کے لئے آسودۂ خواب ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

باری تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، اور موصوف کی خدمات کا اپنی شانِ عالی کے مطابق بدلہ مرحمت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۹ء)

حضرت مولانا سمیع الحق حقانیؒ کی اَلمناک شہادت

جمعیۃ علماء اِسلام پاکستان (س) کے اَمیر اور دارالعلوم حقانیہ اَکوڑہ خٹک کے سربراہ، بزرگ عالم دین، شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب حقانیؒ کو گذشتہ ۲۴؍صفر المظفر ۱۴۴۰ھ مطابق ۲؍نومبر ۲۰۱۸ء بروز جمعہ بعد نمازِ عصر راولپنڈی میں موصوف کی ذاتی رہائش گاہ میں نامعلوم قاتلوں نے چھریوں سے حملہ کرکے شہید کردیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن سہ پہر ساڑھے تین بجے ''نوشہرہ'' میں کئی لاکھ اَفراد نے آپ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور ''اکوڑہ خٹک'' میں آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا سمیع الحق صاحبؒ پاکستانی علماء میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے، دینی غیرت وحمیت، اِسلام کی سربلندی، علومِ دینیہ کی نشر واِشاعت اور فکری رہنمائی کے بارے میں آپ کی خدمات برابر یادرکھی جائیں گی۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (جو پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کا مثیل مدرسہ سمجھا جاتا ہے) جیسے مرکزی اِدارہ کی کامیاب قیادت کے ساتھ ساتھ آپ نے جمعیۃ علماء اِسلام، متحدہ مجلس عمل اور دفاعِ پاکستان کونسل کے پلیٹ فارم سے ملک وقوم کے لئے عظیم خدمات انجام دیں، اور ۱۸؍سال تک پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے۔

روسی استعمار کے خلاف افغانستان کے جہاد میں اور اس کے بعد طالبان کی تائید میں آپ کا شمار مرکزی کردار اَدا کرنے والی شخصیات میں ہوتا ہے؛ بلکہ مغربی میڈیا نے آپ کو ''بابائے طالبان'' کے نام سے مشہور کررکھا تھا۔

اِن تمام گوناگوں مصروفیات اور علم کش مشغولیات کے ساتھ ساتھ آپ کا قلم بھی آخر دم

تک رواں دواں رہا، عرصۂ دراز تک آپ ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک کے مدیرِاعلیٰ رہے، اور اس کے ذریعہ سے احقاقِ حق، اِبطالِ باطل اور فکری سلامت روی کا درس دیتے رہے، دسیوں مفید کتابوں کی تصنیف وتالیف کا کام بھی آپ نے انجام دیا۔

آپ نے اپنے اَکابر اور ہم عصروں سے رابطہ مضبوط رکھا، اور اُن سے مکاتبت کرتے رہے؛ تاآنکہ وہ رفتہ رفتہ اتنا بڑا ذخیرہ بن گیا کہ ''مشاہیر کے خطوط'' کے نام سے دس ضخیم جلدوں میں اس کی اشاعت ہوئی، جو بلاشبہ ایک محیر العقول کارنامہ ہے۔ علاوہ اَزیں دورِ طالب علمی سے آپ نے اپنی ڈائری اور روزنامچہ لکھنے کا اہتمام کیا تھا، جس کی قسط وار ''الحق'' میں اِشاعت ہوئی اور انتہائی نادر اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہونے کی بنا پر اس کی بڑی پذیرائی ہوئی۔

مزید برآں آپ نے تدریس حدیث شریف کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اور ہزار ہا ہزار طالبانِ علومِ نبوت نے آپ سے تلمذ کا شرف حاصل کیا۔

دسمبر ۱۹۳۷ء میں آپ کی ولادت ہوئی، تعلیم وتربیت اپنے نامی گرامی والد ماجد حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی نگرانی میں رہ کر جامعہ حقانیہ میں حاصل کی، اور بعد میں آپ نے اپنے والد ماجد کی جانشینی کا پورا حق اَدا کیا، اور سلف صالحین کی روایات کو برقرار رکھا۔ وفات سے دو دن قبل تحفظ ناموس رسالت کے بارے میں آپ کی بے باکانہ تقریر آپ کے دلی جذبات اور غیرت وحمیت کی آئینہ دار تھی۔ افسوس کہ دو ہی دن بعد بے رحم اور سفاک قاتلوں نے اِس عظیم قائد کے ناحق خون سے اپنے ہاتھ رنگین کر لئے، اور اُمت ایک مردِ حق نواز سے محروم ہوگئی۔

ہم حضرت کے جانشین جناب مولانا حامد الحق حقانی مدظلہ کے توسط سے متعلقین کی خدمت میں تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم شہید کے درجات بے حد بلند فرمائیں، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۸ء)

حضرت مولانا محمد اسرار الحق صاحب قاسمیؒ

مشہور و معروف قومی و ملی رہنما، جذبۂ خدمت سے سرشار بابصیرت قائد، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین، ممبر پارلیمنٹ حضرت مولانا محمد اَسرار الحق صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ گذشتہ ۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۸؍ دسمبر ۲۰۱۸ء بروز جمعہ صبح ساڑھے تین بجے حرکتِ قلب بند ہونے سے کشن گنج میں اچانک انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی روز بعد نماز جمعہ ہزار ہا ہزار عوام وخواص کی موجودگی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور وطن مالوف ''تارا باری'' ضلع کشن گنج کے عام قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا موصوف کو گوناگوں خوبیوں اور عظیم دینی، ملی اور سماجی خدمات کی بنا پر تادیر یاد رکھا جائے گا، آپ نے ایک کوردہ دیہات اور ایک عام گھرانے سے ترقی کی منازل طے کرکے اعلیٰ عہدوں تک رسائی حاصل کرنے کے باوجود سادگی، شرافت اور قومی وملی بے لوث خدمت کے جواَن مٹ نقوش چھوڑے ہیں، اُنہیں آسانی سے بھلایا نہ جاسکے گا۔

بلاشبہ آپ اپنے بزرگوں کے سچے وارث اور معتدل مزاجی میں اپنے اکابر کے نظریہ سے پوری طرح ہم آہنگ تھے، آپ نے تقریر وتحریر میں احتیاط کا دامن ہمیشہ مضبوطی سے تھامے رکھا، زندگی میں بڑے بڑے نشیب وفراز آئے؛ لیکن آپ نے حدود سے تجاوز کرنا گوارا نہ کیا، اور نازک موڑ پر بھی آپ حیرت انگیز طور پر پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہے۔ آپ نے اجتماعی زندگی میں تقابل وتنافس کے بجائے عمل اور صرف عمل کو اپنا مشن بنایا، اور اپنے وقت اور صلاحیت کو ضائع کئے بغیر جادۂ منزل کی طرف رواں دواں رہے، اِس دانش مندانہ حکمت عملی کا نتیجہ یہ نکلا

کہ رفتہ رفتہ آپ کی مقبولیت ومحبوبیت میں اِضافہ ہونے لگا اور ہر حلقہ کی طرف سے آپ کو پذیرائی ملنے لگی۔

اِس سلسلہ میں آپ کا ایک اہم ملفوظ یاد رکھنے کے قابل ہے، جناب نور اللہ جاوید صاحب لکھتے ہیں: ''مولانا سے میں نے خود ایک بار پوچھا تھا کہ جمعیۃ علماء کے لئے آپ نے قربانیاں دیں، اپنی جوانی جھونک دی اور وہاں سے آپ کو علیحدہ ہونا پڑا، اِس کے باوجود اَب آپ دوبارہ اُن کے پروگراموں میں جارہے ہیں؟......

اِس سوال پر مولانا پہلے مسکرائے اور اُس کے بعد کہا کہ:

''جمعیۃ علماء نے مجھے بھی بہت کچھ دیا ہے، میں تو دیوبند سے فراغت کے بعد بہار میں ایک مدرسہ میں مدرس ہوگیا تھا، یہ تو مولانا اسعد مدنیؒ کا حسن انتخاب تھا کہ مجھے وہاں سے اُٹھا کر جمعیۃ علماء جیسی تاریخی اِدارے کا ناظم عمومی بنادیا اور میں پورے ہندوستان میں متعارف ہوگیا، نہ معلوم کتنے باصلاحیت اور خوبیوں کے مالک افراد پلیٹ فارم نہیں ملنے کی وجہ سے گمنامی میں زندگی گذار کر چلے جاتے ہیں''۔

اِس کے بعد مولانا نے بہت ہی قیمتی بات کہی کہ:

''عزیزم! زندگی میں بے شمار مرتبہ نازک ترین لمحے آتے ہیں اور آتے رہیں گے، مگر ان لمحوں میں کسی کو کبھی بھی شائستگی وتہذیب اور اقدار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے، اور جو لوگ یہ کرتے ہیں وہ ہمیشہ سرخ رو ہوتے ہیں''۔ (بشکریہ: ہمارا سماج پٹنہ ۲۰۱۸/۱۲/۸ء)

بلاشبہ یہ جملے آپ کی سلامت روی اور سنجیدگی کی روشن دلیل ہیں۔

آپ دو مرتبہ کشن گنج حلقہ سے کانگریس پارٹی کے ٹکٹ پر پارلیمنٹ کے ممبر بنے اور ہندو اور مسلم عوام میں یکساں طور پر مقبول رہے، پارلیمنٹ کے اندر اہم موضوعات پر آپ کی گفتگو بہت ہی جامع اور مدلل ہوتی تھی۔ علاوہ اَزیں ملک وبیرونِ ملک کے اہم پروگراموں میں آپ کو مدعو کیا جاتا اور آپ کے مؤثر اور ناصحانہ بیانات سے عوام وخواص خوب خوب فیض یاب ہوتے تھے۔

اِسی طرح آپ نے عرصۂ دراز سے اُردو اخبارات کے لئے ہفتہ واری کالم لکھنے کا معمول بنایا تھا۔ زبان بہت شستہ اور صاف تھی، اور گفتگو دلیلوں سے پر ہوتی تھی، مختلف سلگتے ہوئے دینی، سیاسی اور سماجی موضوعات پر آپ کی تحریریں ملک کے سنجیدہ حلقوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی تھیں۔

''ماہنامہ ندائے شاہی'' سے آپ کو خاص اُنس تھا، اس کا پابندی سے مطالعہ فرماتے، اور اپنے مضامین اہتمام کے ساتھ اِرسال فرمایا کرتے تھے، اور ملاقات ہونے پر رسالہ کے بارے میں اچھے تأثرات کا اِظہار فرماتے تھے۔

آپ محض ایک قائد ہی نہیں؛ بلکہ سلوک ومعروفت کے رمز شناس بھی تھے، اولاً فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بیعت وارشاد کی اجازت سے نوازا، اور بعد میں عارف باللہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم نے اجازت مرحمت فرمائی۔

ناکارہ مرتب سے بھی خصوصی لگاؤ رکھتے تھے، اگر کسی پروگرام میں ساتھ ہوجاتا تو ملاقات پر انتہائی مسرت اور خوشی کا اظہار فرماتے، اور خوردنوازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے حد حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تو احقر کا درودشریف والا رسالہ ''مسک الختام'' جیب سے نکالا اور فرمایا کہ: ''یہ میرے معمولات میں داخل ہے، اور عمرے کے سفر میں مدینہ منورہ میں اسے پڑھتا رہا تو تمہاری بہت یاد آتی رہی''۔ بلاشبہ یہ اعلیٰ ظرفی کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔

حضرت موصوف کی پیدائش ۱۹۴۲ء میں ہوئی، اور ۱۹۶۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ فراغت کے بعد چند سال ایک مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے حکم وایماء پر جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر مسجد عبدالنبی دہلی منتقل ہوگئے، اور اولاً ناظم اور بعد ازاں ناظم عمومی کے عہدے پر رہتے ہوئے

۱۹۹۱ء تک گراں قدر خدمات انجام دیں۔ جمعیۃ کے اجلاس ہائے عام اور مجالس عاملہ ومنتظمہ کی کارروائیاں لکھنے اور مرتب کرنے میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

علاوہ ازیں آپ نے حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کی رفاقت میں ملی کونسل کو مضبوط بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ پھر علاقائی تعلیمی پسماندگی دیکھتے ہوئے آپ نے ''آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن'' قائم کی، جس کے تحت متعدد دینی وعصری ادارے ملک کے مختلف حصوں میں قائم فرمائے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

وفات سے قبل رات میں آپ ایک تعلیمی پروگرام میں شرکت اور خطاب کرکے آئے تھے کہ وقت موعود آپہنچا، اور ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ''اَب ہم اللہ کے پاس جارہے ہیں، کہاسنا معاف کرنا''۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، اور اُمت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۹ء)

قوم وملت کے عظیم محسن ورہنما

مولانا نوشیر احمد قاسمی خادم حضرت مولانا محمد اسرارالحق صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہٗ

سیاسی اور ملی قیادت کے موجودہ منظرنامے پر جن شخصیات کو اپنی سماجی، تعلیمی اور مذہبی خدمات کی بدولت ہر طبقے کا اعتبار حاصل تھا، ان میں حضرت مولانا محمد اسرارالحق قاسمی کا نام نمایاں تھا۔ ان کی خدمات کا سلسلہ ہر اس طبقے سے جڑا ہوا تھا جو معاشی، تعلیمی اور سماجی طور پر پچھڑا ہوا ہے۔ انھوں نے ان طبقات کی فلاح و بہبود کے لئے کام کیا جو سماج میں حاشیائی حیثیت کے حامل ہیں۔ حضرت نے بڑی خاموشی کے ساتھ ان طبقات کی زندگی کے معیار کو بلند کرنے اور انھیں زیورِ علم سے آراستہ کرنے کی کوشش کی۔ خاص طور پر انھوں نے ان دورافتادہ علاقوں کو اپنا میدانِ عمل بنایا، جہاں علم اور تہذیب و دانش کی روشنی آزادی کے بعد بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ روشن اور تابناک علاقوں کو سجانا سنوارنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا کہ تاریک اور اندھیرے علاقوں کو روشن کرنا۔ مولانا نے اس سمت میں سوچ کر یقیناً ایک ایسا کارنامہ انجام دیا، جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور نہ ہی ان علاقوں کے عوام انھیں بھول سکتے ہیں۔ جن کے نصیب میں محرومیاں، تاریکیاں ہی لکھی ہوئی تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت کو اپنے علاقے میں غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی اور لوگ انھیں ایم پی صاحب کہنے کے بجائے حضرت صاحب ہی کہتے تھے، خاص طور پر خواتین کے درمیان حضرت کا غیر معمولی احترام تھا اور الیکشن کے دنوں میں وہ مولانا کی کامیابی کے لئے روزے بھی رکھتی تھیں، حضرت کے جنازے میں جہاں دور دور سے لوگوں نے شرکت کی وہیں خواتین کی بہت بڑی تعداد بھی اظہارِ غم کرتے ہوئے اکٹھا ہوئیں۔

مولانا کی شخصیت بین الاقوامی سطح پر بھی متعارف ہے اور ان کی فعال قیادت کو صرف برصغیر نہیں، بلکہ برطانیہ اور دیگر ممالک کے باشعور لوگ بھی تسلیم کرتے اور خراجِ تحسین پیش کرتے تھے۔ان کی شخصیت کسی ایک دائرے میں قید نہیں تھی، بلکہ انھوں نے مختلف محاذ پر اپنی فعالیت کا ثبوت دیا اور اپنی شخصیت کے تحرک سے مسلم قیادت کو بھی ایک مثالی نمونہ پیش کیا۔

مولانا کو عملی طور پر میدانِ سیاست میں قدم رکھنے سے قبل ہی مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا اندازہ ہوگیا تھا،اسی لئے نامساعد حالات کے باوجود بھی انھوں نے ایک ایسے ادارے کی بنیاد ڈالی،جس نے آگے چل کر ایک تحریک اور مشن کی شکل اختیار کر لی۔

آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن مولانا کے خوابوں کی وہ تعبیر ہے،جس نے بہت سے پژمردہ آنکھوں میں مستقبل کے خواب روشن کر دیے اور اسی ادارے کی وجہ سے بہت سے وہ افراد بھی تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کر رہے ہیں جو معمولی تعلیم کا بھی تصور نہیں کر سکتے تھے۔

آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن نے روز بروز اپنے دائرۂ کار کو وسعت دے کر ان علاقوں کو بھی اپنی تعلیمی بیداری مہم میں شامل کیا جہاں سرکاری سطح پر تعلیم اور تدریس کے انتظامات نہیں تھے۔اس طرح مولانا نے اپنے فاؤنڈیشن کے ذریعے تعلیم کی روشنی ان پسماندہ علاقوں تک بھی پہنچائی جہاں آزادی کی نصف صدی کے بعد بھی تاریکی ہی تاریکی تھی۔

حضرت نے باضابطہ میدان سیاست میں سرگرم ہونے کے بعد بھی اپنے تعلیمی مشن کو ترک نہیں کیا، بلکہ اس کے دائرے کو اور وسعت دینے کے لئے انھوں نے بھرپور کوشش کی اور آج اللہ کا فضل ہے کہ اس تعلیمی مشن کی وجہ سے طلباء اور طالبات عصری اور دینی علوم سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔کشن گنج میں ملی گرلس اسکول اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، جہاں تقریباً ۵۰۰ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں،جنہیں دینی ماحول میں عصری تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ملک کے چار صوبوں جھارکھنڈ، مغربی بنگال، بہار اور یوپی کی غریب وخستہ

حال مسلم بستیوں میں سیکڑوں مکاتب قائم کیے،جن میں ہزاروں طلبہ و طالبات زیرِ تعلیم ہیں،غازی آباد،مغربی بنگال اور کشن گنج میں درجۂ حفظ کے مدرسے قائم کیے جہاں سیکڑوں غریب طلبا کو مفت طعام و قیام کی سہولیات میسر ہیں۔

فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام مولانا نے ملک کے مختلف پسماندہ علاقوں میں تین سو سے زائد مساجد بھی تعمیر کروائیں۔مولانا کی تعلیمی جدوجہد کا ایک اور کارنامہ ملک کے سب سے زیادہ پسماندہ ضلع کشن گنج میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی شاخ کا قیام ہے۔اس کے لئے سخت جدوجہد سے کام لیا،بہت سے لوگوں نے سیاسی وجوہات کی بنا پر آپس میں ہی انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی،مگر مولانا نے نہایت بصیرت اور دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف علاقے کے تمام مسلمانوں کو متحد کیا بلکہ اپنی ہی پارٹی کی حکومت کے خلاف مظاہرات کیے اور بالآخر حکومت نے ان کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے کشن گنج میں اے ایم یو شاخ قائم کیا۔

اسی طرح گذشتہ سال تین طلاق بل کے سلسلہ میں بھی حضرت نے زبردست دینی وملی غیرت وبصیرت کا مظاہرہ کیا اور لوک سبھا میں بل پاس ہو جانے کے بعد مولانا نے پارٹی کو دھمکی دی کہ اگر راجیہ سبھا میں بل کی مخالفت نہیں کی گئی تو وہ پارٹی سے استعفیٰ دے دیں گے۔مولانا کے اِس رویے کا پارٹی پر غیر معمولی اثر ہوا اور بالآخر کانگریس نے راجیہ سبھا میں پوری قوت سے اِس بل کی مخالفت کی،جس کے نتیجہ میں تین طلاق بل پاس نہیں ہو سکا۔

حضرت مولانا ۱۹۴۲ء میں موضع ٹپو ضلع کشن گنج بہار میں پیدا ہوئے،ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے مدارس میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۴ء میں ہندوستان کے مشہور دینی ادارہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ دورانِ تعلیم مولانا ہمیشہ ممتاز طالب علموں میں سر فہرست رہے۔

فراغت کے بعد ملی وسماجی کاموں میں پورے جوش و جذبہ کے ساتھ مشغول ہو گئے۔مولانا اپنی محنت،لگن اور اخلاص کی بدولت ہر محاذ پر نمایاں نظر آئے۔دینی،ملّی،سماجی

امور میں ان کی بے پناہ دلچسپی کی وجہ سے ہی جمعیۃ علماء ہند جیسی مقتدر تنظیم کے اکابرین نے جمعیۃ کے لئے ان کی خدمات حاصل کیں اور ایک طویل عرصہ تک جمعیۃ سے وابستہ رہتے ہوئے حضرت مولانا نے جمعیۃ کے دائرہ تعارف اور حلقۂ اثر کو وسعت عطا کی اور مختلف سطحوں پر ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جو جمعیۃ کی تاریخ کا روشن حصہ ہیں۔

مولانا نے ملت کی فلاح و بہبود اور رہنمائی کے تعلق سے سیاسی سطح پر بھی اہم خدمات انجام دیں، ملک کے مسلمانوں کی آواز کو پارلیمنٹ میں بلند کرنے کے لئے انہوں نے متعدد بار کشن گنج سے پارلیمانی انتخابات میں بھی حصہ لیا۔ ان کی ایمانداری، دیانت داری، لگن ومحنت اور کارہائے نمایاں کو دیکھتے ہوئے عوام نے محدود وسائل کے باوجود انہیں ۲۰۰۹ء کے عام انتخابات میں بڑی کامیابی سے ہم کنار کیا۔ پہلی مدت کار میں ان کی خدمات اور سماجی وسیاسی خدمات کو دیکھتے ہوئے ۲۰۱۴ء کے عام انتخابات میں، جب کہ بہار ہی نہیں، پورے ہندوستان میں کانگریس کو مجموعی طور پر بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا، ایسے میں مولانا نے تقریباً دولاکھ ووٹوں سے ریکارڈ کامیابی حاصل کی۔

مولانا موصوف واحد ایسے ممبر پارلیمنٹ تھے جو حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چل کر پوری جرأت وبے باکی کے ساتھ ملت کے مسائل کو پارلیمنٹ میں اٹھاتے تھے اور مسلمانوں کو درپیش مشکلات کے تئیں ہمہ وقت فکرمند رہتے تھے۔

ملی اتحاد اور قومی یکجہتی کے لئے حضرت کی طویل جدوجہد کے تابندہ نقوش عوامی ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ مولانا کی کوششوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو ہی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ ان کی قیادت سے برادرانِ وطن بھی فیضیاب ہوئے۔ ان کا ذہن مذہبی اور مسلکی تعصب سے پاک تھا۔ انھوں نے ہمیشہ انسانی جذبے، احترام آدمیت اور خدمت خلق کے تحت سیاسی اور سماجی قیادت کی ہے اور ان کی راہ میں کبھی مذہب یا مسلک حائل نہیں ہوا۔ انھوں نے ہر کام انسانی دردمندی وجذبے کے تحت کیا۔ ان کے اندر بے پناہ عجز وانکساری بھی تھی اور خلوص واستغنا بھی

تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستانی عوام کی نظر میں مولانا کو ہر دلعزیز رہنما کی حیثیت حاصل تھی۔

مولانا نے کبھی شرافت نفسی کا دامن نہیں چھوڑا، ہمیشہ سادگی وخلوص کا اعلی نمونہ پیش کیا، یہی وجہ ہے کہ نہ صرف آپ کے معاصر علمائے کرام آپ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ آپ کے سیاسی مخالفین بھی آپ کی قدر کرتے تھے۔ خود حضرت مولانا نے بھی کبھی کسی سیاسی مخالف کے خلاف طعن وتشنیع کی زبان استعمال نہیں کی، آپ نے ہمیشہ اپنے مخالفین کے سامنے بھی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ پیش کیا، یہ آپ کا ایسا وصف تھا جس کی ہر طبقے میں قدر کی جاتی تھی۔

اسی طرح شب وروز سیاسی وسماجی مصروفیات میں سرگرم رہنے کے باوجود آپ کی عملی زندگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا؛ چناں چہ آپ فرائض ونوافل کی پابندی کے ساتھ تاعمر تہجد کے بھی پابند رہے، بلکہ آخرشب میں بیدار ہوتے اور تہجد پڑھنے کے بعد کچھ دیر تلاوتِ قرآن کریم فرماتے پھر فجر کی نماز اول وقت میں پڑھ کر استراحت فرماتے تھے، ان کی وفات بھی اسی وقت ہوئی جب تہجد کے لئے بیدار ہوئے تھے اور وضو کے بعد نماز کی تیاری کر رہے تھے۔

حضرت مولانا نے ملک وملت کی خدمت کا ایک اور طریقہ یہ اختیار کیا تھا کہ انھوں نے اپنے قلم سے ملک ومعاشرے کی رہنمائی کی اور عوام کو بیدار کیا۔ تصنیفی محاذ پر مولانا مستقل سرگرم رہے اور مختلف سیاسی، سماجی اور اسلامی موضوعات پر انھوں نے نہ صرف ہندوستان کے مقتدر اخبارات میں مضامین اور کالم لکھے بلکہ کتابیں بھی تصنیف کیں اور ان کتابوں کو عوام وخواص دونوں حلقوں میں محبوبیت اور مقبولیت بھی نصیب ہوئی۔ ان کی کتابوں کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی کتابوں کے ترجمے انگریزی زبان کے علاوہ ہندی، گجراتی، مراٹھی اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں بھی شائع ہوئے۔

مولانا محمد اسرارالحق قاسمی سیاسی، سماجی اور تصنیفی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سلسلۂ تصوف وسلوک سے بھی وابستہ تھے اور فقیہ الاسلام حضرت مفتی شاہ مظفر حسین مظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ان کی وفات کے بعد انھوں نے نمونۂ سلف حضرت مولانا قمر الزماں الٰہ آبادی

کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ مولانا کو ان سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی کے اندر جو خاکساری وانکساری تھی وہ انہی پاک باز بزرگوں کی صحبتوں کا فیض تھا۔ وفات کے وقت حضرت کی عمر ۷۶ رسال تھی، پسماندگان میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ حضرت مولانا کی اچانک سانحۂ وفات ہندوستان ہی نہیں تمام اُمتِ مسلمہ کا عظیم خسارہ ہے، خاص طور پر ملک کے موجودہ ماحول میں آپ کے جیسے صاحب بصیرت قائد و رہنما کی مسلمانوں کو شدید ضرورت تھی، مگر ظاہر ہے کہ قضائے الٰہی کے مطابق ہر شخص کا ایک وقت مقرر ہے جس کی آمد کے بعد اسے اس دنیا کو خیر باد کہنا ہے؛ لہٰذا ہم اللہ عزوجل کے اس فیصلے پر راضی برضا ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی تمام حسنات کو قبول فرمائے اور لغزشوں سے درگذر کرتے ہوئے ان کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۹ء)

متفرقات:

مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی کو صدمہ

مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی مظفرنگری رفیق کتابت ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد کی والدہ ماجدہ مؤرخہ ۲۰؍شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ مطابق ۷؍مئی ۲۰۱۸ء بروز پیر رات ساڑھے دس بجے کے قریب اللہ کو پیاری ہوگئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ بڑی زاہدہ، متقیہ اور دینی فکر رکھنے والی خاتون تھیں، مرحومہ نے تقریباً ۳۹؍سال کا عرصہ بیوگی کی حالت میں گذارا، اور بڑی ہمت کے ساتھ اَولاد کی پرورش کی۔ الحمدللہ پانچ نرینہ اَولاد میں سے تین صاحب زادے (مولانا مفتی محمد نبی صاحب مہتمم دارالعلوم فیض عام پور قاضی، مولانا مفتی ابوجندل صاحب شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر اور مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی مدرسہ شاہی مرادآباد) عالم دین ہیں، اور دینی خدمات میں مشغول ہیں، جب کہ سب سے بڑے صاحب زادے (محمد ولی) حافظِ قرآن ہیں، اور اپنے کاروبار میں مشغول ہیں۔ اور پانچویں صاحب زادے (محمد ارشد) گھر پر رہ کر زمین کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائیں، اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ قارئین سے بھی اِیصالِ ثواب کی گذارش ہے۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۱۸ء)

حضرت مولانا محمد غزالی صاحب بھٹکلیؒ

موصوف تقریباً ۴۵؍سال سے مرکز نظام الدین دہلی سے وابستہ رہ کر دینی ودعوتی خدمات انجام دے رہے تھے، ۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ مطابق ۸؍جون ۲۰۱۸ء بروز جمعہ عین فجر کی اذان کے وقت ’’**اللّٰھم اغفرلي، اللّٰھم اغفرلي**‘‘ کہتے ہوئے رحلت فرماگئے، اناللہ

وانا الیہ راجعون۔ موصوف نہایت وضع دار خوش اخلاق نرم خو اور پیکر اخلاص ومروت بزرگ تھے، زندگی بھی شان دار گذاری اور موت بھی قابل رشک ہوئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۱۸ء)

مولانا مفتی بلال احمد صاحب ناظم مدرسہ ناصر العلوم کانٹھ مرادآباد

موصوف مؤرخہ ۱۵؍ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۹؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز اتوار ۲؍سال گردے کے عارضہ میں مبتلا رہ کر وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کا شمار علاقہ کے معروف اور بافیض علماء میں ہوتا تھا۔ تدریس اور وعظ واِصلاح کے ساتھ ساتھ ملی اور سماجی خدمات میں بھی پیش پیش رہتے تھے، محکمہ شرعیہ ضلع بجنور کے اہم رکن تھے، اور جمعیۃ علماء کے مخلص ذمہ داروں میں سے تھے۔ تقریباً ۶۰؍سال کی عمر پائی، آبائی وطن شیرکوٹ تھا، وہیں ہزاروں عوام وخواص نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، اور قدیم قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور دینی خدمات کا بہتر صلہ عطا فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۱۸ء)

حضرت مولانا سید جمیل احمد صاحبؒ چلکانہ سہارنپور

آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے، ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، آپ حضرت مولانا سید محمود حسن صاحب پٹھیڑوی خلیفہ حضرت مدنی کے چچازاد بھائی اور برادر نسبتی بھی تھے، حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مفتی مدرسہ شاہی کے ماموں خسر تھے، ان کا ۱۹؍محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۹؍ستمبر ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ کو وصال ہوگیا، پسماندگان میں چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۹ء)